ناول

مکمل ناول

افسانے

مارچ 2016

جلد 43 شمارہ 11

قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com
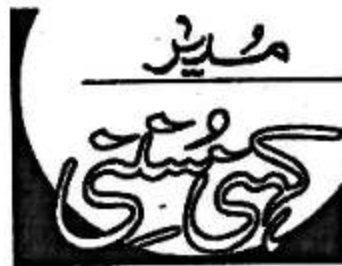
خواتین ڈائجسٹ کا مارچ کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔

انسانی معلوم تاریخ میں موجود کسی دانا بادشاہ کا قول ہے۔ کامیابی کی کنجی ہے صحیح وقت پر صحیح فیصلہ۔ اور یہ وہ حقیقت ہے کہ جو انسانوں کی انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ قوموں کی اجتماعی زندگی میں بھی فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہے۔

23 مارچ 1940ء برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ کا ایسا ہی فیصلہ کن موڑ تھا جس نے تاریخ کے دھارے بدل دیے۔ مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ آزاد وطن کا مطالبہ جو آگے چل کر پاکستان کے قیام کی بنیاد بنا۔ آزادی کے متوالوں نے ہر تعلق خاطر سے رشتہ توڑ کر نیا ملک بسایا تھا۔ آنکھوں میں بہت سے خواب تھے اور نیتیں صاف تھیں۔ یہ وہ دور تھا جب سیاست کاروبار نہیں تھی اور دلوں میں حب الوطنی کا جذبہ موجزن تھا لیکن وہ جذبہ جس عمل سے نسل در نسل منتقل ہونا تھا، وہ آگے نہ بڑھ سکا، معاشی ناہمواریوں نے اس تعمیری اور مثبت انداز فکر کو ابھرنے ہی نہ دیا۔ فہم و ادراک کے چراغ روشن نہ ہو سکے۔ منفی جذبوں کو ہوا دی گئی جس نے منافرت کی فضا کو جنم دیا۔ اور مثبت قوتیں پسپا ہوتی گئیں۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ ایک بار پھر امید کے چراغ فروزاں ہوتے ہیں۔ بہتری کے آثار نمودار ہو رہے ہیں۔ دعا کریں کہ یہ کوششیں بار آور ہوں اور ملک میں امن اور خوش حالی آئے۔ آمین۔

<u>مصنفین سے درخواست،</u>

اپریل کا شمارہ سالگرہ نمبر ہوگا۔ مصنفین سے درخواست ہے اپنی تحریریں جلد از جلد بھجوا دیں تاکہ سالگرہ نمبر میں شامل ہو سکیں۔

<u>قارئین سے سروے،</u>

ہماری قارئین بے حد ذہین اور باصلاحیت ہیں۔ ہر ماہ جو خطوط ہمیں موصول ہوتے ہیں، انہیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ بیشتر قارئین بہت عمدہ تخلیقی صلاحیت رکھتی ہیں۔ ان کی صلاحیتوں کو سامنے لانے کے لیے ہم ہر اہم موقع پر اپنی قارئین سے سروے کرتے ہیں۔

اس بار بھی سالگرہ نمبر میں سروے شامل ہوگا۔ اس کے سوالات یہ ہیں۔

1. ادارہ خواتین ڈائجسٹ نے نئے لکھنے والوں کی صلاحیتیں سامنے لانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس سال بھی بہت سے نئے نام سامنے آئے۔ آپ کس مصنفہ کو اس سال کی بہترین دریافت قرار دیں گی؟
2. صاف گوئی اچھی بات ہے لیکن کبھی کبھی یہ عادت دوسروں کے لیے بہت تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔ کوئی ایسی بات جو آپ نے کہہ تو دی لیکن بعد میں اس پہ آپ کو پچھتاوا ہوا؟
3. آپ نیوز چینل دیکھنا پسند کرتی ہیں یا تفریحی چینل اچھے لگتے ہیں؟ ٹی وی پر چیختے، تیز تیز بولتے سیاست دانوں کی ایسی تیسی کرتے چرب زبان اینکرز کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا آپ ان اینکرز کی باتوں پر یقین کرتی ہیں؛ یا اپنی رائے رکھتی ہیں۔ کون سے اینکر آپ کو بہت برے لگتے ہیں؟
4. فارغ اوقات میں مطالعہ کے علاوہ کون سی چیز زیادہ خوشی دیتی ہے۔ گھومنا پھرنا، دوستوں سے گپ شپ، ٹی وی دیکھنا یا شاپنگ کرنا۔
5. کوئی ایسی دعا یا خواہش جو پوری نہ ہوئی تو اس وقت بہت دکھ ہوا لیکن اب احساس ہوتا ہے کہ اس کے پورا نہ ہونے میں ہی بہتری تھی۔
6. ہماری مصنفین نے بہت سے ایسے کردار تخلیق کیے ہیں جو غیر معمولی تھے۔ بہت مضبوط، دلچسپ، جاندار۔ آپ کو کون سا کردار بہت پسند آیا؟ اور دل میں یہ خواہش ہوئی کہ آپ اس کردار کی طرح ہوتیں؟

ان سوالات کے جوابات اس طرح بھجوائیں کہ بائیس مارچ تک ہمیں موصول ہو جائیں۔

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے' اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری' صحیح مسلم' سنن ابوداؤد' سنن نسائی' جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے' وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں' وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

جنت میں درخت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص سبحان اللہ وبحمدہ کہے' اس کے لیے جنت میں ایک کھجور کا درخت لگا دیا جاتا ہے۔" (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔)

فائدہ : اللہ کی جنت اتنی وسیع ہے کہ اس کا تصور بھی ہم نہیں کر سکتے' لہٰذا اللہ کی تسبیح و تحمید پر درختوں کا لگنا کوئی مشکل امر نہیں۔ اس لیے اسے حقیقت پر محمول کرنے میں کوئی امر مانع نہیں۔ البتہ بعض لوگ اسے مجاز پر محمول کرتے ہوئے اس سے مراد اجر کا اثبات اور اس کی کثرت لیتے ہیں جو کہ درست نہیں ہے کیونکہ آئندہ حدیث سے بھی پہلے معنی کی تائید ہوتی ہے۔

درخت لگانا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس رات مجھے معراج کرائی گئی' میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنی امت کو میری طرف سے سلام پیش کیجیے اور ان کو بتلا دیجیے کہ جنت کی مٹی پاکیزہ اور عمدہ ہے' اس کا پانی میٹھا ہے اور وہ ایک چٹیل میدان ہے اور

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ

وہاں درخت لگاتا ہے۔" (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔)

فوائد و مسائل : قیعان' قاع کی جمع ہے: صاف ہموار زمین' جس پر کوئی درخت نہ ہو۔

1۔ اللہ کی تسبیح و تحمید سے جنت کی چٹیل زمین میں درخت لگ جاتے ہیں۔ جو شخص جتنا زیادہ اللہ کا ذکر

کرے گا' اس کا حصہ زمین جو اسے جنت میں ملے گا'
اتنا ہی درختوں سے معمور اور شاداب ہوگا۔

جنت کا خزانہ

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا میں تجھے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے کی خبر نہ دوں ؟" تو میں نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا۔

" یہ خزانہ) لاحول ولا قوۃ الا باللہ ہے۔" یعنی برائی سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل : 1۔ اس میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ کو جنت کا ایک خزانہ 'یعنی وہاں کا ایک نہایت بیش قیمت اور نفیس ذخیرہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کی فضیلت کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں انسان اپنی بے بسی اور بے چارگی کا اظہار اور ہر طرح کی قوت و اختیار کا سرچشمہ صرف اللہ کی ذات کو ماننے کا اعلان کرتا ہے اور یہ بات اللہ کو بہت پسند ہے۔

2 ۔ اس کلمے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا' وہ کسی شر سے بچ سکتا یا کسی نیکی کی توفیق سے بہرہ ور ہو سکتا ہے تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت ہی سے ہو سکتا ہے۔

اللہ کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے ادل بدل کر آنے جانے میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ وہ جو کھڑے' بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر (سوتے ہوئے) اللہ کو یاد کرتے ہیں۔" (آل عمران 190-191)

فائدہ آیات : انسان کی تین ہی حالتیں ہوتی ہیں 'یا تو وہ کھڑا ہوتا ہے' چاہے چل رہا ہو یا کسی ایک جگہ کھڑا ہو' یا بیٹھا ہوا ہوتا ہے یا پھر لیٹا ہوا۔ عقل مند لوگ جن کو رب کی معرفت حاصل ہوتی ہیں' وہ تینوں حالتوں میں یعنی ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

تمام اوقات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام اوقات میں اللہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ (مسلم)

سونے اور بیدار ہونے کے وقت کی دعا

حضرت حذیفہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر استراحت فرما ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

"باسمک اللھم! اموت واحیا۔"

"تیرے نام سے (اے اللہ!) میں مرتا اور زندہ ہوتا ہوں۔" اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ :

"تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف سب نے اکٹھا ہونا ہے۔" (بخاری)

فائدہ : صبح و شام کے ان وظیفوں کی پابندی کا یہ بہت بڑا فائدہ ہے کہ انسان ہر وقت اللہ کو یاد کرتا اور رکھتا ہے۔

ذخیرہ اندوزی

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بازار میں مال لانے والے کو رزق ملتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔"

گناہ گار

حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"گناہ گار ہی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے۔"

فوائد و مسائل : ذخیرہ اندوزی کا مطلب یہ ہے کہ جب عوام کو کسی چیز کی زیادہ ضرورت ہو' تاجر اس وقت اپنا مال روک لے تاکہ قیمت اور بڑھ جائے۔ اس میں لالچ اور خود غرضی پائی جاتی ہے۔ ایسے شخص کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ عوام مصیبت میں مبتلا ہوں تاکہ وہ دولت جمع کر سکے۔ اس قسم کی خواہشات ایک مسلمان کی شان کے لائق نہیں۔

ذخیرہ اندوزی شرعاً" ممنوع ہے اور ممنوع کام کے ارتکاب سے روزی میں حرام شامل ہو جاتا ہے۔

گناہ گار کے لفظ میں یہ اشارہ ہے کہ ایسا غلط کام وہی کر سکتا ہے جو گناہوں کا عادی ہو چکا ہو۔ جس سے کبھی کبھار کوئی گناہ کا کام ہو جاتا ہے وہ اتنے بڑے جرم کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔

اپنی ذاتی ضروریات کے لیے مناسب مقدار میں چیز خرید کر رکھ لینا ذخیرہ اندوزی میں شامل نہیں' مثلاً" اگر کوئی شخص اپنے گھر میں استعمال کے لیے سال بھر کی ضروریات کے مطابق فصل کے موسم میں غلہ خرید لیتا ہے تو وہ مجرم نہیں۔

افلاس

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا۔ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔

"جو مسلمانوں سے کھانے پینے کی چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کرے گا' اللہ تعالیٰ اسے جذام اور افلاس میں مبتلا کرے گا۔"

دم کرنے والے کا اجرت لینا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تیس سواروں کو ایک فوجی مہم پر بھیجا۔ (راستے میں) ہم کچھ لوگوں کے ہاں (ان کی بستی میں) ٹھہرے۔ ہم نے ان سے کھانا مانگا۔ انہوں نے (ہماری مہمانی کرنے سے) انکار کر دیا۔ (پھر ایسا ہوا کہ) ان کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا' چنانچہ وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور کہا۔

"کیا تم میں سے کوئی شخص بچھو کاٹے کا دم کر سکتا ہے؟" میں نے کہا۔ "ہاں' میں (کر سکتا ہوں) لیکن جب تک تم ہمیں بکریاں نہیں دو گے میں اسے دم نہیں کروں گا۔"

انہوں نے کہا۔ "ہم تمہیں تیس بکریاں دیں گے (تم دم کر دو) ہم نے ان کی یہ پیش کش قبول کر لی۔

میں نے سات بار سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس (مریض) پر دم کیا تو وہ صحت یاب ہو گیا اور ہم نے بکریاں وصول کر لیں' پھر ہمارے دل میں شک پیدا ہوا۔ (معلوم نہیں' یہ بکریاں لینا جائز تھا یا نہیں) ہم نے کہا۔

"جلدی نہ کرو حتیٰ کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ جب ہم لوگ حاضر خدمت ہوئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ میں نے یہ کام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ یہ (سورت) دم ہے؟ بکریاں تقسیم کر لو اور میرا بھی حصہ رکھو۔"

دوسری دو سندوں سے بھی یہ روایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے۔

جائز رزق

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"انسان کے دل کی ایک ایک شاخ ہر وادی میں ہوتی ہے (وہ دنیوی مفاد کے لیے ہر راستے پر چلنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔) جس شخص کا دل ہر وادی کے پیچھے پڑ جاتا ہے (دنیا کے لیے ہر مشغولیت میں گرفتار ہو جاتا ہے) اللہ کو اس کی پروا نہیں ہوتی کہ اسے کس وادی میں تباہ کر دے اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے (اللہ کی طرف توجہ رکھتے ہوئے یقین کرتا ہے کہ جائز رزق اس کے لیے کافی ہو گا) اسے اللہ تعالیٰ انتشار سے بچا لیتا ہے (اور وہ اطمینان کی زندگی گزارتا ہے۔"

اچھا گمان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ہر شخص کو اس حال میں موت آنی چاہیے کہ وہ اللہ کے بارے میں اچھا گمان رکھتا ہو۔"

فوائد و مسائل :

1۔ انسان کو اللہ کی رحمت کی امید اور اس کی ناراضی کا خوف، دونوں کی ضرورت ہے۔ امید اسے نیکیوں کی رغبت دلاتی ہے اور خوف اسے گناہ سے باز رکھتا ہے۔

2۔ زندگی میں امید پر خوف کا غلبہ رہنا چاہیے لیکن وفات کے وقت امید کا پہلو غالب ہونا چاہیے۔

3۔ اللہ سے حسن ظن کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے بارے میں یہ امید رکھے کہ اس کی توفیق سے زندگی میں جو نیک کام ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائے گا اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا۔

4۔ امید کا یہ مطلب نہیں کہ زندگی میں اللہ کی نافرمانی کی عادت ہو اور نیکیوں کی طرف رغبت نہ ہو۔ جب نصیحت کی جائے تو کہہ دے۔ اللہ بہت رحم کرنے والا ہے۔ یہ امید کا غلط تصور ہے۔

ایثار

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہیں بھوک کا سامنا کرنا پڑا جب کہ وہ سات افراد تھے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات کھجوریں عنایت فرمائیں۔ ہر آدمی کے لیے ایک کھجور۔"

فوائد و مسائل : 1۔ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی ان کی ضرورت کی خوراک نہیں تھی، اس کے باوجود جو چند کھجوریں موجود تھیں، وہی دے دیں۔

2۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے تھے۔ قائد کو اپنے ساتھیوں کا اسی طرح خیال رکھنا چاہیے۔

3۔ تھوڑی چیز تقسیم کرتے وقت بھی انصاف اسی طرح ضروری ہے، جس طرح زیادہ مال کی تقسیم میں۔

4۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا صبر و ایثار بے مثال ہے کہ ایک ایک کھجور ملی تو اسی پر اکتفا کرلیا، کسی نے زیادہ حصہ لینے کی خواہش ظاہر نہیں کی۔

روز قیامت

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں انہوں نے کہا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

ثم لتسعلن یومئذ عن النعیم

ترجمہ۔ پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال ہوگا۔"

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا۔

"ہم سے کون سی نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا؟

ہمیں تو صرف پانی اور کھجوریں ہی میسر ہیں۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "آگاہ رہو! یہ (سوال) ضرور ہوگا۔"

فوائد و مسائل : 1۔ جو نعمتیں ہماری نظر میں معمولی ہیں غور کیا جائے تو وہ بھی بڑی نعمتیں ہیں لہٰذا ان کا شکر کرنا ضروری ہے۔

2۔ معمولی سے معمولی غذا بھی بھوکا رہنے کے مقابلے میں بہت بڑی نعمت ہے۔

3۔ "آگاہ رہو! یہ ضرور ہوگا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے دو مفہوم ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ اگر آج تمہارے پاس نعمتوں کی فراوانی نہیں ہے تو عن قریب یہ ہو جائے گی، یعنی فتوحات ہوں گی اور تمہیں وافر مقدار میں غنیمتیں حاصل ہوں گی، لہٰذا تمہیں بہت سی نعمتیں میسر ہوں گی۔ دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ ہر ایک انسان کو دنیا میں تھوڑا بہت مال و متاع ملا ہی ہے، یعنی کسی کو کم، کسی کو زیادہ، لہٰذا قیامت کے دن ہر شخص سے، اس کو دی جانے والی ہر

نعمت کے بارے میں سوال ہو گا' ہماری رائے میں دوسرا مفہوم راجح ہے۔ واللہ اعلم۔

میت پر رونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے میں شریک تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خاتون کو دیکھا (جو رو رہی تھی) تو اسے بلند آواز سے منع کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عمر! اسے رونے دو' آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں' دل کو غم پہنچا ہے اور وقت زیادہ نہیں گزرا (غم تازہ ہے)۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنو عبدالاشہل کی عورتوں کے پاس سے گزرے' وہ جنگ احد میں ہلاک ہونے والے اپنے اقارب پر رو رہی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"لیکن حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پر رونے والیاں کوئی نہیں۔" (یہ سن کر) انصار کی خواتین آکر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رونے لگیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو فرمایا۔

"افسوس! یہ ابھی واپس نہیں گئیں۔ انہیں حکم دو کہ واپس چلی جائیں اور آج کے بعد کسی مرنے والے پر نہ روئیں۔"

فوائد و مسائل : حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ احد میں شہید ہو گئے۔ ان کے گھرانے کی خواتین ابھی ہجرت کر کے مدینے نہیں آئی تھیں' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار ترحم کے لیے فرمایا "حمزہ پر رونے والا کوئی نہیں۔" اس کا مقصد رونے والیوں کے عمل کی تعریف کرنا نہیں تھا بلکہ ان کی بے کسی کا اظہار تھا کہ اس موقع پر ان کے اہل خانہ بھی موجود نہیں ہیں جن کو فطری طور پر سب سے زیادہ صدمہ ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشاروں پر فدا ہونے والے تھے۔ یہ ان کی محبت کا کمال تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بات فرمائی جس سے انہیں محسوس ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے رویا جائے تو انصار کی خواتین فوراً" تیار ہو کر آگئیں کیونکہ ان کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دل گیر ہونا اپنے غم و حزن سے زیادہ تکلیف دہ تھا' اس لیے انہوں نے اس غم کی وجہ سے آواز سے رونا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرما دیا کہ میرا مقصد یہ نہیں تھا' اس لیے ان خواتین کو واپس چلے جانے کا حکم دے دیا۔ میت کے گھر جمع ہو کر رونا پیٹنا اور نوحہ کرنا منع ہے بلکہ نوحہ کے بغیر بھی میت والوں کے گھر جمع ہونا منع ہے۔ دیکھیے (سنن ابن ماجہ' حدیث ۱۶۱۲) جو شخص تعزیت کے لیے آئے تو وہ تعزیت کر کے چلا جائے۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا۔

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مرثیہ گوئی سے منع فرمایا۔"

مصیبت پر صبر کرنے کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"صبر ابتدائے صدمہ کے وقت ہی ہوتا ہے۔"

فائدہ : وہ صبر جو شرعاً" مطلوب ہے' یہ ہے کہ جب مصیبت آئے یا غم پہنچے اس وقت اپنے آپ کو غلط حرکات و اقوال سے بچائے کیونکہ جذبات غم کی شدت کے موقع پر اپنے آپ پر قابو رکھنا اور جائز و ناجائز کے فرق کا خیال کرنا بہت مشکل ہے۔ جو شخص اس موقع پر احکام شریعت کو ملحوظ رکھتا ہے' اصل صبر اسی کا ہے جس پر اسے وہ تمام انعامات خداوندی حاصل ہوں گے جن کا قرآن و حدیث میں وعدہ کیا گیا ہے۔ بعد میں جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے' خود بخود صبر آنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ صبر کوئی ایسی چیز نہیں جس پر کسی کی تعریف کی جائے یا اسے ثواب کی امید ہو۔

ہم تقریر سے گھبراتے ہیں

انشا جی

ہم تقریر کرنے سے کتراتے ہیں' بلکہ مشاعرہ بھی اسی باعث نہیں پڑھتے کہ شعر ارشاد کرنے سے پہلے شاعر کا تقریر کرنا اب قریب قریب آداب میں داخل ہو گیا ہے۔ یہ بات نہیں کہ ہم تقریر نہیں کر سکتے۔ ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا۔ لیکن اس کے لیے ذرا اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک تو یہی کہ ہماری ٹانگوں کو کسی ستون یا کرسی کے پائے سے کس کر باندھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ہمارے دوسرے اعضائے رئیسہ کی طرح یہ بھی ایسی خدا ترس واقع ہوئی ہیں کہ جہاں تقریر کا موقع آیا' تھر تھر کانپنے لگیں۔ نرم دلی کے باعث آواز میں بھی رقت آجاتی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ اب روئے کہ تب روئے' دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمیں دلائل پر قابو نہیں رہتا۔ دلائل ہمارے ذہن میں ایسے بافراط ہوتے ہیں کہ لب تک آنے کے لیے ایک دوسرے پر پلے پڑتے ہیں۔ بعض تو موقع محل بھی نہیں دیکھتے اور بلا سیاق و سباق وارد ہو جاتے ہیں۔ کئی بار تو ایسا بھی ہوا کہ کئی ایک نے بیک وقت ہماری زبان پر آنے کی کوشش کی تو ایک گچھا سا بن کر ہمارے حلق میں اٹک گئے۔

ایسے میں سطحی نظر والوں کو ہماری تقریر اگر الجھی ہوئی معلوم ہو تو وہ قابل معافی ہیں۔ حلق تر رکھنے کے لیے ہمیں پانی بھی بار بار پینا پڑتا ہے۔ پیتے تو اور لوگ بھی ہیں' لیکن ہمیں اپنی ضرورت کے پیش نظر منتظمین جلسہ سے گزارش کرنی پڑتی ہے کہ اسٹیج پر نلکا لگا دیا جائے۔ اب کتنے لوگ ہیں جو ایسا اہتمام کر سکیں۔ ابھی پچھلے دنوں ایسا اتفاق ہوا کہ بزم تاریخ والوں نے ایک مباحثہ کرایا۔ موضوع ایسا تھا کہ ہمیں بے اختیار تقریر کرنے کی خواہش ہوئی۔ ہم نے اس خواہش کا اظہار کیا تو سیکریٹری صاحب بولے۔

"آپ کا تقریر کرنا ہمارے لیے فخر کا باعث ہوتا لیکن کیا کریں' کے ڈی اے والے نہیں مانتے۔ کہتے ہیں۔ شہر میں ویسے ہی پانی کی قلت ہے۔"

خدا جانے ہمارے تقریر نہ کرنے کی شہرت ایک مقامی کالج والوں تک کیسے پہنچ گئی کہ انہوں نے ہمیں ایک مباحثے کا جج بنا دیا۔ ہم نے بہت غور کیا کہ ہم تو خود بولنے سے قاصر رہتے ہیں۔ جج کیا کریں گے۔ جواب ملا کہ ابھی پچھلے دنوں فلاں کالج والوں نے بھی تو ایک مشاعرے کی صدارت ایک ایسے صاحب سے کرائی جو شعر کہنا تو درکنار ایک مصرع بھی موزوں نہیں پڑھ سکتے۔

اس پر ہم لاجواب ہو گئے۔ دلائل ان لوگوں کے پاس اور بھی تھے۔ لیکن اندیشہ پیدا ہوا کہ جوں جوں وہ سامنے آئیں گے۔ ہمارا ازالہ حیثیت عرفی ہی ہو گا۔ نیک نامی کا کوئی امکان نہیں۔ ہم نے کہا "اچھی بات ہے لیکن ایک بات کی ضمانت دیجیے کہ فیصلے کے بعد مقابلے میں شریک ہونے والے اور انعام نہ پانے والے ہمیں لتاڑیں گے نہیں۔" کیونکہ ایک بار تھیوسوفیکل ہال کی چھت پر ہم نے تقریروں کے ایک مقابلے میں منصفی کی تھی۔ ایک صاحب نے جن کے اسکول کو انعام نہ ملا۔ آنکھیں بند کر کے اور منہ کھول کر ایسی تقریر کی کہ اگر وہ ہماری شان میں نہ ہوتی تو ہم پہلا انعام ان ہی کو دیتے۔

ایک موقع پر ایک صاحبزادے کا ردعمل بھی کچھ اسی قسم کا تھا۔ ان کو انعام نہ ملا تو مٹھیاں بھینچ کر بولے۔

"اب دیکھوں گا آپ کیسے جیکب لائن سے گزرتے ہیں۔ روز چلے آرہے ہیں ترکی ٹوپی لگائے' قوالی سننے۔"

جن لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارا تصوف سے شغف کم ہو گیا ہے۔ وہ غلطی پر ہیں' اب ہم قوالوں کو اپنے گھر بلا لیتے ہیں۔

ہمیں اسکول سے نکلے (خود نکلے تھے' نکالے نہیں گئے تھے) اتنے دن ہو گئے ہیں کہ کچھ اندازہ نہ تھا کہ زبان اردو کتنی ترقی کر گئی ہے۔ ہم پرانے مولویوں سے پڑھے تھے۔ جو لب سڑک اور فوق البھڑک وغیرہ تک کو غلط قرار دیتے ہیں۔ ادب اور صحافت کے کوچے میں مولانا چراغ حسن حسرت مرحوم ایسے سخت گیروں سے پالا پڑا' جنہوں نے ایک افسانہ نگار کی عظمت کو محض اس لیے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ اس نے زور بیان میں ہیرو کی زبان سے

یہ کہلوادیا تھا کہ۔
"سلمیٰ! میرا پیار پہاڑ کی طرح اٹل ہے اور سمندر کی طرح پایاب۔"
ایک اور مصنف پر وہ عمر بھر اس لیے خفا رہے کہ اس نے کہیں روانی میں لکھ دیا تھا کہ۔
"اس آگ نے مجھے جلا کر خس و خاشاک بنا دیا ہے۔"
ہمارے زمانے میں یا تو زیر نگرانی کہتے تھے یا نگرانی میں' غور کرنے پر زیر نگرانی میں' کہنے کی حکمت کھلی' یہ تقریر کوئی فارسی خواں سن رہا ہو تب بھی سمجھ جائے گا اور فارسی سے نابلد ٹھیٹھ اردو بولنے والے کے لیے بھی محل اعتراض نہ ہوگا۔ ایک اور صاحبہ غالباً" فارسی طالب علم تھیں۔ وہ صدر گرامی' قدر گرامی کے نیچے بھی زیر ڈالتی گئی تھیں۔ ان کا صدر گرامی کہنا' ہمیں تو بہت بھلا معلوم ہوا' متعارف کے معنی میں ہم ایک لفظ روشناس بولا کرتے تھے۔ ہمیں اندازہ نہ تھا کہ اس کا تعلق روشنی سے ہے۔ دو تین طالبات کو روشناس کہتے سنا تو صحیح مطلب سمجھ میں آیا۔ رجعت پسند میں ہم ہمیشہ زیر زبردستی پڑھتے رہے۔ اپنی اس رجعت پسندی کا احساس اس وقت ہوا جب اک مقررہ سے رجعت پسند سنا۔ اگر اتنے دنوں میں زیر ترقی کر کے پیش تک نہ پہنچے تو زبان کی ترقی ہی کیا ہوئی۔ اسی مباحثے میں ہمیں پہلی بار معلوم ہوا کہ صحیح لفظ مدح سرائی نہیں' مداح سرائی ہے۔
اسکولوں کی عمارتیں کم ہونے کی وجہ سے ہمارے بہت سے اسکول فٹ پاتھوں پر قائم ہیں۔ ہم نے اکثر دیکھا کہ ذرا استاد کلاس سے غائب ہوا اور کوئی بندر نچانے والا یا بلا درد دانت نکالنے والا یا چورن بیچنے والا ان کی جگہ آبیٹھا۔ یہ بات فائدہ سے خالی نہیں' اس سے طلبہ کا ذخیرہ اشعار بڑھتا ہے۔
سچائی چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے۔
اور۔
بشر راز دل کہہ کر ذلیل و خوار ہوتا ہے
اور
مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وغیرہ ایسے ابیات ہیں کہ عمر بھر کام آتے ہیں۔ ان اسکولوں کے طالب علم جب فارغ التحصیل ہو کر رکشہ یا بس چلاتے ہیں تو ان اشعار کو رکشہ اور بس کی پشت پر لکھواتے ہیں۔ یہاں ایک بی بی نے اپنی تقریر کا آغاز اس شعر سے کیا۔
دل میں ایک چبھتی ہوئی تقریر ہونی چاہیے
نالہ کیسا بات میں تاثیر ہونی چاہیے
تو ہم نے پوچھ لیا کہ آپ کس کالج سے تشریف لائی ہیں؟ فوراً" کہنے لگیں۔ "آپ انجان بنتے ہیں۔ جس فٹ پاتھ پر آپ اپنے دفتر کی کھڑکی میں سے گنڈیریوں کے چھلکے پھینکتے ہیں وہیں تو ہماری کلاس لگتی ہے آپ نے مجھے ضرور دیکھا ہوگا۔"
اس بحث کا موضوع تھا کہ نئی پود کی بے راہ روی کی ذمہ داری والدین پر عائد ہوتی ہے۔ بعض طالبات نے اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لیے انگلیوں سے ادھر اشارے بھی کیے' جدھر ان کے والدین بیٹھے تقریر سن رہے تھے۔ لیکن سب ہی ایسی نہیں تھیں۔ بعضوں نے ان کو بری کرانے کے لیے زور خطابت صرف کیا۔ ایک صاحبہ نے کہا کہ۔
"حضرت آدم علیہ السلام کے تو والدین ہی نہیں تھے۔ اس کے باوجود آپ لوگ جانتے ہیں کہ ان سے جنت سے نکالے جانے کے قابل "بعض باتیں سرزد ہوئیں۔"
لیکن سب سے موثر استدلال ان صاحبہ کا تھا جنہوں نے کہا۔
"یہ نئی نسل نہایت ناخلف اور نالائق ہے۔ بدراہی کی حرکتیں خود کرتی ہے اور ذمہ دار والدین کو ٹھہراتی ہے۔ کار بد تو خود کریں لعنت کریں شیطان پر۔"
اس پر ہمیں بہت دن پہلے کی ایک بات یاد آئی۔ اخبار (ڈان) کی ملکیت کا جھگڑا تھا۔ آرام باغ میں ایک جلسہ ہوا۔ ایک بہت محترم اور معمر لیڈر نے صدارت کی۔ ایک مقرر نے نہایت غیظ و غضب میں تقریر کی اور آخر میں فیصلہ صادر کیا کہ۔
"ڈان میرے باپ کی ملکیت نہیں' ڈان ایڈیٹر صاحب کے باپ کی ملکیت نہیں۔ ڈان (انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے) صاحب صدر کے باپ کی ملکیت نہیں' بلکہ قوم کی ملکیت ہے۔"

باصلاحیت فنکارہ

ثمینہ احمد سے ملاقات

شاہین رشید

ثمینہ احمد کے لیے اگر میں یہ کہوں کہ ہم انھیں اپنی کم عمری سے دیکھ رہے ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ اور ہم نے انھیں ہمیشہ بہترین کردار میں دیکھا۔ خواہ وہ مزاحیہ کردار ہوں یا سنجیدہ... ان کی مقبولیت میں کبھی فرق نہیں آیا۔ ہم نے کبھی ان کے بارے میں یہ نہیں سنا کہ ان کی پرفارمنس اچھی نہیں ہے... لباس کے معاملے میں ہمیشہ باوقار پایا... میں نے اکثر اپنی سینئر فنکاراؤں کو ماڈرن لباس میں دیکھا ہے۔ اسکرین پر بھی اور آف دی اسکرین بھی مگر ثمینہ احمد کو کبھی نہیں دیکھا' ان کی شخصیت میں ہمیشہ ایک وقار ہی دیکھا ہے... ہم ثمینہ احمد کو پیار سے آپا کہہ کر بلاتے ہیں۔

"ابتدا کہاں سے کریں۔ وہاں سے کہ آپ اس فیلڈ میں کب آئیں یا یہ کہ آپ پہلے اپنے بارے میں بتائیں؟"

"سب کو معلوم ہے کہ میں اس فیلڈ میں کب آئی اور کیسے آئی اور میری ابتدائی زندگی کے بارے میں بھی سب کو معلوم ہے۔"

"لیکن ہماری نئی نسل کو آپ کے بارے میں جاننے کا شوق ہے۔ تو پھر میں چاہوں گی کہ آپ اپنے بارے میں کچھ بتائیں؟"

"ہوں... اچھا... میرا جنم لاہور میں ہوا۔ میرے تین بھائی اور دو بہنیں ہیں' جبکہ میں گھر میں بڑی ہوں۔ اور ہم بھائیوں' بہنوں میں ایک ایک سال کا ہی فرق ہے۔ اس لیے جب تھوڑے بڑے ہوئے تو سب ایک ہی عمر کے لگا کرتے تھے۔ ویسے بھی مجھے لگتا ہے کہ عمروں کا فرق تھوڑے ہی عرصے لگتا ہے' پھر سب ایک برابر ہی لگنے لگتے ہیں۔ یہ میں اپنی بہنوں کی بات کررہی ہوں۔ جبکہ بھائیوں میں فرق رہا۔ سب سے چھوٹا بھائی دس سال کے گیپ سے اور ایک بھائی چار سال کے گیپ سے پیدا ہوا... میرے والد چونکہ فاریسٹ ڈپارٹمنٹ میں تھے تو چونکہ وہ سفر میں رہتے تھے' کبھی اس شہر تو کبھی اس شہر تو ہمیں بھی اپنی کم عمری میں بہت کچھ دیکھنے کا موقع ملا۔ کئی شہروں میں رہنے کا موقع ملا۔ میری ابتدائی تعلیم اور بچپن جہلم میں گزرا۔ البتہ کالج کی ابتدا پشاور شہر سے کی۔"

"گویا مزے کی زندگی گزری؟"

"کہاں مزے میں گزری... جب میں سیکنڈ ایر کی طالبہ تھی تو میرے والد کا انتقال ہوگیا... اور ہم سب نانی کے گھر آگئے۔"

"گھر کی کفالت...؟"

"میری والدہ ماشاء اللہ پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ انگریزی بہت اچھی تھی ان کی۔ خوددار تھیں' اس لیے

اپنے بچوں کی کفالت خود کرنا چاہتی تھیں۔ ورنہ جوانی میں جو خاتون بیوہ ہو جائے وہ تو ہمت ہی ہار دیتی ہے۔۔۔ مگر میری والدہ نے ہمت نہیں ہاری اور انہوں نے تن تنہا اپنے بچوں کی کفالت کی۔۔۔ انہوں نے انگلینڈ جا کر نئے سرے سے اپنی زندگی شروع کی۔۔۔ بطور بیوٹیشن بھی کام کیا اور بطور ٹرانسلیٹر بھی کام کیا۔ وہ لندن کورٹ میں بطور ٹرانسلیٹر کام کرتی تھیں جو لوگ اپنا مقدمہ اردو میں لے کر آیا کرتے تھے۔"

"آپ کے دیگر بہن بھائی۔۔۔ اسی فیلڈ سے وابستہ ہیں؟"

"نہیں۔۔۔ وہ اس فیلڈ میں نہیں ہیں۔۔۔ بہن لندن میں اور دو بھائی امریکہ میں اور ایک بھائی لاہور میں ہوتے ہیں۔"

"والدین کی کیا خواہش تھی کہ آپ کیا بنیں بڑے ہو کر۔ خصوصاً" والد کی؟"

"دونوں نے ہم بچوں پر کبھی فورس نہیں کیا کہ ہمیں یہ بننا چاہیے یا وہ بننا چاہیے۔۔۔ بس دونوں کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ ہمیں پڑھنا ہے اور بہت پڑھنا ہے اور ہمیشہ ون تھرڈ میں آنا ہے۔۔۔ اور ہم آ کر دکھاتے تھے۔"

"تعلیم کے علاوہ کیا سرگرمیاں تھیں آپ کی؟"

"ہم پڑھائی تو ہمیں کرنی ہی ہوتی تھی۔۔۔ اور اللہ کا شکر کہ اللہ تعالیٰ نے ذہن بھی اچھا دیا تھا اور شوق بھی ڈال دیا۔ تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ میں غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی کافی تیز تھی اور مجھے گیمز سے اگرچہ لگاؤ زیادہ نہیں تھا مگر پھر بھی میں نے فٹ بال اور بیڈمنٹن کھیلی کہ یہ لڑکیوں کے لیے لازمی تھی۔۔۔ البتہ دوسری سرگرمیوں جیسے ڈراما، تھیٹر کا شوق تھا مجھے۔۔۔ پتلیاں بنانے کا بہت شوق تھا اور نہ صرف خود بناتی تھی، بلکہ اپنے بہن بھائیوں اور اپنی دوستوں کو بھی سکھاتی تھی اور مزے کی بات کہ "پتلی شو" بھی کیا کرتے تھے باقاعدہ ٹکٹ لگا کر۔۔۔"

"والدین نے تو پڑھائی پہ زور دیا۔۔۔ اپنے طور پر

آپ نے سوچا تھا کہ آپ کو کیا بننا ہے؟"

"بالکل سوچا تھا۔۔۔ مجھے ڈاکٹر بننا تھا یا پینٹر اور ایکٹنگ کا بھی شوق تھا، مگر اداکارہ بننے کا کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ ہمیں تو بس پڑھائی کرنی تھی۔۔۔ ڈاکٹر بن نہ سکی کہ مارکس کم آئے تھے، البتہ پینٹنگز کا بہت شوق تھا تو ہوم اکنامکس کالج میں داخلہ لے لیا اور شام کے وقت پینٹنگز کی کلاسز بھی جوائن کرلیں اور اس کالج سے میں نے ایم ایس سی کی ڈگری حاصل کی کری ایٹو آرٹ میں۔۔۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ اداکاری کا شوق بھی جاگتا گیا اور پھر آہستہ آہستہ اس فیلڈ میں مکمل طور پر آگئی۔۔۔ اور بہت کام کیا اس فیلڈ میں اور اب تک کر رہی ہوں۔"

"تھک نہیں جاتیں کیا؟"

"تھک جاتی تو کام نہ کر رہی ہوتی۔۔۔ مجھے ہر وقت کام کرنا اور ایکٹیو رہنا اچھا لگتا ہے۔۔۔ کیونکہ اس میں انسان کی کامیابی ہے۔ میں نے اپنی زندگی جہد مسلسل میں گزاری ہے تب کہیں جا کر مقام ملا ہے۔۔۔ کوئی بڑا مقام ایسے ہی نہیں مل جاتا۔ بہت محنت کرنا پڑتی ہے۔۔۔ آج کل کے بچے شارٹ کٹ کے ذریعے آگے بڑھنا چاہتے ہیں اور میں نے دیکھا ہے کہ شارٹ کٹ

بھی آپ کو دیرپا کامیابی نہیں دے سکتا۔"
"آپ نے ینگ ایج میں ماں کے کردار کرنا شروع کر دیے تھے۔ کیوں؟ کسی نے کہا بھی نہیں؟"
"شاید اس لیے کہ میں اپنے گھر کی بڑی تھی اور۔۔۔ مجھ میں بڑوں والا انداز گفتگو اور شفقت آ گئی تھی۔۔۔ اور۔۔۔ شاید "ماں" کا پہلا کردار میں نے بہت اچھے انداز میں کر لیا تھا۔ اس لیے مجھے یہ کردار ملنے لگے اور کوئی کیوں کچھ کہتا۔ ایک اچھی بنی بنائی اسمارٹ ماں جو سب کو مل گئی تھی۔" ثمینہ احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"کسی کردار کو کرنے سے انکار کیا آپ نے؟"
"یہی تو عادت بری ہے۔ کہ انکار نہیں کر سکتی۔۔۔ میں ہر کردار کو ایک چیلنج سمجھ کر کرتی ہوں اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ناظرین نے مجھے ہر کردار میں قبول کیا ہے۔"
"آپ نے کامیڈی کردار بھی کافی کیے۔ پروڈکشن بھی کی ڈائریکشن بھی کی؟"
"جی۔۔۔ بالکل یہ تینوں کام میں نے کیے ہیں اور بڑے دل سے کیے ہیں اور جیسا کہ آپ کو بتایا کہ مجھے ہر کام کرنے کا شوق بھی ہے اور ہر کام کو میں چیلنج سمجھ کر کرتی ہوں۔"
"حقیقت میں کیا ہیں 'سنجیدہ طبیعت یا نارمل۔۔۔"
"دونوں۔۔۔ میں نے خوش رہنا اور۔۔۔ خوش رکھنا سیکھا ہے۔ مگر کبھی کبھی زندگی کے جھمیلوں میں اداس بھی ہو جاتی ہوں' پریشان بھی ہو جاتی ہوں۔۔۔ میری زندگی کے بارے میں سوچ یہ ہے کہ اگر اسے ہم ہنسی خوشی گزار دیں تو آرام سے گزر جائے گی' ورنہ روتے دھوتے گزر ہی جاتی ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ رونے والوں کا کوئی ساتھ نہیں دیتا۔"
"سیونگ کرتی ہیں؟"
"بالکل کرتی ہوں۔ زندگی میں دو تین بار ایسا ہوا ہے میرے پاس بالکل بھی سیونگ نہیں تھی۔۔۔ بڑی مشکل میں وقت گزرا' لیکن اللہ کا شکر ہے کہ وقت جلدی گزر گیا۔ اور اب میں نے سیونگ کو اپنی عادت بنالی ہے۔ ہمارے ملک میں یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ ہمارے فن کاروں کے لیے کوئی سیکیورٹی نہیں ہے۔۔۔ ہمیں اپنے لیے خود ہی سوچنا پڑتا ہے اور اپنا فیوچر بچانا ہوتا ہے۔ برے وقت سے۔"
"گویا زندگی پلاننگ کے ساتھ گزارتی ہیں؟"
"بالکل۔۔۔ زندگی پلاننگ کے ساتھ ہی گزارنی چاہیے۔۔۔ اور میں سب کو کہتی ہوں کہ پلاننگ ضرور کریں اور اپنی پلاننگ کے مطابق چلنے کی کوشش بھی کیا کریں' مگر رزلٹ اللہ پر چھوڑ دیا کریں۔۔۔ کیونکہ اللہ ہمارے لیے بہت بڑا پلانر ہے۔۔۔ وہ جو بہتر سمجھے گا وہی ہمارے لیے کرے گا۔"
"کیا اولاد کے لیے ان کے ماں' باپ ہی خیر خواہ ہوتے ہیں یا کچھ اور بھی لوگ ہوتے ہیں؟"
"والدین سے بڑھ کر تو کوئی خیر خواہ ہو ہی نہیں سکتا' مگر زندگی میں اچھے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جو آپ سے دل سے محبت کر کے آپ کے لیے اچھا سوچتے ہیں۔۔۔ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے زندگی میں بہت سے اچھے لوگ ملے۔ جو میرے لیے استاد کا درجہ بھی رکھتے ہیں۔ جنہوں نے مجھے اس فیلڈ کے بارے میں بہت سی گائیڈ لائنز دیں' اور نہ صرف اس فیلڈ کے بارے میں' ڈرامے کے بارے میں' بلکہ کیا اچھا ہے' کیا برا ہے' کس بات کی اہمیت ہے' کس کی نہیں ہے۔۔۔ اور میں ان سب کی شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے سمجھا اور سمجھایا۔"
"حساس ہیں؟"
"بہت زیادہ حساس ہوں۔۔۔ اپنے اردگرد بہت سی ایسی باتیں ہیں جنہیں دیکھ کر مجھے دلی دکھ ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔۔۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ انسان کا اپنے سے کم حیثیت والوں کے ساتھ سلوک بہت برا ہوتا ہے اور مجھے اس بات پر بہت افسوس ہوتا ہے۔۔۔ میں تو بہانے بہانے سے ایسے لوگوں سے کام کروا رہی ہوتی ہوں جنہیں پیسوں کی

ضرورت ہوتی ہے' تاکہ ان کی "انا" بھی متاثر نہ ہو اور ان کی مدد بھی ہو جائے۔ اس معاملے میں بہت حساس ہوں۔ میں نے تو بہت سے لوگوں کو پڑھایا بھی ہے' تاکہ وہ پڑھ لکھ کر اپنے پیروں پہ کھڑے ہو جائیں۔"

"آپ کے بچے بھی اس فیلڈ میں ہیں؟"

"اداکاری کی فیلڈ میں تو نہیں ہے۔ البتہ میرا بیٹا "تاجا" میں جاب کرتا ہے۔ جبکہ میری بیٹی نے ایل ایل ایم کیا ہے اور کینیڈا میں رہتی ہے' شادی شدہ ہے اور بیٹے کی بھی شادی ہو گئی ہے۔ خیر سے اللہ نے مجھے دادی اور نانی دونوں کے رتبے سے نوازا ہے۔"

"مزاجاً" کیسی ہیں آپ؟"

"بھئی یہ سوال تو آپ کو دوسروں سے پوچھنا چاہیے۔ لیکن میں آپ کو بتاؤں کہ میں خوش مزاج ہوں لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ مجھے غصہ نہیں آتا تو یہ غلط ہو گا۔ مجھے بے مقصد باتوں پر بہت غصہ آتا ہے۔ ٹریفک کے نظام پر بہت غصہ آتا ہے۔ لوگ بہت غلط طریقے سے ڈرائیونگ کرتے ہیں۔"

"جنہیں ڈرائیونگ آتی ہے وہ اس بات کو خاص طور پر نوٹ کرتے ہیں کہ لوگ غلط چلا رہے ہیں یا صحیح۔ آپ خود ڈرائیونگ کرتی ہیں؟"

"جی۔ میں ڈرائیونگ کرتی ہوں اور بڑے صبر و تحمل سے ڈرائیو کرتی ہوں اور دوسروں کو غلط ڈرائیونگ کرتے ہوئے دیکھ کر کڑھتی ہوں۔"

"کھانے کا شوق ہے؟ کھلانے کا شوق ہے یا پکانے کا شوق ہے؟"

"کھانا کھانے اور کھلانے کا شوق ہے۔ پکانے کا زیادہ شوق نہیں ہے۔ بے شک گزارے کے لیے پکا لیتی ہوں مگر یہ نہیں کہہ سکتی کہ میں پکانے کے معاملے میں ماہر ہوں۔ لاہور کے ذائقہ دار پکوان بہت پسند ہیں۔"

"کوئی اچھی بات۔ اور کوئی بری بات بتائیے؟"

"اچھی بات تو یہ ہے کہ خوش مزاج ہوں۔ صبر و شکر والی ہوں۔ کام کرنے میں محنت کر کے کمانے میں مزا آتا ہے۔ اور بری بات یہ ہے کہ کبھی کبھار غصہ بہت آجاتا ہے جو ٹھیک نہیں ہے اور جو کام کرنے کا سوچ لوں تو بس پھر سوچ لیتی ہوں۔"

"شہرت نے کبھی مسائل پیدا کیے؟"

"شہرت آج کی نہیں ہے' اب کافی ٹائم ہو گیا ہے اور کبھی شہرت کو سر پر سوار نہیں کیا' تو مسائل بھی کیوں جنم لیں گے۔"

"آپ ملک سے باہر جاتی رہتی ہیں۔ کہاں انجوائے کرتی ہیں؟"

"انجوائے تو میں ہر جگہ کرتی ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت خوب صورت دنیا بنائی ہے۔ ویسے مجھے کینیڈا بہت پسند ہے۔ شاید اس لیے کہ وہاں میری بیٹی رہتی ہے۔"

"اور پاکستان کے کس شہر کو بہت پسند کرتی ہیں؟"

"پاکستان تو میری جان ہے۔ میری محبت ہے۔ اس کے بغیر کہیں مستقل رہنے کا سوچ بھی نہیں سکتی اور یوں تو پورا پاکستان میرا اپنا ہے لیکن لاہور مجھے بہت پسند ہے۔ اس کی ہر گلی محلے سے مجھے محبت ہے۔ بہت خوب صورت ہے لاہور۔"

"فضول خرچ ہیں؟ یا پیسہ سوچ سمجھ کر خرچ کرتی ہیں؟"

"آپ مجھے فضول خرچ نہیں کہہ سکتیں' کیونکہ میں ضرورت کی چیزوں پر خرچ کرتے وقت کبھی نہیں سوچتی۔ پیسہ کمانا بہت مشکل ہے۔ اس لیے سوچ سمجھ کر ہی خرچ کرتی ہوں۔"

"موجودہ حکومت سے کوئی شکایت؟"

"ایک نہیں۔ کافی شکایتیں ہیں۔ لیکن سب سے بڑی شکایت تو یہ ہے کہ ٹیکسوں کی بھرمار کر دی ہے۔ نہ صرف ہر چیز پہ ٹیکس لیا جاتا ہے بلکہ بہت زیادہ لیا جاتا ہے۔ اور ان ٹیکسوں کے بدلے میں ہمیں کیا ملتا ہے۔ کچھ بھی نہیں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے انٹرویو کا اختتام کیا۔

گردش ماہ و سال کی نیرنگیوں میں کئی راستوں سے گزرے، کئی اتار چڑھاؤ دیکھے، لیکن قافلۂ شوق رکنے نہیں پایا۔

اس طویل سفر میں ہماری مصنفین نے ہمارا بھرپور ساتھ دیا۔ ان کی سوچ اور فکر کے رنگ لفظوں میں ڈھلے تو ان میں زندگی کے سارے منظر سمٹ آئے۔ ان کی تحریروں میں عہد حاضر کی کرب ناک حقیقتوں کی آگہی کے ساتھ ساتھ شگفتگی، دل آویزی اور خوابوں کے دلکش رنگ بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے لاکھوں قارئین کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کی۔ ان کے دلوں میں امید کے چراغ روشن کیے۔ یہی وجہ ہے کہ خواتین ڈائجسٹ کے ذریعے مصنفین کو اپنی پہچان کے ساتھ ساتھ قارئین کی بےپایاں محبت و تحسین بھی ملی۔

فطری بات ہے، ہم جن کو پسند کرتے ہیں، جن سے لگاؤ رکھتے ہیں ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتے ہیں، ہماری قارئین بھی مصنفین کے بارے میں، ان کی ذات کے حوالے سے جاننا چاہتی ہیں۔ اس لیے ہم نے مصنفین کے لیے ایک سروے ترتیب دیا ہے۔ جس کے سوالات یہ ہیں۔

س 1۔ لکھنے کی صلاحیت اور شوق وراثت سے منتقل ہوا؟ یا صرف آپ کو قدرت نے تخلیقی صلاحیت عطا کی۔ گھر میں آپ کے علاوہ کسی اور بہن بھائی کو بھی لکھنے کا شوق تھا؟

س 2۔ آپ کے گھر والے، خاندان والے آپ کی کہانیاں پڑھتے ہیں؟ ان کی آپ کی تحریروں کے بارے میں کیا رائے ہے؟

س 3۔ آپ کی کوئی ایسی کہانی جسے لکھ کر آپ کو اطمینان محسوس ہوا ہو؟ اب تک جو لکھا ہے، اپنی کون سی تحریر زیادہ پسند ہے؟

س 4۔ اپنے علاوہ کن مصنفین کی تحریریں شوق سے پڑھتی ہیں؟

س 5۔ اپنی پسند کا کوئی شعر یا اقتباس ہماری قارئین کے لیے لکھیں۔

آیئے دیکھتے ہیں مصنفین نے ان کے سوالات کیا جوابات دیے ہیں۔

حرفِ سادہ کو دیا اعجاز کا رنگ

امت الصبور

مصباح نوشین

1 لکھنے کا شوق مجھے صرف قدرت نے عطا کیا۔۔۔ میرے خاندان میں دور دور تک کسی کو لکھنے کا کوئی شوق نہیں ہے نہ ہی میرے کسی بہن بھائی کو کبھی شوق ہوا۔۔۔ البتہ میری امی کو پڑھنے کا شوق ہے اور انہوں نے ہمیشہ ان ڈائجسٹ کو پڑھا اور ہر اچھی کتاب کو بھی۔۔۔ شاید یہی وجہ ہو کہ مجھے کبھی بھی ادب سے اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔۔۔ اگر میں کہوں کہ میں پیدائشی طور پر پیدا ہی مصنفہ ہوئی تھی تو یہ بالکل بھی غلط نہیں ہوگا مجھے صرف رائٹر ہی بننا تھا۔ میں اس کے علاوہ کسی بھی اور پروفیشن میں ہوتی تو ہمیشہ اپنے ساتھ اور اس پروفیشن کے ساتھ زیادتی ہی کرتی۔۔۔ اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے اس پروفیشن میں بے پناہ عزت دی۔ آج میں ایک پروفیشنل رائٹر ہوں۔۔۔ وہ

عدد کتابوں کی مصنفہ اور ڈرامہ رائٹر بھی۔۔۔۔ میں آج کل جیو انٹرٹینمنٹ کے لیے ایک سیریل لکھ رہی ہوں اور تین ڈراموں کا کانٹریکٹ ان کے ساتھ کر چکی ہوں۔ اور ایک بات یہ بھی کہ میں بہت زیادہ محنتی ہوں۔ میں اللہ کی مدد کے ساتھ ساتھ خود پر بہت بھروسا کرتی ہوں۔ میں کبھی بھی ہمت نہیں ہارتی بلکہ مشکلات سے ٹکرا جاتی ہوں اور پھر اس کا پھل بہت ہی میٹھا اور عمدہ ملتا ہے۔

2 اس سروے کا بہترین سوال۔۔۔۔ جس کا جواب میں سو فی صد سچ پر مبنی ہی لکھوں گی۔۔۔۔ تو میری پیاری بہنو سنو۔۔۔ میرے گھر میں سے ہمیشہ میری امی اور بہن نے میری ہر تحریر کو پڑھا' سراہا اور تنقید کر کے اصلاح بھی کی۔۔۔ مگر میرے خاندان والے اول تو میری کوئی تحریر پڑھتے نہیں اگر پڑھ لیں تو بتاتے نہیں۔۔۔۔ کبھی بھولے بھٹکے کسی رشتے دار خاتون یا کسی کزن سے پوچھا تو کہا "اچھی ہے" مگر پیٹھ پیچھے جو ان کی رائے میں نے ہمیشہ سنی وہ یہ کہ مجھے لکھنا ہی نہیں آتا (ہاں یہ وہ واقعی میں سچ کہتے ہیں) ارے یہ بھی کوئی کہانی ہے۔

پہلی رائے تو یہ تھی کہ کافی عرصہ لوگوں کو یقین ہی نہیں آیا کہ میں رائٹر ہوں۔۔۔۔ قارئین میں ایک پسماندہ گاؤں کی رہنے والی ہوں جہاں پر مجھے ہمیشہ سہولیات کی کمی رہی ہے۔ مجھے اچھی اور بہترین کتاب کے حصول کے لیے ہمیشہ بہت تگ و دو کرنی پڑی ہے۔ میں نے اچھا برا جو بھی سیکھا۔ وہ ان پرچوں سے ہی سیکھا' بلاشبہ ان پرچوں کی تمام مصنفین بہت قابل ہیں جن سے ہمیشہ مجھے بہت کچھ سیکھنے کو ملا اور ابھی تک میں سیکھ رہی ہوں۔۔۔۔ لہٰذا میرے خاندان والوں کو لگتا تھا کہ میں جھوٹ بولتی ہوں۔ وہ کوئی اور مصباح نوشین ہے اور میں جھوٹ موٹ اپنا نام لیتی ہوں اور ایسا سب نہیں کچھ لوگ کہا کرتے تھے۔

مگر جب میری پہلی کتاب مارکیٹ میں آئی تو لوگوں کو یقین آیا۔ جو قریبی عزیز ہیں' وہ البتہ جانتے تھے مگر سب کا ذاتی اور پختہ خیال تھا کہ میں اپنی کوئی سوچ اور صلاحیت نہیں رکھتی بلکہ دیگر رائٹرز سے متاثر ہو کر عام سا ہی لکھتی ہوں۔۔۔۔ کچھ نے تو یہ بھی کہا کہ لکھنا کہاں کا کمال ہے۔ آرام سے کاغذ قلم لے کر ایر کنڈیشن روم میں سارا دن بیٹھ کر لکھتے رہو۔ لیکن میں ان صفحات کے حوالے سے کہنا چاہوں گی کہ میری پیاری بہنو۔۔۔۔ اگر یہ کوئی کمال نہیں تو آپ لوگ مجھے ایک افسانہ ہی لکھ دو۔۔۔ ویسا ہی عام سا جیسا میں لکھتی ہوں حالانکہ میں جانتی ہوں کہ آپ سب لوگ مجھ سے زیادہ اچھا اور بہترین لکھ سکتے ہو۔۔۔۔ لیکن مجھے منہ توڑ جواب دینے کے لیے عام سا بے حد عام سا مگر پلیز ایک تو ضرور ہی لکھ دو۔۔۔۔

اور اب میں ٹی وی سیریل لکھ رہی ہوں۔۔۔۔ اس پر بھی یقیناً" اسی طرح کے تبصرے ہوں گے۔۔۔۔ میں کبھی بھی سمجھ نہیں سکی کہ میرا خاندان ایسی باتیں کیوں کرتا ہے۔۔۔ یا تو میں واقعی میں ان کی امیدوں پر پورا نہیں اتری۔۔۔۔ یا وہ میری کامیابی اور میری صلاحیتوں سے خائف ہیں۔۔۔ یا یہ کوئی اور جذبہ ہے۔۔۔۔ شاید یہ سطریں پڑھ کر کوئی سمجھ سکے تو پلیز مجھے ضرور بتائیں۔

یہ تو سروے میں سوال تھا تو میں نے اس کا یہی جواب دینا تھا کیونکہ یہی وہ منفی رویہ تھا جو میں نے ہمیشہ دیکھا' سنا اور محسوس کیا۔۔۔ لیکن اب میں ان سب چیزوں سے بہت آگے نکل آئی ہوں مجھے کسی کی بھی کسی بات سے کبھی کوئی فرق نہیں پڑا۔۔۔۔ میری کامیابیاں' میرے خواب' میری خواہشات' میری زندگی سب کچھ میرا ہے۔ میں اسے ان لوگوں سے شیئر ہی نہیں کرتی جن کو سمجھ ہی نہیں ہے اور پھر اس بات پر یہ کہہ دینا کہ یہ جھوٹ کہتی ہے بھلا بتاؤ پورے خاندان میں کون میرا رازدار ہے؟ میری ماں میری ہر کامیابی پر خوش ہوتی ہیں اور میرے لیے دعاگو ہیں۔ میری پیاری بہن ہمیشہ مجھے سراہتی ہے اور وہ دونوں میری ہر بات سے واقف ہوتی ہیں۔ خاندان کے چند پڑھے لکھے لوگ مجھے بے حد سراہتے ہیں' وہ مجھے بھی

ہیں اور فخر بھی کرتے ہیں اور میری سسرال میں بھی سب بہت تعریف کرتے ہیں اور ہمیشہ کرتے ہیں۔

3 پہلی بات میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ کبھی کوئی بھی تخلیق کار اپنی تخلیق سے سو فی صد طور پر کبھی بھی مطمئن نہیں ہوا۔۔۔ ہاں لیکن کچھ تحاریر ایسی ضرور ہوتی ہیں جو ہر لکھاری کے دل کے قریب ہوتی ہیں۔۔۔ میں نے ایسی دو تحریریں لکھی ہیں جن کو لکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں نے کچھ بہتر کام کیا ہے جنہیں لکھنے میں مجھے مشکل میں بھی مزہ آیا اور میں نے کافی ریسرچ ورک بھی کیا شعاع کے لیے میں نے ایک ناول لکھا تھا جو جنوری 2015ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔

اس ناول کے لیے میں نے ایک رسک لیا تھا۔۔۔ حشمت زیدی کے کردار کو تخلیق کرنا اور پھر بالکل اسی طرح اسے اپنی سوچ کے مطابق صفحہ قرطاس پر لانا ایک مشکل امر تھا میرے جیسی نو آموز لکھاری کے لیے اس کی ذات کا منفی پہلو جو اچھائی کی پرتوں میں چھپا تھا اور کہانی کی اصل روح اور اس کا مقصد قارئین کو ویسے ہی دکھانا سب سے مشکل تھا۔۔۔ اور اس ناول کو لکھنے کے بعد مجھے بہت اطمینان محسوس ہوا۔ جب یہ شائع ہوا تو بہت بڑے بڑے رائٹرز کی جانب سے مجھے جتنی تعریف و توصیف ملی اس کے لیے میں ان کی محبت کی اور خلوص کی احسان مند ہوں۔

اس ناول کے بعد مجھے ایک چینل سے سیریل کی آفر ملی۔۔۔ بہت بڑے ڈرامہ رائٹر نے ایک جملہ کہا جس نے مجھے مبہوت کر دیا۔ انہوں نے کہا "تمہارا ناول ایک کلاسک ناول ہے، جو ہر قاری کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ تم ایک بہترین مصنفہ ہو اور تمہارا مستقبل بہت روشن اور تابناک ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور ناول بھی ہے مگر وہ ابھی شائع نہیں ہوا اس لیے اس پر ابھی بات نہیں کروں گی۔۔۔ مگر وہ میری پسندیدہ ترین تحریر ہے۔ اب دیکھتے ہیں وہ کب شائع ہوتا ہے۔

4 اپنے علاوہ یہ پوچھیں کہ میں کس کس کو نہیں پڑھتی۔۔۔ میں سمیرا حمید کی دیوانی ہوں۔۔۔ عمیرہ احمد

نمرہ احمد کی ہر تحریر میں سانس روک کے پڑھتی ہوں، نایاب جیلانی، رخسانہ نگار عدنان، عنیزہ سید، صائمہ اکرم چوہدری اور اس ادارے کی ہر نئی پرانی رائٹر۔۔۔ اس کے علاوہ۔۔۔ گزشتہ برس میرے ہاتھ بے حد نایاب اور قیمتی کتابوں کا خزانہ لگا اور ایک کتاب تو ایسی ملی کہ جس میں مجھے پورا بین الاقوامی ادب پڑھنے کو مل گیا۔ پوری دنیا کے چنیدہ رائٹرز کا انتخاب جسے اکادمی ادبیات نے ایک کتاب میں یکجا کر دیا تھا۔۔۔ اس کتاب میں تقریباً" 400 اہل قلم کی بہترین اور عالمی سطح پر منتخب کردہ تحریریں ہیں۔

جس میں آسٹریلیا، ازبکستان، افغانستان، البانیہ، امریکہ، ترکی، ایران، برازیل، انڈیا، بنگلہ دیش، تھائی لینڈ، جاپان، جرمنی افریقہ اور لاتعداد ممالک کے خوب صورت رائٹرز کے انتخاب بے حد خوب صورت۔۔۔ اس کے علاوہ میں نے گزشتہ سال بہت خوب صورت کتابیں پڑھیں۔ میں مغربی ادب سے واقف ہوئی۔۔۔ مغربی ادب مجھے ہمارے ادب سے بالکل منفرد لگا اس لیے مجھے اسے سمجھنے میں کافی دقت ہوئی لیکن کتاب کے اینڈ پر میں نے ہمیشہ کی طرح کافی کچھ سیکھنے کو پالیا۔

ڈائجسٹ رائٹرز کے علاوہ میرے فیورٹ گیبریل گارشیا مارکیز۔۔۔ "نجیب محفوظ" آغا گل اور محمد عاصم بٹ ہیں۔ ان کے ناول دائرہ کو میں تھوڑا سا ہی پڑھ پائی

مگر اش اش کر اٹھی۔ اس قدر گہرا مشاہدہ ہونا اور پھر اس کو لکھ دینا کمال سے کم نہیں۔ ان کی منظر نگاری اس ناول کی کامیابی کی ضمانت بنی تب ہی تو ایک سال میں اس کا تیسرا ایڈیشن شائع ہوا تھا۔

اس کے علاوہ بہت ساری کتابیں ہیں جو میرے ریک میں سجی ہیں مگر میں انہیں ابھی پڑھ نہیں سکی۔

"محبتوں کے آسیب" یہ "گیبریل گارشیا مارکیز کا نامور ناول ہے یہ ناول بہت خوب صورت۔ ہے مگر میں نے اسے بہت مشکل سے سمجھ سمجھ کر پڑھا تھا۔ یوں کہہ لیں کہ یہ ناول میری ضد سی بن گیا تھا۔

پھر میں نے بیلا کو پڑھا۔۔۔ اس کے لکھاری وائس چانسلر یونیورسٹی آف بلوچستان کے آغا گل ہیں۔۔۔ اس ناول کے رحمان اور بیلا کو میں تاعمر نہیں بھلا سکتی۔۔۔ نہ رحمان کی قربانیوں کو نہ بیلا سے اس کے عشق کو اور یہ وہ ناول تھا جس کو پڑھتے ہوئے میرے سارے اندازے اور تکے غلط نکلے اور مجھے اپنے غلط ہونے پر بے حد خوشی محسوس ہوئی تھی۔۔۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں میرے پاس رکھی ہیں۔ اللہ کرے میں انہیں جلد ہی پڑھ سکوں۔ اور اگلے سروے میں ان پر سیر حاصل تبصرہ کرنے کا مجھے موقع مل سکے۔

5 اپنی پسند کا کوئی شعر۔۔۔ پسندیدہ اشعار کی تعداد ایک نہیں ہزاروں کی تعداد میں ہوں گے لیکن مجھے اشعار یاد نہیں رہتے اور حیرت اور افسوس کی بات یہ ہے کہ مجھے شاعری زیادہ اپیل نہیں کرتی۔۔۔ مجھے بے شمار شاعری کی کتابیں تحفے میں ملتی ہیں مگر میں کبھی بھی انہیں پورا پڑھ نہیں پائی مگر آج کل ایک شعر اچھا لگتا ہے وہ ہی لکھ رہی ہوں۔

اس نے کہا۔۔۔ کیسے میں تمہارے عشق کو سمجھوں

میں نے کہا عشق کر، بہت کر اور انتہا کر کے چھوڑ دے

آخر میں میں ادارے اور امتل کی بے حد ممنون ہوں ان کا محبت بھرا لہجہ اور آواز پہچان کر فوراً" میرا نام لے لینا مجھے بے حد خوشی کے ساتھ حیرت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ان کے موبائل نمبر پر فون نہ بھی کروں لینڈ لائن پر بھی ان سے بات ہو تو وہ فوراً" پہچان جاتی ہیں۔۔۔ یہی بات واضح کرتی ہے کہ انہیں اپنی مصنفین بہنیں کس قدر عزیز ہیں۔

باتیں عمران اشرف سے

شاہین رشید

1 "اصلی نام؟"

"عمران اشرف۔"

2 "پیار کا نام؟"

"اتنا پیار کسی نے کیا ہی نہیں کہ نام بدل دے۔"

3 "تاریخ پیدائش/شہر؟"

"11 ستمبر 1989ء/اسلام آباد۔"

4 "ستارہ/قد؟"

"ورگو/6 فٹ۔"

5 "بہن بھائی/آپ کا نمبر؟"

"تین بہنیں ایک بھائی اور میں/آخری نمبر ہے میرا۔"

6 "تعلیم؟"

"گریجویٹ ہوں۔"

7 "پہلی کمائی؟"

"500 روپے۔ ایک ٹیلی فلم میں کام کیا تھا۔"

9 "رات میں کب سوتے ہیں؟"

"رات کو نیند کم آتی ہے۔"

10 "صبح اٹھ کر دل چاہتا ہے؟"

"کہ خدا کرے کوئی آرٹسٹ سیٹ پہ نہ پہنچا ہو۔"

11 "شادی...؟"

"ابھی کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ابھی میرا سارا فوکس اپنے کام پر ہے۔"

12 "پسند کو ترجیح دیں گے؟"

"ابھی سوچا نہیں... ویسے کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

13 "اپنے ملک کے لوگوں سے کوئی شکایت؟"

"کہ جو قوانین بنائے گئے ہیں اسے مت توڑیں اسے فالو کریں۔"

14 "قومی تہوار مناتے ہیں؟"

"بہت جوش و خروش کے ساتھ مناتا ہوں۔ میرا ملک آزاد ہے اور ہمیشہ آزاد رہے گا۔"

15 "ویلنٹائن ڈے مناتے ہیں؟"

"کالج کے زمانے میں بہت مناتے تھے... بڑے پھول دینے کی کوشش کی' واپس ہی مل گئے... قہقہہ... مذاق کر رہا ہوں۔ جب احساس ہوا کہ محبت کے لیے کوئی خاص دن نہیں ہوتا تو پھر چھوڑ دیا۔"

16 "شدید بھوک میں کیفیت؟"

"موت نظر آرہی ہوتی ہے۔"

17 "دوستوں میں وقت گزارتے ہیں یا رشتے داروں میں؟"

"نہ دوستوں میں نہ رشتے داروں میں... بلکہ تنہائی میں وقت گزارتا ہوں۔"

18 "کس دن کا انتظار رہتا ہے؟"

"کوئی ایسا خاص دن ہے۔ جس کا مجھے خود بھی پتا نہیں ہے۔ مگر مجھے اس کا انتظار رہتا ہے۔"

19 "تھکن میں بھی کہاں جانے کے لیے تیار رہتے ہیں؟"

"کوئی خاص جگہ نہیں ہے۔ میرے لیے بہتر یہی ہوتا ہے کہ آرام کروں... مجھے لیٹنا اچھا لگتا ہے... لیٹ کر بات کرنا لیٹ کے ٹی وی دیکھنا۔"

20 "خوشی کے اظہار کا طریقہ؟"

"جپھی پا کر' گلے لگا کر اور کسی کو کوئی اعتراض نہ ہو تو۔"

21 "ضدی ہیں؟"

"جس ضد میں کسی کا نقصان نہ ہو اور جس ضد میں میرا فائدہ ہو' وہ دونوں نہیں چھوڑتا۔"

22 "دماغ گھوم جاتا ہے؟"

"جب کوئی کسی کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتا ہے۔"

23 "غصے میں کیفیت؟"

"نارمل رہتا ہوں اور غلط کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

24 "خواتین میں کیا بات متاثر کرتی ہے؟"
"دنیا میں کسی بھی قسم کی خواتین ہوں' لڑکیاں ہوں' مجھے اچھی لگتی ہیں۔"
25 "لڑکیوں کا گھورنا کیسا لگتا ہے؟"
"بڑا اچھا لگتا ہے۔"
26 "آپ ڈرتے ہیں گھر میں؟"
"اپنے آپ سے... میرا غصہ تیز ہے۔"
27 "لاٹری یا پرائز بانڈ میں دلچسپی؟"
"نہیں... میرا ایمان ہے کہ میری قسمت میں جو لکھا ہو گا وہ مجھے خود ہی مل جائے گا۔"
28 "وقت سے زیادہ نہیں' وقت سے پہلے نہیں... مانتے ہیں؟"
"ہاں... لیکن مجھے سمجھ بوجھ وقت سے پہلے مل گئی ہے۔"
29 "اپنی کمائی دوسروں کو بتانی چاہیے؟"
"نہیں... اپنی پرائیویسی ہونی چاہیے... اپنا اکاؤنٹ ہونا چاہیے۔"
30 "محبت کا اظہار کھل کر کرتے ہیں؟"
"اتنا کھل کر کرتا ہوں کہ جس سے کرتا ہوں اسے اپنے ہونے کا یقین نہیں ہوتا۔"
31 "دنیا میں آنے کا مقصد؟"
"میرے رب کو پتا ہو گا اور اس نے مجھ سے جو کروانا ہے وہ کرواتا جا رہا ہے۔"
32 "خریداری میں آپ کی ترجیح؟"
"ضرورت کی چیزیں... فضول خرچی نہیں کرتا۔"
33 "بچپن کی کوئی برائی جو ابھی تک آپ میں موجود ہے؟"
"بچپن دیکھا ہی نہیں... کرائسس میں وقت گزرا۔"
34 "پیسہ ہاتھ کا میل ہے؟"
"نہیں... بہت محنت سے پیسہ آتا ہے۔"
35 "پسندیدہ فوڈ اسٹریٹ؟"
"میں فوڈ لور ہوں۔ میں کھانے کا عاشق ہوں اور عشق سچا تب ہی ہوتا ہے' جب وہ ملے نہ اور میں بھی جب سے فیلڈ میں آیا ہوں مجھے کھانا صحیح طرح نہیں ملتا ہے۔"
36 "بہترین تحفہ؟"
"کسی کو کوئی اچھا انسان مل جائے' کوئی اچھی گائیڈ لائن دینے والا مل جائے اس سے اچھا تحفہ کیا ہو گا۔"
37 "کس بات سے موڈ اچھا ہو جاتا ہے؟"
"کوئی بھی خوب صورت بات' کوئی بھی خوب صورت انسان۔ موڈ پہ اچھا اثر ڈال سکتا ہے۔"
38 "مخلص اپنے ہوتے ہیں یا پرائے؟"
"وہ جنہیں آپ سے بہت ہی گہرا مطلب ہوتا ہے وہ مخلص ہوتے ہیں۔"
39 "آنکھ کھلتے ہی بستر چھوڑ دیتے ہیں؟"
"میرے کئی موڈ ہیں... کوئی پتا نہیں ہوتا' آنکھ کھلتے ہی بستر چھوڑ دوں... کوئی پتا نہیں کہ آرام سے چھوڑوں۔"
40 "چھٹی کا دن کہاں گزارتے ہیں؟"
"چھٹی؟ یہ کیا بات ہوئی۔"
41 "کسی کی سچی محبت دیکھنی ہو تو؟"
"انتظار۔"
42 "اپنی شخصیت کے لیے ایک لفظ یا جملہ؟"
"کوہ۔"

43 "گھر کے کس کونے میں سکون ملتا ہے؟"

"جہاں بے سکونی نہ ہو۔"

44 "اگر ڈھیر ساری چھٹیاں ایک ساتھ مل جائیں تو؟"

"اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو۔"

45 "ایک آرٹسٹ جس کے ساتھ کام کرنا چاہتے ہیں؟"

"ایک نہیں... ہر اس آرٹسٹ کے ساتھ جو سین کو سمجھتا ہو' کام کو سمجھتا ہو... اپنے کردار کو سمجھتا ہو... انفرادی ہو کر نہ سوچے۔"

46 "کس کے ایس ایم ایس کے جواب "فوراً" دیتے ہیں؟"

"جس کے ایس ایم ایس پڑھ لوں۔"

47 "بوریت کس طرح دور کرتے ہیں؟"

"سوچتا ہی رہ جاتا ہوں کہ کیا کروں۔"

48 "کوئی کردار جو ہٹ گیا ہو؟"

"ہٹ تو ماشاء اللہ کافی گئے ہیں... "گل رعنا" میں اشعر کا کردار کافی مقبول گیا تھا۔ کالا جادو کا "کرم" کافی ہٹ گیا تھا۔"

49 "آپ کے والٹ کی تلاشی لیں تو کیا کیا نکلے گا؟"

"جو میرے کام کی چیزیں ہوں گی وہ میرے جیب میں ہوں گی۔ والٹ میں کچھ نہیں ہو گا۔"

50 "کسی کو فون نمبر دے کر پچھتائے؟"

"اب زمانہ بدل گیا ہے... جو پسند آجائے اسے فیس بک پہ ریکویسٹ بھیج دیتا ہوں۔"

51 "سر عام کسی نے لوٹا؟"

"ہاں ایک بار مگر میرے پاس زیادہ کچھ نہیں تھا۔"

52 "اگر پاور میں آگئے تو کیا کریں گے؟"

"رب کے زیادہ قریب ہو جاؤں گا اور زیادہ ڈرنے لگوں گا۔"

53 "کیا چیزیں جمع کرنے کا شوق ہے؟"

"بانٹنے کا شوق ہے' جمع کرنے کا نہیں۔"

54 "نصیحت جو بری لگتی ہے؟"

"نصیحت بری نہیں لگتی اور اچھی نصیحت تو بہت اچھی لگتی ہے' حسد جب نصیحت کا لباس اوڑھ لیتا ہے تو بہت برا لگتا ہے۔"

55 "وقت کی پابندی کرتے ہیں؟"

"ہاں... مگر مجبوراً۔"

56 "پیسہ خرچ کرتے ہیں؟"

"بالکل خرچ کرتا ہوں اور جس کو ضرورت ہو اس پر کرتا ہوں۔"

57 "اپنے اوپر کتنا خرچ کرتے ہیں؟"

"زیادہ نہیں... گھر والوں پر زیادہ خرچ کرتا ہوں۔"

58 "کھانے کے لیے پسندیدہ جگہ... ڈائننگ ٹیبل' چٹائی یا اپنا بیڈ؟"

"بھری ہوئی پلیٹ... جگہ کوئی بھی ہو۔"

59 "دنیا سے کیا ریوارڈ لینا چاہتے ہیں؟"

"دنیا کیا دے گی مجھے؟... میرا رب مجھے دے گا۔"

60 "انٹرنیٹ اور فیس بک سے لگاؤ؟"

"بہت زیادہ۔ ہر وقت ساتھ رہتا ہوں۔"

61 "اپنے آپ کو ساتویں آسمان پر کب محسوس کرتے ہیں؟"

"نہیں... میں بہت ڈرتا ہوں اپنے رب سے۔"

62 "فیوچر پلاننگ؟"

"اپنے کام کو بہتر کرتے چلے جانا۔"

63 "کھانے کس قسم کے پسند ہیں؟"

"دیسی اور صرف دیسی۔"

64 "عشق کے بخار چڑھے؟"

"ہائے... ہائے... ابھی اترے ہی کہاں ہیں۔"

65 "عورت نرم دل ہوتی ہے یا مرد؟"

"عورت بہت پیاری ہوتی ہے... بس مجھے یہ پتا ہے۔"

66 "کوئی سوال جو بار بار کیا جاتا ہو؟"

"تم دبلے کیوں نہیں ہوتے۔"

67 "کوئی ایسی پسندیدہ شخصیت جس کو اغوا کرنا چاہتے ہیں اور تاوان میں کیا وصول کرنا چاہتے ہیں؟"

"جس پیاری شخصیت کو اغوا کروں گا اس کے تاوان کے

لے کہوں گا یہ مجھے ہی دے دیں۔"
68 "کن کیڑوں سے ڈر لگتا ہے؟"
"سوچ کے کیڑوں سے۔"
69 "کیا محبت اندھی ہوتی ہے؟"
"محبت تو آنکھوں والی ہوتی ہے۔ ایک نہیں ہزاروں آنکھیں ہوتی ہیں اس کے پاس۔"
70 "شادی میں پسندیدہ رسم؟"
"تعبیر۔"
71 "تحفہ بہتر ہے یا کیش؟"
"کیش۔"
72 "ناشتہ اور کھانا کس کے ہاتھ کا پسند ہے؟"
"میں نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ گھر سے باہر گزارہ ہے تو بڑے ہاتھوں کا مزا چکھا ہے۔ اس لیے میری خواہشیں کوئی اتنی زیادہ نہیں ہیں۔"
73 "کس تاریخی شخصیت سے ملنے کی خواہش ہے؟"
"علامہ اقبال سے۔"
74 "کیا بار بار فون نمبر تبدیل کرتے ہیں؟"
"نہیں۔ پانچ سال ہو گئے ہیں نمبر تبدیل نہیں کیا۔"
75 "آپ کو فوبیا ہے؟"
"کوئی بھی سوچ۔ نگیٹو سوچ سے بچتا ہوں۔"
76 "کن چیزوں کو لیے بغیر گھر سے نہیں نکلتے؟"
"میرے پاس اتنی چیزیں ہوتی ہی نہیں۔ فون ہوتا ہے اور میں ہوتا ہوں۔"
77 "دوسروں سے مختلف ہیں؟"
"ہاں ہوں۔ اس لحاظ سے کہ حقیقت پسند زیادہ ہوں۔"
78 "ماں ناراض ہو جائے تو؟"
"تو فوراً منا لیتا ہوں۔"
79 "وہ غلطی کا اعتراف کرتے ہیں؟"
"بالکل اور بہت چیخ و پکار کے ساتھ۔"
80 "دل کی سنتے ہیں یا دماغ کی۔؟"
"دونوں کی دوستی اچھی ہے۔"
81 "بچپن کا کوئی کھلونا جو آج بھی سنبھال کر رکھا ہوا ہے؟"
"مجھے یاد ہی نہیں ہے کہ میں نے بچپن میں کوئی کھلونا دیکھا ہو۔"
82 "کبھی غصے میں کھانے سے لڑائی کی؟"
"بہت بار۔ مگر پھر منا کر کھانا کھلاتا ہوں۔"
83 "شہرت مسئلہ بنتی ہے؟"
"بڑی خوب صورت چیز ہے شہرت۔ مسئلہ نہیں بنتی۔"
84 "بستر پر لیٹتے ہی نیند آ جاتی ہے یا۔۔۔؟"
"نہیں جلدی نیند نہیں آتی۔ کروٹیں بدلتا رہتا ہوں۔"
85 "بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ کیا کیا چیزیں رکھتے ہیں؟"
"سائیڈ ٹیبل ہے ہی نہیں۔"
86 "خدا کی حسین تخلیق؟"
"ہر چیز۔"
87 "زندگی کب بری لگتی ہے؟"
"جب پتا چلتا ہے کہ ختم ہو جائے گی۔"
88 "کھانے کی ٹیبل پہ کیا نہ ہو تو کھانے کا مزا نہیں آتا؟"
"نہیں مجھے ہمیشہ مزہ آتا ہے اور ہر چیز ہو تو پھر اسے بونس سمجھتا ہوں۔"
89 "پیسہ محنت سے ملتا ہے یا قسمت سے؟"
"پیسہ قسمت سے بھی ملتا ہے مگر جو مزا محنت کی کمائی کا ہے کسی اور میں نہیں۔"
90 "زندگی کب بدلی؟"
"زندگی نہیں بدلی۔ میں بدل گیا ہوں۔"
91 "کوئی گہری نیند سے اٹھا دے تو؟"
"اگر وہ مجھ سے بڑا ہو گا تو خیر ہے اور چھوٹا ہو گا تو چھوڑوں گا نہیں۔"
"سنیما میں سب سے پہلی فلم کون سی دیکھی تھی؟"
"تیرے پیار میں۔"
"اگر آپ کی شہرت کو زوال آ جائے تو؟"
"میں اس کے لیے تیار ہوں۔"

☆

خاموشی کو بیاں ملے

ادارہ

شازیہ الطاف ہاشمی..... شجاع آباد

میرا نام شازیہ الطاف ہاشمی ہے اور میرا تعلق شجاع آباد کے چھوٹے سے گاؤں سے ہے۔ سانولی سلونی لمبے سے قد کی خوب صورت نین نقوش والی میٹرک پاس لڑکی ہوں شادی کو آٹھ سال ہونے والے ہیں دو پیاری سی بیٹیوں کی امی جان ہوں۔ فاطمہ زہرہ اور آمنہ الطاف۔ فارغ وقت میں شعاع' خواتین اور اخبار کا مطالعہ جو تقریباً" سارا دن جاری رہتا ہے اور ہاں دن کے تین بجے اپنی بیٹی فاطمہ زہرہ کا ہوم ورک کروانا اور موبائل میرے پاس نہیں ہے' شام کو میاں صاحب کے آنے پر امی کو کال کر کے خیر خیریت پوچھنا۔ میرے مشاغل ہیں۔

2 ۔ خوبیاں اور خامیاں۔ خامی میری سب سے بڑی یہ ہے کہ بے حد سادہ بلکہ بے وقوف لڑکی ہوں۔ کرنا کچھ ہوتا ہے کر کچھ بیٹھتی ہوں کہنا کچھ اور ہوتا ہے اور کہہ کچھ اور بیٹھتی ہوں۔ زندگی میں جھوٹ بھی بولنے پڑتے ہیں کبھی ضرورت کے تحت مگر مجھ پر جھوٹ بولتے ہوئے جو گزرتی ہے' جھوٹ بہت مشکل سے بولتی ہوں۔ دل میں کسی کے لیے عناد پالنا چاہتی ہوں تو بھی میرا دل صاف رہتا ہے۔ منہ پھٹ ہوں بات منہ پہ کہہ دیتی ہوں۔ حساس بے حد ہوں ذرا سی بات پہ رو پڑتی ہوں اور کبھی بڑے بڑے دکھ آرام سے سہہ جاتی ہوں صفائی پسند ہوں۔

3 ۔ خواتین سے وابستگی؟

خواتین سے وابستگی بہت ہی پرانی ہے۔ (اللہ جنت نصیب فرمائے) میرے والد صاحب کو ایک دفعہ مجھے ایک پھیری والے سے امرود لے کر دیے اس نے جس ورق میں امرود کاٹ کے دیے' وہ اسی خواتین یا شعاع کا تھا۔ امرود کھا کر میں اس صفحے میں گم ہو گئی اور آج تک کھوئی ہوئی ہوں' اس کے بعد سے میں ان رسالوں کو پلاؤ کی طرح عزیز رکھنے لگی (مجھے پلاؤ بہت پسند ہے) اور رسالے بھی اسی طرح لیتی ہوں اور میرے میاں صاحب نے بھی مجھے ان کا نشہ لگا دیا ہر مہینے رسالہ (دونوں) بغل میں دبائے چلے آتے ہیں اور انگڑائی لے کے پھینک دیتے ہیں' ان کا یہ انداز مجھے بے حد پسند ہے۔

4 ۔ ڈائجسٹ سے رشتہ۔

ان کی سنگت میں وہ وہ رسالے پڑھ ڈالے ہیں جو میری پیدائش سے بھی پہلے کے ہوں گے۔ اور میرے والد صاحب نے بھی بہت رسالے پڑھوائے البتہ امی مجھے رسالوں میں غرق دیکھ کے کر۔ جھاڑ و رسید کر دیتی تھیں۔ "من و سلویٰ'" "ایک تھی مثال" "میڈم یاقوت" "نزہت شبانہ حیدر کی پہلی کہانی پڑھی تھی۔ (مطلب سب سے پہلے ان ہی کی ایک کہانی پڑھی تھی) عائشے گل اور ہمارے گل نہیں بھولتیں۔

5 ۔ پسندیدہ اشعار' اقتباس۔

پسندیدہ غزل "بھولتا کون ہے" پروین شاکر کی میں اپنے ہاتھوں سے اس کی دلہن سجاؤں گی" احمد فراز کی غزلیں' مرزا غالب کے اشعار اور غزلیں لگتا ہے' ابھی ابھی لکھی گئی ہیں ان کے شعروں کی تازگی آج تک برقرار ہے۔ پسندیدہ کتاب قرآن مجید ہے جب کھولیں نئی بات سامنے آتی ہے' سوچ کے نئے در وا کرتی ہے اور لفظوں کی خوب صورتی اور ان کا ربط بہت حیران کن ہوتا ہے اور سیرۃ النبی کی ہر کتاب' ہر اقتباس پسند ہے اگر میسر ہو جائے تو۔

پسندیدہ شعر۔

اس کے سب جھوٹ بھی سچ ہیں محسن
شرط اتنی ہے وہ بولے تو سہی

قلعہ فلک بوس کا آسیب آیو شمتی۔۔۔ ایک بھٹکتی روح جس کے اسرار سے کوئی واقف نہیں ہے۔

معاویہ فلک بوس آتا ہے تو اسے وسامہ کی ڈائری ملتی ہے۔

فلک بوس میں وسامہ اپنی بیوی آئے کت کے ساتھ رہتا ہے۔ وسامہ بہت اچھا اور ذہین مصنف ہے۔ وہ باوقار اور وجیہہ شخصیت کا مالک ہے لیکن ایک ٹانگ سے معذور ہے۔ وہ غیر معمولی حساس ہے۔ اسے قلعہ فلک بوس میں کوئی روح محسوس ہوتی ہے۔ آوازیں سنائی دیتی ہیں لیکن کوئی نظر نہیں آتا۔ معاویہ' وسامہ کا پھوپھی زاد بھائی ہے' آئے کت اور وسامہ' معاویہ کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ قلعہ فلک میں آیو شمتی کی روح ہے لیکن معاویہ مضبوط اعصاب کا مالک ہے' اسے اس بات پر یقین نہیں آتا۔

کہانی کا دوسرا ٹریک جہاں تین بھائی جوائنٹ فیملی سسٹم کے تحت رہتے ہیں۔

صابر احمد سب سے بڑے بھائی ہیں۔ صابر احمد کی بیوی صباحت تائی جان ہیں اور تین بچے' رامین' کیف اور فہمینہ ہیں۔ رامین کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ملائیشیا میں ہے۔

شفیق احمد کی بیوی فضیلہ چچی ہیں۔ مالی لحاظ سے وہ سب سے مستحکم ہیں۔ شفیق احمد نے ان سے پسند کی شادی کی تھی۔ دو بیٹیاں صیام اور منہا ہیں اور دو بیٹے شاہجہاں اور شاہ میر ہیں۔ بڑے بیٹے شاہ جہاں عرف مٹھو بھائی کا دماغ چھوٹا رہ گیا ہے۔

باسط احمد تیسرے بھائی کا انتقال ہو چکا ہے۔ ان کی بیوی روشن امی اور دو بیٹیاں خوش نصیب اور ماہ نور ہیں۔۔۔ خوش نصیب کو سب منحوس سمجھتے ہیں' جس کی وجہ سے وہ تنک مزاج ہو گئی ہے۔ خوش نصیب کی نانی بھی ان کے ساتھ رہتی ہیں۔ خوش نصیب کو دونوں چچاؤں سے شکایت ہے کہ انہوں نے ان کا حق نہیں دیا ہے۔ گھر کا سب سے خراب حصہ ان کے پاس ہے۔ صباحت تائی جان اور روشن امی خالہ زاد بہنیں ہیں۔ صباحت تائی جان کے چھوٹے بھائی عرفات ماموں جو بہت نرم گفتار اور دل موہ لینے والی شخصیت کے مالک ہیں۔ انہوں نے شادی نہیں کی۔ وہ کیف کے ماموں ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا آئیڈیل بھی ہیں۔

کہانی کا تیسرا ٹریک منفرا اور ٹیمی ہیں۔ منفرا امریکہ میں پڑھنے آئی ہے۔ ہاسٹل میں رہتی ہے۔ زیر زمین ٹرین میں ان کی ملاقات معاویہ سے ہوتی ہے۔ منفرا کی نظریں معاویہ سے ملتی ہیں تو اسے وہ بہت عجیب سا لگتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی سفاکی اور بے حسی ہے۔ منفرا چونک سی جاتی ہے۔

تیسری قسط

اس روز جب سورج طلوع ہوا اور سورج کی کرنیں بشام کے پہاڑوں کی اوٹ سے فلک بوس کی اونچی چمنیوں سے ٹکراتی ہوئی نیچے اتریں اور تالاب کے پانی پر نازک قدموں سے رقص کرنے لگیں تو چند کرنیں کھڑکی کے شیشے سے چھلانگ لگا کر اندر داخل ہوئیں اور صوفہ کم بیڈ پر بے سدھ سوئے ہوئے وسامہ کے چہرے پر پھیلنے لگیں۔

وسامہ پچھلی رات بہت پر سکون ہو کر سویا تھا۔ کرنوں کی شرارت سے وہ کسمسایا پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے پردے کی درز سے ایک روشن چمک دار دن اسے خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ وہ صبح دم کی تازگی لیے مسکراتے ہوئے اٹھ کر بیٹھا۔ پچھلے دو روز کے پریشان کن واقعات کی یاد ابھی اس کے ذہن میں ماند نہیں ہوئی تھی۔ اس نے خوب بازو پھیلا کر رات کی تھکن اتاری۔ انگڑائی لیتے ہوئے اس کی نظر آئے کت پر پڑی۔ وہ ایک صوفے پر سمٹی سمٹائی سو رہی تھی۔ سر ایک طرف کو لڑھکا ہوا تھا۔ گرم لحاف کا کچھ حصہ آئے کت کے گرد لپٹا تھا

اور کچھ سرکتا ہوا نیچے غالیچے پر پھیل گیا تھا۔
وسامہ کو ایک دم سے وہ تمام واقعات یاد آئے جو پچھلی دو راتوں میں اس پر بیتے تھے۔ اس یاد کی نقوش کے ساتھ اس کا دل سہم گیا اور اس نے جلدی سے ادھر ادھر دیکھا۔ کھڑکیوں کے پردے اگرچہ برابر تھے' لیکن کمرے میں دن کا اجالا پھیل چکا تھا اور وہاں صرف دو نفوس تھے وہ اور آئے کت۔ آتش دان میں رات بھر لکڑیاں سلگ سلگ کر راکھ بن چکی تھیں اور اب ان میں زندگی کی رمق باقی نہیں رہی تھی۔
آہستہ آہستہ اس کا ڈر ختم ہونے لگا۔ دن کی روشنی میں یوں بھی یہ احساس کم رہتا تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔ پیر نیچے رکھے سرہانے کی طرف رکھی بیساکھی اٹھا کر ٹانگ سے جوڑی اور بنا آواز چلتا ہوا کھڑکی تک آگیا۔
باہر دن پوری طرح طلوع ہو چکا تھا۔ وسیع و عریض باغیچہ اور اس کے پیڑ پودے مسرور سے دکھائی دیتے تھے۔ تالاب کے وسط میں اپنے پنکھ پھیلائے سفید پری سنہری دھوپ کا لطف لے رہی تھی۔ یہاں سے دور فلک بوس کے مرکزی پورٹیکو میں معاویہ ملازمین کو اکٹھا کیے بات چیت کر رہا تھا۔ وہ نائٹ سوٹ میں ملبوس تھا۔ موسم کے پیش نظر اس نے وسامہ کی لیدر جیکٹ پہن رکھی تھی۔ ہاتھ میں موٹی چھڑی تھی۔ یہ ایسی ہی ایک چھڑی تھی جو جنگل کی طرف جاتے ہوئے وہ سب جنگلی جانوروں کے حملے کے پیش نظر "احتیاطاً" پکڑ لیتے تھے۔ معاویہ صبح خیز لوگوں میں سے نہیں تھا۔ یہ حیرانی کی بات تھی کہ وہ اتنی صبح کیسے بے دار ہوا اور جنگل کا چکر بھی لگا آیا تھا۔
وسامہ نے وہاں سے دھیان ہٹایا اور پردے کی درز کو برابر کر کے واپس صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔ بیساکھی کا بکل اس نے ڈھیلا کر دیا تھا اور اب ٹانگ پھیلا کر نیم دراز ہو گیا تھا۔ وہ کمرے کی محرابی چھت کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے ساتھ رونما ہونے والے تمام تر واقعات پر غور کرنے لگا۔

✡ ✡ ✡

بیری پیر کے مزار کی کرامات یوں تو دور دور تک مشہور تھیں' لیکن سب سے بڑی کشش وہ کھٹے میٹھے بیر تھے۔ جن کے درخت مزار کے بڑے محرابی دروازے کے دائیں بائیں لگے ہوئے تھے۔
زائرین جوق در جوق آتے' دربار میں داخل ہونے سے قبل بائیں ہاتھ والے بیری کے درخت کے نیچے بیٹھے پھولوں والے سے پھولوں کی پتیاں' حسب حیثیت قبر پر چڑھانے کی چادر' نیاز کی بوندی اور مکھانے خریدتے۔ پھر بائیں ہاتھ والے بیری کے نیچے اپنی چپلیں اتار کر تو گن لیتے اور بہ آواز بلند قبر میں سوئے ہوئے بابا جی کو سلام کرتے اندر داخل ہوتے۔ اندر دربار کا کھلا اور وسیع احاطہ تھا۔ جہاں فقیروں اور زائرین کا ملا جلا سا رش لگا ہوتا۔
اب آنے والے لائن سے چلتے ہوئے آتے جاتے' قبر کے پاس کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھتے' رو رو کر گڑگڑا کر اور کچھ

تو باقاعدہ قبر کو سجدہ کرتے ہوئے قبر میں استراحت فرماتے بابا جی سے اپنی خواہش پوری کرنے کی استدعا کرتے۔ پھر چادر چڑھاتے' قبر کے متولی کو چپکے سے نذر کے پیسے پکڑاتے اور الٹے قدموں چلتے ہوئے نہایت ادب اور احترام کے ساتھ باہر نکل جاتے۔ احاطے میں فقیروں کے درمیان بوندی اور نمک پاروں کی نیاز تقسیم کی جاتی اور باہر جاتے جاتے مٹھیاں بھر بھر کر بیروں سے جیبیں اور ساتھ لائے لفافے بھر لیے جاتے تھے۔
کہنے والے کہتے تھے کہ یہ بابا جی کی بابرکت کرامات کا نتیجہ ہے کہ سارا سال ان درختوں سے پھل ختم نہیں ہوتا۔ صرف یہی نہیں وہ تو یہاں تک بھی کہتے تھے کہ یہ جو بیر اتنے میٹھے ہیں یہ بھی بابا جی کی کرامات کا ہی نتیجہ ہے۔
خوش نصیب کو بیری والے مرحوم بابا جی سے تو کوئی دلچسپی نہیں تھی نہ ہی ان کی کسی کرامت پر وہ یقین رکھتی تھی اس کی ساری دلچسپی ان بیروں میں تھی جو ہر بار مزار کے سامنے سے گزرنے پر اسے للچانا شروع کر دیتے تھے۔

سو بیری بیر کے مزار سے اس کا پرانا دوستانہ تھا جو بچپن سے چلا آرہا تھا اور جو اس وقت تک قائم رہتا تھا جب تک بیر کے درخت یہاں موجود تھے۔ وہ سب ان ہی گلیوں میں کھیلتے کودتے شرارتیں کرتے بڑے ہوئے تھے۔ سب بچے یہاں مزار تک ریس لگاتے تھے جس میں زیادہ تر وہ اور کیف ہی جیت جاتے کیونکہ ان دونوں کو ان پرانی اور تنگ چھوٹی گلیوں کے سارے راستے معلوم تھے۔ باقی بچوں کے یہاں پہنچنے تک وہ دونوں کچے بیروں سے جیبیں بھر لیتے اور پھر باقیوں کو تاک تاک کر مارتے۔

بچپن گزر گیا قیمتی یادیں چھوڑ گیا۔

واپسی پر خوش نصیب کے ذہن میں بہت سی باتیں گھوم رہی تھیں۔ گھر جانے سے پہلے اسے بیر چاہیے تھے۔ گلی نمبر سات کے چوراہے پر فریحہ سے ملاقات ہو گئی۔ وہ سر پر دوپٹا اوڑھے اپنی امی اور بڑی بہن ثمرین کے ساتھ آرہی تھی۔ خوش نصیب کی بچپن کی سہیلی اور پڑوسن بھی تھی۔

"ارے خوش نصیب...!"

"فریحہ تم...!" دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ایسے خوش ہوئیں جیسے برسوں بعد ملاقات ہو رہی ہو۔

"کہاں جا رہے ہو تم لوگ؟" خوش نصیب نے مسکرا کر تینوں کو دیکھا۔

"ہم مزار والے بڑے بابا جی سے ثمرین باجی کے لیے تعویذ لکھوانے جا رہے ہیں۔" فریحہ جوش میں بولتی چلی گئی پھر فوراً ہی ثمرین پر نظر پڑی۔ وہ دانت کچکچا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ فریحہ نے سٹپٹا کر پہلے تھوک نگلا اور جلدی سے بولی۔

"نہیں... نہیں... ہم تو مزار پہ دعا مانگنے جا رہے ہیں۔" بہن کی ناراضی دیکھ کر جلدی سے بات بنائی تھی۔

"اب کیا فائدہ ایسے بولنے کا۔" ثمرین نے تنگ کر کہا اور وہاں سے آواز دبا کر بولی۔ "میں نے آپ سے کہا بھی تھا اس کو ساتھ لے کر نہ آئیں۔ خوش نصیب کے سامنے بول دیا ہے۔ سارے محلے کو خبر مل جائے گی اب...."

خوش نصیب کو یوں بھی کان لگا کر بات سننے کا شوق تھا۔ ثمرین نے آواز دھیمی کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ فریحہ اگر خوش نصیب کی سہیلی تھی تو ثمرین کا یارانہ صیام سے تھا۔ جتنا صیام اسے ناپسند کرتی تھی۔ اتنا ہی ثمرین بھی اس کے بارے میں ناپسندیدگی کے خیالات رکھتی تھی۔

"فکر نہ کریں ثمرین باجی! سارے محلے کو میں نہیں بتاتی، صرف صیام کو بتاؤں گی۔ وہ تو آپ کی دوست ہے۔ اسے تو پتا ہونا چاہیے آپ تعویذ بنوا رہی ہیں۔" خوش نصیب نے سادگی سے کہا تھا۔

"ہائے اللہ... یہ غضب مت کرنا۔" ثمرین نے سٹپٹا کر کہا پھر جھنجلا کر بولی۔ "تم تو سارے محلے میں اعلان کرو گی۔ وہ تو پورے شہر کو ہی بتا دے گی۔" دوستی ضرور تھی، لیکن دوستی سے جڑا ہوا مخصوص قسم کا عناد اور مقابلے بازی کی فضا بھی خوب گرم رہتی تھی دونوں کے درمیان۔

"ارے جانے بھی دیں ثمرین باجی...!" خوش نصیب نے نرمی سے کہا۔ "کیا ہوا جو شکل سے ہی خرانٹ لگتی ہے لیکن دل کی اچھی ہے صیام۔"

"بڑی اچھی طرح جانتی ہوں میں اس دل کی اچھی صیام کو... مجال ہے جو کسی کی خوشی برداشت ہو جائے۔" خوش نصیب کی باتوں میں آکر وہ بولتی چلی گئی۔ "مجھے تو پہلے ہی شک ہے صیام کی ہی نظر لگی ہے میری شادی شدہ زندگی کو...." خود کلامی۔

"اب بس بھی کر دے ثمرین! تو تو پورا دفتر ہی کھول کر بیٹھ گئی ہے۔" اماں جھنجلا کر بولیں پھر خوش نصیب سے کہنے لگیں۔ "اے بٹی! تم اس بارے میں کسی سے ذکر مت کرنا.... اپنی چچی اور صیام کو جانتی ہو نا.... واقعی پورے محلے میں مشہور کر دیں گی۔"

"فکر مت کریں خالہ! کسی سے نہیں کہوں گی۔" وہ ہنسی اور شرارت سے ثمرین کو دیکھ کر بولی۔ "وہ تو میں ثمرین باجی کو تنگ کر رہی تھی۔"

ثمرین نے "ہونہہ" کر کے منہ موڑ لیا۔

خوش نصیب اور فریحہ کھی کھی کر کے ہنسنے لگیں۔ پھر خوش نصیب نے کہا۔

"میں بھی ساتھ ہی چلتی ہوں.... مجھے مزار پہ جانا ہے۔"

"ہاں ہاں.... کیوں نہیں۔" اماں نے کہا، لیکن ثمرین اس بات سے خوش نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے ناک چڑھائی اور خوش نصیب کو گھور کر اماں کے ساتھ آگے آگے چل دی۔

"تمہاری بہن کی ناک میں کوئی مسئلہ ہے کیا؟" پیچھے آتی خوش نصیب نے بڑی ہمدردی سے فریحہ سے پوچھا تھا۔

"نہیں.... مسئلہ نہیں ہے۔ اس کی سیٹنگ ہی ایسے ہو گئی ہے کہ ناک ہر وقت چڑھی ہوئی لگتی ہے۔" فریحہ نے بھی اس کے انداز میں کہا اور دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مار کے زور سے ہنس دیں۔

✡ ✡ ✡

یہ چند مہینے پہلے کی بات ہے، جب وسامہ نے فلک بوس میں عجیب و غریب اثرات کو محسوس کرنا شروع کیا تھا۔

ایک شام فلک بوس کے اندرونی حصوں میں دیکھ ریکھ کے خیال سے گشت کرتے ہوئے اسے سخت تیز بدبو کے بھبکے نے رکنے پر مجبور کر دیا۔ اسے سخت ناگواری محسوس ہوئی، لیکن بدبو کی سمت کا تعین کرنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اس نے ملازم لڑکے پاشا کو بلوا کر تحقیق کروائی تو پتا چلا یہ بدبو تہہ خانے کی طرف جانے والے راستے سے آ رہی ہے۔ کچھ اور تحقیق کی گئی تو انہیں مری ہوئی گلہریوں کا ایک ڈھیر ملا جن کے جسم اس وقت تک گل سڑ چکے تھے اور بدبو پیدا کر رہے تھے۔ یہ ایسا کراہت انگیز منظر تھا کہ وسامہ کا دل برا ہو گیا اس نے بمشکل خود کو ابکائی لینے سے روکا اور ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔

"یہ کیا ہے....؟ یہاں کتنے عرصے سے صفائی نہیں ہوئی پاشا؟" وسامہ نے ناگواری سے کہا۔

"مجھے اس بارے میں پتا نہیں صاحب....! آپ جانتے ہیں میں کل ہی شہر سے آیا ہوں۔" اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"کبیر بابا کو بلاؤ۔" وسامہ نے ملازموں کے سربراہ کا نام لیا جو پاشا کے والد بھی تھے۔

"وہ شہر گئے ہوئے ہیں۔ دو دن بعد ان کی واپسی ہے۔" پاشا نے وسامہ کے ناپسندیدگی والے تاثرات دیکھ کر ذرا محتاط لہجے میں کہا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ صاحب کا موڈ خراب ہو چکا ہے اور حقیقت بھی یہی تھی۔ فلک بوس میں

رہائش اختیار کرنے کے بعد سے یہ جگہ وسامہ کی ذمہ داری تھی۔ اور اپنے تئیں وہ یہ ذمہ داری بہ احسن نبھا بھی رہا تھا لیکن صفائی کا ناقص انتظام دیکھ کر اسے سخت کوفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وسامہ نے پاشا سے وہ جگہ صاف کروانے کے لیے کہا ساتھ ہی اسے تاکید کی کہ جب تک وہ یہاں ہے صفائی ستھرائی کے کاموں کی نگرانی کرے۔ پاشا نے اسے یقین دلایا کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ مری ہوئی گلہریوں کو اٹھا کر باہر پھینک دیا تھا۔ فنائل چھڑک کر تہہ خانے کا راستہ صاف کیا گیا اور تیز خوشبو وہاں چھڑکی گئی تاکہ دوبارہ وہاں سے گزرتے ہوئے ناگواری محسوس نہ ہو' لیکن اتنی اچھی خوشبو کے باوجود وسامہ کا موڈ ٹھیک نہ ہو سکا۔ آئے کت نے اس بارے میں دریافت کیا تو وسامہ نے سارا قصہ من و عن اس کے گوش گزار کر دیا۔ ساری بات سن کر آئے کت کو ناگواری محسوس ہوئی۔

"یخ..." اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں بھی سوچ رہی تھی' تہہ خانے کی طرف جاتے ہوئے اتنی گندی اسمیل کیوں آتی ہے۔"

"تم تہہ خانے میں گئی تھیں...؟"

"ہرگز نہیں..." آئے کت نے فوراً" کہا۔ "تم جانتے ہو' میں کبھی وہاں اکیلی جانے کی غلطی نہیں کرتی' فلک بوس کے اس حصے میں عجیب سی وحشت ہوتی ہے مجھے۔" اس نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا تھا۔

وسامہ اس کے انداز پر ہنسا۔ "ڈرپوک..."

"ڈرپوک ہوں تو ڈرپوک ہی سہی۔" وہ کندھے اچکا کر لاپروائی سے بولی۔ "لیکن اکیلی تہہ خانہ تو کیا فلک بوس کے کسی حصے میں گھومنے کی ہمت نہیں کر سکتی میں..."

"ارے ایسی کیا بات ہے یہاں؟"

"اتنی پرانی عمارت ہے یہ اور بہت عرصہ غیر آباد بھی رہی ہے۔ سنا ہے ایسی جگہوں پر بھوت پریت' روحیں بسیرا کر لیتی ہیں۔ اگر کسی روز کوئی جن میرے سامنے ہی آکر کھڑا ہو گیا تو میں تو ایک منٹ میں بے ہوش ہو جاؤں گی۔"

آئے کت نے مزاحیہ سے انداز میں کہا تھا' لیکن وسامہ چونک سا گیا۔

اسے بے ساختہ بچپن میں سنی ہوئی اس ہندو عورت کی کہانیاں یاد آئی تھیں جسے ڈیڑھ سو سال پہلے فلک بوس کے تہہ خانے میں قتل کر دیا گیا تھا۔ قتل کا سبب اس عورت کے کردار کا داغ دار ہونا تھا اور افواہ مشہور تھی کہ اس عورت کی روح قلعہ فلک بوس میں بھٹکتی پھرتی ہے۔ گو کہ اس بات کا کوئی واضح ثبوت نہیں تھا' نہ ہی کسی نے اب تک اس عورت کو فلک بوس میں پھرتے دیکھا تھا۔ کچھ من گھڑت سی افواہیں تھیں' جو مقامی آبادی کے لوگ ہمیشہ سے فلک بوس کے بارے میں سناتے رہے تھے۔

وسامہ کو ان افواہوں پر کبھی یقین نہیں آیا' دراصل اس نے اس بارے میں سوچنے کی زحمت ہی نہیں کی۔ زندگی میں ہم بہت ساری چیزوں اور باتوں پر اس وقت تک غور نہیں کرتے جب تک ان سے واسطہ نہیں پڑتا تو یہ بھی اس کے لیے ایک ایسی ہی بات تھی' لیکن وہ ان لوگوں میں سے تھا جو مرنے کے بعد روحوں کے دنیا میں کسی نہ کسی وجہ سے رہ جانے کے فلسفے پر یقین رکھتا تھا۔

اس وقت اس نے سر جھٹک کر اس خیال کو رفع دفع کر دیا۔ کبیر بابا کی واپسی دو دن بعد ہوئی اور وسامہ کے باز پرس کرنے پر کبیر بابا نے کہا۔

"اس گندگی کی یہاں موجودگی حیران کن بات ہے کیونکہ کوئٹہ جانے سے پہلے میں نے اپنی نگرانی میں صفائی کروائی تھی۔" بابا کبیر نے الجھ کر اس جگہ کو دیکھا جہاں مری ہوئی گلہریوں کی نشاندہی کی گئی تھی۔

"ممکن ہے آپ اس حصے کو صاف کروانا بھول گئے ہوں۔" وسامہ نے خیال ظاہر کیا۔

"مجھ سے ایسی کوتاہی سرزد نہیں ہو سکتی۔" بابا کبیر نے کہا۔ "میں ہر ہفتے نیچے وادی سے لوگوں کو اجرت پر بلوا کر

قلعے کی صفائی کرواتا ہوں۔ وہ سب میری پہچان کے لوگ ہیں چونکہ انہیں دنوں کے حساب سے اجرت دی جاتی ہے تو ان کے کام کی نگرانی بھی میں کڑی کرتا ہوں۔ کوئی حصہ مجھ سے نظرانداز ہو جائے۔ ایسا ہو نہیں سکتا۔" انہوں نے پورے وثوق سے کہا تھا۔

"قلعہ اتنا بڑا ہے بابا... کئی پوشیدہ راستے اور راہ داریاں ہیں یہاں... ہو سکتا ہے آپ کی نظر چوک گئی ہو۔" پاشا نے کہا۔

"پاشا ٹھیک کہہ رہا ہے۔" وسامہ نے پرسوچ انداز میں کہا تھا۔ "فلک بوس اتنا بڑا ہے کہ میں نے بھی کئی کمرے نہیں دیکھے بلکہ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا تیسری منزل کی طرف جانے کے چار راستے ہیں۔" اب وہ تینوں ہی الجھے ہوئے نظر آنے لگے۔ پھر پاشا نے کہا۔

"بابا! جب تک میں یہاں ہوں صفائی کی نگرانی میں کروں گا۔" اسے اپنے والد کی پریشانی کی فکر تھی سو اس نے اپنی خدمات پیش کر دیں پھر وسامہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "آپ بے فکر ہو جائیں سر! دوبارہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔"

"شکایت کی بات نہیں ہے۔ بس میں اپنے اردگرد گندگی برداشت نہیں کر سکتا۔" وسامہ نے نرمی سے کہا' لیکن اس کے لہجے میں شرمندگی تھی۔ بابا کبیر' معاویہ کے خاندان کے پرانے ملازمین میں سے تھے اور معاویہ بچپن سے ان سے بہت مانوس رہا تھا۔ آئے کت اور وسامہ کے فلک بوس شفٹ ہو جانے کے بعد معاویہ کی ایما پر بابا کبیر خدمت گزاری کے لیے اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ یہاں آ گئے تھے۔ پچھلے دو سال سے یہ چھوٹا سا خاندان ان کے ساتھ فلک بوس میں موجود تھا۔

وسامہ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اسی لیے میں اس روز غصے میں کچھ زیادہ بول گیا تھا جب کہ یہ مقامی بچوں کی شرارت بھی ہو سکتی ہے۔ چوکیدار بتا رہا تھا بہت شریر بچے ہیں اس علاقے کے۔"

اب وہ تینوں باتیں کرتے ہوئے واپس مڑ گئے۔ ان کے پیچھے تہہ خانے کی طرف جانے والے راستے کی راہداری کچھ دیر ان کے جوتوں اور باتوں کی آواز سے گونجتی رہی پھر وہاں سناٹا چھا گیا۔

اگلے دن سے فلک بوس کی صفائی ستھرائی کا کام مزید جانفشانی سے ہونے لگا اور وسامہ کے نزدیک بات ختم ہو گئی' لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ پریشان کن واقعات کا ایک سلسلہ تھا جو مری ہوئی گلہریوں کے اس ڈھیر سے شروع ہو چکا تھا۔

لیکن مری ہوئی گلہریوں کا ملنا ایسی کوئی انہونی بات نہیں تھی۔ فلک بوس سے چند کوس دور ریشام کا جنگل تھا۔ جنگل گھنا تھا اور وہاں پہاڑی جنگلی جانور بھی پائے جاتے تھے' لیکن وہ کوئی ایسے خونخوار جانور نہیں تھے کہ ان کے خوف سے انسان ڈر کر گھر میں دبک کر بیٹھا رہے یا جنگل کی طرف جانا ہی چھوڑ دے۔ ڈیڑھ سو سال پہلے جب فلک بوس کے اصل مالک نواب صاحب یہاں رہائش پذیر رہے ہوں گے ممکن ہے اس دور میں خونخوار جنگلی جانوروں کی دہشت پھیلی رہی ہو غالباً" اسی لیے فلک بوس کے چاروں طرف لوہے کا مضبوط اور تقریباً" دس فٹ اونچا جنگلہ لگا کر جنگلی جانوروں سے بچاؤ کے لیے پیش بندی کر دی گئی تھی۔ اس کے باوجود بدلتے موسموں خصوصاً" برسات کے دنوں میں جنگلی چوہے اور گلہریاں اندر گھس آتے تھے اور وافر مقدار میں خوراک نہ ملنے کے باعث یا کبھی باہر نہ نکل پانے کی وجہ سے اندر ہی دم توڑ دیتے تھے۔ اس لیے مری ہوئی گلہریوں کا ملنا کوئی ایسی انہونی بات نہیں تھی۔

انہونی ان گلہریوں کے کٹے سر اور منہ تھے جو کم و بیش ایک ہی انداز میں کٹے ہوتے تھے۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ مرے ہوئے یہ چھوٹے جانور وسامہ کو ہی ملتے تھے۔ آئے کت اور فلک بوس کے چند ملازمین میں سے بھی

کسی نے آکر مری ہوئی گلہری یا چوہے کے ملنے کی نشان دہی نہیں کی تھی۔
پہلے پہل وسامہ نظرانداز کرتا رہا، لیکن جب یہ واقعات بڑھے تو وسامہ چونک گیا۔ اب گلہریوں کے جسم گلے سڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ اکثر ان کے جسم پر خون بہہ بہہ کر خشک ہو چکا ہوتا تھا۔ وسامہ کا قیاس تھا ضرور فلک بوس میں کوئی جنگلی کتا یا بلی گھس آتی ہے اور درختوں پر پھدکتی گلہریوں پر ہاتھ صاف کرتی ہے۔
ایک روز وہ اور آئے کت لان میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ موسم خوشگوار تھا اور گھاس خوب چمک رہی تھی۔ جب آئے کت چیخ مار کر پیچھے ہٹی۔ وسامہ بری طرح چونکا۔ درخت کی کھوہ میں سر کٹی گلہری پڑی تھی اور کٹی ہوئی گردن سے بہتا ہوا خون کچی مٹی میں جذب ہو چکا تھا۔
"ڈرو مت آئے کت! یہ ضرور کسی بلی کا کام ہے۔" وسامہ نے ادھر ادھر اپنے اندازے کی درستی کے لیے نظریں دوڑائیں۔
اس وقت تک آئے کت کا ڈر کم ہو چکا تھا۔ اس نے فاصلے سے، لیکن بغور گلہری کو دیکھا۔
"میرا نہیں خیال۔۔۔ بلی کا کام ہوتا تو وہ یوں گلہری کو چھوڑ کر کبھی نہ بھاگتی۔ آخری ہڈی بھی بھنبھوڑ کر رکھ دیتی۔۔۔ یہ تو ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی درندے نے اپنی نفسیاتی تسکین کے لیے اس بے چاری گلہری کا سر کاٹا ہو۔" وہ پرسوچ انداز میں بول رہی تھی۔
وسامہ کا دل ایک منٹ کے لیے بری طرح سکڑ کر پھیلا۔ اس نے اس بات کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ اب غور کرنے لگا تو آئے کت کی بات درست لگی۔
"اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گلہریوں کا قتل آیوشمتی کر رہی ہو۔" پاشا آئیوری کی باڑھ کے پیچھے سے نکلا۔ وہ دونوں ابھی تک اس کی وہاں موجودگی سے ناواقف تھے۔
"تم یہاں کب آئے پاشا۔۔۔! ہم نے تمہیں نہیں دیکھا۔" آئے کت نے کہا۔
"میں پچھلی کیاری کی گوڈی کر رہا تھا۔ نیچے بیٹھا ہوا تھا، اس لیے آپ کو نظر نہیں آیا۔" پاشا نے مسکرا کر کہا ساتھ ہی ہاتھ میں پکڑی کھرپی ان کے سامنے کی۔ اس کے ہاتھ اور کھرپی مٹی میں لت پت تھے۔
"اور یہ تم کیا کہہ رہے تھے۔۔۔ گلہریوں کے بارے میں؟"
پاشا کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ آگئی۔ "معذرت چاہتا ہوں کہ میں نے آپ لوگوں کی بات سن لی۔۔۔"
"کوئی بات نہیں۔۔۔" وسامہ نے کہا۔ "لیکن تم کیا کہہ رہے تھے؟" اسے تجسس ہو رہا تھا۔
"میں کہہ رہا تھا ہو سکتا ہے ان گلہریوں کو آیوشمتی مار رہی ہو۔۔۔ سنا ہے اس کی روح فلک بوس میں کئی سالوں سے بھٹک رہی ہے۔"
"کیا کہہ رہے ہو تم۔۔۔؟" آئے کت کو اس کی بات کا اعتبار نہیں آیا تھا اسی لیے اس نے پاشا کی بات کو مذاق میں لیا۔ دونوں میں سے کسی نے وسامہ کی طرف نہیں دیکھا تھا جس کا چہرہ پھیکا پڑنے لگا تھا۔
"اس کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔۔۔ الٹا سیدھا بولنے کی عادت ہے اسے۔" بابا کبیر کہیں سے برآمد ہوئے اور کہا۔ لیکن ساتھ پاشا کو غضب ناک نظروں سے گھورا۔ پاشا سٹپٹا گیا۔
"کہانی دلچسپ لگ رہی ہے۔۔۔ مجھے سننے تو دو۔" آئے کت نے بابا کبیر سے کہا۔
"تمہیں ہر الٹی بات میں دلچسپی ہوتی ہے۔" اچانک وسامہ نے کہا۔ اس کے انداز میں سنجیدگی تھی۔ "چلو اندر چلتے ہیں۔۔۔ کبیر! مجھے دوبارہ کوئی مرا ہوا جانور یہاں نظر نہیں آنا چاہیے۔" وہ اندر کی طرف مڑ گیا، کسی نے بھی محسوس نہیں کیا کہ وسامہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ ہو چکا ہے۔
جس وقت وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے برآمدے تک پہنچے لان میں کھڑے پاشا کو بابا کبیر سے ڈانٹ پڑ رہی تھی۔

آئے کت نے دور سے ان دونوں کو دیکھا پھر وسامہ سے کہا۔

"اس میں اتنا ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔۔۔ مجھے اس عورت کے بارے میں اور جاننا تھا۔" اس نے روٹھے پن سے کہا تھا۔

"ہر چیز کے بارے میں جاننا ضروری نہیں ہوتا۔" وسامہ نے ناراضی سے کہا۔ "تم اپنے کام سے کام رکھنا سیکھو۔"

وہ اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا' لیکن وہ نہیں جانتا تھا' آئے کت کے دل میں تجسس بیدار ہو چکا ہے۔۔۔ دو دن بعد وہ نیچے وادی میں گھومنے پھرنے گئی اور واپس آئی تو سنی سنائی کہانیوں کا ایک انبار تھا اس کے پاس۔

"یہاں تو آیوشمتی بہت مشہور ہے۔۔۔ تم نے بتایا ہی نہیں مجھے۔" وہ اپنی برساتی اتارتے ہوئے پرجوش لہجے میں بولی۔

آج بارش کا دن تھا۔۔۔ وقفے وقفے سے کئی بار بارش برستی اور رکتی رہی۔ ابھی بھی کن من جاری تھی اور ٹھنڈی ہوائیں کھڑکیوں سے ٹکرا رہی تھیں۔

"یہ کس نے کہا تمہیں؟" وسامہ نے پوچھا۔

"نیچے وادی میں اکثر لوگ کہہ رہے تھے کہ انہوں نے اکثر رات کے اندھیرے میں آیوشمتی کی روح کو فلک بوس میں گھومتے پھرتے دیکھا ہے۔۔۔ تمہیں دلچسپ بات بتاؤں۔۔۔ وادی میں تو ایسی ایسی باتیں مشہور ہیں کہ لوگ ڈر کے مارے شام کے بعد فلک بوس کے سامنے والی سڑک سے بھی نہیں گزرتے۔۔۔ اور ایک لڑکا ہے سرخرو نام ہے اس کا۔۔۔ ایک رات اسے فلک بوس کے سامنے سے گزرنا پڑا تو آیوشمتی کی روح نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔ اس بے چارے کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہے۔" آئے کت اسے بتاتی چلی گئی۔

"سنی سنائی باتیں ہیں ساری۔۔۔ ورنہ ان میں کوئی حقیقت نہیں۔" وسامہ نے اپنے دل کے ڈر پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اس کے سامنے ایک عورت تھی اور عورتیں فطری طور پر زیادہ ڈرپوک ہوتی ہیں۔ وسامہ نہیں چاہتا تھا کہ آئے کت ڈر جائے' کیوں کہ اس صورت میں ان دونوں کو فلک بوس سے جانا پڑتا اور وسامہ اسے کہیں اور لے کر نہیں جا سکتا تھا۔

"میں نہیں مانتی۔۔۔" آئے کت نے کہا۔

"تمہارے ماننے نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔۔۔ ہم اتنے مہینوں سے یہاں رہ رہے ہیں۔ ہمیں تو کبھی آیوشمتی نظر نہیں آئی۔"

"ہو سکتا ہے وہ ہمیں متوجہ کرنے کے لیے گلہریوں اور چوہوں کے سر کاٹ کر پھینکتی ہو۔"

"کیسی بے وقوفی کی باتیں کر رہی ہو؟"

"اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آج کل وہ سامنے نہ آتی ہو۔" آئے کت پرسوچ انداز میں کہہ رہی تھی۔ "ایک عورت بتا رہی تھی آیوشمتی صرف غیر آباد دنوں میں نظر آتی ہے۔ یعنی جب کوئی یہاں رہائش پذیر نہ ہو تب ہی آزادی سے گھومتی پھرتی ہے۔"

"کچھ عجیب سی روح نہیں ہے۔ جسے اپنا دیدار کروانے کے لیے تنہائی کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"وسامہ! مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم ڈر رہے ہو؟" آئے کت نے شرارت سے اسے دیکھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وسامہ نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"آر یو شیور؟" وہ شرارت سے باز نہیں آ رہی تھی۔

"مجھے تنگ مت کرو آئے کت! مجھے آج یہ ڈرافٹ پورا کرنا ہے۔" اس نے زور دے کر کہا۔

لیکن جواب میں آئے کت زور سے ہنس پڑی۔ اسے پہلی بار پتا چلا وسامہ ایسی باتوں سے خوف کھاتا ہے اور یہ بڑی دلچسپ بات تھی۔ اسے وسامہ کو چڑانے کا ایک بہانہ مل گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

دربار پر معمول کا رش تھا۔

فریحہ کی امی اور بہن نے پھولوں کی دکان سے پھول اور چادر خریدی۔ نیاز کا سامان خرید اتب تک فریحہ اور خوش نصیب نے بیروں سے دوپٹوں کے پلو بھر لیے۔ فاتحہ اور چادر چڑھانے کے بعد وہ سب واپس مزار کے احاطے میں آگئیں جہاں کئی فقیر سادھوؤں کا سا حلیہ بنائے بیٹھے تھے۔ ایک بابا جی کے آگے کئی کئی زائرین جمع تھے۔ اماں اور ثمرین بھی قطار میں لگ گئیں۔ پیچھے فریحہ اور خوش نصیب تھیں۔ بیر کھانے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی ہو رہی تھیں۔ یہ طے کرنا مشکل تھا وہ بول زیادہ رفتار سے رہی ہیں یا کھا زیادہ تیز رہی ہیں۔

"خوش نصیب! تم تعویذ لکھوانے آئی ہو؟" اماں نے مڑ کر پوچھا۔

"توبہ کریں خالہ جان! میری امی بہت برا مانتی ہیں ان باتوں کا۔"

"ہاں تمہاری ماں اور مزاج کی ہے۔ ورنہ تمہاری تائی چچی تو بہت مانتی ہیں ان بابا جی کو۔"

"ہاں جی۔ پتا ہے مجھے۔" اس کا دھیان بیروں کی طرف تھا۔

"اے میں تو کہتی ہوں تعویذ نہ سہی۔ دعا ہی کروالو۔ بڑی تاثیر والی دعا ہے بابا جی کی۔" فریحہ کی امی ایسی اعلا پبلسٹی کر رہی تھیں مذکورہ بابا جی کی کہ کوئی بھی ہو تا دعا کروانے پر مجبور ہو جاتا۔

خوش نصیب نے ہاں میں جواب دیا نہ ناں ہی کی۔ صرف بابا جی کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ اسی اثنا میں ان کی باری آگئی۔ فریحہ کی امی اور ثمرین بابا جی کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر مؤدبانہ ان کے سامنے بیٹھ گئیں۔ فریحہ نے بھی گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر سلام کیا۔ پھر خوش نصیب کے ساتھ پیچھے ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"تم سلام نہیں کرو گی؟"

"کیا تو ہے۔"

"وہ چج... گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر کرو ناں۔ ورنہ بابا جی برا مان جاتے ہیں۔" فریحہ نے آواز دبا کر کہا۔

"مانتے ہیں تو مانیں۔" خوش نصیب نے بابا جی کو دیکھتے ہوئے ناک چڑھا کر اور آواز دبا کر کہا۔ "میری روشن امی کو پتا چلا کہ میں نے کسی کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر سلام کیا ہے تو وہ میرے ہی گھٹنے کاٹ دیں گی۔" پھر اور فریحہ کے کان میں گھس کر بولی۔

"شکل سے لگتی نہیں ہیں۔ لیکن بڑی جلاد صفت ہیں۔ مجھے اور ماہ نور کو انہوں نے ایسے پالا ہے کہ کیا ہلاکو خان نے اپنے بچے پالے ہوں گے۔"

"اچھا سر تو ڈھک لو۔" فریحہ نے پھر کہا اس کا خون نہ جانے کیوں خشک ہوا جا رہا تھا۔

"یہ پلو میں بیر ڈالے ہوئے ہیں ناں۔ ان کے وزن سے دوپٹہ ٹک نہیں رہا۔" اس نے عذر دیا۔

"ایسے نہ کرو خوش نصیب! بابا جی برا مان جاتے ہیں۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"ارے کمال ہے۔ بڑے نازک مزاج بابا جی ہیں۔ ہر بات پر برا مان جاتے ہیں۔" اس نے کس کے دوپٹہ اوڑھ لیا۔

ثمرین رو رو کر بابا جی کو اپنی غم کی داستان سنا رہی تھی۔

"میری ساس اور نندیں بڑی سخت مزاج کی ہیں۔ ابھی تو رخصتی بھی نہیں ہوئی اور انہوں نے میرے شوہر کو

میرے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا ہے۔ ہائے بابا جی! (یہ لمبی دہائی تھی دردناک) ایسے ہی حالات رہے تو "وہ" مجھے اپنے ساتھ دبئی لے کر نہیں جائیں گے۔" اسے بڑا رونا آ رہا تھا۔
فریحہ نے افسردگی سے خوش نصیب کو دیکھا۔
"ثمرین کا مسئلہ بہت بڑا ہے۔ آج کل سارا وقت روتی رہتی ہے۔ اگر بابا جی کو کوئی بات بری لگ گئی تو ہرگز تعویذ لکھ کر نہیں دیں گے اور تعویذ نہ ملا تو ثمرین کے مسئلے کبھی حل نہیں ہوں گے۔" وہ خود بھی اتنی افسردہ لگ رہی تھی کہ خوش نصیب نے مزید کس کر دوپٹہ لے لیا۔
"اللہ پہ بھروسا رکھو فریحہ! میری روشن امی کہتی ہیں یہ سب کمزور ایمان کی باتیں ہوتی ہیں۔"
"اچھا پلیز۔ تم اپنا درس یہاں مت شروع کرو۔" فریحہ نے اسے ——— ٹوک دیا۔ خوش نصیب کے لیے خاموش رہنا دنیا کا سب سے مشکل کام تھا لیکن اس وقت خاموش رہنا مجبوری بھی تھی سو دل پر پتھر رکھ کر چپ ہو رہی۔ لیکن اب اس نے بابا جی کو غور سے دیکھا۔ انہوں نے ہرے رنگ کا ایک لمبا اور بے انتہا میلا سا چغہ پہن رکھا تھا سر پر چغے کا ہم رنگ اور اتنا ہی میلا ایک رومال باندھا ہوا تھا جس کے اطراف سے گندے میلے بالوں کی لٹیں نکل رہی تھیں۔ موٹی موٹی لٹیں اس قدر آپس میں چپکی ہوئی تھیں کہ لگتا تھا مدتوں سے ان بالوں کو پانی نصیب نہیں ہوا۔ صرف بال ہی نہیں چہرہ بھی گندہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں من من سرمے کی لکیریں کھینچ رکھی تھیں۔
خوش نصیب سمجھنے سے قاصر تھی اتنے میلے آدمی سے ثمرین اور اس کی اماں کو اتنی عقیدت کیوں محسوس ہو رہی ہے۔ جبکہ بابا جی کے چہرے پر کوئی ایسا نور بھی نہیں ٹپک رہا تھا جو ان کی روحانیت کا ثبوت ہی دے دیتا۔
اسی وقت بابا جی نے دائیں ہاتھ سے میلے ترین صندوق سے ایک پڑیا نکالی۔ منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور پڑیا پر پھونک کر ثمرین کی طرف بڑھا دیا۔
"یہ نمک ہر کسی چیز میں ملا کر اپنی ساس کو کھلا دینا۔" آواز گھٹی ہوئی جسے اپنی طرف سے اور گمبھیر بنانے کے چکروں میں اور عجیب سا کر دیا تھا۔
پھر دوسری پڑیا اٹھائی یہ پچھلی والی سے وزن اور سائز میں بڑی تھی اسے کھولا اندر چینی تھی۔ بابا جی نے اس پر بھی کچھ پڑھ کر پھونکا تھوڑی سی چینی اٹھا کر منہ میں ڈالی۔ اگلے ہی لمحے بابا جی پڑیا پر جھکے اور منہ سے ساری چینی پڑیا میں باقی ماندہ چینی پر اگل دی۔
"یہ شکر اپنی نندوں کو کھلانا۔ ساری زندگی بری نظر سے تمہیں نہیں دیکھیں گی۔" خوش نصیب کا دل بری طرح متلایا۔ خود کو ابکائی لینے سے روکنے کے لیے اس نے دونوں ہاتھ ہونٹوں پر سختی سے رکھ لیے۔ دوپٹے کے پلو میں جمع کیے ہوئے سارے بیر اس کے پیروں میں بکھر گئے۔ ارد گرد کھڑے سب ہی لوگ حتیٰ کہ بابا جی بھی اس کی طرف دیکھنے لگے۔ خوش نصیب سٹپٹا کر باہر بھاگی۔ فریحہ حواس باختہ، کچھ سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے تو خود بھی اس کے پیچھے دوڑ گئی۔ مجمع میں چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں۔
بابا جی نے بغور صورت حال کا جائزہ لیا تھا۔ ایک گمبھیر سی "ہوں" کی آواز نکالی اور فریحہ کی اماں کی طرف جھک کر قدرے رازداری سے بولے۔
"لڑکی کے دل پر گہری چوٹ آئی ہے۔ اس سے پہلے کہ غم سے نڈھال ہو کر یہ خود کشی کر لے۔ کسی وقت اس کو لے کر آنا میرے پاس۔"
مزار کے باہر بیری کے درخت تلے خوش نصیب بے زار سی بیٹھی تھی۔ اتنی بری طرح دل متلایا تھا کہ طبیعت کا ستیاناس ہی ہو گیا۔

فریحہ بوکھلائی بوکھلائی سی دوڑی چلی آئی۔
"اف خوش نصیب! یہ تم نے کیا کیا؟ اب اگر بابا جی ناراض ہوگئے تو؟" وہ سخت پریشان تھی۔
"ارے ہوتے ہیں تو ہو جائیں ناراض۔" وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔ "گندے کے مارے غلیظ بابا جی۔"
"آواز آہستہ رکھو۔ کسی نے سن لیا تو اور مصیبت ہو جائے گی۔" اس بے چاری کی روح فنا ہو رہی تھی۔
"تمہیں بتایا تو ہے ثمرین کے مسائل بہت ہیں۔ اس کی ساس نندیں گھور گھور کر دیکھتی ہیں ثمرین کو۔"
"بس۔ خاموش۔" اس نے ڈپٹ کر فریحہ کو بولنے سے روک دیا۔ "تمہارے ان بابا جی کے نمک چینیوں سے کچھ نہیں ہونا۔ ثمرین سے کہو مٹھی بھر سرخ مرچیں جا کر ان کی آنکھوں میں ڈال دے۔ آنکھیں بچیں گی تو اسے گھور گھور کر دیکھیں گی۔ ہونہہ۔ آئیں بڑی۔ بابا جی سے تعویذ لینے والی۔ اس سے تو اچھا تھا ثمرین میرے پاس آگئی ہوتی۔ ساس نندوں سے نمٹنے کے ایک سو ایک طریقے بتا دیتی' کم سے کم یہ گندی چینی تو نہ دیکھنے کو ملتی۔ اونہہ۔"
جھنجلاہٹ اور ناراضی سے اس کا برا حال ہو گیا تھا۔

✡ ✡ ✡

آئے کت اب اکثر آیو شمتی کا ذکر کر کے وسامہ کو چڑانے لگی۔ وہ ہر دوسرے دن آیو شمتی کا کوئی قصہ وادی سے سن کر آتی اور مزے لے لے کر وسامہ کو سناتی۔ ایسا کرتے ہوئے اسے ہرگز احساس نہیں تھا مذاق میں کی جانے والی یہ باتیں آنے والے دنوں میں اس کے اور وسامہ کے لیے کتنا بڑا خطرہ بننے والی ہیں۔ اگر اس کی چھٹی حس کوئی اشارہ دے دیتی تو یقیناً" وہ یہ ذکر کرنا چھوڑ دیتی۔
چند روز یہ مذاق چلتا رہا پھر اس کا لطف دم توڑ گیا۔ ان ہی دنوں معاویہ نے آئے کت کے لیے سوئیٹر بننے کی مشین بھجوا دی۔ آئے کت نٹنگ کا بہت بہترین کام جانتی تھی۔ یہ کام اس نے اپنی مرحوم ترک ماں سے سیکھا تھا۔ جب سے وسامہ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور وہ دونوں معاشی اعتبار سے زبوں حالی کا شکار ہوئے تھے آئے کت اپنے اس ہنر کے ذریعے پیسہ کمانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ بدقسمتی سے ان دونوں کے پاس اتنے روپے بھی نہیں تھے کہ وہ کوئی چھوٹی موٹی استعمال شدہ نٹنگ مشین خرید لیں۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی معاویہ ان کے کام آیا تھا اور اس نے مشین' اون اور ضرورت کا دیگر سامان بھجوا دیا تھا۔
آئے کت اور وسامہ دونوں ہی معاویہ کے بے حد مشکور ممنون ہوئے۔ جس نے ہر برے وقت میں ان کا ساتھ دیا تھا۔ وسامہ کے لیے وہ سگے بھائی سے بڑھ کر مددگار ثابت ہو رہا تھا۔ آئے کت مشین کے آتے ہی پہلے دن سے کام میں جت گئی۔ وہ کم وقت میں زیادہ ڈیزائن تیار کرنا چاہتی تھی تاکہ جلد از جلد کوئی ڈیلر تلاش کیا جا سکے اور اس کے بنائے ہوئے ڈیزائنز کو فروخت کے لیے مارکیٹ میں بھیجا جا سکے۔ اپنی مہارت کی بنا پر وہ پریقین تھی کہ یہ کام وہ جلد ہی کر لے گی۔ معاویہ سے اس بارے میں اس کی بہت تفصیل سے بات چیت ہوئی تھی اور معاویہ نے اسے یقین دلایا تھا کہ اس کا منیجر بہت جلد آئے کت کے اس چھوٹے سے کاروبار کے لیے ڈیلرز ڈھونڈ دے گا۔ معاویہ کی یقین دہانی کے بعد سے وسامہ اور آئے کت بہت پریقین ہو گئے تھے۔
آئے کت کے مصروف ہونے سے قبل ہی مری ہوئی گلہریوں کے ملنے میں کمی آگئی تھی لیکن وسامہ کے دل میں خدشہ سا بیٹھ گیا تھا وہ ہر دوسرے دن پورے فلک بوس کا ایک چکر ضرور لگاتا تھا۔ اس کی راہداریوں میں گھومتا پھرتا کمروں میں جھانکتا تھا۔ لیکن لاشعوری طور پر اس نے گھومنا پھرنا کم کر دیا۔ اس نے کبھی کسی سے کہا نہیں لیکن بچپن میں سنے اور پڑھے ہوئے جن بھوتوں کے قصے کہانیاں اس کے ذہن و دل پر ایسا گہرا تاثر چھوڑ چکی تھیں کہ ان کا اثر ستائیس سال کی عمر میں بھی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ مرے پر سو درے یہاں ایک اصلی روح کا

ذکر ہو رہا تھا جس کے بارے میں وادی کے چند لوگوں کا دعویٰ تھا وہ اسے دیکھ چکے ہیں۔ وہ اپنے ڈر کا ذکر بھی کسی سے نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس صورت میں اسے بزدل سمجھا جانے لگتا اور یہ بات اس کی مردانگی کو ہرگز گوارا نہ تھی۔ اس نے اپنے دل میں بیٹھے اس ڈر کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن ہر دوسرے تیسرے روز کچھ نہ کچھ ایسا ہونے لگا کہ ڈر کم ہونے کے بجائے بڑھتا چلا گیا۔

✡ ✡ ✡

کیف نے دور سے دیکھا۔ خوش نصیب بیری پیر کے مزار کے باہر درخت کے نیچے جھنجلائی ہوئی بیٹھی تھی۔

اس کے لبوں سے سکون کی ایک سانس برآمد ہوئی۔ اسے دیکھ کر سر سے مانو ایک بوجھ سا ہٹ گیا تھا۔ اب وہ سکون سے اس کی طرف بڑھا۔

اسی اثنا میں فریحہ کی نظر اس پر پڑی اس نے کیف سے بھی زیادہ سکون کی سانس لی۔

"شکر ہے کیف! تم آگئے۔ سنبھالو اس مصیبت کو۔ ہر ایک کے بنتے کام بگاڑ دیتی ہے۔" وہ بھی جھنجلا گئی تھی' کہہ کر اندر چلی گئی۔ خوش نصیب نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم کب آئے؟" وہ حیران ہوئی۔

کیف نے جواب دینے کے بجائے ناراضی سے اسے دیکھا۔

"کہاں تھیں تم؟"

"یہیں تھی۔ میں نے کہاں جانا ہے؟" وہ منہ بنا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"تمہیں ذرا بھی اندازہ ہے کتنے گھنٹوں سے گھر سے نکلی ہوئی ہو تم۔ روشن چچی اور ماہ نور کتنا پریشان ہیں تمہارے لیے۔ ان دونوں کا کیا قصور ہے کہ کبھی نانی کے لیے پریشان ہوں تو کبھی تمہارے لیے۔" وہ بہت سنجیدہ اور ناراض لگ رہا تھا۔

خوش نصیب نے نظریں بھی نہیں ملائیں ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ اپنی حرکت پر شرمندہ تھی۔

"اب کیا ساری رات یہیں گزارنی ہے؟" کیف نے اس بار غصے سے کہا تھا۔ "اٹھو۔ گھر چلو۔" ڈپٹ کر بولا۔

"مجھ سے چلا نہیں جائے گا۔" خوش نصیب نے روٹھے پن سے کہا۔

"گود میں اٹھا کر نہیں لے جاؤں گا میں۔" کیف نے صفاچٹ جواب دے دیا۔ "اپنا وزن دیکھو اور میری صحت دیکھو۔ محبت اپنی جگہ لیکن خود پر ظلم نہیں کر سکتا میں۔" یہ آخری جملہ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا تھا۔

خوش نصیب نے بدمزہ ہو کر اسے دیکھا۔

"اوہو۔ یہ مطلب نہیں تھا میرا۔" وہ خود شرمندہ ہو گئی۔ "پہلے بوتل پلاؤ۔ دل گھبرا رہا ہے میرا۔ ایک قدم بھی نہیں اٹھایا جائے گا۔"

کیف نے دیکھا اس کی رنگت واقعی زرد ہو رہی تھی۔ وہ جا کر قریبی بیکری سے کولڈ ڈرنک لے آیا۔ ڈھکن کھول کر اسے دیا۔ وہ غٹاغٹ آدھی بوتل چڑھا گئی۔

"ہائے۔ شکریہ کیف! ایمان سے اس وقت اتنے اچھے لگ رہے ہو کہ کیا بتاؤں۔ کولڈ ڈرنک کی بہت ضرورت تھی مجھے۔"

وہ کسی بھی وقت کچھ بھی بول دیتی تھی' اس کی ذہنی حالت پر شک کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن کیف حیران ہو رہا تھا۔

"ہوا کیا ہے تمہیں؟"

"بس کچھ نہ پوچھو میری طبیعت پہلے ہی بہت خراب ہو رہی ہے۔" اس نے ناک چڑھائی' دل دوبارہ متلانے لگا تھا سو جلدی سے دو گھونٹ مزید بھر لیے۔
کیف اسے دیکھتا رہا پھر گہری سانس بھر کر اس کے ساتھ ہی درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔
مزار پر لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا سو اس طرح کسی کا بیٹھے رہنا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔
"تم واپس کیوں آگئے؟" اس نے دوبارہ سوال کیا اور کولڈ ڈرنک کی بوتل اس کی طرف بڑھا دی۔
"کیونکہ میں جانتا تھا۔ تمہیں میری ضرورت ہے۔" اس نے بوتل منہ سے لگالی۔
خوش نصیب خاموش ہی رہی۔
کیف نے دو تین بڑے بڑے گھونٹ بھر کر ڈھکن بند کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔
"اتنی چھوٹی سی بات کا اتنا غصہ؟" سوال تھا یا غیر معمولی رویے کی نشاندہی۔ جو بھی تھا بس یہ تھا کہ اس کے لہجے میں اپنائیت تھی۔
خوش نصیب کی ناراضی بھی ماند پڑنے لگی۔
"یہ چھوٹی بات نہیں ہے۔" اس نے زور دے کر لیکن دھیمے لہجے میں کہا۔ "پورے پورشن کے نام پر وہ ایک بڑا کمرہ ہی تھا ہمارے پاس۔ وہ بھی فضیلہ چچی کے مہمان کے لیے خالی کروالیا گیا۔ سب مل کر زیادتی کر رہے ہیں ہمارے ساتھ۔"
کیف کچھ دیر خاموش ہی رہا' خوش نصیب کی بات غلط نہیں تھی۔
"تم اوپر کے کمرے میں نہیں رہنا چاہتیں؟" اس نے پوچھا۔
"میرے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟" اس نے طنز سے ہنس کر کہا۔ "ہوگا تو وہی جو باقی سب فیصلہ کر چکے ہیں۔ مجھے یقین ہے اب تک تو روشن امی اور ماہ نور نے وہ کمرہ صاف کر کے ہمارا سامان وہاں پہنچا بھی دیا ہوگا۔"
کیف کو اس بار بھی خاموش رہنا پڑا کیونکہ خوش نصیب کا اندازہ غلط نہیں تھا۔
وہ کہنیاں گھٹنوں پر ٹکائے آگے کو جھک کر بیٹھا ہوا تھا اور کولڈ ڈرنک کی بوتل کو دونوں ہاتھوں میں گھما رہا تھا۔
"تم ایسا کرو میرے کمرے میں شفٹ ہو جاؤ۔" کچھ دیر سوچنے کے بعد کیف نے کہا۔ "چار لوگوں کے حساب سے وہ تھوڑا چھوٹا کمرہ ہے لیکن کسی طرح ایڈجسٹ کر لینا۔ کم سے کم اوپر والے کمرے سے تو کہیں بہتر ہوگا۔"
خوش نصیب نے جھٹکے سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ "اور تم؟"
"میں تو پہلے ہی یہاں کم رہتا ہوں۔ فائنل پراجیکٹ کے سلسلے میں اگلے دو مہینے آنا اور بھی مشکل ہوگا۔ اور دو مہینے بعد تو فضیلہ چچی کا مہمان چلا ہی جائے گا۔"
خوش نصیب کو یہ آئیڈیا مناسب لگا' وہ غور کرنے لگی۔
"لیکن۔" کن انکھیوں سے کیف کو دیکھا۔ "لیکن یہ تو نہیں ہو سکتا کہ تم دو مہینے گھر ہی نہ آؤ۔ اور جب آؤ گے تو کہیں نہ کہیں تو رہنا ہوگا۔"
"یار! خوش نصیب! پورا گھر میرا ہے۔ کسی بھی کمرے میں رہ لوں گا۔" اس نے قدرے جھنجلا کر کہا تھا۔
خوش نصیب کو بے ساختہ اس پر رشک آیا۔ کتنا پر اعتماد تھا وہ۔ کیسے حق سے کہہ رہا تھا کہ کسی بھی کمرے میں رہ لے گا۔ جب کہ وہ کبھی ایسا نہیں کہہ سکتی تھی۔ فضل منزل میں رہتے ہوئے کبھی اسے اور ماہ نور کو اتنا اختیار دیا ہی نہیں گیا تھا کہ وہ حق جتا پاتیں۔
کیف اپنی دھن میں بولتا چلا جا رہا تھا۔
"اور یہ کوئی اتنی بڑی بات بھی نہیں ہے۔ کہیں اور جگہ نہ ملی تو فہمینہ کے کمرے میں میٹرس ڈال لوں گا۔"

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔" خوش نصیب نے پرسوچ انداز میں کہا اب وہ پرسکون نظر آرہی تھی۔
"اب مسئلہ حل ہو گیا تو گھر چلیں؟" کیف نے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔
"لیکن۔ روشن امی نہیں مانیں گی کیف!" اسے پھر مایوسی نے گھیر لیا۔
کیف نے بے ساختہ اپنی ہتھیلی پیشانی پر ماری۔ "انہیں میں منالوں گا۔ فی الحال تم تو گھر چلو۔ کسی کو نہیں پتا تم گھر سے غائب ہو۔ روشن چچی نے رازداری سے مجھے بھیجا ہے۔"
"وہاں۔ چلو چلو۔" اس نے کھڑے ہو کر جلدی جلدی پاؤں میں سلیپر ڈالے اور اس کے ساتھ چل دی۔
"ویسے ایک بات ہے کیف!" اچانک پھر سے کچھ یاد آیا تو تھم سی گئی۔
کیف جھنجلا کر مڑا۔ "اب کیا ہے؟"
"تم اتنے "برے" نہیں ہو جتنے شکل سے لگتے ہو۔" ایسے کہا جیسے بڑی پتے کی بات بتائی ہو اور وہ بھی بنا کسی شرمندگی کے۔
کیف نے اسے گھور کر دیکھا پھر زیرلب مسکرایا اور بولا۔ "اور تم بھی اتنی "اچھی" نہیں ہو جتنی شکل سے لگتی ہو۔"
خوش نصیب کو زور سے ہنسی آگئی سو وہ دل کھول کر اور اپنی ہتھیلی پر ہاتھ مار کر ہنسی۔ کیف کی مسکراہٹ گہری ہنسی میں ڈھل گئی۔
یوں حساب برابر ہوا اور دونوں اچھے بچوں کی طرح گھر کی طرف چل دیے۔

☼ ☼ ☼

بشام کا موسم زیادہ تر سرد رہتا تھا لیکن راتیں بہت یخ بستہ ہوتی تھیں۔ ہر دوسرے تیسرے روز بارش ہو جاتی۔ تیز ہواؤں کا طوفان پہاڑوں سے سر ٹکراتا پھرتا۔ صبح سورج نکلتا پانی سے خالی باقی ماندہ بادل سورج کی تپش سے پگھل جاتے اور چمکتی دھوپ چنار کے درختوں کے پتوں کو اور بھی سرسبز شاداب کر دیتی۔
اس رات بھی طوفان آیا۔ آسمان پر بجلی کے کوڑے برس رہے تھے اور تیز ہوائیں درودیوار سے سر ٹکراتی پھرتی تھیں۔ وسامہ نے پردہ ہٹا کر کھڑکی سے باہر جھانکا۔ طوفان کے شور سے لبریز پراسرار رات فلک بوس کے دالان میں اتر آئی تھی۔ اس نے پردہ برابر کر دیا اور ٹی وی دیکھنے کے ارادے سے دوسری سمت بڑھا۔ لیکن ابھی اس نے دو ہی قدم بڑھائے تھے کہ کھڑکی پر دستک ہوئی۔ وسامہ چونک کر پلٹا اور کھڑکی کا پردہ ہٹا دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ بری طرح حیران ہوا۔ باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے ذرا آگے ہو کر بند شیشے سے ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش کی۔ اسے اب بھی کوئی دکھائی نہیں دیا۔
اس نے پردہ برابر کیا اور واپس ہوا اس بار پھر اس کے پلٹتے ہی شیشے پر دستک ہونے لگی۔
وسامہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس میں ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اس بار وہ پردہ ہٹائے۔ لیکن دستک بڑھتی جا رہی تھی۔ وسامہ نے ہمت جمع کی اور کانپتے ہاتھوں کے ساتھ پردہ سرکا دیا۔ پردہ ہٹتے ہی دستک بند ہو گئی۔ صرف یہی نہیں باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ وسامہ کا دل بری طرح دہشت زدہ ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ باہر بارش شروع ہو چکی تھی اور تیز ہوا پیڑ پودوں سے سر پٹخ رہی تھی۔ وسامہ کا ایک ہاتھ ابھی تک پردے کو پکڑے ہوئے تھا اور جوں ہی پیچھے ہٹنے لگا بند شیشے کے دوسری طرف ایک دم سے پاشا سامنے آگیا۔ یہ سب اتنا غیر متوقع اور اچانک ہوا تھا کہ وسامہ بری طرح دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹا۔ اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ لگتا تھا ابھی سینے سے باہر آجائے گا۔

دل کی دھڑکن کو نارمل ہونے میں چند لمحے لگے۔پاشا باہر زور زور سے کچھ بول رہا تھا شیشہ بند ہونے کی وجہ سے آواز نہیں آرہی تھی۔ وسامہ کو اس پر غصہ آیا اس نے جاکر دروازہ کھول دیا۔ پاشا کھڑکی کے پاس سے گھوم کر دروازے کی طرف آگیا تو وسامہ نے ناراضی سے کہا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟۔ تم کیوں بار بار کھڑکی بجا رہے تھے؟" اس نے غصے سے کہا۔

پاشا برآمدے سے آیا تھا لیکن تیز ہوا نے بارش کی بوچھاڑ سے اس کو بھی بھگو دیا تھا۔ وہ اندر آکر جلدی جلدی اپنے کپڑے جھاڑ رہا تھا۔ اس سوال پر ہونق سا بن کر وسامہ کو دیکھنے لگا۔

"میں نے کھڑکی نہیں بجائی۔" اس نے کہا۔

"جھوٹ مت بولو۔ تم مجھے ڈرانا چاہتے تھے۔" وسامہ نے جارحانہ انداز میں کہا۔

دوسری جانب پاشا بری طرح سٹپٹا گیا۔

"نن۔ نہیں صاحب! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بابا نے مجھے آپ کے بیڈ روم کی کھڑکی کی چوکھٹ کی لکڑی درست کرنے بھیجا تھا۔ میں آیا تو آپ کھڑکی کے پاس کھڑے تھے۔ اس لیے میں سیدھا کھڑکی کی طرف آگیا۔ میں قسم کھاتا ہوں میں نے دستک نہیں دی۔ میں تو ابھی آیا ہوں۔" وہ وضاحتیں دینے لگا۔

"جاؤ جاکر لکڑی ٹھیک کرو۔" وسامہ کو پاشا کی باتوں پر اعتبار نہیں تھا' سو اس نے ناراضی سے کہا۔

"اور سنو۔" پاشا نے جوں ہی قدم بڑھائے وسامہ نے کہا۔ پاشا رک کر اسے دیکھنے لگا۔

"لکڑی ٹھیک کرکے اسی راستے سے واپس جانا۔ میں یہیں بیٹھا ہوا ہوں۔"

"جی بہتر۔" وہ جلدی سے آگے چلا گیا۔

وہ گیا تو آئے کت آگئی۔ وسامہ نے ساری بات اسے بتائی اور کہا۔

"میں تو اسے اچھا لڑکا سمجھی تھی لیکن یہ تو بہت شرارتی نکلا۔ تم کل اس کی شکایت بابا کبیر کو لگانا۔" آئے کت نے بھی ناراضی سے کہا۔

"ہاں۔ میں ایسا ہی کروں گا۔" وسامہ نے کہا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ بے ارادہ نظر اٹھا کر دیکھا تو آئے کت صوفے کے ہتھے پر کہنی ٹکائے ہتھیلی پر ٹھوڑی جمائے شرارت سے مسکراتی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟۔ ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟"

"دیکھ رہی ہوں اور سوچ رہی ہوں۔" اس کی شرارتی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"کیا؟" وہ چونکا۔

"یہی کہ تم کتنے ڈرپوک ہو۔" اس نے کہا۔ لمحہ بھر کا توقف کیا اور اگلے ہی لمحے زور سے ہنس پڑی۔

وسامہ جھینپ کر ہنس دیا۔ وہ ڈرپوک تھا اس میں تو کوئی شک نہیں تھا۔

لیکن اگلے روز بابا کبیر سے کچھ کہنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ جو بھی اس رات ہوا پاشا باپ کو اس کے بارے میں آگاہ کرچکا تھا۔ وسامہ سے سامنا ہوتے ہی وہ وضاحتیں دینے لگے۔ ان کا کہنا تھا' وہ رات کو پاشا کے ساتھ آئے تھے لیکن چونکہ اندر ان کا کوئی کام نہیں تھا اس لیے وہ کچھ فاصلے پر ہی رک گئے تھے اور جس وقت وسامہ نے اندر سے پاشا کے لیے دروازہ کھولا بابا کبیر کچھ فاصلے پر کھڑے اسے دیکھ رہے تھے اگر پاشا نے مسلسل کھڑکی پر دستک دی ہوتی تو ضرور یہ بات ان کے نوٹس میں آجاتی۔

وسامہ کو ان کی باتوں کا یقین کرنا ہی پڑا۔ صرف اس لیے نہیں کہ وہ بے چارہ بہت گھگھیا کر بول رہا تھا' اس لیے بھی کیونکہ وہ معاویہ کے پرانے اور قریبی ملازمین میں سے تھے۔ اور معاویہ ان کا بہت احترام کرتا تھا۔

"میں تمہاری بات کا یقین کرلیتا ہوں لیکن سوال یہ ہے کہ اگر پاشا نے کھڑکی پر دستک نہیں دی تو وہ کون تھا جو

اشارے کرتا بولتا گیا۔
روشن امی نے پریشان ہو کر خوش نصیب کو دیکھا جس کے چہرے پر طبیعت خرابی کے کوئی آثار دکھائی نہ دیتے تھے۔
"نہیں۔ کیا کہہ رہے ہو؟ اوہ ہاں ہاں۔ میری طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی روشن امی! ابھی تک سر چکرا رہا ہے۔ اتنی زور کی چوٹ لگی مجھے۔ ہائے۔" ایک دم سے کیف کی بات سمجھ کر اس نے جو سر پکڑ کر کراہنا شروع کیا تو روشن امی کو تو یقین آیا سو آیا۔ کیف کے لیے اپنی بے ساختہ ہنسی چھپانا مشکل ہو گیا۔ اس بے چارے نے رخ بدل کر اپنی امنڈتی ہنسی چھپائی تھی۔
"چوٹ؟" روشن امی نے تعجب، نا سمجھی اور فکر مندی سے دوہرایا اور سوالیہ نظروں سے کیف کو دیکھا۔ اس سے پہلے کہ کیف سے کوئی جواب بن پاتا خوش نصیب جلدی سے بولی۔
"موٹر سائیکل نے ٹکر ماری تھی۔ فٹ پاتھ پہ سر لگا میرا۔" جھوٹ میں سچائی کے رنگ بھرنے کے لیے اس نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔
"کیا ہو گیا ہے خوش نصیب!" روشن امی فکر مندی سے جلدی سے آگے بڑھیں اور سہارا دے کر اسے چارپائی پر بٹھایا۔ تشویش سے سر اور ماتھے کا جائزہ لیا اور الجھ کر بولیں۔
"چوٹ کا کوئی نشان تو نظر نہیں آرہا؟"
کیف بھی پلٹا لیکن اس بار بھی فراٹے سے جواب خوش نصیب نے ہی دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آ... اوہ... اندرونی چوٹ ہے ناں... باہر سے کیسے نظر آئے گی... بس مجھے بہت زور زور سے چکر آرہے ہیں۔"
"ہائے میری بچی...!"
"فکر مند نہ ہوں روشن امی! میں ٹھیک ہوں اب۔" اس نے آواز میں نقاہت بھر کر کہا۔ "لیکن یہ سامنے والا دروازہ کیوں گھوم رہا ہے؟"
"دروازہ نہیں گھوم رہا، تمہیں چکر آرہے ہیں اس لیے گھومتا ہوا لگ رہا ہو گا۔ تم لیٹ جاؤ۔"
انہوں نے زبردستی اسے لٹانے کی کوشش کی۔
"دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا تم نے... اب بھی کیا وقت ہو گیا ہے... کمزوری سے چکر آرہے ہوں گے۔" وہ فکر مندی سی بول رہی تھیں۔
"کمزوری تو بہت ہو رہی ہے... ہائے ڈاکٹر نے کہا ہے جب تک میں پوری طرح ٹھیک نہیں ہو جاتی، مجھے یخنی اور دیسی انڈہ کھلانا ہے... ہائے۔" وہ ہائے ہائے کرتی پلنگ پر ڈھے ہی گئی۔ کوئی دیکھتا تو پہچاننا مشکل ہو جاتا کہ اسے واقعی چوٹ لگی ہے یا ڈراما کر رہی ہے۔
"فکر نہ کرو میری بچی! میں دیسی مرغی کی یخنی بھی بنا کر دوں گی تمہیں..." وہ اپنی ناراضی بھول بھال کر فکر مند ہو گئی تھیں۔
کیف کے لیے اب مزید اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو گیا تھا۔ "چچی! میں صبح آؤں گا۔" کہہ کر جلدی سے باہر نکل گیا اور باہر جا کر خوب ہنسا۔ اس روز کیف نے اعتراف کیا وہ خواہ مخواہ خوش نصیب کو لطیفہ کہتا تھا وہ تو لطیفوں کی پوری کتاب تھی۔

تھوڑی دیر بعد روشن امی کی ہدایت پر ماہ نور اسے خود چمچ بھر بھر کے یخنی پلا رہی تھی۔ خوش نصیب بیمارنی تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی۔ چہرے پر اس نے خوب کمزوری والے تاثرات سجا رکھے تھے۔ روشن امی اور رنائی کے پلنگ پر بیٹھی ان سے باتیں کر رہی تھیں۔

دوسرے تیسرے چمچ پر خوش نصیب جھنجلا کر لیکن آواز دبا کر بولی۔ "کیا چمچ بھر بھر کے صرف یخنی پلاتی جا رہی ہو۔۔۔ تھوڑی بوٹی بھی ڈال دو۔۔۔ پتا بھی ہے خالی پانی جیسی یخنی میرے حلق میں پھنس جاتی ہے۔"

"دنیا کی تم واحد انسان ہو جس کے حلق میں یخنی پھنس جاتی ہے۔" ماہ نور نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں تو میں منفرد جو ہوں۔۔۔" بڑے انداز سے گردن ہلا کر بولی۔ "وَن اینڈ اونلی۔۔۔ دنیا میں ہے کوئی ایسا جو خوش نصیب کا مقابلہ کر سکے؟"

ماہ نور نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔ "مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تمہیں کوئی چوٹ ووٹ نہیں لگی۔۔۔ ذرا سی خراش لگ جائے تو آسمان سر پر اٹھا لیتی ہو۔۔۔ سچ مچ ایکسیڈنٹ ہوا ہوتا تو چار دن تمہارے آنسو نہیں رکنے تھے۔"

"کس قدر ذہین ہو تم ماہ نور!" مصنوعی رشک آمیز انداز میں مسکرا کر اس نے ماہ نور کو دیکھا۔

ماہ نور نے چمچ پیالے میں پٹخا اور اسے ایک چپت لگا کر بولی۔

"اور کس قدر کمینی ہو تم۔۔۔ گھنٹہ بھر سے مجھے اپنی خدمتوں میں لگا رکھا ہے۔۔۔ کبھی یہ چیز لاؤ۔۔۔ کبھی وہ چیز کھلاؤ۔۔۔ پتا نہیں سکتی تھی کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا۔"

"بیٹا! ابھی تو تمہیں میں اور تنگ کروں گی۔۔۔ کیسے مجھے دیکھ کر منہ بنایا تھا۔۔۔ آئی بڑی خوش نصیب کو نخرے دکھانے والی۔" اس نے دانت پیس کر اپنے عزائم کا اظہار کیا۔

ماہ نور نے اس کی ڈھٹائی پر اپنا ہی سر پیٹ لیا۔ "بجائے اس کے کہ تھوڑا سا شرمندہ ہو لیا جائے۔۔۔ تم مجھے ہی قصوروار ٹھہرا رہی ہو؟"

"ماہ نور! تم بہت بولتی ہو۔" اس نے اپنا سر پکڑا۔ "پتا بھی ہے میں بیمار ہوں۔۔۔ پھر بھی پٹر پٹر بولے جا رہی ہو۔۔۔ اف سر میں درد کر دیا ہے۔"

"بہانے بنانا بند کرو اور اٹھ کر برتن دھوؤ۔۔۔ کمرہ صاف کرتے کرتے میں تھک گئی ہوں۔" ماہ نور نے کہا۔

"میری بلا سے۔۔۔" وہ ناک چڑھا کر بولی۔ "ویسے بھی ڈاکٹر نے مجھے برتن اور کپڑے دھونے سے منع کیا ہے۔"

"کیوں؟" اس بات پر ماہ نور کو شاک سا لگا تھا۔

"میرے سر پر چوٹ لگی ہے اور دماغ کا ڈائریکٹ تعلق ہاتھوں سے ہوتا ہے۔۔۔ اس لیے ڈاکٹر نے کہا ہے جب تک میں بالکل صحت یاب نہیں ہو جاتی نہ کپڑے دھوؤں نہ برتن۔" اپنی طرف سے بڑی سائنس جھاڑی تھی اور کسی کا متفق ہونا ضروری بھی نہیں تھا۔

"اچھا اب باتیں کم کرو اور یخنی میں اور بوٹی ڈال کر لے کر آؤ۔۔۔ پتا بھی ہے مجھے کتنی ویک نیس ہو رہی ہے۔" اس نے دوبارہ آواز میں نقاہت پیدا کرتے ہوئے کہا۔ ماہ نور اسے سرہلا کر رہ گئی جیسے کہہ رہی ہو "خوش نصیب تیرا کوئی علاج نہیں۔"

✿ ✿ ✿

وسامہ کی وہ رات بہت بے چینی میں گزری۔ وہ جلد از جلد سرخرو نامی اس لڑکے سے ملنا چاہتا تھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ روح شام کے بعد فلک بوس کے سامنے والی سڑک سے گزرنے کے جرم کی پاداش میں اس

پر حملہ کر چکی ہے۔ لیکن وہ لڑکا اپنے خاندان کے باقی افراد کے ساتھ بشام سے نقل مکانی کر چکا تھا۔ وسامہ سے ملاقات اس کی قسمت میں نہیں تھی۔

جس وقت کبیر نے وسامہ کو یہ ساری بات بتائی وسامہ لان میں کین کی کرسی پر فکر مند سا بیٹھا تھا۔

"اس کا کوئی نہ کوئی رشتہ دار تو ضرور ہو گا بشام میں۔۔۔" وسامہ نے کہا۔

"میں نے پتا کیا ہے۔۔۔ لیکن سب لوگ جا چکے ہیں۔"

"سرخرو کے بارے میں پتا کرنا تھا۔۔۔ کیا واقعی اس پر۔۔۔ فلک بوس کے آسیب نے حملہ کیا تھا۔" وسامہ معصومانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

کبیر بابا ملازم تھے ایک بار اس سے جھاڑ کھا چکے تھے لیکن اس بار پھر ہمت کر کے بولے۔

"میں نے یہ بھی پتا کروایا ہے۔۔۔ وادی میں اس کے متعلق بھی کئی کہانیاں ہیں۔ کوئی کہتا ہے سرخرو اپنی محبوبہ سے ملنے رات گئے یہاں آیا کرتا تھا۔ جنگل کے کسی بھیڑیے نے اس پر حملہ کر دیا۔ سرخرو بچ تو نکلا لیکن اتنا خوف زدہ ہوا کہ ذہنی توازن کھو بیٹھا۔۔۔ پاگل پن کی حالت میں وہ کبھی بھیڑیے کا نام لیتا تھا کبھی آئو شمتی کا۔۔۔ لیکن کوئی بھی بات واضح نہیں تھی۔"

"اگر ایسی ہی بات ہے تو سرخرو کے گھر والے بشام سے کیوں چلے گئے؟"

"کم پڑھے لکھے' کمزور اعتقاد کے مالک ہیں صاحب! جو انہیں ٹھیک لگا وہ انہوں نے کیا۔۔۔ آدھی سے زیادہ آبادی ہندو مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔۔۔ ان کے یہاں تو ویسے بھی مانا جاتا ہے کہ جن روحوں کو مکتی (نجات) نہیں ملتی وہ ساری زندگی پھر دنیا میں بھٹکتی رہتی ہیں۔۔۔ جب کہ ہم مسلمان ہیں ہماری روحوں کو مکتی ملے یا نہ ملے قیامت تک قبر میں ہی رہنا پڑے گا۔" آخر میں انہوں نے ذرا ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا وسامہ بھی مسکرا دیا لیکن بات اس کے ذہن سے نکلی نہیں تھی۔

اسے ہر وقت ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے اسے کوئی دیکھ رہا ہے اور یہ احساس شام کے بعد سے بڑھنا شروع ہو جاتا تھا۔ وہ جس راہ داری سے گزرتا' جس جگہ جا کر بیٹھتا اسے ایسا لگتا تھا جیسے دو آنکھیں مستقل اس کے پہرے پر لگی ہوئی ہیں اور اس کی ایک ایک حرکت ایک ایک جنبش کو نوٹ کر رہی ہیں۔ ایک بار پھر وسامہ نے اسے اپنے دماغ کا خلل سمجھا اور خود ہی اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ سب اس کا وہم ہے لیکن یہ خیال اس کے ذہن میں زور پکڑ گیا جب آئے کت نے بھی اس کے وہم کی تائید کر دی۔ وہ اپنے نٹنگ کے کام میں بے حد مصروف رہتی تھی لیکن اس دوران اسے بھی یہی محسوس ہوتا تھا کہ کوئی مسلسل اسے دیکھ رہا ہے۔

"ایسا لگتا ہے جیسے کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔۔۔ عجیب سی وحشت ہونے لگی ہے۔۔۔ ایسا پہلے نہیں ہوتا تھا وسامہ!" وہ بڑی نڈھال اور اداس سی لگ رہی تھی۔ "کاش! اللہ ہمیں اولاد سے نواز دے تو یہ وحشت خود بخود ختم ہو جائے گی۔" وہ اپنے مسئلے اور اس کے حل سے بھی واقف تھی لیکن وسامہ کا مسئلہ اولاد نہیں تھا۔ اس کی الجھنیں کچھ اور تھیں جو دن بدن بڑھ رہی تھیں۔

فلک بوس قلعہ نما بہت وسیع و عریض عمارت تھی جہاں بیک وقت کئی خاندان سما سکتے تھے۔ معاویہ کے مشورے پر جب آئے کت اور وسامہ نے یہاں آ کر رہنا شروع کیا تو انہوں نے پورے فلک بوس میں رہائش اختیار کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ پورے فلک بوس پر تسلط رکھتے۔ اس لیے انہوں نے ایک الگ تھلگ حصے کو اپنی قیام گاہ بنا لیا تھا۔ صرف دوسری منزل کی اسٹڈی میں وسامہ چلا جاتا تھا اور اکثر صبح سے شام وہاں بیٹھ کر لکھتا رہتا تھا۔

لیکن کسی کا خود پر نظر رکھنے کا احساس جوں جوں زور پکڑتا گیا وسامہ نے اسٹڈی میں جانے کے اوقات بھی

گھٹا دیے۔ شام ہوتے ہوتے اسے وہاں عجیب سی گھبراہٹ ہونے لگتی تھی اور یہ چیز اس کی کارکردگی پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ وہ پبلشر کو اپنی زیر طبع کتاب کے ہفتے میں دو ڈرافٹ بھجوایا تھا اب دو ہفتوں میں ایک ڈرافٹ بھجوانے لگا۔ اور یہ بات خاصی پریشان کن صورت حال اختیار کرتی جا رہی تھی کیونکہ وسامہ کے معاشی معاملات کا دارو مدار انہی پیسوں پر تھا جو اسے مختلف جرائد اور پبلشرز کے لیے لکھنے پر ملتے تھے۔ انہی معاملات سے پریشان ہو کر اس نے اپنا دھیان ہٹایا اور زیادہ سے زیادہ وقت کتب بینی کو دینے لگا۔ مختلف کتابوں کے مطالعے سے اس کا ذہن کھلتا چلا گیا اور اسے زیادہ سے زیادہ لکھنے کے لیے تحریک ملنے لگی۔ وسامہ اس چیز سے خوش ہو گیا۔

لیکن یہ خوشی چند روزہ تھی۔ ایک سہ پہر اسٹڈی میں بیٹھے ہوئے اس نے کسی چیز کے سرکنے کی دھیمی سی آواز سنی۔ اسٹڈی کی خاموشی میں یہ آواز نمایاں ہو کر اعصاب پر لگ رہی تھی۔ کتاب پڑھتا ہوا وسامہ پہلے متوجہ ہوا پھر چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ غور کرنے سے اسے اندازہ ہوا یہ آواز لکڑی کی سطح پر کسی چیز کے گھسیٹے جانے سے پیدا ہو رہی ہے۔ یہ خیال آتے ہی اس کی نظر سیدھی اپنی میز پر گئی اور وہ یہ دیکھ کر دنگ ہی رہ گیا کہ میز پر پڑا ہوا تانبے کا آرائشی پیالہ اوندھا پڑا ہولے ہولے حرکت کر رہا تھا۔ یہ حرکت اتنی معمولی اور غیر واضح تھی کہ اگر ارد گرد اتنی خاموشی نہ ہوتی اور آواز بلند نہ ہو رہی ہوتی تو وسامہ کا دھیان بھی اس طرف نہ جاتا۔ اب ایک طرح سے اس حرکت کو لرزش کہنا زیادہ مناسب رہے گا۔ اس کے دل میں ڈر کا ہلکا سا شعلہ دہکنے لگا۔ وسامہ اس پیالے کو الجھی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہوا سوچتا رہا کہ آیا وہ واقعی ہل رہا ہے یا اس کی نظریں دھوکا کھا رہی ہیں۔ کوئی بھی جواب واضح نہیں ہو پا رہا تھا۔ تب ہی اچانک وسامہ نے جیسے غیر ارادی طور پر ہاتھ بڑھایا اور اس پیالے کے الٹے پیندے پر زور سے رکھ دیا۔ پیالہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔ چند سیکنڈ وہ اسی طرح پیالے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہا پھر اس نے آہستگی سے ہاتھ ہٹا لیا۔ نظریں چوکنے انداز میں پیالے پر مرکوز کیے ہوئے تھیں۔ ایسے جیسے ہاتھ ہٹتے ہی اس کی حرکت کا مشاہدہ کرنا چاہتی ہوں لیکن ہاتھ ہٹنے کے بعد بھی پیالہ ساکت ہی رہا۔

وسامہ کا خوف قدرے کم ہو گیا پریشانی بڑھ گئی۔

اسی وقت آئے کت اس کے لیے چائے لے کر آئی۔ اس وقت تک وسامہ پیالے سے اپنی نظریں نہیں ہٹا پایا تھا۔

"وسامہ! میں کہہ رہی تھی.... آج ہمیں نیچے وادی کا چکر لگانا چاہیے۔" وہ بولتی ہوئی اندر آئی تو وسامہ کو پیالے کی طرف دیکھتا پایا۔

"کیا بات ہے؟ آپ پریشان کیوں ہیں؟" اس نے قریب آکر چائے کا کپ سامنے میز پر رکھ دیا۔

"آں.... ہاں یہ پیالہ۔" وسامہ جیسے اس پیالے کی حرکت کے زیر اثر آچکا تھا اس کیفیت سے نکلنے میں اسے چند لمحے لگے تھے۔

"یہ پیالہ ابھی ہل رہا تھا...."

"ہائیں.... ہل رہا تھا۔" آئے کت نے حیران ہو کر اس کی نظروں کا تعاقب کیا ——— پیالہ ساکت تھا۔

"خود بخود ہل رہا تھا؟" آئے کت نے پیالے کو حرکت کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا مگر وسامہ کی آنکھوں اور لہجے میں خوف کی جو رمق تھی وہ اسے چونکنے پر مجبور کر گئی تھی۔

"ہاں۔"

"آپ کا وہم ہو گا وسامہ! بھلا پیالہ خود بخود کیسے ہل سکتا ہے؟"

"اسی لیے تو میں زیادہ حیران ہو رہا ہوں...."

کچھ دیر وہ دونوں خاموشی اور باریک بینی سے پیالے کی طرف دیکھتے رہے لیکن اس بار پیالے میں کوئی حرکت

نہیں ہوئی۔
"اچھا چھوڑیں ناں... آپ کا وہم تھا اور کچھ نہیں... آپ جلدی جلدی یہ چیپٹر پورا کرلیں پھر ہم وادی کی سیر کے لیے جائیں گے۔" آئے کت نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر کہا۔
"ہاں ٹھیک ہے جیسے تم خوش رہو۔" وسامہ نے دھیان پیالے سے ہٹا کر کہا۔ آئے کت اپنی چودھویں کے چاند کی کرنوں جیسی مسکراہٹ اچھال کر باہر نکل گئی۔ اس کے باہر جاتے ہی وسامہ کا دھیان دوبارہ پیالے کی طرف چلا گیا۔ وہ اسی طرح ساکت و صامت پڑا تھا لیکن وسامہ کو لگ رہا تھا ابھی اس میں حرکت شروع ہو جائے گی۔ چند لمحے اور گزرے اور پیالے میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تو وسامہ نے ارتکاز دوبارہ کتاب کے صفحوں کی طرف لگانے کی کوشش کی۔ اسی وقت... ٹھیک اسی وقت پیالہ پھر لرزا۔ اس بار اس کی حرکت میں شدت تھی۔ وسامہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس کا دل پیالے کی حرکت کے ساتھ ساتھ لرز رہا تھا۔
اچانک وسامہ کو پتا نہیں کیا ہوا اس نے ہاتھ بڑھایا اور پیالہ اٹھا لیا۔ نیچے سے ایک موٹا چوہا قید سے آزاد ہوا اور چھلانگ لگا کر وسامہ کے سینے پر سوار ہو گیا۔ وسامہ بوکھلا کر اپنی جگہ سے اٹھنے لگا لیکن اس کوشش میں اس کی کرسی پیچھے الٹ گئی۔ وہ سر کے بل کرسی سمیت پیچھے گرا۔ چوہا تیزی سے پھدکتا کہیں غائب ہو گیا۔ یہ سب چند لمحوں میں ہوا تھا۔ ومبخود سا وسامہ زمین پر گرا ہوا تھا۔
کبیر بابا وہیں کہیں کسی کام میں مصروف تھے شور کی آواز سن کر دوڑے چلے آئے لیکن جوں ہی وہ کمرے میں پہنچے دنگ رہ گئے۔
زمین پر کرسی سمیت گرا ہوا وسامہ زور زور سے ہنس رہا تھا۔ ہنس ہنس کر اس کی آنکھوں میں پانی بھر چکا تھا اور ایسا لگتا تھا اس کی ہنسی قابو میں ہی نہ آرہی ہو اور یوں اتنے دنوں سے فلک بوس پر چھائی ہوئی خوف کی فضا چھٹ گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

برکلن کا پارک اسی طرح پر رونق اور آباد تھا جس طرح ہمیشہ ہوا کرتا تھا۔
جاگنگ ٹریک پر دوڑتی ہوئی منفرا نظر آرہی تھی آج اس نے سبز رنگ کا ٹریک سوٹ پہنا ہوا تھا اور اس کی اونچی پونی ٹیل دور سے ہی آگے پیچھے ہلتی نظر آرہی تھی۔ اس نے آج ٹریک کے دو چکر لگائے تھے۔ تیسرا چکر پورا کر کے وہ گھاس کے قطعے پر اتر آئی اور چلتی ہوئی آکر بینچ پر بیٹھ گئی۔ جاگنگ کرنے کی وجہ سے اس کی سانس پھول رہی تھی اور خوشگوار موسم کے باوجود اس کا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔
بینچ پر بیٹھ کر اس نے اپنے کانوں سے ہیڈ فون اتارے۔ موبائل فون پر لگا ہوا ٹریک بند کیا اور اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ کر بینچ کی پشت پر سر رکھ کر سستانے لگی۔ سفیدے کے درختوں کے سائے میں خاموشی سے اس طرح بیٹھنا اسے اچھا لگ رہا تھا۔
کچھ دیر اسی طرح گزری پھر اس نے سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا۔ جہاں وہ بیٹھی تھی وہاں سے پورا پارک دکھائی دیتا تھا۔ منفرا نے تمام ٹریکس پر متلاشی نظر دوڑائی۔ پارک کا داخلی دروازہ اور پچھلی طرف کا چھوٹا دروازہ بھی دیکھا لیکن معاویہ اسے کہیں دکھائی نہیں دیا اور آج دسواں دن تھا معاویہ اسے نظر نہیں آیا تھا اور یہ حیران کن بات تھی۔ مارکیٹ اور سب وے پر نظر آجانا ایک اتفاق ہو سکتا تھا لیکن پارک ایک ایسی جگہ تھی جہاں منفرا کی طرح وہ بھی روزانہ آنے والوں میں شمار ہوتا تھا۔ اکثر ہی آمنا سامنا ہو جاتا ایسے میں اس کا نظر نہ آنا یقیناً "حیرانی کی بات" تھی یا کم سے کم منفرا کو ایسا ہی لگ رہا تھا۔

بہر حال معاویہ کا پارک نہ آنا منفرا کو عجیب سی فکر مندی میں مبتلا کر رہا تھا۔ ان گزرے ہوئے دس دنوں میں بھی اس نے معاویہ کی کمی کو محسوس کیا تھا اور بارہا اس کے بارے میں سوچا تھا۔ مگر اس بار وہ یہ تمام باتیں سوچتے ہوئے وہ جھنجلا گئی اور اس نے دل ہی دل میں خود کو ٹوکا۔

میں فی بی سے کہتی ہوں مبین سے معاویہ کے بارے میں پوچھے... لیکن نہیں... فی بی میرا مذاق اڑائے گی۔

اس نے خود ہی اپنا خیال رد کر دیا۔

لیکن وہ اتنے دن سے پارک نہیں آیا... مجھے اس کی فکر ہو رہی ہے... ہو سکتا ہے وہ بیمار ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے وہ کسی مشکل کا شکار ہو... اوہ what the hell (کیا مصیبت ہے) اسے تو میرا نام بھی معلوم نہیں ہو گا اور میں اس کے بارے میں فکر مند ہو رہی ہوں... یہ بے وقوفی کی انتہا ہے۔

سوچتے ہوئے اس نے اپنے سر پر چپکے سے ایک چپت بھی لگائی۔ پھر سر جھٹکتے ہوئے اٹھی اور جاگنگ کرتی پارک کے بیرونی راستے کی طرف چلی گئی۔

چند دن مزید سرک گئے معاویہ نے پارک کا رخ نہیں کیا۔

منفرا نے حتی المقدور کوشش کی کہ وہ معاویہ کے بارے میں نہ سوچے اور اپنی کوشش میں کامیاب بھی رہی اور جب اسے یقین ہو گیا معاویہ اس کے ذہن سے نکل چکا ہے تو اسے وہ نظر آ گیا۔ وہیں پارک کے جاگنگ ٹریک پہ۔

منفرا کے دل نے بے ساختہ ایک بیٹ مس کی۔ پتا نہیں کیوں لیکن معاویہ کو دیکھتے ہی وہ مسرور ہو گئی تھی۔ اسے یہ دیکھ کر بھی تسلی ہوئی تھی کہ وہ ٹھیک ہے اور اتنے دن کی غیر حاضری کسی حادثے کا نتیجہ نہیں ہے۔ وہ دونوں ایک ہی جاگنگ ٹریک پر جاگنگ کرتے ہوئے مختلف سمتوں سے ایک دوسرے کی طرف آ رہے تھے۔ عنقریب ان دونوں کا آمنا سامنا ہونا تھا۔ اس خیال نے منفرا کے جسم میں سنسنی سی دوڑا دی۔ خیر سگالی جذبات کے تحت وہ کچھ اور خوب صورتی سے مسکرانے لگی۔ اس کی پونی ٹیل زور زور سے ہل رہی تھی اور پونی کا سرا اس کی گردن سے بار بار ٹکرا رہا تھا۔

اس نے دل ہی دل میں وہ جملہ بھی تیار کر لیا جو آمنے سامنے پہنچنے پر اسے معاویہ کے سامنے ادا کرنا تھا اور جس کے ذریعے اس کی خیریت معلوم کرنی تھی۔ لیکن جوں ہی وہ اس کے قریب پہنچی معاویہ لاتعلقی سے ایک بھی نظر اس پر ڈالے بغیر آگے بڑھ گیا۔

منفرا کی مسکراہٹ پہلے حیرانی میں ڈھلی اور پھر جھینپ کر بالکل ہی غائب ہو گئی۔

کافی عرصے سے وہ دونوں اس پارک میں آ رہے تھے اکثر ہی ایک ٹریک پر جاگنگ کرتے ہوئے آمنا سامنا ہو جاتا تھا ایسے میں جان پہچان نہ سہی۔ آنکھوں میں شناسائی تو نظر آ ہی جاتی ہے لیکن معاویہ نے تو اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

یہ سوچ سوچ کر منفرا کو اتنی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی جتنی شرمندگی اسے آج سے پہلے کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

صبح فضل منزل کے مرکزی کچن میں رونق لگی ہوئی تھی۔ سب کے پورشن میں الگ الگ کچن تھے لیکن وہ کچن صرف چائے پانی جیسے کاموں کے لیے استعمال ہوتے تھے باقی سارے ناشتے کھانے جیسے بڑے کام اسی کچن میں انجام دیے جاتے تھے۔

جس وقت خوش نصیب نیند کے بوجھل پن سے آنکھیں ملتی اندر داخل ہوئی گھر کی آدھی عوام ناشتے سے

فارغ ہو چکی تھی جبکہ اس وقت کوئی "تازہ خبر" زیر بحث تھی اور جب عورتیں بحث کرنا شروع کرتی ہیں تو کان پڑی آواز سنائی دینا مشکل ہوتا ہے۔

خوش نصیب نے کسی کو بھی ڈسٹرب کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ کیف اور عرفات ماموں میز پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ وہ سیدھی ان کے پاس ہی آگئی۔

"السلام علیکم ماموں!"

"وعلیکم السلام۔۔۔ جیتی رہو۔"

"مجھے بھی سلام کرو۔۔۔ بڑا ہوں تم سے۔" کیف کوئی موقع ہاتھ سے جانے دے سکتا تھا اسے چڑانے کا۔

"السلام علیکم۔۔۔" ہاتھ ماتھے تک لے جاکر سلام جھاڑا۔

اس تابعداری پر جہاں عرفات حیران ہوئے وہیں کیف ہنس دیا۔

"خیریت تو ہے؟ تم اور کیف کی بات اتنے آرام سے مان لو۔۔۔ کہیں سورج مغرب سے تو نہیں نکل آیا آج۔" انہوں نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"ہاہاہا۔۔۔ مغرب سے کیوں نکلے گا' سورج مشرق سے ہی نکلا ہے اور یہ آپ نے کیسی بات کہہ دی؟ میں تو ہمیشہ کیف کی ہر بات مان لیتی ہوں۔۔۔ یہ ہے ہی اتنا اچھا ہمیشہ صحیح بات کرتا ہے۔" وہ واری صدقے جانے والی نظروں سے کیف کو دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔ اب کیف سے اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو گیا۔ اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ عرفات بھی اس کے ساتھ ہنسے تھے۔

"خوش نصیب اب اکثر میری تعریف کیا کرے گی۔" کیف نے خوش نصیب کو شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کو نہیں پتا۔۔۔ ہماری دوستی ہو گئی ہے۔"

"واقعی؟" وہ ہنسے۔ "یہ حادثہ کب ہوا؟"

"ہائے ہائے۔۔۔ حادثہ تو نہ کہیں۔۔۔ آپ کو تو پتا ہے میں کتنی سیدھی سادی اور معصوم سی ہوں۔۔۔ جھگڑا تو ہمیشہ یہ کیف۔۔۔ مم' میرا مطلب ہے کیف تو جھگڑا کرتا ہی نہیں ہے۔۔۔ میں ہی کرتی ہوں۔۔۔ اب سے وہ بھی نہیں کروں گی۔" دانت نکال کر بولی۔

"بالکل بالکل۔۔۔ تم دونوں سے زیادہ صلح جو تو کوئی اور ہے ہی نہیں۔" وہ اپنی چائے کا کپ لے کر کھڑے ہو گئے اور کیف سے بولے۔ "جب فرصت ملے تو حقیقت حال سے آگاہ کر جانا۔۔۔ اتنا امن مجھے ہضم نہیں ہو رہا۔"

وہ مسکرا کر بولے تھے۔ دھیما سا تبسم لبوں پر سجائے باہر نکل گئے۔ کیف البتہ ان کی بات سمجھ کر زور سے ہنس دیا اور اثبات میں سر بھی ہلا دیا۔ اور جب وہ چلے گئے تو خوش نصیب کو دیکھنے لگا۔ مسکراتے ہوئے' چمکتی ہوئی معنی خیز آنکھوں کے ساتھ۔

"تمہارا منہ جھوٹ بولنے پر سارا دن طبیعت خراب رہ سکتی ہے۔۔۔ اس لیے سوچ سمجھ کے بولا کرو۔"

"میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔۔۔ بولوں گی بھی کیوں؟"

"اچھا۔۔۔" اس نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔ کہنی میز پر اور بند مٹھی تھوڑی کے نیچے جمائی اور اسے گہری نظروں سے دیکھ کر بولا۔

"اچھا۔۔۔ تو کھاؤ اپنے سر کی قسم کہ دوبارہ مجھ سے جھگڑا نہیں کرو گی۔"

خوش نصیب کی جان مشکل میں آگئی۔ سٹپٹا سی گئی۔

"اس سے تو اچھا تھا یہ ساری زندگی ساتھ جینے مرنے کی قسم لے لیتا۔۔۔ اب جھگڑا نہ کرنے کی قسم کون کھائے؟" وہ بڑبڑائی پھر جلدی سے بولی۔ "تمہارے سر کی قسم کھا لیتی ہوں۔"

"اتنا فالتو نہیں ہے میرا سر کہ تمہاری جھوٹی قسموں کی نذر ہو۔" کیف نے فوراً" آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔
"اُف وہ..." وہ جھنجلا گئی۔ "کہہ جو دیا ہے کہ نہیں کروں گی جھگڑا تو بس نہیں... لیکن تم کیوں مجھے ایسے دیکھ رہے ہو؟ توبہ ہے ایک تو کسی کو میری بات پر یقین نہیں آتا۔"
"یقین وہ کرے جو تمہیں جانتا نہ ہو..." وہ مسکراتا ہوا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "لیکن خیر مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے، مجھ سے جتنے مرضی جھگڑے کرو کرتی رہو... میں تو مستقبل قریب کا نقشہ دیکھ رہا ہوں بلکہ سمجھو فلم چل رہی ہے میری آنکھوں کے سامنے..." خلا میں دیکھتا وہ جیسے واقعی مستقبل کا کوئی منظر دیکھنے لگا تھا۔
خوش نصیب پہلے حیران ہوئی پھر اس کے اندر کا تجسس جاگا۔
"کیسی فلم؟ کیا بات کر رہے ہو کیف؟"
"وہ دیکھو..." اسی طرح خلا میں دیکھتے ہوئے خواب ناک آواز میں اس نے دور کہیں خلا میں ہی اشارہ کیا تھا۔
خوش نصیب اس طرف دیکھنے کی کوشش کرنے لگی جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔
"وہ دیکھو آج سے چند سال بعد لیکن اسی گھر کا منظر ہے۔ میں ایسا ہی گھبرو جوان ہینڈسم سا لیکن سر جھکائے کھڑا ہوں، تھوڑی دور ایک پانچ چھ سال کی بچی بیٹھی ہوئی ٹی وی دیکھ رہی ہے۔ اب دوسری طرف آجاؤ... نہیں رائیٹ سائیڈ پر نہیں لیفٹ سائیڈ پہ... تم وہاں کھڑی ہو... ہاں وہیں دروازے کے پاس موٹی تازی جیسے گول مٹول سی فٹ بال... باس کٹ میں منا سو رہا ہے اور تم مجھ سے جھگڑا کر رہی ہو... پورا محلہ تمہاری آواز سن رہا ہے... میں ہینڈسم لیکن مسکین معصوم شوہر کی طرح سر جھکائے کھڑا ہوں... اور تم جھگڑالو... نک چڑھی بدزبان بیوی کی طرح... واؤ... ایک پرفیکٹ فیملی کا سین ہے۔" وہ اس منظر میں اس قدر ڈوب چکا تھا کہ ایسا لگتا تھا وہیں پہنچ گیا ہے۔
خوش نصیب پہلے تو سمجھی نہیں اور جب سمجھ گئی تو اس کا چہرہ ایسے لال ہونے لگا جیسے کارٹون موویز میں تھرمامیٹر کا درجہ حرارت بڑھنے سے پارہ لال ہونا شروع ہو جاتا ہے اور ایک وقت آتا ہے تھرمامیٹر پھٹ جاتا ہے تو خوش نصیب بھی پھٹنے کے قریب تھی۔
کیف نے اس کی طرف دیکھا اور ڈر گیا۔
"کیا میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟"
"تم... تم انتہائی فضول انسان ہو۔" اس نے دانت اس حد تک کچکچائے کہ ایسا لگا دانت ٹوٹ ہی جائیں گے اور وہ اس قدر زور سے بولی تھی کہ سب ہی ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔
"کیا ہوا...؟" سب کی زبان پر ایک ہی سوال ابھر آیا۔ کیف ہنس ہنس کر دہرا ہو گیا۔
"خوش نصیب کو چند سال بعد کا منظر بتا رہا تھا... اس نے ابھی سے سین کری ایٹ کرنا شروع کر دیا..." اس کی ہنسی رکنے کا نام نہ لے رہی تھی اور خوش نصیب کا بس نہ چلتا تھا اس کی گردن ہی چبا ڈالے۔ وہ اٹھی اور پاؤں پٹختی کچن سے باہر نکل گئی۔
"کیسا سین؟" جملہ خواتین حیران۔ "ان دونوں کو کیا ہوا؟"
ہنستے ہنستے کیف کی آنکھوں میں پانی جمع ہو گیا تھا اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔
"کچھ نہیں... آپ لوگ نہیں سمجھیں گے۔" وہ ابھی بھی ہنس رہا تھا اور واقعی مستقبل کا وہ منظر دیکھ رہا تھا جہاں ان دونوں کے درمیان بڑے بڑے معرکے ہونے والے تھے۔

☆ ☆ ☆

کچھ دیر گزرنے کے بعد منزہ خود ہی اپنا مذاق اڑا رہی تھی۔

"تم میری عقل چیک کرو۔۔۔ اتنا مسکرا مسکرا کر اس کے پاس جا رہی تھی جیسے پتا نہیں ہماری کتنی پرانی شناسائی ہو۔" اس نے اپنی عقل کے اس عظیم مظاہرے پر ہنستے ہوئے اور ظاہر ہے دل ہی دل میں شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

فی بی اس کی بات پر ہنسنے میں اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

"اب میں نے اسے نوٹس کیا ہوا ہے تو ضروری تھوڑی ہے کہ اس نے بھی مجھے نوٹس کیا ہو۔۔۔ پارک میں لوگ واک کرنے آتے ہیں اس بات کا خیال رکھتے نہیں کہ وہاں کون آ رہا ہے کون نہیں۔" فی بی کو بتاتے ہوئے وہ خود اپنے آپ پر ہنس رہی تھی۔

فی بی ابھی اپنے لیے نوڈلز بنا کر لائی تھی اور اب کاؤچ پر نیم دراز مزے سے کھا رہی تھی۔ منفرا کے خاموش ہونے پر اس نے بڑا سا نوالہ کھاتے ہوئے ابرو اچکا کر منفرا کو دیکھا۔ وہ دوسرے کاؤچ پر بیٹھی نیچے کو جھکی اپنے جوگرز کے تسمے کھول رہی تھی اور مسلسل خود پر ہنس رہی تھی اور بول رہی تھی۔

"ان فیکٹ وہ بندہ اتنا لاتعلق اور سرد مہر لگتا ہے کہ اس نے میری تو کیا پارک میں آنے والے کسی دوسرے فرد کی موجودگی کو بھی محسوس نہیں کیا ہوگا۔۔۔ ایسا سوچنا بھی حماقت تھی۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولتے ہوئے اٹھی اور الماری سے اپنے کپڑے نکالنے لگی۔

فی بی اس کی پشت پر نظریں جمائے جیسے کچھ سوچ رہی تھی۔ اس کی سوچ کا محور منفرا اور معاویہ ہی تھے۔

"یمی ٹھیک کہتی ہے۔۔۔ وہ esthatic sense (حس لطیف) سے عاری انسان ہے۔"

"لیکن وہ ہینڈسم ہے۔۔۔ کسی بھی لڑکی کا دل اسے دیکھ کر دھڑکنا بھول سکتا ہے۔" فی بی نے مسکرا کر کہا۔

"یہ بات یمی کو بتاؤ۔۔۔ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جن کا دل اسے دیکھ کر دھڑکنا بھولا ہو۔" اس نے الماری بند کر دی۔ فی بی اسے پر سوچ نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

کیف چائے کا کپ ہاتھ میں لیے خوش نصیب کے پیچھے آیا۔

"نصیبن! اری او میری نصیبن!"

وہ رک بھی گئی اور پلٹ کر اسے گھورا بھی۔

"کتنی بار کہا ہے مجھے اس طرح مت بلایا کرو۔۔۔ خوش نصیب نام ہے میرا۔"

"اتنا لمبا نام لیتے میرا منہ تھک جاتا ہے۔۔۔ اس لیے پیار سے نصیبن کہہ دیتا ہوں۔۔۔ کیوں تمہیں اچھا نہیں لگتا۔" معصومیت سے آنکھیں پٹپٹا کر پوچھا۔

"جیسے تم تو جانتے ہی نہیں۔" اس نے گھور کر دیکھا۔

"اچھا۔۔۔ جا کہاں رہی ہو۔۔۔ بات تو سنو۔" اس نے ہنسی دبائی۔

"کیا تکلیف ہے؟" کاٹ کھانے کو دوڑی۔

"تکلیف تو دل میں ہے۔۔۔ وہ کیا کہتے ہیں اسے؟ ہاں درد محبت۔" وہ چائے گرنے سے بچانے کی کوشش کرتا تیز قدموں سے چلتا اس کے پاس آگیا۔

"کیف! میں تمہیں قتل کر دوں گی۔" اس نے انگلی اٹھا کر دانت کچکچا کر کہا۔ "تم دیکھ لینا میں کسی دن واقعی تمہیں قتل کر دوں گی۔"

"پہلے ابو سے بات کر لینے دو اس کے بعد بے شک قتل کر دینا۔" اب وہ ذرا سنجیدہ ہوا۔ "اچھا سنو۔۔۔ ابو اور امی

کو میں راضی کرلوں گا کہ جتنے دن فضیلہ چچی کا مہمان یہاں رہے گا تم لوگ ہمارے پورشن میں رہو گے۔۔۔ روشن چچی کو منانا تمہاری ذمہ داری۔"

"ان کی فکر تم نہ کرو۔۔۔ میں منالوں گی۔" وہ بھی جھگڑا بھول گئی۔ "اور روشن امی کیوں نہیں مانیں گی؟ تمہارے کمرے میں میلی جرابوں کی بدبو آتی ہے لیکن کبوتروں کی اسمیل والے کمرے میں رہنے سے تو یہ سو درجے بہتر ہو گا۔" پرسوچ انداز میں کیف نے اسے گھور کر دیکھا۔

"ایسی بات ہے تو ابو اور امی کو بھی تم ہی منالو۔"

"ہائے ہائے۔۔۔ تم تو برا ہی مان گئے۔۔۔ میں تو مذاق کر رہی تھی۔۔۔ تمہارے کمرے سے تو خوشبو آتی ہے۔۔۔ وہ بھی چوبیس گھنٹے۔" دانت نکالے۔

کیف اسے گھور کر بولا۔ "تم یا ہر ہی رہنا۔۔۔ میں ابو کے پاس جا رہا ہوں۔"

صابر احمد برآمدے میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ کیف چائے لے کر ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

خوش نصیب کی طبیعت میں سکون نہیں تھا۔ ٹوہ لیتی اندرونی ٹی وی لاؤنج میں آگئی۔ یہاں سے ایک کھڑکی برآمدے میں کھلتی تھی اس نے کھڑکی کا پٹ سرکایا اور پردے کی اوٹ میں ہو کر باہر کی آوازوں پر کان لگا کر کھڑی ہو گئی۔

کیف نے اسے اندر ہی رہنے کی تاکید کی تھی لیکن وہ خوش نصیب ہی کیا جو ایک بار میں کہی ہوئی بات مان لے۔

نرم گرم سی دھوپ برآمدے کی چھت کے ڈیزائن سے چھن چھن کر آرہی تھی اور فرش پر کھیل رہی تھی۔ منی پلانٹ کی بیلیں ستونوں سے لپٹی ہوئی تھیں اور دھوپ سے خوب چمک کر تر و تازہ محسوس ہوتی تھیں۔ صابر احمد نے اخبار کا صفحہ پلٹتے ہوئے ایک نظر کیف کو دیکھا۔

"تم کوئی بات کرنا چاہ رہے ہو؟"

کیف نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا لحظہ بھر کو سوچا پھر بولا۔ "جی ابو!"

"ہاں بولو۔" وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ "خیریت تو ہے ناں۔۔۔ پیسے چاہئیں؟"

"نہیں۔۔۔ پیسے بہت ہیں میرے پاس۔"

"ہاں بھئی۔۔۔ اب تو خود کمانے لگ گئے ہو۔۔۔ اب تمہیں باپ کی دی ہوئی پاکٹ منی کی کیا ضرورت ہے۔" انہوں نے شرارت سے کہا کیف ہنس دیا۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔ جتنے میں کماتا ہوں وہ آپ کی دی ہوئی پاکٹ منی کا چوتھائی حصہ بھی نہیں ہوتا۔۔۔ ہاں بس دل کو تسلی ضرور رہتی ہے کہ کچھ نہ کچھ کر رہا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔۔۔ بہت اچھی بات ہے۔" انہوں نے اخبار کا صفحہ پلٹتے ہوئے اسے سراہا۔ "میں اپنے دوستوں کے بیٹوں کو دیکھتا ہوں۔۔۔ کچھ تو تم سے بڑی عمر کے ہیں لیکن احساس ذمہ داری نام کو بھی نہیں ہے۔۔۔ لیکن تم ماشاء اللہ میرے بہت لائق اور سمجھ دار بیٹے ہو۔۔۔"

صابر احمد کے منہ سے نکلنے والے تعریفی جملوں کے ساتھ ساتھ کیف کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی۔

"کھڑکی کی اوٹ میں کھڑی خوش نصیب دانت پیسنے لگی۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ میری مدد کر رہا ہے مگر اب کوئی ایسا بھی لائق سمجھ دار نہیں ہو گیا۔ یہ کیف کا بچہ۔۔۔ کہ تایا ابو تعریفیں کرتے نہیں تھک رہے۔۔۔ اونہہ۔" جوش جذبات سے وہ ذرا آگے ہوئی۔

"ابو۔۔۔ میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہ رہا تھا۔۔۔ اگر آپ کو برا نہ لگے تو۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں بولو۔"

اسی وقت کیف جو صابر احمد کے سامنے تمہید باندھ رہا تھا اس کی نظر خوش نصیب پر پڑ گئی۔ وہ گڑبڑا کر اپنی جگہ

سے دو فٹ اوپر اچھلا۔ اسے خوش نصیب سے ایسی دلیری کی توقع نہیں تھی۔

"وہ... وہ ابا... مم... میں" بے چارہ بھول ہی گیا کیا کہنے آیا تھا۔ صابر احمد اس معاملے میں سخت مزاج تھے اگر انہیں بھنک بھی پڑجاتی کہ خوش نصیب ان کی اور کیف کی باتیں سننے کی غرض سے کھڑی ہوئی ہے تو خوش نصیب کی بنا ٹکٹ باری آجاتی تھی۔ ایسی اس کی طبیعت صاف کرتے کہ لگ پتا جاتا۔

"کیا ہوا تم کھڑے کیوں ہو گئے...؟" تعجب سے پوچھا۔ "بیٹھ کر آرام سے بات کرو۔"

"پھر کبھی ابو...." وہ بری طرح سٹپٹایا ہوا تھا خوش نصیب اسے اشارے کر رہی تھی کہ وہ بیٹھ جائے اور بات جاری رکھے۔ کیف کو فکر تھی اگر خوش نصیب کی یہاں موجودگی سے کوئی واقف ہو گیا تو ایک منٹ میں بات بنالی جائے گی کہ وہ کیف کو سمجھا بجھا کر اپنے حق میں کرتی ہے۔ فضیلہ چچی تو ایسے موقعوں پر "قابو میں کیا ہوا ہے"۔ ٹائپ جملے بولنے سے بھی نہیں چوکتی تھیں۔ جب کہ کیف خوش نصیب کے لیے مزید کسی ذہنی آزار کا باعث بننا نہیں چاہتا تھا وہ اسے زندگی میں آسانیاں دینا چاہتا تھا۔

خوش نصیب یہ بات نہیں سمجھتی تھی وہ من مانی کر کے بنتے کام بگاڑ دینے کی ماہر تھی۔

کیف گھبراہٹ میں مسلسل کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا صابر احمد کھٹک گئے انہوں نے کیف کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا خوش نصیب ایک دم سے اوٹ میں ہو گئی۔

"بات کیا ہے کیف!" صابر احمد اب اخبار سمیٹ کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"کک... کوئی بات نہیں ہے ابو!"

"میں تمہارا باپ ہوں، میرے باپ بن کر مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو... یہاں بیٹھ جاؤ اور مجھے تفصیل سے بتاؤ۔" انہوں نے ایک منٹ میں اس کے سارے دلائل رد کر دیے تھے۔

کیف ناچار بیٹھ گیا۔ دل میں دعا کرتے ہوئے کہ خوش نصیب کوئی بے وقوفی نہ کرے۔

"میں آپ سے روشن چچی کے بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔" اس نے جھجکتے ہوئے لیکن مضبوط لہجے میں کہا۔

"ہاں ہاں بولو... کیا ہوا ہے روشن کو؟"

"نہیں... روشن چچی کو کچھ نہیں ہوا..." اس نے کہا۔ "ابو! آپ کو نہیں لگتا ان کا پورشن خالی کروا کے ہم سب ان کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔"

صابر احمد نے دائیں ٹانگ بائیں پر رکھی اور سنجیدگی سے بولے۔

"نہیں... مجھے ایسا نہیں لگتا۔"

کیف مایوس ہوا لیکن وہ ایسے ہی جواب کی توقع کر رہا تھا۔

"فضیلہ چچی کو اپنے مہمان کو اپنے پورشن میں ٹھہرانا چاہیے... اور پھر ایک مہمان کے لیے پورا پورشن خالی کروانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"مہمانوں کے لیے ہمیں ایک گیسٹ روم بنوانا ہی تھا... اب باسط کے پورشن کو رینو کروالیں گے... شفیق نے کہا ہے وہ اپنی ذمہ داری پر پورا پورشن رینو کروائے گا۔"

"لیکن ابو! اوپر والے کمرے کی حالت تو ایسی نہیں ہے... کہ وہاں روشن چچی، ماہ نور، خوش نصیب اور نانی رہ سکیں۔" اس نے احترام کے ساتھ کہا۔ "میں سوچ رہا تھا کیوں نہ وہ چاروں میرے کمرے میں شفٹ ہو جائیں۔"

"ہوں..." صابر احمد نے کچھ دیر سوچا۔ "مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے... لیکن میرا خیال ہے تمہاری ماں راضی نہیں ہو گی۔"

"آپ مان گئے تو امی کو میں منا لوں گا۔"
"کیوں اپنے لیے اتنے دردِ سر مول لیتے ہو کیف.....!"
"دردِ سر نہیں ہے ابو! احساسِ ذمہ داری ہے....."
وہ اثبات میں سر ہلانے لگے جیسے دل ہی دل میں کچھ سوچ رہے ہوں پھر مسکرانے لگے اور بولے۔
"میں تمہارے احساسِ ذمہ داری کی قدر کرتا ہوں کیف! لیکن میرا خیال ہے ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ روشن اور اس کی بیٹیوں کے لیے اوپر کا وہ ایک کمرہ ہی کافی ہے۔" انہوں نے بے حد آرام سے کہہ دیا۔
کھڑکی کی اوٹ میں کھڑی خوش نصیب ایک دم سے مایوس ہوئی۔ یہی صورت حال کیف کی تھی۔ وہ بہت اعتماد کے ساتھ آیا تھا کہ اس کی بات مان لی جائے گی۔
"لیکن ابو.....!" اس نے کہنے کی کوشش کی۔
"لیکن ویکن کچھ نہیں..... ان لوگوں کی ضروریات ہی کتنی ہیں کہ انہیں پورا پورشن دیا جائے..... جہاں تک ہمارے پورشن میں رہنے کی بات ہے تو ہر ایک کی اپنی پرائیویسی ہوتی ہے' میرا نہیں خیال روشن بھابھی یہاں آ کر رہنا چاہیں گی۔"
"میں ان سے بات کر لوں گا۔"
"ذرا مہینہ سے کہنا مجھے ایک کپ چائے دے جائے۔" انہوں نے دوبارہ اخبار کھول لیا' یہ اس بات کا واضح اظہار تھا کہ اب دفع ہو جاؤ۔
خوش نصیب کا دل ٹوٹ گیا' اگلے ہی پل اس نے ناراضی اور غصے سے پردہ چھوڑ دیا اور وہاں سے ہٹ گئی۔
کیف مایوس سا سر جھکا کر اندر سے نکلا۔

☼ ☼ ☼

اس روز منفرا بیدار ہوئی تو بروکلن ہائیٹس پر ایک اور چمکتا ہوا دن طلوع ہو چکا تھا۔ اس نے ذرا سا پردہ ہٹا کر باہر دیکھا تو طبیعت پر چھائی ہوئی سستی دور ہو گئی۔ وہ پارٹ ٹائم میں ایک گروسری اسٹور پر کام کرتی تھی پچھلی رات اس کی نائٹ ڈیوٹی تھی اس لیے صبح معمول کے برعکس وہ دیر سے بیدار ہوئی تھی۔ اب دیر سے اٹھی تھی جاگنگ پر تو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس روز اس کا ارادہ میوزیم جانے کا بھی تھا اور ایک چمکتے ہوئے دن کے لیے یہ ایک اچھا پروگرام ثابت ہو سکتا تھا۔

پچھلی رات اسے ڈاکٹر رہمسن کا پیغام ملا تھا۔ وہ شہر کے بہترین سائیکاٹرسٹ اور ان کے ڈپارٹمنٹ کے ڈین تھے۔ انہوں نے کہا تھا چونکہ آج وہ اپنی سائیکائیٹری سے وابستہ مصروفیات کی وجہ سے کالج نہیں آسکیں گے اس لیے اگر منفرا کو وقت نہ ہو تو وہ ان کے پاس ان کے سائیکائیٹرک کلینک آجائے۔ تاکہ مزید وقت ضائع کیے بنا اس کے فائنل ایئر کے ریسرچ ورک کو ڈسکس کر لیا جائے۔ منفرا کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس نے راستے گننا شروع کیے تو اندازہ ہوا ڈاکٹر رہمسن کی سائیکائیٹری میوزیم کے راستے میں ہی ہے۔ منفرا نے سوچا وہ ایک ساتھ دو کام نمٹا لے گی۔

اس مقصد کے لیے اس نے فی بی کی سائیکل بھی ادھار لے لی۔

جس وقت وہ تیار ہو کر ہاسٹل سے نکلی۔ اپنا بیگ کمر پر لٹکائے اونچی پونی ٹیل جھلاتی ایک چھوٹی سی بچی لگ رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں سائیکل ہوا سے باتیں کرنے لگی تب ہی اس کے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے مشاقی سے سائیکل چلاتے ہوئے جیب سے موبائل نکالا۔ مام کی کال تھی۔ منفرا نے پہلے ہیڈ فون کانوں میں ٹھونسا پھر کال اٹینڈ کر کے موبائل دوبارہ جیب میں ڈال لیا۔ اور سارا راستہ مام سے باتیں کرتے ہوئے عبور کیا۔ ان کا اصرار تھا منفرا کچھ دن کے لیے مونٹوک آئے اور ان کے پاس قیام کرے۔ وہ اداس ہو رہی تھیں اور ارادہ رکھتی تھیں کہ منفرا کی آمد پر اس کی پسند کی ہر چیز بنائیں گی۔

منفرا نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ اگلے ویک اینڈ پر ضرور مونٹوک آئے گی۔ مام سے بات کرنے کے دوران اسے وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا جب اس نے فون بند کیا تو وہ اپنے طے شدہ وقت سے بیس منٹ لیٹ ہو چکی تھی اور یہ اس کی سنگین کوتاہی تھی جسے پروفیسر رہمسن جیسا وقت کا پابند انسان یقیناً" معاف کرنے پر راضی نہ ہوتا۔ منفرا گویا ہوا سے باتیں کرتے ہوئے سائیکل چلانے لگی۔

ڈاکٹر رہمسن کا کلینک 'ایڈمز ٹاور' کی دوسری منزل پر تھا۔ منفرا نے سائیکل پارکنگ میں لگائی اور بذریعہ لفٹ دوسری منزل پر پہنچی۔ سائیکائیٹری میں اس روز زیادہ رش نہیں تھا۔

"آپ لیٹ پہنچی ہیں میم!" ریسپشنسٹ نے اسے دیکھ کر کہا۔

"جانتی ہوں۔۔۔" منفرا نے ناک چڑھا کر کہا۔ "کیا اگلا پیشنٹ اندر جا چکا ہے؟" اس نے بڑی امید سے پوچھا کہ شاید جواب نہ میں ملے۔

"نہیں۔"

"ویل۔۔۔ یہ ہوئی نا بات۔" وہ خوش ہو گئی۔ "کیا میں اندر جا سکتی ہوں؟"

"مسٹر رہمسن ابھی مصروف ہیں۔۔۔ آپ کو کچھ دیر انتظار کرنا ہو گا۔" ریسپشنسٹ نے مسکرا کر اس سے کہا۔ منفرا پہلے بھی دو چار بار یہاں آچکی تھی اس لیے ریسپشنسٹ جانتی تھی کہ وہ ڈاکٹر رہمسن کے پسندیدہ طالب علموں میں سے ہے۔

منفرا مایوس سی ہو گئی۔

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اگلے پیشنٹ سے پہلے مجھے پروفیسر سے بات کرنے کا موقع مل جائے؟" منفرا نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے لجاجت سے پوچھا تھا۔

"یہ ممکن نہیں ہے میم! آپ جانتی ہیں مسٹر رحمن اپنے پیشنٹس کے معاملے میں کتنے پکے ہیں۔"

اب انتظار کے سوا اور کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ناچار وہ ویٹنگ روم میں آکر بیٹھ گئی۔ تقریباً" آدھا گھنٹہ اسے انتظار کرنا پڑا یہ وقت اس نے جمائی لیتے ہوئے گزارا پھر ریسپشنسٹ نے اسے اندر جانے کا عندیہ دیا تو وہ اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑی ہوئی اور ایسے اندر داخل ہوئی جیسے گیٹ بند ہو جانے کا خطرہ ہو۔

"گڈ مارننگ پروفیسر! امید کرتی ہوں میرے دیر سے پہنچنے کا آپ نے برا نہیں منایا ہو گا۔" وہ اندر داخل ہوئی اور جلدی سے بولتی چلی گئی۔

"ہرگز نہیں... کیونکہ مجھے اب عادت ہو چکی ہے۔" پروفیسر رحمن نے خیر سگالی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

منفرا کھلکھلا کر ہنسی۔ "آفٹر آل میں آپ کی سب سے لائق اور ذہین اسٹوڈنٹ ہوں۔"

"آف کورس... " پروفیسر صاحب متانت سے مسکرائے پھر بولے۔ "او' میں آپ لوگوں کا انٹروڈکشن کروا دوں۔"

اس بات پر پہلی بار منفرا کو اندازہ ہوا کمرے میں پروفیسر اور اس کے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے۔ اس نے اس تیسرے شخص کی طرف دیکھا اور اس کا دل ایک لمحے کے لیے تھم کر بحال ہوا۔

"ان سے ملو مس منفرا! یہ معاویہ شیرازی ہیں۔ انڈسٹریل مشینری کے کاروبار سے وابستہ ہیں۔ اتنی سی عمر میں بزنس میں بہت نام کما لیا ہے... اور تمہیں پتا ہے پچھلے سال ان کی کمپنی کو بہترین کارکردگی پر stevie ایوارڈ ملا تھا۔"

پروفیسر رحمن بڑے متاثر کن انداز میں اسے بتا رہے تھے۔

معاویہ ان کی بات سن کر مسکرا رہا تھا۔ اس کی سرد مہر آنکھیں جیسے کہیں غائب ہو چکی تھیں اور وہ بڑی خوش دلی سے مسکرا رہا تھا۔ اس کے نقوش پارک والے معاویہ سے ملتے تھے آنکھوں کے تاثرات نہیں۔ منفرا نے دل میں سوچا۔

"تھینک یو ڈاکٹر! آپ میری بہت تعریف کر رہے ہیں۔" وہ مسکرا رہا تھا لیکن انداز میں جھینپ بھی تھی۔

"وہ اس لیے کیوں کہ میں تم سے بہت متاثر ہوں... اتنی سی عمر میں اتنی کامیابیاں حاصل کر لی ہیں کہ میری عمر کے لوگ تم سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتے ہیں۔" اس بات پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر منفرا کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

"ہیلو... آئی ایم معاویہ!" اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ منفرا نے اپنا ننھا سا ہاتھ اس کی چوڑی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ معاویہ نے خیر سگالی کے تحت اس کے ہاتھ کو ہولے سے دبایا اور منفرا کو ایسا لگا اس کی ساری جان سمٹ کر ہتھیلی میں قید ہو گئی ہو۔ صرف یہی نہیں معاویہ کی مسکراہٹ منفرا کے دل پر اوس بن کر برسنے لگی تھی۔ ٹھنڈی میٹھی اور پرسکون کر دینے والی۔

"ہیلو... میں منفرا ہوں... منفرا سکندر۔" اس نے خود کو کہتے سنا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

میری رشما سے شناسائی فیس بک پر ہوئی تھی اور اس کو دوستی میں ڈھالنے میں سب سے زیادہ میرا ہی ہاتھ تھا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ رشما ہندوستان میں رہتی تھی اور ہندوستان میرے خوابوں کی سرزمین تھی کیوں کہ وہ میرے والد کی جائے پیدائش تھی۔ قیام پاکستان کے وقت جب میرے دادا لٹے پٹے ہندوستان سے پاکستان آئے تھے تو وہ وہاں صرف اپنی جائیداد، حویلی اور کاروبار ہی نہیں چھوڑ کر آئے تھے بلکہ وہاں کی کسی جھیل کی تہہ میں اپنی بیوی اور دو بیٹیوں کو بھی چھوڑ آئے تھے۔

میری پیدائش سے بہت پہلے دادا اس دنیا سے جا چکے تھے۔ ہوش کی منزل تک پہنچتے پہنچتے میں اپنے والد کے چھپ چھپ کے رونے کا سبب جان چکی ہو گئی تھیں اور ان میں ہی ان کی ننھی سہیلی بھی شامل تھی۔ انہیں ہمیشہ اس کا قلق رہا۔ جانے کس کے ہتھے چڑھ گئی تھی وہ۔

میں جانتی تھی ان کا دل غموں سے آباد ہے۔ میں ڈاکٹر بن رہی تھی۔ جسم پر لگے زخموں اور ناسوروں کا علاج کرنا سیکھ رہی تھی۔ مگر ان کا علاج نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ میڈیکل سائنس ابھی روح پہ لگے زخموں کا کوئی علاج دریافت نہیں کر سکی تھی۔

☼ ☼ ☼

فیس بک پر میں اور رشما گھنٹوں باتیں کرتے۔ جتنا میں ہندوستان کو دیکھنے کے لیے تڑپتی تھی اس سے کہیں زیادہ وہ پاکستان کو دیکھنے کی تمنائی تھی۔ رشما کی

تسنیم شریف

من کا گھاؤ

تھی۔ میں جانتی تھی کہ انہیں اپنی ماں بہنیں یاد آتی ہیں۔ اپنا وہ بڑا سا گھر یاد آتا ہے۔ جس میں املی اور نیم کے درخت تھے۔ انہیں وہ گلیاں یاد آتی ہیں جہاں وہ تلسی داس کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ حد تو یہ ہے کہ انہیں ماسٹر شنکر کا وہ ڈنڈا بھی یاد آتا ہے جو ان کے ننھے ننھے ہاتھوں کو سرخ کر دیا کرتا تھا۔ وہ مجھ سے ہندوستان کی باتیں کرتے کرتے اکثر اپنے مضبوط توانا ہاتھوں کو دیکھ کر ہنس پڑتے۔ ان کے ہاتھوں سے ماسٹر شنکر کی دی ہوئی سرخی کب کی رخصت ہو چکی تھی مگر من کا گھاؤ اسی طرح باقی تھا۔ وہ اکثر سیاستدانوں کو برا بھلا کہتے جن کی وجہ سے ان کا گھر بار چھوٹا تھا۔ ان کی تعلیم ادھوری رہ گئی تھی۔ بلوائیوں کے حملے کی وجہ سے ان کے گاؤں کی بے شمار خواتین نے خود کشی کر لی تھی۔ بیشتر لاپتا

کوئی بھی بات ماتاجی کے ذکر کے بغیر پوری نہ ہوتی۔ وہ باتوں باتوں میں اکثر اپنی ماتاجی کے خیالات میرے گوش گزارتی رہتی جس میں اس کی من پسند بات یہ تھی کہ مسلمان اور ہندو جنم جنم سے اکٹھے رہتے تھے۔ ان کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تھا۔ مذہبی تہواروں پر مٹھائیوں کا تبادلہ ہوتا۔ ایک دوسرے کو کھانے پر بلایا جاتا۔ امن، محبت، شانتی سب ہی کچھ تو تھا۔ یہ نیتاؤں کا کمینہ پن تھا کہ جس نے محبت کی سرزمین کو سرحدوں میں بانٹ دیا تھا۔ اور ان سرحدوں نے سوائے نفرتوں کو جنم دینے کے کچھ نہیں کیا تھا۔ دہشت گردی کی جس آگ میں ہم جل رہے تھے اس کے شعلے انہیں بھی جھلسا رہے تھے۔

انگریز سرکار برصغیر سے تو چلی گئی تھی مگر اس کی

سیاست ابھی بھی یہیں بھٹک رہی تھی۔ بشہا کی ماتاجی کہتی تھیں کہ انگریز تو چاہتے یہی ہیں کہ ہم آپس میں لڑیں مریں اور ان کا اسلحے کا کاروبار چلتا رہے۔ جگ میں شانتی ہوگی تو ان کا اسلحہ کون خریدے گا۔ تب ہی تو دھرتی پہ دنگا فساد مچائے رکھتے ہیں اور نیتاؤں کا راج پاٹ بھی نفرت پھیلانے میں ہے۔ ورنہ پرجا تو دونوں طرف کی ملنا چاہتی ہے۔ ایک دوسرے سے سمبندھ رکھنا چاہتی ہے۔ آپس میں محبت دوستی رکھنا چاہتی ہے۔ یہاں فساد کوئی اور کرتا ہے اور ہم الزام ایک دوسرے کو دیتے ہیں۔ ہمارا بیری (دشمن) سانجھا ہے۔ ہمیں اسے کھوجنا چاہیے۔

بشہا سے باتیں کرکے اکثر میرا دل اداس ہو جاتا۔ مجھے اپنے مرحوم والد یاد آجاتے جنہوں نے قیام پاکستان کی بڑی بھاری قیمت ادا کی تھی۔

✡ ✡ ✡

جوں ہی ہمارے طیارے کے پہیوں نے دہلی ایئرپورٹ کے رن وے کو چھوا' میرا بے تحاشا دھڑکتا دل بے قابو ہونے لگا۔ کاش آج والد زندہ ہوتے اور میرے ساتھ ہوتے۔ اور ایک بار پھر اپنے ہندوستان کو دیکھتے۔ اسی ہندوستان کو جو مسلمانوں کی سطوت کا شاہد تھا۔ جہاں مسلمانوں نے ہزار برس حکومت کی تھی۔ جنہوں نے تاج محل بنا کر محبت کو خراج تحسین پیش کیا تھا۔ جنہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی قائم کرکے کھوئی ہوئی میراث کو پانے کی بنا ڈالی تھی۔ وہی ہندوستان میرے قدموں تلے تھا۔

میں اپنے کالج کے چند اساتذہ اور اسٹوڈنٹ کے ساتھ پندرہ دن کے تعلیمی دورے پر یہاں آئی تھی۔ دو دن تو مختلف کالجز اور یونیورسٹیز کا دورہ کرنے میں لگ گئے جہاں مختلف لوگوں سے ملاقات کا موقع ملا۔ سب ہی خوش اخلاقی اور محبت سے ملے۔ ہندوستان میں تعلیم کا معیار نہایت عمدہ تھا۔ میڈیکل' کمپیوٹر اور انجینئرنگ کے اعلا تعلیمی ادارے تھے جن کا معیار دیکھ کر میں ازحد متاثر ہوئی۔

دوران ملاقات ہنس مکھ سی نندیتا' شلپا' راجیش اور راکھی نے ازخود ہمارے گائیڈ کی ذمہ داری سنبھال لی تھی۔ وہ ہمارے ساتھ کئی تفریحی جگہوں پر بھی گئے۔ مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے جو کوئی تاریخی عمارت سامنے آجاتی تو وہ نہ صرف اس کے محل وقوع سے آگاہ کرتے بلکہ اس کا پس منظر اور تاریخی حیثیت بھی بتاتے۔

وہاں تو مسلمانوں کی مختلف یادگاریں جگہ جگہ بکھری تھیں۔ نندیتا اور شلپا کو فرفر انگریزی بولتے دیکھ کر مجھے احساس کمتری نے گھیر لیا تھا۔ میں ڈاکٹر بن رہی تھی تب بھی ایسی انگریزی بولنے سے قاصر تھی۔

راستے میں نظر آتے کھیت کھلیان' گلیاں چوبارے' گھر اور ان کے مکین واقعی ہمارے جیسے ہی تھے۔ محسوس ہوتا تھا کہ پاکستان کے ہی کسی علاقے میں ہیں۔ ویسے ہی ناک نقشے کے لوگ' ویسا ہی پہناوا' رہن سہن' غربت' کسمپرسی' سب تقریباً" ایک جیسا ہی تھا۔

بشہا کی ماتاجی ٹھیک کہتی تھیں۔ "ہم تو ایک جیسے ہی تھے۔"

✡ ✡ ✡

بشہا کی ماتاجی ایک خوب صورت خاتون تھیں۔ ذہانت ان کے بشرے سے ظاہر تھی۔ انہوں نے مسکرا کر میرا سواگت کیا۔ مجھے گھر کی دہلیز پر روک کر پہلے میری آرتی اتاری۔ میں شرمائی شرمائی کھڑی رہی۔ بشہا کی پرشوق نگاہیں مجھ پر جمی تھیں۔ میں محسوس کرسکتی تھی کہ میں اسے پہلی نظر میں بھاگئی ہوں۔ مجھے بھی وہ بہت اچھی لگی تھی اور اس سے بڑھ کر میرا استقبال کرنے کا انداز۔

میں نے اپنی پروفیسرز سے خصوصی اجازت لی تھی پورے تین دن بشہا کے ساتھ گزارنے کے لیے۔ میڈم رخسانہ نے پہلے پاکستان فون کرکے میری والدہ سے تصدیق کی کہ مجھے بشہا کے گھر جانے کے لیے ان کی اجازت حاصل ہے۔ پھر دس ہدایتوں اور نصیحتوں

کے بعد روی کے ساتھ مجھے پشپا کے گھر بھیجا۔ روی کو ہم نے ڈرائیور کے طور پر ہائر کیا تھا اور وہ بڑی ذمہ داری کے ساتھ پورے ٹرپ پہ ہمیں ہر اس جگہ بحفاظت لے گیا تھا جہاں ہم نے جانے کی خواہش کی تھی یا جہاں جانا تعلیمی نقطہ نگاہ سے ہمارے لیے مفید تھا۔
پشپا کی کوٹھی وسیع و عریض رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ خوب صورت لان رنگ برنگے پھولوں سے مزین تھا۔ مجھے اس نے انیکسی میں ٹھہرایا تھا اور اس بات پر خاصی شرمندہ ہو رہی تھی کیوں کہ گھر میں پہلے ہی اس کے بابو جی کے کچھ مہمان ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ خوامخواہ شرمندہ ہو رہی تھی حالانکہ مجھے یہ بات اچھی لگی تھی۔ کیوں کہ میں پردے کی پابند تھی۔

✡ ✡ ✡

صبح میری آنکھ کسی شور سے کھلی۔ دور کہیں گھنٹیاں سی بج رہی تھیں۔ جن کا ترنم فضا میں ارتعاش پیدا کر رہا تھا۔ یہ میری بھی نماز کا ٹائم تھا۔ میں اٹھ گئی۔ فضا میں خنکی تھی اور مجھے شدت سے چائے کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔ نجانے پشپا اور اس کے گھر والے کتنے بجے جاگتے تھے اور پھر از خود چائے مانگنا بھی تو معیوب تھا۔ میں نے وضو کر کے نماز کی نیت باندھ لی۔ ابھی فرض کی آخری رکعت باقی تھی کہ مجھے دروازے پر کچھ کھٹکا سا سنائی دیا۔ اطمینان سے نماز مکمل کر کے میں نے دیکھا۔ پشپا دروازے پر ناشتے کے لوازمات سمیت کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر کچھ عجیب سا تاثر تھا۔
"آؤ آؤ پشپا! میں نماز پڑھ رہی تھی۔"
وہ چونکی۔ "اں! ماتا جی بھی سویرے سویرے پراتھنا کرتی ہیں۔ پر تو۔ مجھ سے اتنے سویرے نہیں اٹھا جاتا۔" وہ میرے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔
تھالی میں ایک پیتل کی پیالی اور ایک شیشے کے کپ میں چائے تھی۔ میں سوچ میں پڑ گئی کہ کسے اٹھاؤں کہ اس نے خود میری مشکل آسان کر دی۔
"وشما کرنا ہم پیالیوں میں چائے پیتے ہیں۔ تمہارے لیے یہ کپ ہے۔" میں نے مسکرا کر کپ اٹھا لیا۔
"تمہارے آنے کا سن کر میں نے بابو جی سے خاص فرمائش کر کے یہ شیشے کے برتن منگوائے ہیں۔ ہم تو پیتل، تانبے کے برتنوں میں کھاتے پیتے ہیں۔ جانے تمہیں کیسا لگتا اسی کارن تمہارے لیے نئے برتن منگوائے ہیں۔"
میں شرمندہ ہو گئی۔ "ارے نہیں۔ تم نے خوامخواہ تکلف کیا۔ میں کسی چھوت چھات کی قائل نہیں۔ میں بھی ان ہی برتنوں میں کھا لیتی۔"
اس نے مسکرا کر میری بات سنی اور موضوع گفتگو بدل دیا۔

✡ ✡ ✡

دوپہر کو بھی اس نے کھانا میرے ساتھ انیکسی میں کھایا۔ پشپا کی ماتا جی نے بڑا شاندار اور پر تکلف کھانا بنایا تھا۔ کھانے کے دوران باتوں باتوں میں ہمارا پروگرام بن گیا کہ شام کو پشپا کی دوستوں کے ساتھ بازار خریداری کے لیے چلیں گے۔ مجھے قیلولے کی عادت تھی۔ اس لیے پشپا میرا خیال کر کے جلد ہی رخصت ہو گئی۔ مگر آج کچھ عجیب سی بات تھی کہ مجھے دیر تک نیند نہ آئی۔ تنگ آ کر میں انیکسی سے باہر نکل آئی۔
غضب کی دھوپ پڑ رہی تھی۔ لان خالی پڑا تھا۔ میں ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ پشپا کو بلاؤں تو کیسے کہ انیکسی کے عقب سے مجھے کچھ آوازیں سنائی دیں اور میں اسی جانب ہولی۔ ایک انتہائی دلچسپ منظر میرے سامنے تھا۔ ایک چھوٹا سا پیارا سا لڑکا راج کمار بنا ہوا تھا۔ اور تقریباً اسی کی عمر کی ایک لڑکی کھڑی اس کے احکامات سن رہی تھی۔ میرے چہرے پر مسکراہٹ رینگ گئی۔
"راج کمار صاحب! آپ کے کپڑے تو اتنے گندے میلے ہو رہے ہیں، راج کمار کیا ایسے ہوتے ہیں؟" میری آواز سن کر وہ چونکا۔ پہلے مجھے دیکھا پھر

اپنے کپڑوں کو اور جھینپ گیا۔
"ہم تو کھیل رہے ہیں۔"
"راج کمار والا کھیل رہے ہو تو پہلے راج کمار جیسے بنو بھی تو "اور یہ کون ہے؟" میں نے بچی کی طرف اشارہ کیا۔
"یہ سلمیٰ ہے' میری داسی۔" مجھے ایک دم ہنسی آگئی۔ بچی پہلے ہی سہمی ہوئی تھی مجھے ہنستا دیکھ کر کھسیا گئی۔
"اور تم کون ہو؟" میں نے راج کمار سے پوچھا۔
"میں راجیش ہوں۔" پشپا دیدی کا متر (دوست)۔
"اوہ!" میرے منہ سے بے ساختہ آواز نکلی۔
"آپ بھی پشپا دیدی کی متر ہو نا؟"
"ہاں! اور پشپا کے گھر جو مہمان آئے ہیں وہ کس کے دوست ہیں؟"
"مہمان؟" میری بات سن کر اس نے حیرت سے دہرایا۔
"ہاں! پشپا کے باپوجی کے مہمان آئے ہوئے ہیں نا۔" میں نے پشپا کی کوٹھی کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں! میں تو روز پشپا دیدی کے گھر آتا ہوں۔ وہاں تو کوئی مہمان نہیں آیا ہوا۔ مہمان تو بس آپ ہو۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔
مجھے اس کی بات سن کر اچنبھا ہوا۔ کیا پشپا نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے؟ مگر کیوں؟ میری سمجھ میں نہ آیا تو میں پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔
"اچھا... اچھا جاؤ... پشپا دیدی کو دیکھو۔ اگر وہ کوئی کام نہ کر رہی ہو اور جاگ رہی ہو تو اس سے کہو آپ کی دوست بلا رہی ہے۔"
"میں جاؤں؟" اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا' سلمیٰ بول پڑی۔ مگر راج کمار نے سختی سے اسے روک دیا۔
"نہیں... تم اندر نہیں جاؤ۔ دیدی کہتی ہیں تم ملیچھ ہو۔ دیدی کا گھر پلید ہو جائے گا اور پھر انہیں صفائی کرنی پڑے گی۔ ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں۔"

"نہیں! تم بھی ٹھہرو۔" میرے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ اور میں ٹیکسی کی طرف لوٹ آئی۔ میرے دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔
"کیا میں بھی ملیچھ تھی؟ پشپا نے مہمانوں کا جھوٹ اسی لیے بولا تھا کیوں کہ وہ مجھے اپنے گھر لے جانا ہی نہیں چاہتی تھی۔
میرے لیے کانچ کے برتن میرا خیال کر کے نہیں' اس لیے منگوائے تھے کہ کہیں اس کے برتن پلید نہ ہو جائیں۔"
ایک دم مجھے خیال آیا کہ اب تک میں جن اعلا تعلیمی اداروں میں گئی تھی وہاں میری ملاقات 'نندیتا' شوبھا' رادھا' سے تو ہوئی تھی مگر وہاں کوئی غزالہ' کوئی رضیہ نہیں تھی۔ ہاں ایک سلمیٰ سے ملاقات ہوئی تھی جو داسی تھی۔
راجیش کی داسی۔
کمرے میں حبس بڑھ گیا تھا۔ سڑی دھوپ سر چکرائے دے رہی تھی۔ میں نے روی کو فون کیا کہ وہ آکر مجھے لے جائے اور خاموشی سے اپنا سوٹ کیس اٹھا کر ٹیکسی سے باہر آگئی۔ سڑک پر کھڑے ہو کر میں نے روی کا انتظار کرتے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔ بھانت بھانت کے لوگ تھے۔ ماتھے پر تلک لگائی ہوئی ہنستی کھیلتی ناریاں' بھجن گاتے پنڈت پجاری' سر اٹھائے مندر اور سر پر ٹوپیاں جمائے' خاموشی سے سر جھکائے چائے بیچتے لڑکے۔
یہ میرے والد کا ہندوستان تو نہیں تھا۔ وہ تو شاید میری دادی کے ساتھ ہی کسی جھیل کی تہ میں بیٹھ گیا تھا۔
یہ تو پشپا کا ہندوستان تھا۔ جہاں برتن الگ تھے۔ لوگ الگ تھے۔ عبادت الگ تھی۔ سب سے بڑا فرق یہ تھا کہ میرا وحدہ لاشریک رب ان کا بھی پالن ہار تھا مگر ان کے بے شمار مٹی کے بت میرے خدا نہیں تھے۔
پشپا کی ماتا جی نے غلط کہا تھا "ہم ایک جیسے ہیں۔" ہم ایک جیسے نہیں تھے۔

✡

مریم بنت ارشاد

سورج کی زرد زرد سی روشنی کو شام کے دھندلکوں نے دھیرے دھیرے اپنے پروں میں سمیٹنا شروع کیا تھا۔ فضا میں خنکی بڑھنے لگی تھی۔ ڈھیلے قدموں سے چلتی وہ اپنے کسی خیال میں محو نظر آتی تھی۔

"کتنی دفعہ کہا ہے گھنٹی کم بجایا کرو' ایک دفعہ اس پر ہاتھ رکھ لو' تو اٹھانا بھول جاتی ہو۔۔۔ میں بہرہ نہیں ہوا ابھی۔۔۔" روز مرہ کی طرح وہ اس کے یوں گھنٹی بجانے پر غصہ ہوا تھا۔

"اتنی دیر کیوں ہو گئی آج تمہیں؟۔۔۔ مصفرہ! میں خوب جانتا ہوں کہ تمہارا آف سات بجے ہوتا ہے۔" مصفرہ بنا جواب دیے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

"مجھے بے وقوف سمجھتی ہے کیا؟۔۔۔" تو ولا بناتے ہوئے وہ مسلسل اشتعال سے بڑبڑائے جا رہا تھا۔

مصفرہ دھیان دیے بغیر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اسی وقت دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔

"جی! میں کیا مدد کر سکتا ہوں آپ کی؟" تیکھے چتونوں' آنکھوں میں اجنبیت لیے احمر نے سوال داغا۔

"ہمیں مسز احمر سے ملنا ہے۔" ڈھلتی عمر کی ایک عورت نے آگے بڑھتے ہوئے جواب دیا۔

"کس سلسلے میں۔" احمر نے ادھ کھلے دروازے کی چوکھٹ میں مزید تن کر کھڑے ہوتے ہوئے شکی نظروں کے ساتھ استفسار کیا۔

"کچھ ذاتی نوعیت کا کام ہے ان سے۔" جواب انتہائی نرمی سے آیا۔ خاتون اور ان کا ساتھی بظاہر مضبوط حیثیت کے معلوم ہوتے تھے اسی خیال کے تحت احمر نے ادھ کھلے دروازے کو پورا کھول کر چوکھٹ سے پرے ہٹ کر گویا انہیں اندر آنے کی عوت دی۔

"تشریف رکھیے' مسز احمر اپنی جاب سے بس آتی ہی ہوں گی۔" بولنے والے کے لہجے میں کھڑکی کے پار اترتی ٹھنڈک رچی تھی۔ خاتون اور ان کا ساتھی خندہ پیشانی سے پچھلے آدھے گھنٹے سے انتظار میں تھے۔ اور احمر نے کچن میں اپنے مہمانوں سے زیادہ اہم کاموں پر توجہ مرکوز رکھی تھی۔

"ویل آج مجھے ماننا پڑے گا کہ مصفرہ اور احمر میرے انتظار میں بیٹھے ہیں۔" پختہ مگر نرم نقوش کی عورت چند شاپنگ بیگز تھامے' بولتے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی لیکن لاؤنج میں براجمان مہمانوں کو دیکھ کر ان کے ہوش پوس ہو گئے۔

"تم ٹھیک ہو زنیا۔" ڈھلتی عمر کی عورت لپک کر قریب آئی۔

"تمہیں خود کو نارمل رکھنا ہو گا' اگر تمہارے شوہر کو علم ہو گیا تو۔۔۔" ثمن نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اتنی دیر لگا دی تم نے؟" اندر داخل ہوتے احمر کے لہجے کی تلخی زنیا کی رگوں کو زخمی کرنے لگی۔ اس کی ہڈیاں ٹھٹھرنے لگیں۔

"ہاں بس کچھ گروسری لینے گئی تھی۔۔۔" گلے میں پھندے کی طرح پھنسے بے حد وزنی گولے کو دھکیلتے ہوئے وہ بہ مشکل بول پائی۔

"ذرا جلدی فارغ ہو جانا اب۔" مزید احکام صادر کرتے ہوئے' وہ ذرا بھی مروت دکھائے بغیر کہتا چلا

گیا۔
"جی میں نے پہچانا نہیں آپ کو؟" زینیا نے کھاری سانسوں کو محسوس کرتے ہوئے۔ آنے والوں کا مدعا جاننا چاہا۔ یکسر اجنبی بنتے ہوئے۔
"میں وہ... آپ کی بیٹی مصفورہ کے سلسلے میں آئی تھی۔" ثمن دھیمے لہجے میں کہنے لگی۔ "اگر آپ اجازت دیں تو... وہ میرا بیٹا عذیر' میں اسی سلسلے میں آئی تھی۔" ثمن نے بے ربط الفاظ میں مدعا بیان کیا۔
"بہت خوب... یہ تھا آپ کا ذاتی نوعیت کا کام۔" دروازے کی اوٹ میں کھڑے احمر نے سامنے آتے ہوئے انتہائی بھونڈے انداز میں سوال کیا۔ آنے والوں کے وہ لتے لیے گئے کہ اگر وہ سمجھ دار ہوئے تو دوبارہ یہاں آنے کا قصد بھی نہ کر سکیں۔
کھڑکی کے پار چاند ناراضی سے اوٹ میں جا چھپا' باہر چھما چھم سفید برف روئی کی مانند تواتر سے زمین پر اترنے لگی اور اپنی ٹھنڈ اندر موجود نفوس میں انڈیلنے لگی۔
"آپ چلے جائیں یہاں سے' بہت بڑی غلطی کی آپ نے۔" سرزنش برچھیاں وجود کے پار ہوئیں۔
"آپ سنیں تو' میرا بیٹا بزنس کا اسٹوڈنٹ ہے... مصفورہ اور عذیر ساتھ پڑھتے ہیں' دیکھیں..." ثمن منمناتی آواز میں دفاع کرنا چاہتی تھیں احمر کا ضبط یہیں تک تھا' آخری الفاظ نے گویا سرد وجود کو آگ میں دھکیل دیا تھا...
مہمانوں کو جس عزت سے نکالا گیا تھا وہ قابل مذمت تھا مگر اس سے آگے جو ہوا... وہ بھی قابل مذمت تھا۔
"مصفورہ... نہیں چھوڑوں گا تمہیں... مار ڈالوں گا میں تمہیں بے شرم... بے حیا' یہی گل کھلانے تھے پڑھنے کے نام پر... میں تمہیں مار دوں گا..." کھڑکی کے پار کمرے میں گھٹی گھٹی کھاری سانسوں کی آہیں گھلنے لگیں۔ زینیا نحیف وجود کے ساتھ وہیں ڈھے گئیں اور کسی دق کی مریضہ کی طرح دکھنے لگیں۔
"کیوں گھر بلایا تم نے انہیں..." وہ بولنے سے زیادہ ہاتھ چلا رہا تھا... مار کر ادھ موا کر ڈالا تھا' تب ہی ایک دلدوز چیخ نے سکوت زدہ ماحول میں ارتعاش پیدا کیا تو زینیا دیوانوں کی طرح بھاگی...
"چھوڑ دو میری بچی کو... درندے... رکو تم میں نے کال کی ہے پولیس کو' وہی تمہیں سنبھالے گی اب..." وہ ہانپتے ہوئے مصفورہ کو بچانے میں ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔
پولیس کا سنتے ہی احمر کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور وہ تو دو گیارہ ہو گیا۔
مصفورہ کی حالت قابل رحم تھی' وہ سسکتی جاتی تھی اور اپنی ماں کے سینے سے لگی گرم سیال انڈیلتی جاتی۔ نہ زبان سے کوئی شکوہ' نہ شکایت... خاموش اور مسلسل چپ ہونٹوں سے لگائے وہ بلکتی رہتی... یہی معمول تھا' تب بھی وہ خاموش پڑی رہتی' خاموش ندی جو بہتی چلی جاتی... کبھی کبھی خاموشی بھی "زینیا" کو یوں چونکاتی جیسے جلتے ہوئے موم سے کثیف دھواں اٹھے اور بصارتوں کو جلانے لگے۔

✡ ✡ ✡

"سنو مصفورہ... میں پوری یونی میں چار دن سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں۔" تیز مگر اجنبی آواز اس کے پہلو بہ پہلو قدم رکھنے لگی۔
"جی۔" وہ چونک کر رکی' رخ روشن پہلو میں چلتی آواز کی طرف مبذول کیا تھا...
"تم تو کبھی چھٹی نہیں کرتیں' لیکن..."
"ایکسکیوزمی... میں معروف ہوں۔" آنکھوں میں اجنبیت لیے وہ آگے بڑھی۔
"میں عذیر ہوں... سنو' مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں' تمہارے والد نے جو کچھ اس دن کہا..." وہ بولتا رہا اور وہ ناک کی سیدھ میں کتابیں سینے سے لگائے چلتی رہی۔
"میں تم سے معذرت کرتا ہوں' مجھے ایسے اپنے والدین کو تمہاری طرف تمہاری اجازت کے بغیر نہیں لے جانا چاہیے تھا۔ شاید وہ پہلے سے اس بات کے لیے تیار نہیں تھے... سوسوری۔" آخری بات سنتے ہی

مصفرہ کی کان کی لویں سرخ پڑ گئیں' چہرہ خفت سے گلابی پڑ گیا اور وہ بھاگنے کے سے انداز میں چلنے لگی۔ جیسے وہ ایسا کر کے اس آواز سے چھٹکارا پالے گی۔

"کیا تم نے مجھے معاف کر دیا۔" کافی دور تک چلتے رہنے تک جب اسے یقین ہو گیا کہ یہ کچھ نہیں بولے گی تو سوال داغا۔

"جی۔" وہ مختصر جواب دے کر دوڑتے قدموں کے ساتھ دور چلی گئی۔ کھولتے ہوئے پانی ـــ نے اس کے گالوں پر بہنا شروع کیا اور وہ پھر سے بہتی ہوئی ندی بن گئی۔

افق کے کنارے پر ٹکی گول ٹکیا پارے کی طرح چمکتی تھی، مگر اس چمک میں رونق کی کمی تھی۔ سیلی ہوائیں دائیں سے بائیں تیر رہی تھیں جن میں کسی کے آنسوؤں کی نمی شامل تھی۔

"تم آج پھر گئی تھیں پڑھنے؟" احمر اشتعال سے گرجا تھا۔

"اور ملی بھی ہو گی اس سے؟" غصے سے بھبھک کر آگے آیا۔

"ہاتھ مت لگانا اسے ورنہ میں پولیس کو بلا لوں گی۔" زینیا نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکا۔

"ہونہہ پولیس۔" وہ ہنکارتا آگے بڑھا۔ "آئندہ اس کے ساتھ دیکھا تمہیں' تو تمہاری ماں کے درمیان میں آنے سے پہلے ہی کاٹ ڈالوں گا تمہیں۔ سنا تم نے۔" زہریلی برچھیاں اس کی سماعت میں اتارتا وہ چلا گیا۔۔۔ مصفرہ کو آج سے پہلے اتنی ہتک محسوس نہیں ہوئی تھی جتنی گزشتہ روز کے واقعہ کے بعد ہوئی تھی۔

"کیا تم ملیں اس لڑکے سے؟" زینیا کی آواز جذبات سے عاری تھی۔۔۔

"ممی میں جانتی تک نہیں اسے۔۔۔"

"ٹھیک ہے' آئندہ خیال رکھنا۔۔۔" پتھریلا لہجہ' موم کی صورت پر پتھر برسا کر آگے بڑھتا چلا گیا۔

۞ ۞ ۞

"مصفرہ تم کہاں غائب ہو جاتی ہو؟ رحم کرو مجھ پر۔" مدھر مگر انسیت اور ناآشنائی کے درمیان پنڈولم کی طرح جھولتی آواز سحر باندھنے لگی' وہ مسحور نہیں ہونا چاہتی تھی' سو اتھل پتھل سانسوں کو سنبھالتی چلتی گئی۔

"تم ٹھیک ہو مصفرہ؟" وہ پریشان سا ہو کر سامنے آیا۔

رخ روشن ساکت مگر بے رنگ چٹیلوں میں رنگ بھرنے لگا۔

"اگر آئندہ آپ نے میرا پیچھا کرنے کی' یا مجھ سے مخاطب ہونے کی غلطی کی تو نقصان کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔" ہٹیلے انداز میں کہتی وہ رنگوں بھری دنیا سے کترا کر آگے بڑھنا چاہتی تھی' لیکن وہ اس کے قدموں سے لپٹ لپٹ جاتیں یوں کہ وہ بے بس ہونے لگی۔

"زندگی پہلے کم مشکل تھی جو اب یہ شوشا چھوڑ کر مجھے اذیت میں مبتلا کر دیا آپ نے' آپ ہوتے کون ہیں میرے گھر رستہ بھولنے والے' جانتی تک نہیں میں آپ کو تماشا لگا کر رکھ دیا ہے آپ نے میری ذات کا وہ میرا سوتیلا وحشی باپ اسے کوئی بخ چاہیے ہوتی ہے مجھے اذیت دینے کے لیے مگر آپ کو کیا۔۔۔" وہ غیر متوازن لہجے میں بے بسی سے رندھی آواز سے شکوہ کرنے لگی۔

"کیا تم پانچ منٹ کے لیے یہاں بیٹھ کر تحمل سے میری بات سن سکتی ہو؟" مان بھرے لہجے میں کہتا وہ سامنے پڑے بینچ کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ وہ انکار یا اقرار سے پہلے بینچ کی طرف بڑھ گیا اور وہ تقلید میں پیچھے آئی۔

"ہم اجنبی نہیں ہیں۔ میں تمہاری ثمن پھپھو کا بیٹا ہوں مصفرہ۔"

"تو کیا وہ ثمن پھپھو۔۔۔؟" وہ آدھی بات کاٹ کر تیزی سے بولی۔

"پانچ منٹ مجھے بولنے دو پھر کیا بولنے دو گی؟ پھر ساری زندگی مجھے تمہیں ہی سننا ہے' کیوں ٹھیک کہا نا میں نے؟" سنجیدگی سے کہتے کہتے وہ ایک انتہائی غیر سنجیدہ

سی بات کر گیا تھا اور یہ منظر یوں ہی تھا جیسے تیز کڑکتی ہوئی دوپہر میں شدید حبس کے عالم میں' بادل چھم سے آئیں اور برستے چلے جائیں' دھیمی مسکان نے گلابی پتیوں کے کناروں کو چھوا اور وہ پھیلنے لگے۔

"ہاں ممی اس دن آئی تھیں ابو کے ساتھ' لیکن اس بات کا تمہارے والد کو نہیں پتا چلنا چاہیے ورنہ وہ کبھی ایسا نہیں ہونے دیں گے اور دادی تمہیں دیکھنے کو ترس رہی ہیں مصفوہ' وہ کہتی ہیں "ایک دفعہ بس ایک دفعہ مجھے ابراہیم کی اولاد سے ملوا دو' بہت یاد کرتی ہیں تمہیں" انہوں نے امی کو بہت منت سے بھیجا ہے ورنہ تو امی کبھی اپنی مرضی سے نہ آتیں' تم کافی چھوٹی تھیں جب تمہارے ابو کی ڈیتھ ہوئی' تمہاری امی کی دوسری شادی کے بعد سے اب تک دادی تم سے ملنے کو بہت بے تاب ہیں مصفوہ! میں کسی کے عیب بتانے یا کسی کو نیچا دکھانے نہیں آیا' مجھے دادی نے بھیجا ہے ورنہ تمہاری امی کے تعلقات اپنے پچھلے سسرال سے اتنے برے تھے کہ ہر آن لگتا کہ وہ ٹوٹ جائیں گے اور پھر ایک دن ٹوٹ ہی گئے۔ مگر خیر تمہاری امی' مطلب ممانی' امی کو پہچان گئی تھیں' لیکن انہوں نے اپنے شوہر کے سامنے اظہار نہیں کیا' اب تمہاری مرضی ہے تم جو چاہے مرضی فیصلہ کرو۔ چاہے دادی کا کہا رکھ لو' یا آگے۔۔۔ جیسے تمہاری مرضی ہے' چلتا ہوں' کچھ کام ہے' کل بات ہوگی۔" گھپ اندھیروں سے نکل کر وہ تیز روشنیوں میں آن کھڑی تھی' اس کی آنکھوں میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ اتنی تیز روشنیوں کا سامنا کر سکتی' لاشعوری طور پر اس نے اپنی ہتھیلیوں سے آنکھوں کو ڈھانپ لیا تھا۔

لیکن روشنیاں تیز برچھوں کی مانند اس کی پتلیوں کو کاٹنے پر تلی تھیں۔۔۔ ایک سیل رواں تھا جو وہاں تنہا بیٹھی مصفوہ کی ذات میں بہتا جا رہا تھا۔

"اتنی جلدی کیسے آگئیں تم آج' جاب پر نہیں گئیں؟" احمر کی کرخت آواز اس کے پیچھے آئی تھی۔

وہ معمول کی طرح چلتی راہ داری سے گزر کر اب اوپر اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے؟" وہ چینل سرچنگ کرتا ہوا پھر سے بولا تھا۔ وہ بت بنی اوپر چلتی آئی۔

احمر نے چہرہ اٹھا کر بے جان ہوتے قدموں کو گھسیٹتی مصفوہ کو دیکھا اور پھر "اونہہ" کر کے منہ پھیر لیا۔

اسے اس کا مطلوبہ چینل مل چکا تھا۔ زینیا سے لمبی بحث و تمحیص کے بعد وہ عزیر سے شادی پر رضامند ہوئی۔

"تمہیں اس سے اچھا رشتہ مل سکتا ہے مصفوہ! اتنی دور مت جاؤ۔" اگلے دن نکاح سے پہلے وہ پھر اسے سمجھانے لگی۔

"لیکن مجھے میری دادی پھر نہیں مل سکیں گی' وہ سب رشتے جن کے لیے میں ساری عمر ترستی رہی ہوں۔ میں خوش ہوں' بہت خوش۔"

"اگر آپ کہتی ہیں تو نہیں جاتی' شہد میں سرکہ ڈال کر اسے خراب کرنا ہے تو آپ کی مرضی۔" وہ اس کی نظروں سے خائف ہو کر اپنے کپڑے سمیٹتی ہاتھ جھاڑ کر کھڑی ہوئی۔

"میں خوش ہوں مصفوہ' بس وہی ہو رہی ہوں' تم تیاری کرو۔"

دادی' پھپھو' چچا سب رشتے کتنے مضبوط اور حسین ہوتے ہیں' وہ جان گئی تھی' سب جان گئی تھی جب دادی کی نرم گرم آغوش سے سیراب ہوئی جب' چچا کے مضبوط ہاتھوں کا ______ سر پر رکھنے والے جانثار تحفظ کا احساس' کتنے انوکھے رنگ تھے ان رشتوں کے' کتنے انوکھے رنگ کہ ساری عمر وہ ان سے ناآشنا رہی تھی۔ جب خون کے رشتے روبرو ہوئے تو جمتے ہوئے لہو میں شرارے پھوٹ پڑے' کشش ثقل کیا ہوتی ہوگی جو اپنے خون میں ہوتی ہے' سب سے بڑھ کر اس کا ہم سفر وہ خداوند کریم کی جتنی شکر گزار ہوتی کم تھا' اسے اس کے بچھڑے رشتے دان کر دیے گئے تھے جو کسی نعمت مترقبہ سے ہرگز ہرگز۔۔۔ بھی کم نہ تھے۔ بے حس ہو کر' غیر معمولی زندگی گزارتے گزارتے وہ پھولوں کے کنج میں آن ٹھہری تھی' جہاں خوشبو تھی' تتلیاں تھیں' خوابوں کی تعبیر تھی اور سب سے بڑھ کر افق پر جگمگاتا مہتاب "مصفو" بن کر اس کے قدم بہ قدم تھا۔

✡

امتہ العزیز شہزاد

ایک ڈھلتی عمر کی عورت سڑک پار کرتے ہوئے ایک لڑکی کو دیکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک ماڈرن عورت ہے۔ وہ اسے چلا کر رکنے کے لیے کہتی ہے لیکن وہ دونوں سڑک پار کر کے گاڑی میں بیٹھ کر چلی جاتی ہیں۔
وقار صاحب کے دو بچے ہیں۔ اجیہ اور سائر۔ وہ سائر کی شادی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ان کی بیوی اس دنیا میں نہیں ہے۔ ان کی سالی مہ پارہ خاص طور پر لندن سے اس شادی میں شرکت کرنے آئی ہیں۔ اجیہ وقار صاحب کو بتاتی ہے کہ سائر اس شادی سے ناخوش نظر آتا ہے۔ وقار صاحب یہ سن کر پریشان ہو جاتے ہیں۔
اجیہ بہت خوب صورت ہے۔ وہ دو ماہ کی تھی جب اس کی ماں چلی گئی۔ وہ اپنی خالہ مہ پارہ سے پوچھتی ہے "اس کی ماں کیسی تھیں۔ مہ پارہ بتاتی ہیں کہ اس کی ماں بہت خوب صورت تھی بالکل کانچ سے بنی مورت۔ وقار صاحب کی بہنیں بھی انہیں احساس دلاتی ہیں کہ سائر اس شادی سے خوش نہیں ہے۔ تب وقار صاحب سائر سے براہ راست بات کرتے ہیں کہ سائر کہیں اور انٹرسٹڈ تو نہیں ہے۔ تب سائر کہتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور وہ اپنے باپ کی کوئی بھی خواہش رد نہیں کر سکتا۔
سائر کی شادی میرب سے ہو رہی ہے۔ میرب دو سال کی تھی جب ان کی ماں بھی دنیا سے چلی گئی تھیں۔ ابراہیم صاحب نے اس کے بعد شادی نہیں کی۔ ان کے پڑوسی اور دوست احمد سعید اور ان کی بیگم نے میرب کا خیال اپنے بچوں کی طرح رکھا سعید صاحب کی بیٹی ماریہ کی میرب سے گہری دوستی ہے ان کا ایک بیٹا عاشر ہے جو اجیہ کو پسند کرتا ہے شادی کی

مکمل ناول

تقریبات میں سائر کا رویہ بہت اکھڑا ہوا رہتا ہے۔ شادی کی رات بھی وہ میرب سے بہت رکھائی سے پیش آتا ہے وہ میرب سے کہتا ہے کہ وہ اس سے صرف وفاداری کی توقع رکھتا ہے اور اسے اپنی بہن اور والد کا خیال رکھنے کو کہتا ہے۔

اجیہ کی دوست شینا بہت آزاد خیال لڑکی ہے۔ اس کا بھائی آغا شایان اجیہ میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ اجیہ بھی اس کی طرف مائل ہے۔ جبکہ میرب کا بھائی سعد' اجیہ کو پسند کرتا ہے۔

سائر کا رویہ میرب کے ساتھ بہت عجیب ہے۔ وہ معمولی باتوں پر شدید ردعمل ظاہر کرتا ہے' وہ کہتا ہے کہ وہ کسی بھی لڑکے سے بات نہ کرے۔

وہ عورت جس نے سڑک پر مہ پارہ کو دیکھا تھا۔ ایک خستہ فلیٹ میں رہتی ہے۔ وہاں سے کوئی پرانا پتا نکال کر مہ پارہ کے گھر جاتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ مہ پارہ وہ گھر چھوڑ چکی ہے۔ لیکن وہاں کے مکین اسے وقار صاحب کے گھر کا پتا دے دیتے ہیں۔

تب وہ کہتی ہے وقار آج سے سالوں پہلے تم نے جو اذیت مجھے پہنچائی تھی' اس کے بدلے کا وقت آپہنچا ہے۔"

شیخ عبدالحمید کریانہ فروش ہیں۔ دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں' نازو' چندا اور مانو۔ چندا کا مزاج اور صورت سب سے الگ ہے۔ وہ بے حد حسین ہے اور پڑھائی کے بجائے دوسری رنگارنگ سرگرمیوں میں دلچسپی رکھتی ہے۔ شیخ صاحب کی لاڈلی ہے۔ کالج میں ایک ڈرامے میں قلوپطرہ کا کردار کرتی ہے تو آصف شیرازی اسے ٹی وی پر اداکاری کی آفر کرتا ہے۔ وہ ایک ڈائریکٹر شکیل ملک کا ملازم ہے۔ اس آفر پر چندا بہت خوش ہوتی ہے لیکن وہ جانتی ہے کہ اس کے گھر والے کبھی اسے ٹی وی پر کام کرنے کی اجازت نہیں دیں گے اور شادی کرکے رخصت کردیں گے۔ وہ آصف شیرازی سے کہتی ہے کہ تم مجھ سے شادی کرلو یہ اصلی شادی نہیں صرف ایک معاہدہ ہوگا۔ میں گھر والوں کے چنگل سے نکل آؤں گی۔ آصف مان جاتا ہے۔

ساتویں اور آخری قسط

"آصف... گھر کے کاغذات نہیں مل رہے مجھے۔ میں نے پوری اسٹڈی چھان لی ہے۔" چندا کا پریشانی سے برا حال ہوگیا۔ جمیل کے نکلنے کے بعد اس نے اسٹڈی میں جاکر وہ مخصوص لاکر کھولا۔ جس میں اہم کاغذات وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ وہاں چند ردی کاغذوں اور چند ایک غیر ضروری دستاویزات کے علاوہ کچھ بھی موجود نہیں تھا۔ وہ بری طرح چکرا کر رہ گئی اور اس نے مارے گھبراہٹ کے اپنے ہمدرد کو فون ملایا۔

"کیا... دھیان سے دیکھو' اگر تم نے وہاں رکھے تھے تو وہیں پر ہوں گے۔"

"میں کیا بکواس کررہی ہوں... کہ نہیں ہیں وہاں... وہاں کیا پوری اسٹڈی میں کہیں نہیں ہیں۔" وہ دانت کچکچا کر بولی۔

"شوہر کہاں ہے تمہارا۔ اس سے پوچھو' شاید اس نے کہیں رکھ دیے ہوں۔"

"وہ اس وقت فلائٹ میں ہوگا' کیسے پوچھوں؟" وہ جھلا کر بولی۔

"اچھا... وہ نہیں ہے گھر پہ... تب پھر میں آدھے گھنٹے تک پہنچ رہا ہوں تمہارے گھر پر پھر دیکھتے ہیں۔" اس نے کہہ کر بنا کچھ سنے لائن منقطع کردی۔ چندا نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ وہ سر پکڑے بیٹھی تھی۔

پھر واقعی آدھے گھنٹے بعد وہ اس کے سامنے موجود تھا۔

"کہاں رکھے تھے کاغذات؟" اس نے ایک الماری کی طرف اشارہ کردیا۔

"یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہارے شوہر نے احتیاط کے پیش نظر کاغذات بینک میں رکھوادیے ہوں۔" اس نے کہا۔

"اگر ایسا ہوا ہے تب تو مسئلہ ہوجائے گا۔ میں کیا کہہ کر اس سے کاغذات مانگوں گی۔" وہ فکرمندی سے بولی۔

"بہت خوب..." آصف طنز آمیز غصے سے بولا۔ "جب میں اتنے دن سے تم سے یہی خدشہ ظاہر کررہا تھا تب تمہارے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ اب اگر گھر

ہاتھ سے نکل گیا نا۔۔۔ تو پھر بیٹھی اپنی قسمت کو روتی رہنا۔"

"مگر اس نے ڈاکومنٹس کی جگہ تبدیل کی ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے' گھر رہے گا تو میرے نام ہی پر نا۔" وہ اس کی بے وقوفی پر سر پیٹ کر بولی۔

"نہ جانے تمہیں اپنے شوہر پر اتنا اندھا اعتماد کیوں ہے؟ بی بی تم ہو کس جہان میں۔۔۔ ہمارے ملک میں ہر جعلی کام بڑے اصلی طریقے سے ہوتا ہے۔ خیر تمہیں سمجھانا تو بے کار ہی ہے۔ تمہیں کون سا عقل آجاتی ہے۔" اس نے بے چارگی سے سر جھٹکا اور کرسی پر ڈھے گیا۔ چندا اس کی بات سن کر حقیقی معنوں میں تشویش کا شکار ہوئی تھی۔

"تو اب کیا کروں میں؟" اس نے پھر سر پکڑ لیا اپنا۔

"تمہاری لالچ کی حد بھی ہے' اس نے تمہارے نام پر کاروبار کیا شروع کرلیا' تمہاری ساری ہمدردی اس کے ساتھ ہوگئی۔ کاروبار کا تو پتا نہیں' اگر اس چکر میں گھر ہاتھ سے نکل گیا نا تو بہت برا ہوگا۔" وہ سخت برافروختہ تھا۔

"اب تم خاموش ہو کر مسئلے کا حل بھی بتاؤ گے یا یوں ہی بھونکتے رہو گے۔" وہ چڑ کر اسے جھڑکتے ہوئے بولی۔

"حل کوئی نہیں سوائے اس کے کہ تم اس سے پوچھو کہ اس نے ڈاکومنٹس کہاں رکھے ہیں؟" اس نے سر جھٹکا۔

تب ہی بڑے زور کی بجلی چمکی اور یکلخت موسلا دھار بارش برسنا شروع ہوگئی۔ ان دونوں نے چونک کر ہوا کی شوریدہ سری کے آگے مجبور کھڑکی کی جانب دیکھا۔

"یار۔۔۔ یہ تو بہت تیز بارش شروع ہوگئی۔ اب میں گھر واپس کیسے جاؤں گا؟" آصف گھبرا کر کھڑا ہوا۔

"کچھ دیر میں بارش رک جائے تو چلے جانا۔" چندا نے بمشکل تمام کھڑکی کے پٹ بند کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" اب وہ اطمینان سے انگڑائی لے کر بولا۔ "چلو جب تک میں تمہارے بیڈ روم میں آرام کرلوں۔" آصف نے آنکھ دبا کر کہا۔ بھیگا بھیگا موسم اور اس پر چندا کی بے پناہ کشش کی حامل خوب صورتی' وہ بہکتا نہیں تو اور کیا ہوتا۔

"اپنی حد میں رہو۔" چندا نے اسے پرے دھکیلا۔

"میری حد کیا ہے۔۔۔ آج تم بتا ہی دو مجھے۔" وہ اس کے مزید نزدیک آکر بولا تھا۔ چندا نے مزاحمت کی کوشش کی' ایسی مزاحمت جو بے دم بے جان ہوتی ہے۔

دوسری طرف کمرے میں سونو بری طرح سہما' زینت بی کے ممتا بھرے جسم سے لگا تھر تھر کانپ رہا تھا' صد شکر کہ بچی سوچکی تھی۔

"زینت بی۔۔۔ اکیلے میں مما کو بھی ڈر لگ رہا ہوگا نا۔۔۔ آج تو بابا بھی نہیں ہیں۔"

"بیٹا۔۔۔ آپ کی مما بہت بہادر ہیں' وہ خوف زدہ نہیں ہوتیں۔" وہ اسے تھپکتے ہوئے بولیں۔ ان کے علم میں نہیں تھا کہ چندا کی تنہائی بانٹنے والا آچکا ہے۔

"مجھے بارش سے بہت ڈر لگ رہا ہے زینت بی' مجھے بابا کی یاد آرہی ہے بہت۔ آسمان پر تو بارش ہے نا۔۔۔ بابا کا جہاز گیلا ہوگیا ہوگا۔" وہ نیم غنودگی میں بولا۔ زینت بی شفقت سے مسکرادیں۔

"ہاں۔۔۔ یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔ اچھا بس اب دعا پڑھو اور سوجاؤ۔ اچھے بچے یوں خوف زدہ تھوڑی ہوتے ہیں۔"

"سونے کی دعا کیا تھی۔۔۔ سوری زینت بی میں بھول گیا۔" اس نے خفت سے کہا۔

"کوئی بات نہیں' روز پڑھ کر سوؤ گے تو یاد رہے گی' پڑھو اللھم۔۔۔"

"اللھم۔۔۔" اس نے دہرایا۔

"بسمک۔۔۔ ابھی زینت بی نے کہا ہی تھا کہ باہر سے کسی کے زور سے چلانے کی آواز آئی تھی۔

"یا اللہ خیر۔" وہ دہل کر اٹھی تھیں۔

✡ ✡ ✡

"جو تم کرنے جارہے ہو' وہ انتہائی خطرناک ہے۔

لہٰذا تم ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔" ہمدانی نے کہا۔

"بہت دن سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے ہمدانی۔ میں تو اسے جان سے مار دینا چاہتا ہوں مگر پھر سوچتا ہوں کہ اسے جان سے مار دینے سے مجھے کیا ملے گا۔ میرے بچے ماں کی محبت سے تو پیدائشی محروم ہیں، باپ کی شفقت بھی ان سے چھن جائے گی۔" وہ گہری اداسی سے کہہ رہا تھا۔

"یہ انتہائی قدم اٹھانے سے قبل ایک مرتبہ تمہیں ان سے کھل کر بات کر لینی چاہیے تھی۔"

"کیا بات کرتا؟ یہ کہ تم آج تک مجھ سے بے وفائی کیوں کرتی رہیں یا پھر یہ کہ کیا سوچ کر تم میری عزت کو روندتی رہیں یا یہ پوچھتا کہ تمہیں مجھے دھوکا دیتے ہوئے کبھی شرم آئی؟ نہیں ہمدانی! اس کی نازیبا حرکتوں کا جواز کچھ بھی ہو مگر مجھ میں اتنا ظرف نہیں کہ میں اسے معاف کر سکوں، جبکہ معافی تلافی کا سوال ہی کیا۔ وہ معافی کیا مانگے گی جسے اپنی غلطی کا احساس تک نہیں۔" وہ زخمی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

بات اس کی ٹھیک تھی ہمدانی کچھ نہیں بولا۔

"مگر اب تم ایک بیٹی کے باپ بن چکے ہو۔ بیٹی کے لیے ماں کا ہونا بے حد ضروری ہوا کرتا ہے۔"

"ماں کا ہونا نا۔ وہ نہ بیٹی ہے، نہ بہن ہے نہ بیوی ہے تو وہ ماں کیسے بن سکتی ہے؟ وہ صرف چہرا ہے اور کچھ نہیں، وہ اپنے لیے جیتی، اپنے لیے مرتی ہے، اسے کسی کی زندگی اور موت سے کوئی سروکار نہیں۔"

ہمدانی بغور اس کی بات سنتے ہوئے خاموش رہا۔

"اور پھر بہت مشہور کہاوت ہے کہ بیٹی ماں کا عکس ہوتی ہے۔ اور میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ میری بیٹی اس کا عکس بنے۔" وہ قطعیت سے بولا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔" ہمدانی نے تائید کی۔ جمیل خاموش نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر فون اپنی طرف کھینچ کر کسی کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"ہاں رفیق۔ کیا رپورٹ ہے؟" دوسری طرف نجانے کیا کہا گیا تھا کہ اس کی آنکھوں سے خون چھلکنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے فون رکھا۔ پھر کہیں اور نمبر ملایا۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔

"ہیلو۔ میں جمیل بات کر رہا ہوں، قاسم سے بات ہو سکتی ہے۔" اس نے رابطہ ملنے پر کہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تمہیں کیا لگتا ہے؟ اجیہ نے کیا اس فیصلے کو دل سے قبول کر لیا ہے؟" وقار نے میرب سے پوچھا۔ آج میرب چار پانچ دن بعد اپنے کمرے سے نکلی تھی۔ وہ تو دوسرے ہی دن اسی کمرے سے گھبرا کر باہر نکلنے کے لیے پر تول رہی تھی مگر سائے کی طرح اس کے ساتھ موجود لالی نے اسے ہرگز باہر نہ نکلنے دیا۔ وہ بھی احتیاط کے پیش نظر اس کی بات مان گئی تھی۔ اس دوران سائر کو بھی بخار نے آلیا تو وہ بھی گھر ہی پر موجود رہا، ہرچند کہ وہ زیادہ وقت وقار صاحب کے کمرے ہی میں گزار رہا تھا مگر گھر پر موجود تو تھا۔ وہ نہیں ہوتا تو میرب وہ ڈائریاں ضرور ہی پڑھنے کی کوشش کرتی، ظاہر ہے اس کے دل میں کھدبد ہو رہی تھی۔ وہ ایک بار اس نے سائر کا سر دبانے یا اسے دوا دینے کی کوشش بھی کی مگر سائر نے نرمی سے ٹوک کر اسے صرف اپنا خیال رکھنے کی تاکید کی، وہ تو اس کے بدلے بدلے اور مہربان انداز دیکھ کر مطمئن اور شاداں و فرحاں ہی تھی۔ ٹھیک کہہ رہی تھیں سعدیہ آنٹی۔ اولاد واقعی اکھڑ سے اکھڑ اور سخت سے سخت آدمی کو اپنا رویہ بدلنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

ان چار پانچ دنوں میں سکون رہا اس لیے سب ہی کچھ مطمئن سے ہو گئے میرب اپنے کمرے سے نکل کر اسٹڈی میں کوئی کتاب لینے کی غرض سے آئی تو وہاں وقار موجود تھے پہلے تو اسے دیکھ کر ناراض ہونے لگے بعد ازاں میرب کے تسلی دلانے پر اسے وہیں بٹھا کر ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے اجیہ کا موضوع چھیڑ بیٹھے۔

"بظاہر تو وہ خاموش ہو گئی ہے مگر کچھ الجھی الجھی اور پریشان سی لگتی ہے۔ ابھی کچھ دن لگیں گے بابا۔ انشاء

اللہ آہستہ آہستہ سنبھل جائے گی۔"

"اللہ جانتا ہے کہ میں نے باوجود اپنی ناپسندیدگی کے ان لوگوں سے اس لڑکے سے صرف اس کی خاطر ملاقات کی۔ تمہیں تو معلوم ہے کہ سائر کتنا ناراض ہو رہا تھا اسے سمجھایا' راضی کیا صرف اس کی خاطر اب وہ لڑکا ہی بدکردار نکلا تو اس سے اجیہ کو بچانا بھی تو ہمارا ہی فرض تھا نا بیٹی۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس نے ہمارے خلوص اور محبت پر اس لڑکے کی بناوٹی محبت کو ترجیح دی۔" وہ رنجیدہ ہو گئے۔

"بابا۔ یہ عمر ہوتی ہی ایسی ہے' ہر چمکتی چیز سونا معلوم ہوتی ہے۔"

"تم بھی تو اس سے محض چند برس ہی بڑی ہو مگر تم تو اتنی نادان اور جذباتی سی نہیں ہو۔" وہ میرب کا اجیہ کا دفاع کرنے پر کچھ ناراضی سے اسے دیکھنے لگے۔

"مزاج' مزاج میں فرق ہوتا ہے بابا جان' یہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں پھر میری تربیت میں بہت حد تک سعدیہ آنٹی کا ہاتھ رہا شاید اس لیے میری طبیعت میں سنجیدگی بردباری اور ٹھہراؤ آگیا ہو گا ورنہ اگر میں بھی اجیہ کی طرح پلی بڑھی ہوتی تو شاید میری شخصیت میں بھی خلا رہ جاتا۔" وہ بولی۔

"ہاں۔ کہتی تو تم ٹھیک ہی ہو۔ میں نے ان دونوں کی پرورش تو کی مگر تربیت شاید اس طرح نہیں کر پایا جیسا کہ ایک ماں کیا کرتی ہے۔" انہوں نے چشمہ اتار کر ٹیبل پر رکھ دیا اور تھکے تھکے سے انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔

"بابا۔ میرب کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔" آپ دوسری شادی کر لیتے آپ ٹھیک تھے' پیسے والے تھے' نہیں تو کم از کم ان کی خالہ' پھپھی کسی کے نزدیک رہتے تو شاید۔" وہ اتنا کہہ کر چپ ہو گئی۔ خود اس نے بھی تو یہی حالات دیکھے تھے' خالہ' پھپھی یا چچی تائی نے کتنا رکھ لیا تھا اسے اور عاشر کو؟

"میں اپنے بچوں کے معاملے میں کسی پر بھی اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔" میرب بے ساختہ مسکرائی۔

"اپنے بچوں سے بے پناہ محبت کرتے ہیں آپ۔"

"یہی دونوں تو میری کل کائنات میری زندگی ہیں۔" وہ دل کی گہرائیوں سے بولے۔ پھر پوچھنے لگے۔
"سائر کہاں ہے؟"
"آفس سے آکر کھانا کھا کر پھر دوبارہ کہیں کام سے چلے گئے۔"
"بخار اتر گیا ہے نا اس کا۔ بے چارہ بچہ، بہت محنت کررہا ہے۔ میں نے تو پچھلے دو سال سے آفس جانا سمجھو ترک ہی کردیا ہے" وہ بھری محبت فکر مندی سے بولے۔
"حالانکہ آپ کو جانا چاہیے۔ ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔
"یہ تو بیٹا جی کومپلیمنٹ ہو گیا آپ کا۔" وہ زور سے ہنس پڑے تب ہی لالی نے کمرے میں آکر جھانکا اور اطلاع پہنچائی کہ سائر اسے کمرے میں بلا رہا ہے۔ یعنی وہ گھر واپس آچکا تھا۔
"ہاں۔ ہاں جاؤ آرام کرو وقت بھی زیادہ ہو گیا ہے' میں بھی اب آرام کروں گا۔" وہ اٹھنے لگے۔

☼ ☼ ☼

وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ سامنے ہی سائر بیڈ پر بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ اس نے بے ساختہ ناک پر دوپٹہ رکھ لیا کہ سگریٹ کا دھواں میرب کے لیے اس حالت میں سخت نقصان دہ تھا۔ اسے دیکھ کر سائر نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دی۔
"کہاں تھیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔
"اسٹڈی میں بابا کے ساتھ باتیں کررہی تھی' آپ کہاں چلے گئے تھے۔" وہ واش روم کی جانب بڑھتے ہوئے بولی۔
"تم فریش ہو کر ٹیرس پر آجاؤ۔" اس نے جواب دیے بنا کہا۔
یقیناً سائر کا باتیں کرنے کا موڈ ہو رہا تھا اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی۔ وہ واش روم سے باہر نکلی' ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں اپنا عکس دیکھا ہاتھوں سے بال ٹھیک کیے اور دروازہ کھول کر ٹیرس پر چلی آئی۔
"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔" وہ ٹیرس میں داخل ہوئی تو سفید اور سرخ گلابوں سے سجا گلدستہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے سائر مسکرا کر بولا۔
وہ دنگ رہ گئی۔ کین کی خوب صورت سی میز پر چاکلیٹ پائن ایپل کیک سجا تھا۔ ساتھ ہی سرخ رنگ کے تہنیتی کارڈز رکھے ہوئے تھے۔ اور دو چار ادھ کھلی گلاب کی کلیاں بھی۔
"آپ کو یاد تھا۔" اس کے لب خوشی سے کپکپا اٹھے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر بکے تھام لیا۔
"میں کچھ بھی بھولتا نہیں۔" اس کی بے تاثر نگاہیں مسکراتے لبوں کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھیں۔ وہ اسے کندھوں سے تھام کر میز کے نزدیک لایا۔ پھر اس کے ہاتھ میں سرخ ربن لگی چھری تھمائی۔
"لو کیک کاٹو۔" رنگ برنگی چھوٹی چھوٹی دو چار موم بتیاں کیک پر سجی تو تھیں مگر روشن نہیں تھیں کیوں کہ ہوا بہت چل رہی تھی۔ ہاں البتہ ٹیرس کی فینسی لائٹ روشن تھی۔
گو کہ میرب کے چہرے کی چمک کے آگے اس وقت تو وہ ماند پڑتی محسوس ہو رہی تھی۔
"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔" سائر گنگنایا' میرب نے کیک پر چھری پھیری اس وقت ٹھیک بارہ کا وقت تھا جب سائر نے یہ یادگار لمحہ ہمیشہ کے لیے اپنے موبائل کے کیمرے کی آنکھ میں مقید کرلیا تھا۔ میرب نے کیک کا پیس کاٹا اور سائر کو کھلانے لگی۔
"اب یہ منظر کون Capture کرے گا۔" وہ پریشانی سے بولی۔
"تم کھلاؤ۔" سائر نے کہا اور خود اپنے ہاتھ سے تصویر بھی اتار لی۔ میرب اسے کھلاتے ہوئے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
"ویسے یہ میری زندگی کا یادگار ترین برتھ ڈے ہے۔" اس نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔
"اور میرا گفٹ۔" وہ بچوں کے انداز میں بولی۔
"یہ رہا۔" سائر نے ایک سنہرے کاغذ میں لپٹا تحفہ آگے کیا۔

"تھینک یو سو مچ۔" میرب کی آنکھیں جھلملا گئیں۔

"آپ بہت اچھے ہیں۔" میرب اس کا ہاتھ دبا کر جذب سے بولی۔ آخر تھی نا ایک عورت۔ شوہر کے ذرا سے التفات سے سب کچھ بھول کر اسے دیوتا ماننے والی۔ تب ہی سائر کا فون بجنے لگا۔

"ہیلو۔ جی اسلام و علیکم، جی میں خیریت سے ہوں۔ لیں بات کرلیں۔"

اس نے فون میرب کی جانب بڑھایا۔ ابراہیم صاحب کا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے میری جان۔" "کیسی ہو تم؟" وہ پر شفقت لہجے میں بولے۔

"تھینک یو بابا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں، عاشر کیسا ہے؟" اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"ہم بھی مالک کا کرم ہے ٹھیک ہیں، خیریت سے ہیں، تمہیں یاد کرتے رہتے ہیں۔" وہ بولے تو وہ افسردگی سے کہہ اٹھی۔

"مجھے یاد کرتے تو میرے پاس نہ آجاتے۔"

"دھیرج بہنا۔ دھیرج، زیادہ ملکہ جذبات نہ بنو اور نہ ہی ہمیں جذباتی مار مارنے کی ضرورت ہے۔" عاشر تھا۔

"تم تو مجھ سے بالکل بات مت کرو۔" وہ یکلخت ناراضی سے چیخی۔ "اتنے مصروف ہوگئے کہ اکلوتی بہن سے بات تک کرنے کی فرصت نہیں۔"

"کر تو رہا ہوں۔ جنم دن مبارک ہو بہنا۔" اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"بس۔ بس زیادہ فلمی ایکٹر بننے کی ضرورت نہیں، یہ بتاؤ پاکستان کب آرہے ہو؟" وہ ہنسی روک کر بولی۔

"بہت جلد۔ عنقریب، صرف اپنے بھانجے یا بھانجی کی خاطر۔" اس نے کہا تو وہ بے ساختہ جھینپ گئی۔ مگر خوشی بے تحاشا ہوئی۔

"سچ کہہ رہے ہو۔"

"آج تک تمہارے بھائی نے جھوٹ بولا ہے؟"

"ہم بارہ بجے کے بعد بات کر رہے ہیں۔ آج کا دن کل میں تبدیل ہو چکا ہے۔"

"ہاہاہا۔" وہاں سے وہ کان پھاڑ دینے والا جناتی قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"مذاق برطرف۔ ہمارا واقعی ارادہ ہے، بابا تو یہاں آکر سمجھو بالکل ہی مِس ہو کر رہ گئے ہیں، پاکستان کو بہت مس کرتے ہیں اسی لیے ہم نے سوچا ہے وہاں آنے کا۔"

"بہت اچھی بات ہے۔" وہ ان کے فیصلے کو سراہتے ہوئے بولی۔ "مجھے بھی بڑی تقویت ملے گی اچھا سنو۔" اس نے فون کان سے ہٹا کر دیکھا۔

"ماریہ کا فون آرہا ہے تم رکھو۔"

"افسوس ہے لڑکی! سات سمندر پار بیٹھے بھائی کی قدر نہیں۔ وہ فرلانگ کے فاصلے پر موجود اپنی سہیلی کے فون کی زیادہ پروا ہے۔" وہ مصنوعی تاسف سے بولا۔

"ہاں ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "اس نے اور اس کی امی نے ہر قدم پر ہر مشکل میں میرا بالکل اپنوں کی طرح ساتھ نبھایا ہے، میری سگی بہن بھی شاید میرا اتنا اور اس طرح خیال نہیں رکھتی جتنا اس نے کیا ہے۔"

"بس بس۔ میرے سامنے اس بالکونی کی زیادہ تو تعریفیں مت کرو اچھی طرح جانتا ہوں اس لڑاکن کو۔ دیکھنا اس انجینئر کو ساری انجینئری بھلا دے گی۔"

"ہاں۔ ہاں۔ دیکھ ہی لیں گے اچھا خدا حافظ۔"

اب اس نے ماریہ کا فون اٹھالیا۔ سائرہ ظاہر ٹیرس سے نیچے جھانک رہا تھا۔ درحقیقت وہ ٹیرس کی اونچائی کا اندازہ لگا رہا تھا۔

"کام تو بن جائے گا۔ مگر ایسا کرنا زیادہ خطرناک ہے۔ کیا پتا اس کی جان چلی جائے اور اگر بچ گئی تو سب کو بتادے گی۔ سب کی تو خیر مجھے کوئی پروا نہیں مگر بابا۔ ان کا کیا حال ہوگا یہ خبر سن کر وہ تو ابھی تک اجیہ کے دیے گئے جھٹکے ہی سے نہیں سنبھلے۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"اور امی اور سعد بھی تمہیں سالگرہ کی مبارکباد دے رہے ہیں۔"

"آنٹی اور سعد کو میرا شکریہ پہنچادو۔" وہ کمرے سے بولی۔ سائر کے کان سعد سن کر کھڑے ہو گئے۔

"تم آؤ نا یار کسی دن سائر بھائی کو لے کر امی کہہ رہی ہیں ہمیشہ ہی کہتی ہیں مگر تم سنتی نہیں۔" وہ ناراضی سے بولی۔

"یار تمہیں پتا تو ہے۔" وہ افسردہ ہونے لگی۔

"اچھا۔ اچھا" ماریہ جلدی سے بولی "اداس مت ہو صرف خوش رہو خوش رہنا تمہاری حالت کے لیے اچھا ہے۔"

"واہ بھئی بڑی تجربہ کار بن رہی ہو۔" اس نے چھیڑا۔

"ارے۔" وہ چلائی "یہ بھی امی کہہ رہی ہیں۔"

"اچھا۔ ہاہاہا" وہ ہنس دی۔ پھر وہ چار سال وہاں کی باتوں کے بعد فون بند کردیا۔

"بہت گہری دوستی ہے تم لوگوں کے بیچ۔" سائر چبھتے لہجے میں بولا۔

"یہ سامان لالی سے کہہ کر اٹھوا لیتی ہوں۔" اس نے اس کی بات نظر انداز کر کے جلدی سے کہا مبادا اسے پھر کوئی دورہ پڑ جائے۔

"ارے نہیں۔" وہ ہوشیار ہوا' لالی کو بلوایا تو خوامخواہ میرب کے سر پر منڈلاتی رہے گی اور اس کا منصوبہ خراب ہو جائے گا۔ وہ سوچنے لگا۔

"وہ سو چکی ہوگی' ساڑھے بارہ سے اوپر کا وقت ہو رہا ہے' کیک ہی رکھنا ہے نا فریج میں۔۔۔ میں رکھ آتا ہوں۔" اس نے کیک کی پلیٹ اٹھائی اور کچن میں آکر فریج میں رکھ دی۔ اس کے بعد دودھ گرم کیا اور احتیاط سے یہاں وہاں دیکھا اور اس کے بعد اپنے کرتے کی جیب سے کوئی شیشی نکالی۔ ایک نہ دو۔۔۔ اس میں آٹھ گولیاں تھیں' اس نے ساری گولیاں ہتھیلی پر نکالیں۔

"اوہ۔ یہ تو دودھ میں گھلیں گی نہیں۔" وہ فکرمند ہو گیا۔ اس نے یہاں وہاں دیکھا' اسے ہاون دستے کا دستہ دکھائی دیا۔ اس نے بنا شور کیے وہ اٹھایا اور دراز میں سے تھیلی نکالی۔ تھیلی میں گولیاں رکھ کر اس پر دستہ مارا۔ "ٹھک" ایک عجیب سی آواز گونجی۔۔۔ اسے پسینہ آنے لگا۔ اس طرح تو بہت شور مچے گا۔ وہ پریشان ہو کر پھر یہاں وہاں دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہ میں مسالا پیسنے کی مشین آگئی۔ اس نے تھیلی سے گولیاں نکالیں' انہیں مشین میں ڈالا اور سوئچ آن کر دیا۔ چند سیکنڈز میں سفوف تیار تھا۔ اس نے جلدی سے وہ دودھ میں ملایا' تب ہی اسے لالی کے کوارٹر کی طرف کھلنے والے دروازے پر کچھ کھٹکا محسوس ہوا۔ اس نے نہایت تیزی سے دودھ کا گلاس اٹھایا۔ تب ہی دروازہ کھول کر لالی اندر آتی دکھائی دی۔ سائر پر گھبراہٹ سوار ہو گئی۔ وہ لالی کا سامنا کیے بنا اپنے کمرے میں جانے کے لیے باہر نکلا۔ "ارے صاحب جی۔۔۔ آپ کو کچھ چاہیے تھا تو مجھے بلا لیا ہوتا۔۔۔ آپ نے کیوں تکلیف اٹھائی۔" وہ رکا مگر مڑے بنا۔ "کوئی بات نہیں۔" کہہ کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔ لالی سونے چلی گئی تھی۔ تب ہی اسے یاد آیا کہ وہ کچن کی کھڑکی بند کرنا بھول گئی ہے۔ بس اسی لیے واپس آگئی تھی۔ اس نے کھلی کھڑکی بند کی۔ سلیب پر عادتاً" نظر ڈالی۔ سب صاف تھا' تب ہی اس کی نگاہ سفید رنگ کی پلاسٹک کی چھوٹی شیشی پر پڑی۔ شیشی اچھی اور مضبوط تھی اور خالی بھی۔۔۔

"شریف جو بدہضمی کا چورن لایا ہے۔ وہ یوں ہی پڑیا میں پڑا ہے۔ اچھا ہے' اس میں ڈال لوں گی۔" اس نے ہمیشہ کی طرح خالی شیشی اپنے قبضے میں کرلی اور کچن کی لائٹ اور دروازہ بند کر کے واپس اپنے کوارٹر میں چلی گئی۔ دوسری طرف سائر میرب سے کہہ رہا تھا۔

"یہ لو۔۔۔ گرم دودھ پی لو۔"

"آپ رکھ دیں میں پی لوں گی۔" وہ بولی۔

"نہیں ابھی میرے سامنے۔۔۔" اس نے مسکرا کر گلاس تھاما اور پی لیا۔ وہ دودھ پیتے اسے بڑے دھیان سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ لیں۔۔۔ اور اب آپ بھی سو جائیں سکون سے' آپ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔" اس نے بڑے پیار سے اسے دیکھ کر کہا۔

"ہاں۔۔۔ اب تو سکون سے ہی سونا ہے۔" اس کا

لہجہ ذو معنی تھا۔

اس نے خالی گلاس سامنے میز پر رکھا اور لائٹ بند کر کے واقعی بڑے آرام سے آنکھیں موند لیں۔ اسے ایک بار بھی اس خالی شیشی کا دھیان نہیں آیا تھا۔

✡ ✡ ✡

"کس کا فون تھا؟" ثمینہ جو قاسم کے پیچھے ہی کھڑی تھی، تجسس سے پوچھنے لگی۔

"جمیل کا... مجھے گھر بلایا ہے۔" قاسم نے گہری سنجیدگی سے کہا تو ثمینہ پریشانی سے بولی۔

"خدا خیر کرے... رات کے ساڑھے بارہ بج رہے ہیں' ایسی کیا بات ہو گئی۔"

"مجھے کیا پتا" وہ چڑ گیا بس اتنا کہا "گھر پر فوراً پہنچوں آدھے گھنٹے تک' کیا بات ہے' کیا معاملہ ہے؟ پوچھنے پر بھی نہیں بتایا۔" وہ خود بہت تشویش زدہ ہو رہا تھا۔

"ضرور چندا سے لڑائی ہوئی ہو گی بہت منہ زور اور بدتمیز عورت ہے' نہ جانے جمیل بھائی اسے کیسے برداشت کرتے ہیں۔" قاسم خود کئی بار ثمینہ کے سامنے چندا کو برا بھلا کہہ چکا تھا۔ اس لیے ثمینہ نے بھی بنا لحاظ کیے اس کے متعلق خیالات کا اظہار کیا۔

"تم جاؤ اندر بچوں کے پاس... میں نکلتا ہوں۔" وہ شدید کوفت زدہ ہو کر بولا۔

"میں بھی چلوں۔" وہ پرجوش ہو کر بولی تو قاسم نے اسے گھور کر دیکھا۔

"اس برستی بارش میں باہر نکلنا آسان ہے' اور میں کوئی مزے کرنے نہیں جا رہا' کیا پتا وہاں کیا معاملہ ہے' تمہیں مزے سوجھ رہے ہیں۔" اس نے ڈپٹا تو وہ منہ بنا کر بولی۔

"کیسے جائیں گے... آپ کے پاس جمیل بھائی کی طرح گاڑی تھوڑا ہی ہے۔ سارے بھیگ جائیں گے۔"

"جو بھی ہو' جانا تو پڑے گا۔" وہ پرسوچ لہجے میں بولا

✡ ✡ ✡

کچھ دیر قبل ہی اس کی آنکھ لگی تھی کہ عجیب سی گھبراہٹ کے تحت کھل گئی۔ اس کی سانسیں بہت تیز چل رہی تھیں۔ ہاتھ پیر بلکہ پورا جسم آگ کی طرح تپ رہا تھا' اس پر مستزاد چکراتا سر اور متلی...

"یا اللہ... یہ کیا ہو رہا ہے مجھے۔" وہ بمشکل تمام اٹھی اور روم فریج سے پانی کی ٹھنڈی بوتل نکال کر منہ سے لگالی۔ ٹھنڈا پانی پی کر اسے کچھ راحت کا احساس ہوا تھا۔ تب ہی اسے زور کی ابکائی آئی... وہ واش روم کی طرف بھاگی۔ اس کی قے میں خون آیا تھا... وہ ہراساں ہو گئی۔ منہ پر پانی ڈال کر باہر نکلی اور بے چینی سے کمرے میں چکرانے لگی۔

"یا اللہ یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔" اس کا دل بری طرح گھبرا رہا تھا۔ وہ مختلف قرآنی آیات کا ورد کرنے لگی۔ تب ہی درد کی ایک شدید لہر تھی جو اس کی کمر سے اٹھی اور وجود کو چیرتی چلی گئی۔

"سائیں...!" وہ خوف و دہشت سے چلائی تھی۔

✡ ✡ ✡

قاسم جب جمیل کے گھر پہنچا وہ گھر کے باہر "عالیا" اسی کا منتظر تھا۔ بارش اب رکی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ رفیق اور ہدایت بھی موجود تھے۔

"کیوں جمیل... اس وقت اس طرح کیوں بلالیا مجھے' سب خیریت تو ہے۔" اس نے جمیل و دیگر سے مصافحہ کرتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔

"اندر چلو..." وہ غیر معمولی سنجیدہ تھا۔ قاسم کو اس کے انداز پر اچنبھا ہوا۔ وہ تینوں مشینی انداز میں گھر کے اندرونی جانب بڑھنے لگے۔ ان کے انداز پر جمیل کو وحشت ہونے لگی۔ بارش جو کچھ دیر سے رکی ہوئی تھی' ایک مرتبہ پھر برسنا شروع ہو چکی تھی۔ سارے گھر میں خاموشی کا راج تھا۔ جمیل نے یہاں وہاں دیکھا اور پھر پراسرار طریقے سے قاسم سے کہا۔

"آؤ تم..."

"کچھ پتا تو چلے یہ کیا تماشا ہے۔۔۔ چندا کہاں ہیں؟" اس صورت حال سے اس کے اعصاب کشیدہ ہونے لگے۔

"خود ہی دیکھ لو کہ تمہاری بہن کہاں اور کس کے ساتھ ہے۔" اس کی آواز میں سانپ جیسی پھنکار تھی۔ قاسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

"دروازہ توڑ دو رفیق۔۔۔" وہ بے لچک انداز میں بولا۔

"جمیل۔۔۔" ہمدانی نے اس کا ہاتھ پکڑا "تم دروازہ پر دستک دو۔"

"ہرگز نہیں۔" اس نے کھردرے پن سے اس کا ہاتھ جھٹکا "تم دروازہ توڑو گے رفیق۔" اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں' نہ جانے وہ ضبط کے کون سے مرحلے سے گزر رہا تھا۔

"آخر ماجرا کیا ہے۔" قاسم عاجز آگیا۔

"توڑو۔۔۔" رفیق جسیم ضخیم اور توانا نوجوان تھا۔ حکم ملتے ہی آگے بڑھا اور پوری قوت سے دروازے کو دھکا لگایا۔ دوسری تیسری ضرب کی شدت اندر لگی کنڈی برداشت نہ کر سکی اور ٹوٹ کر گر پڑی۔ اب دروازہ کھل چکا تھا اور قاسم کی پوری آنکھیں بھی۔۔۔ آصف حواس باختہ بیڈ سے اٹھ کر باہر بھاگنے کی کوشش کرنے لگا۔ چندا حق دق سی بیٹھی صورت حال کی سنگینی کا اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگی۔

"بے غیرت۔۔۔ ذلیل۔۔۔" آن واحد میں قاسم اس پر پل پڑا۔ پہلے بال پکڑ کر اسے کھینچا۔ پھر پوری قوت سے پے در پے تھپڑوں سے اس کا منہ لال کر دیا۔ دوسری طرف رفیق نے جھومتے آصف کو دبوچ رکھا تھا۔ ہمدانی نہایت افسوس سے یہ منظر دیکھ رہا تھا اور جمیل۔۔۔

وہ یوں ساکت تھا گویا بے جان بت مگر نہیں۔۔۔ وہ بت نہیں تھا۔

کیونکہ بت محسوس نہیں کر سکتے مگر وہ کر رہا تھا۔ غصہ' دکھ' تکلیف' نفرت' چندا اوندھے منہ پڑی سسک رہی تھی۔ اس نے تو خواب و خیال میں بھی اس صورت حال کا تصور نہیں کیا تھا۔

"اور تو۔۔۔" اب قاسم رفیق کی گرفت میں مچلتے آصف کی جانب لپکا۔

"آوارہ' بدمعاش تیری یہ ہمت۔" وہ اب لاتوں اور گھونسوں سے اس کی تواضع کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ مار مار کر خود بھی تھک کر بیڈ پر لاچاری سے ڈھے گیا۔ آصف کو جو چار چوٹ پڑی تو اس کا سارا نشہ پل بھر میں ہرن ہو گیا۔

"اب تو تم جان ہی گئے ہو گے کہ تمہیں یہاں بلانے کا مقصد کیا تھا۔" کمرے میں طاری موت کے سناٹے کو جمیل کی آواز نے توڑا۔

"تمہاری یہ بدکردار۔۔۔ ذلیل اور نیچ بہن۔۔۔ میں نہیں جانتا کہ ان کا تعلق کب جڑا' شاید میری شادی سے پہلے۔۔۔ میں نے اس عورت کو پیار' محبت' مان سب دیا' آنکھ بند کر کے اس پر اعتبار کیا' اس نے جب جو فرمائش کی' میں نے اسے پورا کرنے کی کوشش کی۔۔۔ اسے زیادہ کی ہوس تھی' میں نے خود کو کاروبار میں کھپا دیا' تاکہ اس کی لامحدود خواہشات کی تکمیل کر سکوں۔ اسے مٹھیاں بھر بھر کر شاپنگ کرنے کے لیے نوٹ تھمائے اور ایک بار بھی پلٹ کر استفسار نہیں کیا کہ یہ میرے پیسے کہاں کس پر لٹا رہی ہے اور اس نے جواباً "مجھے کیا دیا؟ اب یہ بھی سنو۔ بےزاری۔۔۔ غصہ۔۔۔ جھنجلاہٹ' ہر وقت کی ناشکری' ہر وقت کی چخ چخ مگر میں یہ سب بھی برداشت کرتا رہا' سوچتا تھا کم عمر ہے ذمے داریوں سے گھبرا گئی ہے' اس لیے ایسا کرتی ہے' میں نے اس کے لیے نوکرانی رکھ دی' تاکہ اسے آرام ملے مگر اس نے مجھے مزید بے آرام کر دیا۔ مجھ سے جھوٹ بول کر اپنا وقت باہر گزارنے لگی' کس کے ساتھ کہاں اس نے جو کہا میں نے بنا شک کیے اعتبار کیا' اس کی ہر بات پر میں اسے جتنی سہولیات اور آزادی دیتا گیا یہ اس قدر ہی گھر سے بے پروا' مجھ سے بدگمان' حد تو یہ ہے کہ اپنی اکلوتی اولاد کی طرف سے بھی بے فکر ہوتی چلی گئی مگر میں اس سے محبت کرتا تھا' اس لیے اسے ہمیشہ نرمی سے سمجھانے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ میرے تو گمان میں بھی

نہیں تھا کہ یہ مجھ سے بے وفائی کرے گی اور میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں مگر بے وفائی نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔"

چندا جو پوری آنکھیں کھولے حیرت سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ یکلخت تلملا کر کھڑی ہوئی۔

"جو ابھی تم نے اپنی کرم نوازیوں کی فہرست گنوائی ہے تو تمہارے پاس اک جوان اپنی عمر سے آدھی اور خوب صورت بیوی کو اپنے پلے سے باندھے رکھنے کا اس کے علاوہ جواز تھا بھی کیا۔" وہ بڑی بے غیرتی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"تمہیں صرف ایک اسی بات کی تکلیف نہیں تھی چندا۔" وہ زہر خند ہوا۔ "تم چراغ محفل تھیں۔۔۔ اور میں نے تمہیں اپنے گھر میں سجانے کی کوشش کی' تم یہاں مطمئن کیسے رہ سکتی تھیں' تمہاری فطرت ہی میں کھوٹ تھا۔ تمہاری نیت ہی میں ملاوٹ تھی۔"

"ہاں تو پھر۔۔۔" وہ بے وقوفانہ دلیری سے بولی۔

"تمہیں یہ تماشا لگا کر کیا مل گیا؟" وہ اپنے پھٹے ہونٹ سے بہتے خون کو صاف کرتے ہوئے بولی۔ جمیل طنز سے ہنس پڑا۔

"مجھے کچھ ملا ہو یا نہ ملا ہو' تمہیں البتہ جو ملے گا وہ ساری زندگی میرے سینے میں جلتی آگ پر ٹھنڈی پھوار بن کر برسے گا۔"

"پہیلیاں نہ بجھاؤ جمیل۔۔۔ صاف بات کرو۔" مدھم آواز میں قاسم ناپسندیدگی سے بولا تھا۔

"میرا مشورہ یہ ہے کہ معاملات آرام سے بیٹھ کر طے کر لیے جائیں۔" ہمدانی نے لقمہ دیا۔

"تم کون ہوتے ہو مشورہ دینے والے' اپنے کام سے کام رکھو۔" اس نے بری طرح سے ہمدانی کو جھڑک دیا۔ "ہاں تو ذرا میں بھی تو دیکھوں تم کیا کرنے لگے ہو۔" وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر مضحکہ خیز ہنسی لبوں پر سجا کر بولی۔ قاسم اٹھ کھڑا ہوا۔ جمیل کے چہرے پر در آئے پتھریلے تاثرات دیکھ کر سہم گیا تھا۔

"میں وقار جمیل فاروقی۔۔۔ بقائمی ہوش و حواس تمہیں طلاق دیتا ہوں' طلاق دیتا ہوں۔۔۔ طلاق دیتا ہوں۔" قاسم' جمیل' جمیل پکارتا ہی رہ گیا۔

"ہاہاہا۔۔۔" چندا نے اک ہذیانی قہقہہ لگایا۔ "تو یہ دینے والے تھے تم۔۔۔ آصف ذرا دیکھو تو۔" اس نے کونے میں کھڑے آصف کو فاتحانہ نگاہوں سے دیکھا۔ "جو چیز ہمیں چاہیے تھی وہ جمیل نے کتنی آسانی سے ہمیں دے دی ہمیں زیادہ تردد تو نہیں کرنا پڑا نا۔"

"ہوش کر بے حیا۔" قاسم نے روتے ہوئے اسے بری طرح پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔

"میں نے تو سنا تھا کہ طلاق وہ چیز ہے جو عورت کو اگر مانگنے پر بھی ملے تو وہ روتی ہے۔۔۔ تو کس قماش کی عورت ہے آخر۔۔۔ جو اپنی بربادی پر قہقہے لگا رہی ہے۔" ہمدانی بھی متاسف نگاہوں سے کبھی جمیل' تو کبھی چندا کو دیکھ رہا تھا۔ رفیق ہونق بنا کھڑا تھا۔

"بربادی' کیسی بربادی؟" اس نے اپنا آپ چھڑا لیا "برباد تو یہ ہوا ہے' میں نہیں' اس نے مجھے طلاق دے کر ترقی کی' کامیابی کی راہیں میرے لیے کھول دی ہیں۔ اس کے پاس رہ کر مجھے کیا ملنا تھا۔۔۔ اور اب بس بہت ہو گئی تمہاری ڈرامے بازی' نکلو یہاں سے۔۔۔" اس نے تحقیر سے قاسم کو پیچھے دھکیلا "اور تم۔۔۔" اس نے جمیل کی جانب اشارہ کیا اور چٹکی بجا کر اسے باہر کا راستہ دکھایا۔ اب قہقہہ لگانے کی باری جمیل کی تھی۔ چندا بڑے خطرناک تیور لیے اپنی دانست میں جمیل کی بے وقوفانہ ہنسی کو دیکھ رہی تھی۔

"شاید بات تمہاری سمجھ میں نہیں آسکی چندا بیگم!۔۔۔" جمیل نے ہنسی روک کر آنکھوں سے بہتا پانی صاف کرتے ہوئے کہا۔

"تو معاملہ یہ ہے کہ یہ گھر چھوڑ کر میں نہیں' تم جا رہی ہو۔۔۔ تم۔۔۔ میں تمہیں دس منٹ دیتا ہوں اپنے باپ کے گھر سے لایا ہوا سامان اگر اٹھانا چاہو تو تم اٹھا سکتی ہو اور ہاں۔۔۔ ایک چیز بھی" جمیل جتا کر بولا۔۔۔ "ایک چیز بھی تم میری دلوائی ہوئی اس گھر سے لے کر نہیں جا سکو گی۔ چلو جلدی کرو۔۔۔ تمہارے پاس وقت کی بہت قلت ہے۔" اس عرصے میں پہلی بار چندا کے چہرے پر زلزلے کے آثار پیدا ہوئے تھے۔ آصف

خونخوار نگاہوں سے چندا کو دیکھ رہا تھا۔ بات چندا کے پلے پڑی ہو یا نہیں اس کے ضرور پڑ گئی تھی۔

"شٹ اَپ... کیا بکواس کر رہے ہو... یہ گھر میرے نام پر ہے۔" اس نے ہکلا کر یاد دلایا۔

"جملے کی تصحیح کرلو' یہ گھر تمہارے نام پر تھا بھی' اب یہ میری ملکیت ہے اور میں تمہیں طلاق دے چکا ہوں۔" وہ حظ اٹھا رہا تھا۔

"کمینے۔" چندا بری طرح بپھر کر اس پر جھپٹی... جمیل نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر پیچھے دھکیلا تو وہ لڑکھڑا کر بری طرح گری۔

"میں نے کہا نا... نکلو یہاں سے بے غیرت عورت..."

"یار... خاموش ہو جاؤ... آس پاس آواز جائے گی' تو کیا عزت رہ جائے گی تمہاری۔" ہمدانی نے سمجھانا چاہا۔

"میری اب بھی کیا عزت رہ گئی ہے معاشرے میں۔" وہ دکھ سے ٹوٹتی آواز میں بولا۔

"میں نے انتہائی غربت کے دنوں میں بھی اپنی عزت اور وقار پر سمجھوتا نہیں کیا اور اب... اب جبکہ معاشرے میں میری کچھ عزت' کچھ مقام ہے تب اس عورت نے مجھے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا' مجھے نفرت ہے اس کے وجود سے' اسے کہو فوراً نکل جائے یہاں سے' نہیں تو میں کچھ کر بیٹھوں گا۔" وہ چندا کی جانب لپکا۔

"اب کھڑی کیا ہو... اٹھاؤ اپنا سامان اور جاؤ اس کے گھر' جس کی خاطر تم نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔" قاسم نے خون آشام نگاہوں سے اسے گھورا... اتنی دیر سے بے وقوفوں کی طرح خاموش کھڑے آصف نے پہلی بار لب کشائی کی۔

"میری خاطر نہیں' اپنے خوابوں کے خاطر' میں تو صرف ذریعہ ہوں اس کے نزدیک اپنی منزل تک پہنچنے کا۔" چندا نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا۔ اس نے کندھے اچکائے۔ وہ بلا کا جاذب نظر اور ہینڈسم تھا اور سچ تو یہ ہے کہ جو بھی تھا چندا کو اس کا ساتھ پسند بھی تھا۔

"کس قدر ناپائیدار سہارا تلاش کیا ہے تم نے... لو دیکھ لو آزمائش کی اولین گھڑی میں ہی تمہیں اس نے تمہاری اوقات دکھا دی۔" جمیل نے ایک اور وار کیا۔

"چلو اب نکل بھی چکو۔" وہ غرایا۔

"ہاں... میں تو چلوں..." آصف جلدی سے نکلنے لگا۔

"رکو۔" قاسم نے ٹھنڈی برف جیسی آواز میں اسے پکارا "چندا تمہارے ساتھ جائے گی اور اگر تم نے انکار کیا تو میں تمہیں جان سے مارنے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔" یعنی قاسم اسے اپنے ساتھ لے جانے پر راضی نہیں تھا۔ چندا کا سارا غرور' طنطنہ جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ پھر یک بیک ہی اس کے ذہن نے پینترا بدلا اور وہ بری طرح چیخی۔

"ظالم شخص تو نے مجھے میرے معصوم بچوں سے جدا کر دیا۔ اللہ تجھ سے ضرور حساب لے گا۔" اب وہ بے بسی سے رو رہی تھی۔ بچوں کے تذکرے پر جمیل ملول سا ہو گیا' پھر بولا۔

"بچوں سے تمہیں کتنی محبت ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں' مجھے ایموشنل بلیک میل کرنے کی بجائے تم اپنا سامان سمیٹو۔"

"نہیں... میں نہیں جاؤں گی یہاں سے..." وہ روتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"نکلو..." جمیل کا ضبط جواب دے گیا اور وہ ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹتے ہوئے باہر نکالنے لگا۔ کمرے کے باہر کھڑی زینت بی رو پڑیں... بے لگام خواہشیں انسان کو اسی طرح برباد کرتی ہیں۔ پتا نہیں سونو کو یکدم کیا ہوا' وہ زینت بی کا آنچل چھوڑ کر چندا کے پیچھے بھاگا۔

"ممی... ممی... مت جائیں... آپ مت روئیں... پلیز پاپا... پلیز انہیں مت نکالیں۔" اس کا پیر نہ جانے کس چیز سے رپٹا تھا۔ وہ منہ کے بل گرا۔ زینت بی دوڑ کر اس کے نزدیک آئیں۔ مگر جمیل رکا نہیں۔ اس نے چندا کو باہر نکال کر دم لیا اور حق مہر کا چیک اور چند زیورات جو شاید اس کی ملکیت تھے ایک

تھپلی کی صورت اس کے منہ پر مارے۔ آصف کے چہرے پر "برے پھنسے" والے تاثرات تھے۔

"یاد رکھنا۔۔۔ میں تجھے چھوڑوں گی نہیں۔۔۔ جیسے تو نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔۔۔ میں بھی تجھے جیتے جی کہیں کا نہیں چھوڑوں گی۔۔۔ یہ میرا تجھ سے وعدہ ہے۔" اسے جیسے دورہ سا پڑ گیا تھا۔

آصف نے زیورات کی تھیلی اٹھائی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "اب چلو اس سے پہلے کہ تمہارا شوہر۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ وہ کمینہ انسان پولیس بلوا لے۔"

"عرش سے فرش پر آجانے کے اور آگ کو کیا کہتے ہیں، چندا بس اسی اور آگ کے زیر اثر تھی۔ ذہن شل، سوچیں منتشر اور قدم۔۔۔ وہ اٹھ تو رہے تھے مگر منزل نامعلوم تھی، ہمیشہ کی طرح۔۔۔ اندر کمرے چاروں نفوس کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ ایک گھر ٹوٹا تھا۔ چار زندگیاں تباہ ہوئی تھیں۔ آگے زندگی کا نقشہ کیا ہونے والا تھا۔ یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ آگ سے کھیلنے کا منطقی انجام ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آخر اسے ہوا کیا ہے؟" سعدیہ از حد پریشانی سے پاس سے گزرتی ڈاکٹر سے پوچھنے لگیں۔ رات ساڑھے تین بجے سائر اسے اسپتال لے کر آیا تھا۔ میرب کی حالت بے حد خراب تھی۔ اسی نے سعدیہ اور ماریہ کو بلوانے کا کہا۔ اس نے بلوا لیا۔ اب وہ لوگ پچھلے آدھ گھنٹے سے ڈاکٹروں کی بھاگ دوڑ دیکھ رہے تھے۔

"دیکھیں بی بی۔۔۔" ڈاکٹر اپنے مخصوص لہجے میں بولی۔ "نہ جانے آپ کے پیشنٹ نے کون سی دوائی استعمال کرلی ہے، اس کا ری ایکشن ہو رہا ہے اور کچھ نہیں، ارے اگر بے بی نہیں چاہیے تھا تو شروع میں ہی کچھ کرلیتیں، اب ان کا چھٹا مہینہ چل رہا ہے۔ ایسے میں دوائی نے کیا کرنا تھا سوائے ان کی طبیعت خراب کرنے کے۔"

"کیا مطلب؟" ماریہ نے اچنبھے سے ڈاکٹر کو دیکھا۔

"آپ میرب ہیں؟" ڈاکٹر نے ناپسندیدہ نگاہوں سے اسے دیکھا، وہ جھینپ گئی پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"بس تو پھر مطلب آپ کی سمجھ میں نہیں آسکتا، آپ کی سمجھ میں تو آگیا ہے نا۔" اس نے سعدیہ بیگم کی جانب دیکھا جو منہ کھولے بے یقینی سے ڈاکٹر کی بات سن رہی تھیں۔

"مگر۔۔۔ ایسے کیسے۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ وہ ہرگز اتنی بڑی بے وقوفی نہیں کر سکتی۔"

"اب یہ سب ہمیں نہیں پتا، ہم انہیں ٹریٹ کر رہے ہیں، آپ دعا کریں۔" وہ کہہ کر چل دیں۔ سائر اس وقت کوریڈور میں تھا نہیں، اس لیے ڈاکٹر کی بات سن نہیں سکا۔

"امی! ڈاکٹر کیا کہہ رہی تھیں؟"

"وہ اس نے غلطی سے شاید کوئی دوا وغیرہ کھالی ہے، اس کا ری ایکشن ہو گیا ہے، اس کنڈیشن میں کوئی دوائی اپنی مرضی سے نہیں کھانی چاہیے۔" وہ بینچ پر بیٹھ گئیں۔ ان کا ذہن عجیب مخمصے کا شکار ہو گیا۔

"وہ ایسا تو نہیں کر سکتی۔" ماریہ انکاری ہوئی۔

"دعا کرو، اس کی طبیعت بنا کوئی نقصان ہوئے سنبھل جائے، پتا نہیں بچی کس نحوست کا شکار ہو گئی ہے۔" وہ بے حد بے غصے سے بولیں۔

"نحوست یا سازش؟" ماریہ کے ذہن میں جھماکے ہونے لگے۔

☼ ☼ ☼

ثمینہ کے توسط سے چندا کی طلاق کی خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے خاندان میں پھیل چکی تھی۔ ساتھ ہی یہ بات بھی کہ اس کے شوہر نے اسے اس کے "آشنا" کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا تھا۔ بہنوں کے دلوں پر یہ خبر مانند برق گری تھی اور بی جان۔۔۔ ان کے دل نے تو یہ اندوہناک خبر سن کر دھڑکنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ سب ان کی موت کا ذمے دار چندا کو ٹھہرا رہے تھے۔ سب نے اس کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ بہنوں کو بھی اس سے شدید نفرت ہو چلی تھی۔ کسی کے دل

میں۔۔۔ زندگی میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں بچی تھی، تو گھر میں اسے جگہ کیسے دی جاسکتی تھی۔

✡ ✡ ✡

میرب بری طرح رو رہی تھی۔ ماریہ اور سعدیہ بڑی فکرمندسی بیٹھی تھیں۔

"بیٹا۔۔۔ مجھے تم سے ایسی بے وقوفی کی امید نہیں تھی۔ تم ماشاءاللہ پڑھی لکھی لڑکی ہو۔ ایسے کیسے تم نے اسقاط حمل دوا استعمال کرلی۔" سعدیہ ذرا ڈپٹتے ہوئے بولیں۔

"کیا۔۔۔!؟" وہ رونا دھونا بھول کر یک دم ان کی جانب تحیر سے دیکھنے لگی۔

"اسی کا ری ایکشن ہوا ہے' وہ تو شکر کرو کہ تمہارے بے بی کی جان بچ گئی' بڑی دقتوں سے ڈاکٹروں نے معاملہ سنبھالا۔"

"مگر میں نے ایسی کوئی دوائی استعمال نہیں کی' کیوں کروں گی' پاگل ہوں کیا؟" وہ غصے سے بولی۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا۔" ماریہ ٹھہرے لہجے میں بولی "کہ کسی نے تمہیں چالاکی سے وہ دوائی کھلادی تھی۔ دیکھو نا تمہارے ساتھ ہونے والے پے در پے حادثے اتفاق تو نہیں ہوسکتے۔ یہ پوری کڑی ہے جو سازش کرنے والے تک جاتی ہے۔" وہ کہہ کر خاموش ہوگئی۔ میرب گہری سوچ سے چونکی۔ سعدیہ حیرانی سے اس کی بات سن رہی تھیں۔

"مگر کون کرسکتا ہے یہ گھناؤنی حرکتیں۔۔۔ ہمارے گھر میں تو زیادہ لوگ بھی نہیں۔" وہ خائف ہوکر بولی۔

"شاید اجیہ۔۔۔ کیونکہ تمہارے ساتھ یہ حادثات اس کے نکاح کے بعد ہونا شروع ہوئے ہیں' کیا پتا وہ سائر بھائی اور انکل کا غصہ تمہیں نقصان پہنچا کر نکال رہی ہو۔"

"نہیں۔۔۔ وہ ایسی نہیں ہے۔" میرب بے یقینی سے بولی۔

"کیا فضول باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو لڑکی۔" سعدیہ نے گھر کا۔

"میں فضول نہیں بول رہی ہوں امی۔۔۔ اب تو اس کی جان پر بن چکی ہے' خدارا آپ لوگ اب تو اس معاملے کو سنجیدگی سے لے لیں۔" وہ ملتجی ہوئی۔

"آنٹی۔۔۔! ٹھیک کہہ رہی ہے ماریہ۔۔۔ اتنے سارے حادثات محض اتفاق نہیں ہوسکتے۔" وہ بولی۔

"تو پھر کون ہوسکتا ہے اس سب کے پیچھے۔" وہ تشویش ناک لہجے میں بولیں۔

"اجیہ جذباتی احمق لڑکی ہے۔۔۔ وہی ہوگی۔" ماریہ وثوق سے بولی۔

"لالی۔۔۔ ہاں لالی۔۔۔ وہ گھر کے فرد کی طرح ہے' سب کے معمولات پر بھی عموماً نظر رکھتی ہے' پھر آپ نے اسے میرا خیال کرنے کی تاکید کی تھی' وہ میرا خیال بھی رکھ رہی تھی۔ اس سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرو' شاید اس نے گھر میں کوئی غیر معمولی بات نوٹ کی ہو۔" میرب نحیف آواز میں بولی۔

"ہاں۔۔۔ یہ ٹھیک رہے گا۔" ماریہ متفق ہوئی۔

"ایسا کرو۔۔۔ میری چند ضروری چیزیں بھی گھر سے لے آؤ' میں تو ظاہر ہے رات میں درد سے بے حال افراتفری میں یہاں آئی تھی اور جاکر لالی سے کچھ معلوم بھی کرنے کی کوشش کرو۔۔۔ ذرا پتا تو چلے کہ کون ہے جو میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی چھین لینے کے درپے ہے۔" وہ برہم ہوکر بولی۔

"ہاں۔۔۔ سائر کے ساتھ چلی جاؤ۔" سعدیہ بولیں۔

"وہ تو کبھی کے گھر جاچکے ہیں۔" اس نے طنزیہ کہا۔

"سائر گھر چلے گئے؟" میرب حیرانی سے پوچھنے لگی۔

"ہاں۔۔۔" ماریہ سلگتے ہوئے بولی "ان کی شاید نیند ڈسٹرب ہوگئی ہوگی وہی پوری کرنے گئے ہوں گے۔"

سعدیہ کچھ نہیں بولیں' تاہم رنج و غصے کے ملے جلے تاثرات ان کے چہرے پر ابھرے تھے۔

✡ ✡ ✡

جمیل نے لاہور ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا اور اپنے

ملنے جلنے والوں کو بھی۔ وہ پچھلا ہر حوالہ اپنی زندگی سے کھرچ کر پھینک دینا چاہتا تھا۔ اچھی بات یہ ہوئی کہ اس کی بہنیں اور بھائی دور دراز شہروں میں بسے تھے۔ پھر اس کے کوئی خاص قریبی رشتے دار بھی لاہور میں نہیں تھے۔ سو انہیں چندا کے متعلق وہی پتا چلا جو جمیل نے بتایا اور جمیل نے بڑے آرام سے اس کے مرجانے کی خبر انہیں دی۔ سب نے جنازے پر نہ بلانے کا شکوہ کیا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہوتا تو دیتا۔ وہ اپنے بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت کے لیے انہیں لے کراچی آبسا۔ یہیں کاروبار بھی منتقل کرلیا۔ زندگی کا پچھلا باب بند ہوچکا تھا۔ نیا شروع ہونے کو تھا۔

☆ ☆ ☆

"سلام بی بی جی۔۔۔ آپ اتنی صبح صبح۔۔۔ سب خیر تو ہے جی۔۔۔" لالی کرسیاں جھاڑ رہی تھی' جب لاؤنج میں داخل ہوتی ماریہ کو دیکھ کر چونکی۔

"بڑا سناٹا پھیلا ہوا ہے گھر میں' لگتا ہے سب بڑی میٹھی نیند سو رہے ہیں۔" وہ طنزیہ بولی۔

"سائر صاحب تو آفس گئے ہیں۔ اجیبہ بی بی کالج' بڑے صاحب اٹھ گئے تھے۔ اب اپنے کتابوں والے کمرے میں ہیں۔"

"چہ خوب!" وہ بھنا کر بولی۔ "یعنی میرب مرے یا جیے ان لوگوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اس کی آواز تیز ہوگئی۔

"کیسی باتیں کررہی ہیں آپ بی بی جی۔" لالی بے چاری گھبرا کر بولی۔ "وہ تو اپنے کمرے میں سو رہی ہیں' آپ چلی جائیں ان کے کمرے میں۔۔۔"

"وہ اپنے کمرے میں نہیں۔۔۔ اس وقت اسپتال میں درد سے بے حال پڑی ہے اور یہاں بے خبری کا یہ عالم ہے کہ کسی کو کچھ معلوم ہی نہیں۔"

"کیا بات کررہی ہیں آپ۔۔۔" وہ یک دم بولی "کیا ہوا انہیں ہے؟"

"کسی نے اسے بےبی ضائع کرنے کی دوائی کھلادی ہے۔"

"ہوئی میرے اللہ۔۔۔" لالی دھک سے رہ گئی۔

"کس نے کمایا یہ ظلم۔"

"یہ تو تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے۔" وہ درشتی سے بولی۔

"بہرحال۔۔۔ میں اس کے کمرے میں اس کا ضروری سامان لینے جارہی ہوں۔" وہ کہہ کر اس کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ اس کا ضروری سامان سمیٹا اور بیگ لیے واپس نیچے اتری۔ تو پریشان صورت لیے وقار کو اپنا منتظر پایا۔

"کیا ہوا بیٹا۔۔۔ یہ لالی بتارہی ہے کہ میرب اسپتال میں ہے۔"

"جی۔۔۔ رات میں اس کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ سائر بھائی اسے اسپتال چھوڑ کر واپس گھر آگئے تھے۔ حیرت ہے۔ انہوں نے آپ کو نہیں بتایا۔" وہ شرمندہ کرنے والے لہجے میں بولی۔ وہ ازحد شرمندہ ہو بھی گئے۔

"بس بیٹا۔۔۔ شاید میری پریشانی کی وجہ سے نہیں بتایا ہوگا۔"

"مگر اسے ہوا کیا ہے؟" اب وہ انہیں کیا بتاتی۔ بس اسی قدر بولی۔

"کوئی دوائی کھلادی ہے کسی نے اس کو۔۔۔ اس لیے اس کی طبیعت بگڑ گئی۔"

"کسی نے دوائی کھلادی۔۔۔ کس نے؟" وہ استعجابیہ لہجے میں بولے۔

"وہ سب مجھے نہیں معلوم۔۔۔ امی آپ کو فون کریں گی۔ باقی باتیں ان سے معلوم کرلیجیے گا۔ مجھے ذرا جلدی ہے۔" وہ اجنبیت سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

"یہ ہو کیا رہا ہے میرے گھر میں۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے صوفے پر بیٹھ کر اپنا ماتھا سہلانے لگے۔ ساری بات سنتی لالی کے ذہن میں کچھ کلبلایا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آپ خود سوچیے بھائی صاحب۔۔۔ کیا آپ ان

مسلسل حادثوں کو اتفاق سمجھ سکتے ہیں۔" وقار ماریہ کے نکلنے کے کچھ دیر بعد خود بھی میرب کو دیکھنے چلے آئے تھے۔ اب حال احوال کے بعد سعدیہ بیگم نے صاف صاف بات کرنے کی ٹھان لی تھی۔ وقار سوچ میں پڑ گئے۔ میرب دھیرے دھیرے سسک رہی تھی۔ ماریہ ہاتھ باندھے غصے میں کھڑی تھی۔

"اگر میں آپ کی بات تسلیم کر بھی لوں۔ تو ایسا کون ہے جو اس ننھی جان کو دنیا میں آنے سے قبل ہی ختم کرنا چاہے گا۔ میں کس پر شک کروں۔" وہ الٹا ان ہی سے پوچھنے لگے تو ماریہ جھٹ سے بولی۔

"ظاہر ہے گھر والوں کے علاوہ آپ شک کر بھی کس پہ سکتے ہیں۔" اس کی بات پر وقار نے ناگواری محسوس کی۔

"بیٹی! گھر والوں کو اس سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے' بات سوچ سمجھ کر منہ سے نکالنی چاہیے۔"

"بھائی صاحب۔ بات غور کرنے کی ہے کہ کوئی اس کے پیچھے اگر پڑا ہوا ہے تو دشمنی ہی میں پڑا ہوا ہے نا اور ایسی دشمنی کون کر سکتا ہے۔"

"ارے بھئی۔۔۔ میں یہی تو کہہ رہا ہوں کہ گھر میں کون کر رہا ہے اس سے دشمنی' کسی کو کیا غرض پڑی ہے۔" وہ چڑ گئے۔

"غرض کا تو پتا نہیں' ہو سکتا ہے کہ کوئی اپنی ناکام آرزوؤں کا بدلہ نکال رہا ہو۔" ماریہ بولی۔ وقار چونک کر پوچھنے لگے۔

"کون۔۔۔ کون نکال رہا ہے بدلہ' کسے کہہ رہی ہو؟"

"ہم کسی کو نہیں کہہ رہے۔" سعدیہ جلدی سے بولیں اور ماریہ کو آنکھیں دکھائیں' وہ ہونہہ کہہ کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔ "یہ تو آپ معلوم کریں ہم تو بس یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان واقعات کے عقب میں کوئی نہ کوئی وجہ ضرور موجود ہے۔ اب دیکھیں نا کسی نے تو اسے دوا دی ہی ہے نا۔" بات معقول تھی' وقار سوچ میں ڈوب گئے۔

"تمہاری جب طبیعت خراب ہوئی۔۔۔ اس سے پہلے تم نے کچھ کھایا پیا تھا۔" ماریہ تفتیشی انداز میں پوچھنے لگی۔ میرب نے ذہن پر زور ڈالا۔

"ہاں۔۔۔" اسے یاد آیا "دودھ پیا تھا رات کو سوتے وقت۔۔۔" وہ کہہ کر ٹکر ٹکر سب کی صورت دیکھنے لگی۔ "مگر وہ تو سائر روز دیتے ہیں۔"

"سائر بھائی۔۔!" ماریہ بری طرح چونکی۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے بیٹی۔۔۔" وقار بے حد کرختی سے مگر اپنے لہجے کو دھیما کر کے بولے۔

"خدانخواستہ یہاں عدالت نہیں لگی ہوئی' جو تم یوں جرح پر جرح کر کے بار بار میرے بچوں کو کٹہرے میں کھڑا کر رہی ہو۔ آخر حد ہوتی ہے کسی بات کی۔"

"دیکھیں بھائی صاحب۔۔۔ حد تو اب واقعی ہو ہی گئی ہے۔ آج میرب مرتے مرتے بچی ہے۔ اللہ نہ کرے آج اگر یہ جان سے چلی جاتی تب پھر باقی کیا رہ جاتا۔ اگر یہ کسی مشکل میں گرفتار ہو گئی ہے تو اسے آزاد کروانا ہمارا ہی فرض بنتا ہے کہ نہیں۔۔۔ پہلی بار یہ ایکسیلنٹ سے بال بال بچی' چلو اسے اتفاق سمجھ بھی لیا جائے تو پھر وہ باتھ روم میں پھسلنے والا واقعہ۔۔۔ جس کی زد میں آپ کی کام والی بے چاری مفت میں آ گئی۔۔۔ اس کے بعد اس کا سیڑھیوں سے پھسل جانا' کیا آپ کو نہیں لگتا ہے کہ کوئی قریبی ہی یہ سب کام کر سکتا ہے۔"

"مگر وہ سیڑھیوں سے اتفاقاً" ہی تو پھسلی تھی۔" وقار کمزور اور روکھے لہجے میں بولے۔

"اتفاق۔۔۔ نہیں بھائی صاحب۔۔۔" اس کے سلیپرز کے تلوؤں کو باقاعدہ کریسی کیا گیا تھا۔ یہ بات ہمیں لالی نے بتائی تھی کہ باجی کی چپل چکنی ہو رہی تھی۔ اس نے بعد میں دھوئی تھی شاید۔۔۔" سعدیہ بولیں۔

"دیکھیے ہم کسی پر شک نہیں کر رہے مگر ہمیں بچی کی سیفٹی بھی تو کرنی ہے نا' ایسے کیسے چلے گا۔" سعدیہ کا لہجہ ترش تھا۔

میرب اب آنکھوں پر بازو رکھے سسک رہی تھی۔ ماریہ غالباً" اب بھی واقعات کے تانے بانے جوڑنے میں مصروف تھی اور وقار۔۔۔ وقار سر جھکائے مجرم سے بنے بیٹھے تھے۔ آخر کیا تھا یہ سب۔۔۔ ان کی کچھ

سے قطعی باہر تھا۔

☼ ☼ ☼

آصف نے چندا سے نکاح نہیں کیا۔ اس نے چندا کو تب تک اپنے ساتھ رکھا' جب تک اس کے پاس حق مہر کی رقم اور زیور موجود رہے۔ وہ دونوں ہی کام کاج سے فارغ تھے۔ لہٰذا قارون کا خزانہ جلد ہی ختم ہو گیا اور نوبت پہلے تو ایک دوسرے کو کوسنے' پھر برا بھلا کہنے اور آخر میں علیحدگی تک آ گئی۔ چندا حقیقی معنوں میں روڈ پر آ گئی تھی۔ خود غرض تھی' اس لیے بے غیرت بھی۔

سو وہ بڑی بے غیرتی سے اپنی دانست میں اپنے "باپ" کے گھر گئی۔ وہاں وہی ہوا جو اس کے ساتھ ہو سکتا تھا۔ یعنی قاسم نے اسے گھر میں گھسنے بھی نہ دیا۔ اس روز اتفاق سے مانو بھی وہاں آئی ہوئی تھی۔ اسے چندا کی دگرگوں حالت دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔ اس نے ازراہ ہمدردی سے اپنے کراچی والے گھر کا ایڈریس تھما دیا کہ کبھی ضرورت پڑے تو وہ وہاں آ سکتی ہے۔ چندا نے غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے ان سب کو لعن طعن' گالیاں' کوسنے دیے اور وہاں سے سیدھی ستارہ کے گھر چلی آئی۔

"ہوں۔۔۔ تو کرتے ہیں پھر کچھ۔۔۔ سب سے پہلے تو تمہارا کام کرنا ضروری ہے۔ یقیناً تم کرو گی ہی۔۔۔ میں بات کرتی ہوں کسی سے۔۔۔ لیکن پہلے ہی بتا دوں ضروری نہیں کہ تمہیں کوئی بہت اچھا رول یا کام ہی ملے۔۔۔ جو بھی ملے گا شکر کر کے کر لینا۔" اس نے صاف لفظوں میں جتایا اور چندا کے پاس پہلے کی طرح نہ آپشنز تھے' نہ نخرے دکھانے کی اجازت۔۔۔ سو وہ خاموش ہی رہی۔

☼ ☼ ☼

گھر واپسی پر وقار کے دل و دماغ پہ جامد چپ اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ سوچنا چاہتے تھے مگر عجیب بات تھی کہ سوچ نہیں پا رہے تھے۔ کافی دیر سے ایک ہی انداز میں اپنی مخصوص راکنگ چیئر پر اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے رکھی چائے کبھی کی ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔ تب ہی لالی دستک دے کر جھجکتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

"صاحب جی۔۔۔" اس نے انہیں پکارا تو ان کی سوچوں کا ارتکاز ٹوٹا۔ انہوں نے بے تاثر سنجیدہ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"وہ۔۔۔ جی میں نے سنا ہے کہ بی بی جی کی طبیعت کوئی دوائی کھا لینے سے بگڑ گئی ہے۔" وقار ہنوز اس کی جانب سابقہ انداز سے دیکھتے رہے۔

"وہ۔۔۔" وہ کچھ دیر کشمکش و پیچ میں مبتلا رہی' پھر اس نے جیسے کوئی فیصلہ کر کے اپنا سیدھا ہاتھ آگے کیا۔

"یہ مجھے کل رات سلیب پر خالی رکھی ہوئی ملی تھی جی۔۔۔ میں نے اپنی دوائی رکھنے کے واسطے اسے اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا تھا اس پر کیا لکھا ہے' مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ آپ دیکھیں۔۔۔ کہیں یہی دوائی تو بی بی کو نہیں دی کسی نے۔"

وہ ڈرتے' جھجکتے کہہ ہی گئی۔ وقار نے جھٹ اس کے ہاتھ سے شیشی چھین کر دیکھی اور اس لمحے انہوں نے سوچا کاش۔۔۔ انہیں بھی پڑھنا نہ آتا ہوتا۔ انہوں نے اپنے لرزتے ہاتھوں پر قابو پا کر پوچھا۔

"کہاں سے اٹھائی یہ۔۔۔"

"کل رات سلیب پر رکھی ہوئی تھی وہیں سے۔۔۔" وہ خائف ہو کر بولی۔

"کس نے رکھی تھی وہاں۔۔۔ تمہارا تو زیادہ تر وقت وہیں گزرتا ہے' کیا تم نے دیکھا تھا کسی کو؟" وہ یوں بول رہے تھے جیسے بولنا نہ چاہتے ہوں۔

"وہ جی۔۔۔ باورچی خانے سے نکلتے تو میں نے ساحر صاحب کو دیکھا تھا' وہ بی بی کے لیے دودھ لے جا رہے تھے۔" اس کی آواز میں بارود تھا جو وقار کے وجود کے پرخچے اڑا گیا۔

"وہ صاحب آپ کو یہ شیشی اس لیے دی کہ آپ پتا لگا سکیں کہ کہیں یہی تو وہ زہر نہیں جو بی بی کو دیا گیا ہے۔ بی بی بہت اچھی ہیں' نہ جانے کون ان کے پیچھے پڑ گیا ہے۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

تو وقار نے سرد آواز میں کہا۔ "اب جاؤ۔۔۔ اور ہاں آج مجھے بالکل ڈسٹرب مت کرنا۔" وہ سرہلا کر باہر چل دی۔

"یہ۔۔۔ یہ سائر کا کون سا روپ ہے۔ میرا بیٹا اتنا حساس' اتنا نرم دل اور یہ سب؟" وہ گھبرا اٹھے۔

"مگر نہیں۔۔۔ مجھے اس پر الزام لگانے سے قبل ایک بار اس سے پوچھ ضرور لینا چاہیے' ہو سکتا ہے کہ کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہو رہی ہو۔ ہاں ہو سکتا ہے' کیوں نہیں ہو سکتا۔" وہ بیک وقت یقین اور بے یقینی کے درمیان جھول رہے تھے۔

✡ ✡ ✡

"میگزین مارکیٹ میں آگیا ہے امی۔۔۔ خدا کی قسم تیری کیا حسین تصویریں آئی ہیں۔۔۔ تو دیکھے گی تو تجھے خود یقین نہیں آئے گا۔" گل خوشی سے کپکپاتی آواز میں بولی۔

"امی۔۔۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" وہ ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔

"پاگل۔۔۔" وہ جیسے اس کی معصومیت پر ہنس دی۔

"اب کیوں ڈر رہی ہے تو' اب جا کر تو وہ وقت آیا ہے جب تیرے سارے ڈر اور خوف سب ختم ہو جانے ہیں۔۔۔ میں ہوں نا تیرے ساتھ' تو کیوں گھبرا رہی ہے۔" وہ اسے حوصلہ دیتے ہوئے بولی۔

"پھر بھی امی۔۔۔ جب سب کو پتا چلے گا تو نہ جانے یہ لوگ کیا ری ایکٹ کریں۔"

"تو ہم نے یہ سب ان سے بدلہ لینے ہی کی خاطر تو کیا ہے۔ یہ لوگ بڑے عزت دار بنتے ہیں' اپنی نام نہاد عزت کی خاطر انہوں نے تیرا دل' تیری زندگی برباد کر دی۔۔۔ اب تو کیوں ان کی اتنی فکر کر رہی ہے۔ اب تو تو نے میرے پاس ہی آجانا ہے۔"

"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" وہ یک دم نڈر ہو کر بولی' انہوں نے میری زندگی کی اولین خوشی کچل کر رکھ دی' میرے دل کو بسنے سے پہلے اجاڑ دیا۔ آپ صحیح کہہ رہی ہیں' مجھے ان کے ردعمل کی اتنی پروا نہیں کرنی چاہیے اور پروا ہو بھی کیوں' ان لوگوں نے میری پروا بھلا کب کی ہے جو مجھے ان کی ہو؟ اب وہ غصے میں آگئی۔

"بس تو۔۔۔ تو تیار رہ' بہت جلد تو میرے پاس آنے والی ہے ہمیشہ کے لیے۔" گل کی آنکھوں میں فتح تھی۔ سرشاری تھی اور لہجے میں کھنک۔۔۔

✡ ✡ ✡

میرب ڈیڑھ دن اسپتال میں رہ کر ماریہ کے گھر آچکی تھی۔ اس پورے عرصے میں سائر نے ایک بار بھی فون کر کے اس کی خیر' خیریت دریافت کرنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کی اور یہی چیز اسے بری طرح چبھ رہی تھی اور ماریہ کے شکوک کو یقین میں بدل رہی تھی۔

"اگر اس سب کے پیچھے واقعی سائر بھائی ہوئے تو۔۔۔" ماریہ کہتے ہوئے فکرمندی اور اضطراب سے نڈھال سی لیٹی میرب کو دیکھنے لگی۔

"سائر۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں' وہ ایسا کیسے کر سکتے ہیں' دنیا کا کون سا باپ اتنا سنگ دل اور ظالم ہو سکتا ہے جو اپنی اولاد کی جان کے درپے ہو۔" میرب کو یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

آخر کیا بنے گا اس کی بے یقین زندگی کا۔ ماریہ کو یہ تشویش کھائے جا رہی تھی۔ وہ میرب کے بستر کے نزدیک خاموش بیٹھی سوچ رہی تھی اور میرب بیڈ پر آنکھیں موندے۔

✡ ✡ ✡

پھر چندا کو واقعی جو بھی' جیسا بھی کام ملا وہ کرنے لگی۔۔۔ کیوں نہ کرتی کہ ستارہ نے بھی بے لاگ و لپٹ کہہ دیا تھا کہ "کام کرو گی تو یہاں شیئرنگ کی بنیاد پر رہ سکو گی' وگرنہ تو اپنا راستہ ناپو۔" لہٰذا چندا فلموں میں بطور ایکسٹرا کام کرنے لگی۔ کبھی وہ برہنہ بانہیں لیے کسی ڈانس کلب میں مٹک مٹک کر ہیرو کو رجھاتی دکھائی دیتی' تو کبھی ہیروئن کی ڈھیروں سہیلیوں کی جھرمٹ

میں ہیروئن کی سالگرہ پر تالیاں بجاتی۔۔۔ تو کبھی کسی باغ میں ایکسٹرا ڈانسرز کے ساتھ تھرکتی ہوئی' نہ جانے کیا بات تھی کہ اب اس کا ساحر حسن کام نہیں آرہا تھا۔ ہر چند کہ وہ اب ہر پابندی سے آزاد تھی مگر نہ جانے کیا چیز تھی جو اب اس کے آڑے آرہی تھی۔۔۔ وہ بظاہر خاموش ہوچکی تھی مگر اس کے سلگتے دل میں کتنے طوفان پنہاں تھے' یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ راتوں کو جب کھری چارپائی پر لیٹتی تو بلا ارادہ ہی اسے اپنا شاہانہ کمرہ اس کا نرم گرم بیڈ اور کمرے کا ٹھنڈا ٹھنڈا ماحول یاد آنے لگتا تو وہ جھلا کر اٹھ بیٹھتی۔ بعض اوقات تو سگریٹ پھونکتے پھونکتے پوری رات بتا دیتی۔ ستارہ کی جب کبھی آنکھ کھلتی وہ اسے "سوجاؤ چندا" کہہ کر کروٹ بدل لیتی۔ اس کی نیندیں حرام اور زندگی تلخ ہوچکی تھی اور یہ سب کیا دھرا کس کا تھا۔ بچھو کے ڈنک مارنے سے شاید اسے اتنی تکلیف نہ ہوتی' جتنی بلبلاہٹ اس خیال سے چندا کو ہوتی تھی کہ کس صفائی سے' کتنی مہارت سے وہ مرد۔۔۔ جو اس پر جان چھڑکتا تھا جو اس کا دیوانہ تھا' اسے بے وقوف بنا گیا تھا۔ کہانی الٹی ہوگئی تھی۔ اسے جنت سے بے دخل کر دیا گیا تھا۔

"تم نے مجھے برباد کر دیا جمیل۔۔۔ کہیں کا نہیں چھوڑا۔۔۔ یہ میرا خود سے وعدہ ہے کہ میں عنقریب تمہیں ایسا مزا چکھاؤں گی۔۔۔ ایسا سبق دوں گی کہ تم زندگی بھر یاد رکھو گے۔" وہ رات کے پچھلے پہر بری طرح سے سگریٹ پھونکتی ہوئی ہذیانی انداز میں سوچ رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

"لالی! بابا کو بلاؤ' کہاں ہیں وہ' کیا کھانا نہیں کھائیں گے؟" سائر آفس سے آکر ہاتھ منہ دھو کر اب کھانا کھانے آیا تھا مگر وہ کھانے کی میز پر اکیلا تھا۔ اجیہ تو خیر اپنے کمرے ہی میں کھاتی تھی مگر وقار تو بہرحال اس کے ساتھ ہی موجود ہوا کرتے تھے۔ اسی لیے اس نے ڈونگوں کے ڈھکن ہٹا کر سالن وغیرہ دیکھتے ہوئے لالی سے دریافت کیا۔

"صاحب صبح سے کتابوں والے کمرے میں بند ہیں' انہوں نے منع کیا ہے جی کہ انہیں کوئی پریشان نہ کرے۔" لالی دکھی لہجے میں بولی۔

"خیریت۔۔۔" اس نے سالن پلیٹ میں ڈالتا ہاتھ روک کر پوچھا۔

"وہ جی۔۔۔ آپ کو تو پتا ہی ہے نا کہ میرب بی بی کتنی بیمار ہوگئی ہیں جی۔" لالی بڑی حیران کن پریشانی سے سائر کا نارمل انداز دیکھ رہی تھی۔

"اوہ۔۔۔ اپنا چمچہ واپس ڈونگے میں رکھ دیا' کسی کا فون آیا تھا؟" وہ سخت لہجے میں بولا۔

"نہیں۔۔۔ ماریہ بی بی آئی تھیں' یہاں میرب بی بی کا سامان لینے' تب صاحب کو پتا چلا۔"

"کیا بتایا اس نے؟" وہ محتاط لہجے میں نگاہیں چرا کر پوچھنے لگا۔

"بی بی کو کسی نے غلط دوائی کھلا دی ہے جی۔۔۔ اس سے ان کی طبیعت بگڑ گئی۔ کہہ رہی تھیں ان کی جان کو خطرہ ہوگیا ہے۔" سائر یک دم مضطربانہ اٹھ کھڑا ہوا اور تیزی سے لائبریری کی جانب بڑھا۔

"صاحب جی کھانا تو کھائیں۔" لالی نے پکارا۔

"رکھ دو۔۔۔ بھوک نہیں ہے۔" وہ بنا دستک دیے اندر داخل ہوا۔ کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

اس نے "بابا"۔ بابا پکارتے گھبرا کر لائٹ جلائی۔ سامنے ہی وقار کرسی پر بے حس و حرکت سر تھامے بیٹھے تھے۔

"بابا۔ بابا۔ کیا ہوا آپ کو۔۔۔؟" وہ دیوانہ وار ان کی جانب بڑھا۔ انہوں نے لال سرخ سوجی ہوئی آنکھیں اٹھا کر اجنبیت سے اسے دیکھا۔

"کون ہو تم؟" ان کے منہ سے سرسراتی آواز نکلی تھی۔

"بابا۔ میں آپ کا بیٹا۔ آپ کا سائر۔" وہ تڑپ کر ان کے گھٹنوں کے پاس آبیٹھا۔ اور ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھنا چاہا۔

"ہٹو میرے پاس سے۔" انہوں نے اس بری طرح اس کا ہاتھ جھٹکا کہ وہ ششدر رہ گیا۔ "اور خبردار جو تم

نے اب مجھے بابا پکارا تو۔"

"بابا۔ پلیز۔" وہ بے چینی سے ان کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"کیا ہوا ہے مجھے بتائیں تو سہی۔" انہوں نے ایک مرتبہ پھر اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"کیا بتاؤں میں۔ بتاؤ گے تو تم سائر۔ تم بتاؤ گے اور بالکل سچ اس کے علاوہ مجھے کچھ اور نہیں سننا۔" وہ متنبہ کرتے ہوئے بولے۔

"بابا۔ میں آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ آپ جانتے ہیں۔" وہ بے قراری سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو پھر بتاؤ کہ میرب کو پلز تم ہی نے دی تھیں یا نہیں۔" وہ اتنے سخت انداز میں بولے کہ ان کے سوال پر سائر پتھرا گیا۔ اور دونوں کی حالت اس وقت ایسی ہی تھی جیسی کہ سلطان صلاح الدین کی شمعیں گل کر دینے کا حکم دیتے وقت ہو گی۔

"جواب دو سائر۔" وہ یوں بولے گویا بہت دور سے آواز دے رہے ہوں۔

"ہاں۔" بے ساختہ سائر کے منہ سے نکلا تھا۔

"تم۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تم نے اپنی اولاد کی جان لینے کی کوشش کی۔ تم تم۔" آگے الفاظ ختم ہو گئے تو آنسوؤں نے ان کی جگہ لے لی۔

"کیا میں نے تمہاری ایسی تربیت کی تھی؟ بولو جواب دو آخر تم نے کیوں کیا ایسا؟" ان کی آنکھوں سے درد بہہ رہا تھا۔

"کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ ایک اور سائر اس دنیا میں آئے۔" وہ ہذیانی انداز میں حلق کے بل چیخا۔

"ہاں میں نہیں چاہتا کہ ایک اور زندگی برباد ہو۔ گالیاں، جھڑکیاں دھکے کوسنے اس کا مقدر بنیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ایک اور عورت اپنی خواہشوں تلے اس معصوم کی معصومیت اور بچپن کچل دے۔ اس لیے میں اسے ختم کر دینا چاہتا ہوں تاکہ جو اذیت میری روح پر آج تک رقم ہے وہ اس کا حصہ دار نہ بنے۔ میں اس کا بھلا چاہتا ہوں میں اس کا خیر خواہ ہوں۔ ہاں میں اسے مار دوں گا۔ میں کسی اور سائر کو دنیا سے چھپتا نہیں دیکھ سکتا۔ میں اسے اپنے ماضی کے ڈر سے بھاگتا نہیں دیکھ سکتا میں اس کے لیے لوگوں کی آنکھوں میں حقارت نہیں دیکھ سکتا، مجھے اس کی آنکھوں میں ممتا کی پیاس دکھائی دے رہی ہے ابھی سے۔ میں جانتا ہوں پیاس ہمیشہ تشنہ ہی رہتی ہے اور میں اسے تشنہ دیکھنے کی خود میں ہمت نہیں پاتا۔ مجھے یہ سب اذیتیں جھیلنے سے آسان اسے ختم کر دینا لگتا ہے اس لیے میں اسے ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ ختم کر دینا چاہتا ہوں۔" چیخ چیخ کر اس کا گلا چھل گیا تھا۔ اور اس کی آنکھوں سے پیاس بہہ رہی تھی تشنگی بہہ رہی تھی۔

وقار حق دق سے بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کے پاس سارے الفاظ ختم ہو چکے تھے۔

"آپ کو اگر پھر بھی ایسا لگتا ہے کہ میں غلطی پر ہوں تو بتایئے۔ بتایئے کہ میں کہاں غلطی پر ہوں۔" وہ بول رہا تھا گویا ان سے کہلوانا چاہتا ہوں کہ "نہیں تم غلطی پر نہیں ہو۔"

"جاؤ یہاں سے۔" کچھ دیر بعد وقار بھنچی ہوئی آواز میں دھاڑے۔ "چلے جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔" سائر نے ان کا ردعمل دیکھا اور بنا کچھ کہے پلٹ کر باہر نکل گیا۔ اور انہیں حساب سود و زیاں کرنے کے لیے چھوڑ گیا۔

☼ ☼ ☼

میرب کے دماغ میں پچھلے تمام واقعات فلم کی مانند چل رہے تھے۔ وہ کڑی سے کڑی ملا رہی تھی۔ جب بھی سائر غیر معمولی طور پر اس کی جانب ملتفت ہوا اسے کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آیا تھا اور پھر یہ بات تو سامنے کی تھی کہ طبیعت خراب ہونے سے قبل آخری بار اس نے دودھ ہی پیا تھا۔ کڑیاں جڑ چکی تھیں مگر دل۔ دل ماننے سے انکاری تھا، مگر کوئی حس تھی جو سائر کے مجرم ہونے کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ وہ بری طرح رو رہی تھی جب اس کے لیے جوس لاتی ماریہ بوکھلا گئی۔

"کیا ہوا۔" وہ جلدی سے اس کے قریب آئی۔

"ماریہ۔ ماریہ۔" وہ ہچکیوں کے درمیان بولی "سائر

ایسا کیسے کر سکتے ہیں وہ اتنے ظالم کیسے ہو سکتے ہیں۔"
"میری جان۔ انسان بڑی عجیب شے ہے ایک الجھی ہوئی ایسی گتھی جس کا سرا نا معلوم ہے۔ پھر سائر بھائی کا رویہ شروع ہی سے تمہارے سامنے ہے' تمہیں بارہا کہہ چکی تھی کہ ان کا ماضی جاننے کی کوشش کرو۔ انہیں کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھاؤ۔ مگر تم نے سنا ہی نہیں۔" وہ اس کے قریب بیٹھ کر اس کا ہاتھ سہلانے لگی۔
"یہ سب اتنا آسان نہیں تھا ماریہ۔"
"مسئلہ یہ ہے کہ تم ضرورت سے زیادہ ڈرپوک واقع ہوئی ہو۔ تم اگر ذرا سی ہمت سے کام لیتیں تمہارا کام یقیناً بن جاتا۔" اس نے گھرکا۔
"مجھے ان سے بہت ڈر لگتا ہے ماریہ۔ تم نے انہیں غصے میں نہیں دیکھا وہ بالکل حیوان بن جاتے ہیں۔" وہ بتانے لگی۔
"خیر۔" ماریہ منہ بنا کر بولی۔ "وہ تو ہمیشہ رہتے ہی غصے میں ہیں اور حیوان بن جانے کی تم نے خوب کہی کیا تمہیں جان سے مار دیتے۔"
"جان سے مار دیتے تو شاید ایک بار ہی ساری اذیت ختم ہو جاتی تم نہیں جانتیں ماریہ' مرد کا ہاتھ اٹھانا ایک عورت کو کیسے اپنی ہی نگاہوں میں ذلیل کر دیتا ہے۔ عورت آئینہ نہیں دیکھ پاتی۔ خود سے آنکھ نہیں ملا پاتی۔ اپنے آپ کو اپنی نظروں میں گرا دیکھنا کتنا اذیت ناک ہوتا ہے تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔" وہ رنج سے بولی۔
"سائر بھائی تم پر ہاتھ اٹھاتے تھے؟" ماریہ ہکا بکا رہ گئی۔ میرب کے آنسو بہنے لگے۔
"نہایت ہی جاہل اور نفسیاتی انسان ہے وہ' تم نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا۔ دماغ درست کر دیا ہوتا اب تک میں نے اس کا۔" وہ بھڑک گئی۔
"پلیز ماریہ ایسے مت ری ایکٹ کرو۔"
"بی بی۔ تم انیس سو ساٹھ میں نہیں جی رہی ہو' کچھ ہوش کے ناخن لو' یہ کیا بات ہوئی کہ تم اس کی خدمت بھی کرو اس سے محبت بھی کرو اس کی نسل کی آبیاری بھی کرو اور وہ جو لیا "تم سے اتنی جہالت کا مظاہرہ کرے' تم تب بھی خاموشی سے چپ چاپ اس کا ظلم برداشت کرتی رہیں' یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" وہ سخت برانگیختہ ہوئی۔
"بس ایک بار ہی انہوں نے ہاتھ اٹھایا تھا اس کے بعد نہیں۔"
"چہ خوب۔ بات ایک بار یا دو بار کی نہیں اس نے ہاتھ اٹھایا ہی کیوں؟ اور مجھے تو تم پر حیرت ہے اب بھی بیٹھی اس کی سائڈ لے رہی ہو' بجائے اس کا دماغ درست کرنے کے اور اب۔ ان کی اس خطرناک اور مجرمانہ حرکت کو کیا کہہ کر ڈیفینڈ کرو گی؟ مجھے تو پکا یقین ہو گیا ہے کہ ہو نا ہو تمہیں پلو دینے میں ان ہی کا ہاتھ ہے۔" وہ تیز تیز بولی۔ "ویسے کیا تم اب بھی اپنے لیے کوئی فیصلہ نہیں کرو گی؟"
"نہیں ماریہ۔" میرب اپنے آنسو پونچھ کر ٹھوس لہجے میں بولی "ایک عورت خود پر ہونے والا ہر جبر' ظلم' زیادتی سب کچھ برداشت کر سکتی ہے۔ مگر ایک ماں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا "وہ کسی صورت اپنے بچے پر آنچ نہیں آنے دے سکتی۔ میں نے بحیثیت بیوی کے سائر کے ہر غلط رویے کو مشکل سے ہی سہی مگر برداشت کیا مگر اب نہیں' میری برداشت کی حد یہاں آ کر تمام ہو گئی ہے ماریہ۔ میں اس گھناؤنے جرم پر انہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ پھر سے رو پڑی۔
"مگر میں تو یہ سوچ سوچ کر حیران ہوں کہ ایک باپ ایسا کس طرح کر سکتا ہے۔ آخر ان کے دماغ میں ہے کیا؟ مائی گاڈ۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ ایک بہ ظاہر پڑھا لکھا' خوبرو نوجوان اتنی بیمار ذہنیت کا حامل بھی ہو سکتا ہے۔ کچھ تو۔ کوئی تو وجہ ہو گی ان کے اس عمل کے پیچھے۔ میں نے تم سے کتنا کہا تھا تم انہیں کھوجنے کی کوشش کرو۔ مگر تم نے میری باتوں پر دھیان ہی نہیں دیا۔" ماریہ غصے سے کہہ رہی تھی۔
"میں نے کوشش کی تھی۔ مگر وہ بہت گہرے انسان ہیں ان کی ذات میں اترنا بہت مشکل ہے۔"

"انسان اگر ٹھان لے تو کچھ بھی مشکل نہیں پھر یہ تو تمہاری زندگی کا سوال تھا خیر۔ میں تو کہتی ہوں انکل اور عاشر کو صاف صاف ساری بات بتا کر اپنے لیے کوئی فیصلہ کرلو۔ ویسے بھی اب باقی ہی کیا بچا ہے؟"

"نہیں ماریہ۔ میں ایک آخری کوشش اپنا گھر بچانے کی ضرور کروں گی۔ گھر بنانا آسان نہیں ہوتا اس کے لیے دنیا کے پل صراط سے گزرنا پڑتا ہے۔ ورنہ گھر توڑنا تو بہت آسان ہوتا ہے۔" میرب گہری سنجیدگی سے بولی۔ تو ماریہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"کیا چیز ہو تم میرب! تمہاری جگہ اگر میں ہوتی۔"

"تم میری جگہ ہو ہی نہیں سکتی تھیں۔" میرب نے اس کی بات قطع کی۔

"قدرت انسان کو ہمیشہ اس کے صحیح مقام پر ہی پہنچاتی ہے۔ اگر میرے لیے اس گھر کا اس شخص کا انتخاب کیا گیا ہے تو یقیناً اس میں اللہ کی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور پوشیدہ ہوگی۔ اور بات اگر ایک زندگی کو بچانے کی سدھارنے کی ہو تو یہ تو دنیا کا افضل ترین کام ہے اور اس کام کے لیے اس نے مجھے چنا ہے" میں نہیں جانتی میں اہل ہوں یا نہیں مگر میں کوشش ضرور کروں گی کہ اب تو یہ ایک نہیں دو زندگیوں کا سوال ہے۔" وہ اتنے ٹھہرے اور پر تاثیر لہجے میں بولی کہ ماریہ اس کی آنکھوں کی چمک دیکھ کر ششدر رہ گئی۔

اور اس کے بعد کہنے کے لیے رہ ہی کیا جاتا تھا۔

☆ ☆ ☆

ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ بے چین، مضطرب اس نے جو کیا تھا اس کے پاس اس کی توجیہہ تھی۔ مگر وہ بے قرار کیوں تھا یہ وہ نہیں جانتا تھا۔ وہ یوں ہی ملگجے حلیے میں بنا ناشتہ کیے میرب سے ملنے کیوں چلا آیا تھا۔

"میرب کہاں ہیں بلاؤ اسے۔" سامنے سے سعد آرہا تھا اسے دیکھ کر وہ رعونت سے بولا۔ سعد ہمیشہ اس کا لہجہ نظر انداز کرتا آیا تھا مگر آج نجانے کیوں بھڑک گیا۔

"تمیز سے بات کیجیے مسٹر سائر فاروقی۔ یہ آپ کا محل نہیں میرا غریب خانہ ہے اور یہاں گفتگو کرنے کے کچھ آداب بھی ہیں۔"

"تو تم مجھے تمیز سکھاؤ گے؟" وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا اس کے نزدیک آکر غرایا۔

"نہیں۔" سعد طنزیہ بولا "آپ کی عمر کچھ سیکھنے سکھانے کی حدود سے تجاوز کر چکی ہے۔"

"بکواس بند کرو۔" وہ چیخا۔ "بلاؤ میرب کو مجھے اس سے بات کرنی ہے۔" اس کے چلانے پر گھبرا کر سعدیہ باہر نکلیں۔

"کیا ہوا؟ اچھا تو تم ہو۔" اسے دیکھ کر وہ بھی آگ بگولہ ہو گئیں۔

"اب کیا لینے آئے ہو ادھر؟"

"مجھے میرب سے ملنا ہے۔" وہ دھیما ہوا البتہ نقوش اب بھی تنے ہوئے تھے۔

"کیوں بیٹا اب مل کر کیا کرو گے اس سے۔ زندہ ہے یا مرگئی کیا دیکھ کر یہ تسلی کرنا چاہتے ہو؟" ان کا طنزیہ انداز اسے بہت برا لگا۔

"وہ میری بیوی ہے۔ مجھے اس سے ملنے کا پورا حق ہے۔"

"بہت خوب۔ یہ حقوق و فرائض آپ کو پچھلے دو دن سے یاد نہیں آئے تھے کیا۔ مارنے میں تو اسے آپ نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اب اس سے مل کر کیا کریں گے۔" یہ ماریہ تھی۔

"تم سب اچھا نہیں کررہے۔ میں تم لوگوں کے خلاف اپنا قانونی حق استعمال کروں گا۔" وہ بھنا کر انگلی اٹھا کر تنبیہہ کرنے والے انداز میں بولا۔

"قانونی حق تو میں بھی استعمال کرسکتی ہوں سائر۔" نحیف و نقاہت آمیز آواز پر سب نے بے ساختہ پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔

"ارے تم کمرے سے کیوں نکلیں؟" ماریہ بے ساختہ اسے تھامنے، جو کرسی کو تھامے ہوئے تھی آگے بڑھی۔ سائر یک ٹک اسے دیکھے گیا۔

"بات تو مجھے بھی آپ سے کرنی ہے سائر! دو ٹوک اور آخری بار۔"

"تم بیٹھ جاؤ آرام سے۔" ماریہ نے اسے پکڑ کر کرسی پر بٹھایا۔

"ہاں تو کہیے۔ جو آپ کو کہنا ہے' اس کے بعد میں وہ کہوں گی جو میں کہنا چاہتی ہوں۔" سعد' سعدیہ اور ماریہ ایک ملامتی اور کاٹ دار نگاہ سائر پر ڈال کر وہاں سے چلے گئے۔

"گھر چلو۔" وہ نگاہیں چرا کر بولا۔

"گھر یا مقتل گاہ۔ ایک نیا زخم کھانے کے لیے؟" میرب نے شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھا۔ سائر خاموش رہا۔ وہ کچھ دیر اسے منتظر نگاہوں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔

"آپ جانتے ہیں آپ نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟ آپ نے میری روح کو تار تار کر دیا ہے۔ میرے کلیجے پر ہاتھ ڈالا ہے آپ نے' آپ نے قتل کرنے کی کوشش کی' مجھ سے اتنا بڑا اعزاز چھین لینا چاہا' میں آپ کو معاف نہیں کر سکتی' بالکل معاف نہیں کر سکتی۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

سائر کچھ دیر اسے روتے دیکھتا رہا پھر اسے لگا جیسے وہ دو منٹ مزید یہاں کھڑا رہا تو پگھل جائے گا۔ اور وہ پگھلنا نہیں چاہتا تھا سو الٹے قدموں بنا کچھ کہے تیزی سے باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد میرب نے چہرے سے ہاتھ ہٹایا۔ کمرے میں اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا جیسے اس کے دل میں سائر کے علاوہ۔

"کیا کروں میرے اللہ مجھے کوئی راستہ دکھادے۔" اس نے دل سے فریاد کی تھی۔ تب ہی اس کے ذہن میں ایک خیال روشن ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

چندا اپنی دیگر ساتھیوں کے ساتھ باغ میں ہیروئن کی آمد کے انتظار میں گرمی دھوپ پسینے سے بے حال بیٹھی سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہی تھی۔

"یار ایک تو ان ہیروئنوں کے بڑے نخرے ہوتے ہیں ہمیں گھنٹوں دھوپ اور گرمی میں سڑنا پڑتا ہے جبکہ وہ مزے سے ٹھنڈی گاڑی میں بیٹھ کر آتی ہیں گانا ریکارڈ کروایا اور یہ جا وہ جا۔ میں تو سوچ رہی ہوں میں بھی ہیروئن ہی بن جاؤں۔" ایک گہری سانولی اور بھدی سی اداکارا نے خیال آرائی کی۔

"کوئی بنائے تو بن جا۔" دوسری نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ہاں تو کیوں نہیں بنائے گا مجھ میں کوئی کمی ہے کیا۔" وہ اترائی۔

"کمی ہی تو نہیں ہے تجھ میں۔ ہر طرف زیادتی ہی زیادتی ہے۔" دوسری نے اس کا حدود اربعہ ناپتے ہوئے بے ہنگم قہقہہ لگایا۔ اور ان کی نوک جھونک سے قطع نظر چندا کی نگاہیں افق پر نجانے کیا تلاش کر رہی تھیں پھر اس کی نگاہیں افق سے ہٹ کر اک منظر پر جم گئیں۔ سائیڈ ہیروئن سیٹ پر آچکی تھی اور اس کے ساتھ چھتری تانے چلتا ہوا اس کا منیجر آصف بھی۔ وہ بڑے خوشامدانہ انداز میں اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ چندا کو محسوس ہوا جیسے اس کے وجود میں چیونٹیاں سی رینگ رہی ہوں' اس نے سگریٹ پھینکی اور اٹھ کھڑی ہوئی اور آؤ دیکھا نہ تاؤ جا کر اس پر پل پڑی۔ ہیروئن گھبرا کر جلدی سے اس سے دور ہوئی آن واحد میں وہاں ٹھیک ٹھاک تماشا کھڑا ہو گیا۔ آصف اٹھا اس نے بھی پے در پے کئی تھپڑ اس کے منہ پر دے مارے۔

"ذلیل عورت' تیری یہ ہمت۔"

"لالچی کمینے' مجھے برباد کر دیا تو نے اور تو مزے کر رہا ہے۔"

"برباد میں نے تجھے نہیں۔ تیری بے لگام خواہشوں اور اونچے اونچے خوابوں نے تجھے کیا ہے۔ بڑی آئی تھی ہیروئن بنوں گی۔ ٹکے کی صلاحیت نہیں اور چلی تھی دنیا فتح کرنے۔" اس نے اپنا پیر سہلاتے ہوئے کہا جہاں چندا نے اپنی سینڈل سے ضرب لگائی تھی۔

"میں تیرا خون پی جاؤں گی۔" وہ مزید بھڑک اٹھی۔

"سیکیورٹی۔۔۔ سیکیورٹی' یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے

یہاں۔۔۔ نکالو ان دونوں کو یہاں سے۔" اسی وقت ڈائریکٹر کی انٹری ہوئی تھی دومنٹ کے اندر اندر سیکورٹی گارڈز نے دونوں کو اٹھا کر لوکیشن سے باہر پارکنگ میں پھینک دیا تھا۔ آصف پر جنون سوار ہو گیا۔

"کمینی۔۔۔ بدکردار۔۔۔ خود تو تباہ ہو ہی گئی اب مجھے بھی کرنا چاہتی ہے' اتنی دقتوں کے بعد ترنم کو پٹایا تھا تو نے ساری محنت برباد کر دی۔" وہ اس کے بال پکڑ کر جھٹکے دینے لگا۔ وہ درد سے بلبلا اٹھی۔

"چھوڑ مجھے۔۔۔ چھوڑ۔" دونوں لڑتے ہوئے تیزی سے موڑ کاٹ کر پارکنگ میں داخل ہوتی گاڑی کی زد میں آئے تھے۔

ایک دل خراش چیخ چندا کے لبوں سے آزاد ہوئی اور اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا کہہ گیا ہے سائر؟" وقار پوری رات کرسی پر بیٹھے یہی سوچتے رہے تھے۔

"میری ریاضت۔۔۔ میری محنت سب رائیگاں گئی۔ میں اس کے ذہن کو بدل نہیں پایا۔ اس کے اندر آج بھی وہی پانچ' چھ سال کا بچہ کنڈلی مارے بیٹھا ہے' جو عورت کے وجود سے خائف ہے' متنفر ہے' بددل ہے' بے یقین ہے' کیا کوئی کسی پر اپنے اتنے گہرے اثرات چھوڑ سکتا ہے؟"

"کیوں نہیں؟" کوئی ان کے اندر ہنسا۔ اولاد سب سے زیادہ متاثر اپنے والدین ہی سے ہوتی ہے۔ اگر سائر نے دنیا کی ہر عورت کو اسی تناظر میں دیکھنا شروع کر دیا ہے تو اس میں عجیب کیا ہے۔

تو یہ ثابت ہوا کہ میں ہار گیا۔۔۔ میں اس بے وفا عورت کے اثرات سے اپنے بچوں کو بچا نہیں پایا۔ اور وہ جیت گئی۔ وہ ان کی زندگیوں سے دور ہوتے ہوئے بھی جیت گئی۔" روتے روتے ان کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا اور چوبیس گھنٹوں سے اناج کا ایک دانہ بھی انہوں نے منہ میں نہیں ڈالا تھا۔ تب ہی دروازے پر دستک دے کر لالی اندر آئی۔

"صاحب جی! آپ کے لیے کچھ کھانے کو لے آؤں۔" وہ لواسی سے بولی۔

"نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔" انہوں نے حسب سابق جواب دیا۔

"اچھا جی۔" وہ جیسے تھک کر بولی۔ "یہ ڈاکیا دے گیا ہے آپ کے نام کا لفافہ۔" اس نے ایک پھولا ہوا سفید بڑا سا لفافہ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ وہ یہی دینے آئی تھی۔ دے کر لوٹ گئی۔ وقار نے دھندلی آنکھوں سے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ کالے مارکر سے واضح لکھا تھا "ارجنٹ" انہوں نے ناچار لفافہ چاک کیا۔ دل و دماغ کی حالت جیسی بھی ہو دنیا کے دھندے نمٹانے ہی پڑتے ہیں۔ اندر سے نکلتے انگلش فیشن میگزین کے چکنے کور پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انہیں حیرت ہی ہوئی کہ یہ بھلا انہیں کون بھیج سکتا ہے؟ میگزین کے بیچ سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ ان کی گود میں آ گرا۔ انہوں نے کاغذ کھولا اور ان کی نگاہیں سطروں پر پھسلنے لگیں۔

جوں جوں وہ خط کی عبارت پڑھتے گئے ان کے چہرے کی رنگت متغیر ہوتی گئی۔ خط ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا اور کھلے ہوئے میگزین کے موڑے ہوئے صفحے پر ان کی نظر پڑی۔ بس اس سے زیادہ سہنے کی ان میں تاب نہیں تھی۔ وہ دل پکڑ کر دوہرے ہو گئے۔

"صاحب جی۔" "نہیں کھانا نہ سہی چائے دینے کی غرض سے اندر آتی لالی کے ہاتھ سے کپ چھوٹ کر چکنا چور ہو گیا تھا۔ ان کے نزدیک آ کر ان کی پیٹھ سہلاتی نگران کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ چکے تھے۔

☆ ☆ ☆

"کیا میں نے کچھ غلط کر دیا ہے؟" سائر بہت ریش ڈرائیو کر رہا تھا۔

"مگر نہیں۔ میں نے کہاں کچھ غلط کیا ہے' ایک زندگی کو رلنے سے بچایا ہے' تباہی سے' برباد ہونے سے محفوظ بنایا ہے۔ تو پھر اتنے سارے لوگ مجھ سے نالاں کیوں ہیں۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو ان سب کا خفا

ہونا کیا معنی رکھتا ہے اور میرب ۔۔۔" یہاں آکر وہ الجھ گیا۔

"وہ مجھے قاتل کیوں کہہ رہی تھی۔ ابھی رو رہی ہے بعد میں اس کی آنکھوں میں ہی وہ ننھا وجود سب سے پہلے کھٹکنا شروع ہو جائے۔ ہو نہ ہو ڈرامہ باز عورت ۔۔۔ اپنی چال بازی اور مکر میں مجھے الجھانا چاہتی ہے، مگر میں بے وقوف ہوں نہ اس کی باتوں میں آنے والا۔ سب جانتا ہوں میں۔" تب ہی اس کی لایعنی سوچوں کا سلسلہ ایک جھٹکے سے ٹوٹا اور اس نے بے ساختہ ہی بریک لگائے تھے کہ اس کی گاڑی کے سامنے پیلی نیکر میں ملبوس شرٹ سے بے نیاز بچہ یک دم ہی کہیں سے نمودار ہوا تھا۔

بریک لگاتے لگاتے بھی ہلکی سی ٹکر بچے کو لگ ہی گئی تو وہ بے چارہ سڑک پر بری طرح گرا تھا۔ سائر کے حواس مختل ہو گئے۔

"ہائے میرا بچہ۔۔۔ میرا لال۔" ایک نہایت خستہ حلیے والی عورت اسے اٹھا کر بری طرح چومنے لگی۔ سائر میکانکی انداز میں گاڑی سے اترا اور گود میں بچہ اٹھائی ہوئی عورت کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

"یہ تمہارا بچہ ہے؟"

"میرا بچہ۔۔۔ میرے جگر کا ٹکڑا، صاحب جی آپ نے تو اسے زخمی کر ڈالا۔" وہ روتے ہوئے بے بسی سے بولی۔

"تمہارے کتنے بچے ہیں؟" سائر اسے محویت، مگر غائب دماغی سے دیکھ رہا تھا۔

"چھ ہیں جی۔۔۔ یہ سب سے چھوٹا ہے۔ باپ ان کا نشہ کرتا ہے اسے کوئی اور کام دھندا نہیں۔ گھر کا خرچا میں لوگوں کے برتن جھاڑو کر کے پورا کرتی ہوں، اب تو میرے پاس پیسے بھی نہیں بچے اس کی چوٹ کو کہاں دکھاؤں۔" وہ سسکیوں ہچکیوں روتی رہی۔ بچہ الگ درد سے چلا رہا تھا۔

"تمہیں اس سے محبت ہے؟" سائر نے عجیب طرح سے عجیب تر سوال کیا۔

"کس ماں کو اپنے بچے سے محبت نہیں ہوتی جی۔ ہم غریب ہیں تو کیا ہوا ہمارے اندر بھی سوہنے رب نے بالکل آپ لوگوں جیسا دل لگا رکھا ہے۔ ہم اپنی محبت بچوں کو اچھے اچھے اور مہنگے کھلونے دلا کر نہیں جتا سکتے۔ ہم ایک وقت خود فاقہ کر کے بچوں کو دو وقت روٹی کھلا کر ہی اپنی محبت دکھا سکتے ہیں۔" اس کا لہجہ اور آنسو بڑے معتبر تھے۔

"اگر میں کہوں کہ اپنا یہ بچہ کسی کو دے دو یا مار دو تو تم کیا کرو گی؟"

"نہ جی نہ۔ میں کیوں اپنے جگر گوشے کو خود سے الگ کروں، کیوں دوں کسی کو، کیوں ماروں اس کو، میں کہنے والے ہی کو نہ ختم کر دوں۔" وہ خطرناک تیور سے اسے دیکھنے لگی۔ سائر اس کا گہرا سانولا چہرہ دیکھنے لگا۔ اس کے گرد ایک نور کا ہالہ تھا۔ ایک چاندنی کا حصار تھا۔ ایک مقناطیسی کشش تھی۔

جو اسے اس خوب صورت ترین عورت میں کبھی محسوس نہ ہو سکی جو اس کی "ماں" تھی۔

یقیناً وہ اس عورت کے وجود پر چھایا ممتا کا نور تھا جو اس بے حس اور خود غرض اور خود پرست عورت پر کبھی چھا ہی نہ سکا تھا۔ اس مصروف سڑک کے دوسرے کونے میں زمین پر گھٹنے کے بل بیٹھا بے یقین سائر زندگی کا ایک نیا سبق ایک ان پڑھ اور غریب ترین عورت سے پڑھ رہا تھا۔

"ماں۔۔۔ درد ہوتا ہے۔" بچہ درد سے بلبلایا تو ماں اسے بے تحاشا چوم رہی تھی اور سائر کو اب کچھ عجیب طرح سے دیکھ رہی تھی۔

"یہ لو۔" سائر نے اپنی جیب سے سارے نوٹ بنا گنے اسے دیتے ہوئے کہا۔ "اپنے بچے کا علاج کروا لینا۔"

"یہ۔۔۔ یہ تو بہت زیادہ ہیں صاحب۔" وہ غریب عورت اتنے بہت سے نوٹ ایک ساتھ دیکھ کر گھبرا گئی۔

"نہیں، بہت نہیں ہیں۔ یہ بہت کم ہیں، مگر فی الحال میں یہی تمہیں دے سکتا ہوں۔ تمہارا گھر کہاں ہے۔" عورت نے سامنے خالی پلاٹ پر بنائی گئی

جھگیوں کی جانب اشارہ کر دیا۔
"ہاں ٹھیک ہے۔ میں پھر آؤں گا۔" وہ اٹھا اور گاڑی میں بیٹھ کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگا پھر گاڑی اسٹارٹ کر کے تیزی سے بھگا لے گیا۔
"سودائی۔۔۔" وہ عورت ہکا بکا ہی سائر کو جاتے دیکھ کر بڑبڑائی۔
"ماں درد ہوتا ہے۔" بچے نے پھر صدا لگائی۔
"چل کا کے تیری پٹی کروا لاؤں۔ پھر تجھے تیری پسند کے مرغی کے کباب بھی بڑی دوکان سے دلواؤں گی۔"
"سچ ماں؟" بچے کی پیلی آنکھیں روشن ہو گئیں۔
"ہاں۔۔۔ ہاں چل۔ اب جلدی چل۔" وہ اسے گود میں اٹھا کر تیز تیز چلنے لگی۔
"پتا نہیں کون دیوانہ تھا اور کیسے کیسے سوال کر رہا تھا کم عقل۔" اسے رہ رہ کر سائر پر حیرت ہو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

گاڑی کی ٹکر نے دونوں ہی کو بری طرح گھائل کیا تھا۔ آصف کی کمر کی ہڈی جبکہ چندا کی سیدھی ٹانگ کا ٹخنہ متاثر ہوا تھا۔ کئی دن وہ اسپتال میں پڑی اپنی مختصر سی جمع پونجی سے اپنا علاج کرواتی رہی پھر جوں ہی پیسے ختم ہوئے علاج بھی تمام ہوا نتیجتاً" اس کے پیر میں لنگڑاہٹ آگئی جو کام مل رہا تھا وہ ملنا بند ہوا" اسے کھانے پینے کے لالے پڑ گئے ایسے وقت میں ستارہ نے اس پر نہ صرف رحم کھایا بلکہ اسے زندگی گزارنے کے لیے صائب مشورہ بھی دیا۔
وہ ایک پارلر میں کام سیکھنے لگی۔ بعد میں اسی پارلر میں تھوڑی تنخواہ پر نوکری بھی کر لی۔ وہ مکمل طور پر تباہ و برباد ہو چکی تھی، مگر اس نے اب بھی شکست تسلیم نہیں کی تھی۔ اب اس کی زندگی کا اگر کوئی مقصد تھا تو وہ جمیل کی بربادی تھی۔ ایسی بربادی جس سے اس کی روح کانپ اٹھے۔ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے دو تین بار جمیل کے گھر جا کر آفس جا کر دیکھا بھی، مگر تب یہ جان لیوا خبر ملی کہ جمیل نہ صرف شہر چھوڑ چکا ہے بلکہ اپنا گھر اپنا کاروبار بھی کہیں اور منتقل کر چکا ہے۔ کہاں۔۔۔ یہ کسی کو نہیں پتا تھا۔
جن کو معلوم تھا چندا ان کے لیے مر چکی تھی۔
اس روز زندگی میں پہلی بار وہ اتنا روئی کہ لگا رو رو کر جان ہی دے دے گی، مگر نہیں۔۔۔ ابھی اسے بہت جینا تھا۔

☆ ☆ ☆

سائر آندھی طوفان کی مانند گھر پہنچا تھا۔ وہ راستے ہی میں تھا جب لالی کی کال اسے موصول ہوئی۔ وہ جلدی سے انہیں اسپتال لے آیا اور اب وہ آئی سی یو میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے۔ سائر کسی خوف زدہ بچے کی مانند اس ٹھنڈے یخ اور اعصاب شکن مخصوص ماحول والے کاریڈور' دیوار پر لگے آف وائٹ ٹائلز سے سر ٹکائے آنکھیں موندے ہوئے تھا۔ آنسو ایک قطار کی صورت آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔
"یا میرے اللہ۔۔۔ یہ کیا ہو گیا' میرے پیارے بابا جان میری ذلیل حرکت کی وجہ سے ان حالوں کو پہنچے ہیں' اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ آخر کیوں۔ کیوں میں نے انہیں دکھ پہنچایا' انہوں نے ہمیں کیا نہیں دیا۔ باپ کی شفقت کے ساتھ ساتھ ماں کی محبت' مگر جواباً" میں نے انہیں کیا دیا۔" وقت تھا کہ ریت کی مانند ہاتھوں سے پھسلا جا رہا تھا اور ہر گزرتا ہوا لمحہ اس کے پچھتاوے میں اضافہ ہی کر رہا تھا تب ہی اس کے فون کی بیل بجی۔ وہ بری طرح چونکا پھر پاکٹ سے فون نکال کر آنسو پونچھتے ہوئے ریسیو کیا۔
"ہیلو۔" اس نے مضمحل سی آواز میں کہا۔
"بیٹا سائر۔۔۔ یہ کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہم پر۔ ایسا کیا ہو گیا آخر؟" مہ پارہ روتے ہوئے بولیں۔ سائر نے بمشکل تمام خود پر قابو پا کر کہا۔
"بس خالہ جان۔۔۔ آپ دعا کریں۔"
"میں نے تو کوئی اور ہی بات کرنے کے لیے وقار بھائی کو فون ملایا تھا تو گھر سے یہ خبر ملی۔۔۔ اجیہ کہاں ہے۔" ان کے پوچھنے پر سائر کو اس کا خیال آیا۔

"کالج میں ہے۔ ابھی اسے یہ خبر نہیں ملی۔"

"میں نے دستیاب فلائٹ لے لی ہے' میں دو گھنٹے تک پہنچ رہی ہوں کراچی۔ میرے خدایا۔۔۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا یہ سب ہو کیا رہا ہے۔ میرب کہاں ہے اس کی طبیعت کیسی ہے۔"

"اپنے گھر پر۔" اس نے مختصراً" بتایا۔ ڈاکٹر تیزی سے اس کے نزدیک آرہا تھا اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگے۔

"کیا ہوا ڈاکٹر؟" وہ ہراساں ہو کر بولا۔

"آپ دعا کریں ہم پوری کوشش کر رہے ہیں اور یہ انجکشن فوراً" لے کر آئیں۔"

"اوکے ڈاکٹر۔۔۔" اس نے ڈاکٹر سے پرچا لیتے ہوئے کہا پھر مہ پارہ سے مخاطب ہوا۔

"اچھا خالہ جان۔۔۔ میں رکھتا ہوں۔"

"اوکے بیٹا۔ گھبرانا مت' میں بس ان شاء اللہ پہنچ ہی رہی ہوں۔"

☆ ☆ ☆

"اب تک تو تیری تصویریں تیرے باپ تک پہنچ چکی ہوں گی۔" اجیہ کالج سے نکل رہی تھی جب اسے نگی کی کال موصول ہوئی۔

"اچھا۔" وہ بے ساختہ بولی۔ "تب تو پھر میں گھر جانے کی بجائے آپ کی طرف آجاتی ہوں۔ نجانے وہاں کیا صورت حال ہوگی۔"

"ارے بے عقل۔" اس نے جیسے سر پیٹا اپنا۔ "تو وہاں جا کر تو دیکھ' وہاں جائے گی نہیں تو دیکھے گی کیسے کہ وہاں کیا قیامت مچائی ہے تیری تصویروں نے۔"

"مگر مجھے ڈر لگ رہا ہے امی۔" وہ خوف زدہ سی بولی۔ "نجانے بابا اور سائر بھائی میرے ساتھ کیا سلوک کریں۔"

"اتنا ڈرنے اور گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ برا مان گئی۔ "جا کر دیکھو تو کہ مجھے برباد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ تمہارے دل کو کھلونا سمجھنے والوں پر کیا بیتی اور پھر تمہیں آنا تو بہرحال یہیں پڑے گانا۔ تو آجانا۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" وہ یوں مرے مرے انداز میں بولی گویا دل سے راضی نہ ہو۔

"ٹھیک کہتے ہیں سیانے۔" نگی فون بند کرنے کے بعد سوچ رہی تھی۔ "کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں۔۔۔ کل تمہارا داؤ مجھ پر بھاری پڑا تھا جمیل۔۔۔ آج میرے مہرے نے تمہیں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔۔۔ میری اذیت اور ناکامی کا باب اب بند ہوا چاہتا ہے اور آج سے تمہارے سکون اور نیک نامی کے دن گنے جاچکے۔ برسوں پہلے جو زخم تم نے مجھے دیا تھا۔ جمیل آج اس کا بدلہ میں نے لے لیا ہے کہ بہت سالوں سے یہی میری زندگی کا مقصد تھا۔۔۔ اس روز تم فتح کا جشن منا رہے تھے آج میری باری ہے۔ ہاہاہا۔" اس نے دیوانوں کی طرح پورا منہ کھول کر ہذیانی قہقہہ لگایا اور اپنے سامنے رکھی بوتل میں سے مشروب انڈیلا اور غٹاغٹ چڑھا گئی۔

اس کے رگ و پے میں۔ ایک عجیب سی سرمستی اور سرور چھا رہا تھا۔ سراسر عارضی سرور۔

☆ ☆ ☆

مہ پارہ ایئرپورٹ سے سیدھی اسپتال چلی آئیں۔ بکھرے بکھرے حلیے میں سوجی آنکھوں والے متوحش سے سائر کو دیکھ کر ان کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"اب کیا کہتے ہیں ڈاکٹرز۔" مہ پارہ نے پوچھا۔

"چوبیس گھنٹے بہت اہم ہیں۔" اس نے مختصراً" بتایا۔ اور سینے پر ہاتھ باندھے یونہی کھڑا رہا۔

"ان شاء اللہ' اللہ اپنا کرم کرے گا۔ تم کیوں اتنے فکر مند ہو رہے ہو۔ اور تم اکیلے کیوں ہو یہاں۔ میرب کے گھر والوں کو اس وقت تمہارے ساتھ ہونا چاہیے تھا' ظاہر ہے اس شہر میں تمہارا ان کے علاوہ کوئی رشتے دار بھی تو نہیں۔" انہیں ہلکا سا غصہ آیا۔

"میں نے انہیں فون نہیں کیا۔" وہ نگاہیں چرا کر بولا۔

"بیٹا حد کرتے ہو۔ انہیں اطلاع تو دینی چاہیے تھی۔ رکو میں کرتی ہوں میرب کو فون اور یہ اجیہ کہاں

ہے۔ کیا اسے بھی تم نے ابھی تک انفارم نہیں کیا؟" وہ میرب کو فون ملاتے ہوئے بولیں۔ پھر کچھ سوچ کر رک گئیں۔

"ہو گی کالج میں مجھے کچھ نہیں پتا۔ مجھے اس وقت خود اپنی خبر نہیں ہے خالہ! میں کسی کے بارے میں کیا کہوں۔ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میری ہی وجہ سے وہ ان حالوں کو پہنچے ہیں۔" وہ انتظار گاہ میں نصب کرسی پر بیٹھتا ہوا سر بالوں کو مٹھی میں بھینچتے ہوئے بولا۔

"تمہاری وجہ سے۔" مہ پارہ تعجب سے بولیں۔

"کیوں سائر! ایسا کیا کیا ہے تم نے؟"

"میں نہیں بتا سکتا آپ کو۔۔۔ میں نے سب کچھ ختم کر دیا ہے۔" وہ زارو قطار رونے لگا۔ مہ پارہ بھی آبدیدہ ہو گئیں۔ پھر پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

"نہیں بیٹا! اپنے آپ کو قصور وار مت ٹھہراؤ۔"

"نہیں، خالہ نہیں سارا قصور میرا ہے۔ میں نے ہی انہیں دکھ پہنچایا ہے۔ وہ اپنی تربیت کو رائیگاں جاتا دیکھ کر برداشت نہیں کر سکے۔"

وہ بری طرح رو رہا تھا اور اس کے رونے میں ندامت تھی، شرمندگی تھی، پچھتاوا تھا۔

"آخر ایسا کیا کر دیا تھا اس نے؟" مہ پارہ نے ازحد تشویش سے سوچا۔ اس سے پوچھنا بے کار تھا کہ وہ کچھ بتانے پر آمادہ ہی نہیں تھا۔ انہوں نے ایک بار پھر میرب کو کال ملانے کا سوچا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں اب فائیو اسٹینڈرڈ میں آ گیا ہوں۔ مجھے اب اپنا لاہور والا بڑا سا گھر، خوب صورت پھولوں سے سجا گارڈن۔ اپنے پرانے فرینڈز۔ اسکول ٹیچرز کچھ بھی بہت زیادہ یاد نہیں آتا۔ زینت بی بی بھی ہمیں چھوڑ کر اپنی بہن کے پاس ہمیشہ کے لیے چلی گئی ہیں۔ اب ہمارے پاس نئی میڈ ہے، ان کا نام صفیہ ہے۔ یہ بہت سخت اور اصول پرست ہیں، مجھ سے زیادہ باتیں بھی نہیں کرتیں، سارا وقت روتی ہوئی اجیہ کو گود میں جو اٹھانا پڑتا ہے وہ بہت کمزور اور چڑچڑی بے بی ہے۔ بابا کراچی آ کر بہت زیادہ بزی رہنے لگے ہیں، مگر وہ جب بھی کام سے واپس آتے ہیں مجھے اور اجیہ کو اپنے پاس اپنے ساتھ ہی بٹھا کر رکھتے ہیں۔ میں تو سوتا بھی ان کے ساتھ ہوں۔ اجیہ رات میں ڈسٹرب بہت کرتی ہے اس لیے میڈ کے پاس سوتی ہے۔ میں اب زیادہ باتیں نہیں کرتا۔ فرینڈ بھی نہیں بناتا۔ فرینڈز گندے ہوتے ہیں۔ میری مما کے اتنے سارے فرینڈز تھے انہوں نے ان کے لیے بابا سے لڑائی کی اور ہمیں چھوڑ دیا۔ پیاری ڈائری میں اپنی ساری باتیں اس لیے تمہیں بتا رہا ہوں کیونکہ تم سب سے اچھی دوست ہو۔ تم یہ ساری باتیں کسی کو نہیں بتا سکتیں۔ پرامس کرو نہیں بتاؤ گی نا۔ کیونکہ بابا کہتے ہیں اپنی فیملی کی بات دوسروں سے کرنا بری بات ہوتی ہے۔ دوسرے آپ کی انسلٹ کرتے ہیں، آپ کو دکھ پہنچاتے ہیں، مگر آئی ہوپ کہ تم ایسا نہیں کرو گی۔ نہیں کرو گی نا؟"

میرب نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ ڈائری بند کی۔

کیا بند تھا ان ڈائریوں میں۔ یہ راز اب اس پر منکشف ہو چکا تھا۔ اس کا فون بج رہا تھا اس نے ایک گہری سانس لے کر خود کو نارمل کرنے کی سعی کی۔

"ہیلو میرب بیٹا۔۔۔ میں مہ پارہ بات کر رہی ہوں۔"

"جی خالہ جانی! السلام علیکم کیسی ہیں آپ۔"

"بیٹا۔۔۔ اب کیا کہوں۔ تمہاری طبیعت تو خود ٹھیک نہیں۔"

"نہیں میں ٹھیک ہوں آپ بتایئے۔" اس کی حسیات الرٹ ہو گئیں۔

"کیا تم جانتی ہو کہ وقار بھائی اور سائر کے بیچ کیا ٹینشن ہوئی ہے؟"

"ٹینشن۔۔۔ شاید ہاں جانتی ہوں۔" وہ سوچ کر بولی۔

"مگر کیوں خالہ۔۔۔ آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔"

"بس بیٹا۔۔۔ دعا کرو وقار بھائی اسپتال میں ہیں۔ دعا کرو کہ وہ ساتھ خیریت کے گھر واپس آ جائیں۔" وہ

بولیں۔
"کیا؟" میرب کو دھچکا لگا۔ "بابا ہوسپٹلائزڈ ہیں کیا ہوا انہیں خیریت سے تو ہیں وہ۔"
"سب ٹھیک ہے، بس تم دعا کرو۔" وہ اتنے متوحش انداز میں بولی کہ مہ پارہ کو اسے بتانے پر افسوس سا ہونے لگا مگر ظاہر ہے بتانا بھی ضروری تھا۔
"میں آتی ہوں اسپتال۔" اس نے کہا۔ مہ پارہ ارے ارے ہی کرتی رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

اجیہ ڈرے سہمے انداز میں گھر کے اندر داخل ہوئی، مگر وہاں اس کی توقع کے برخلاف سب ہی کچھ نارمل تھا۔ وہ بنا رکے سیدھی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ آج اسے یہ قفس... یہ زنداں ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینا تھا۔ اس لیے کسی بھی بات سے زیادہ اسے اس بات کی فکر لاحق تھی، مگر نجانے کیابات تھی کہ بار بار اس پر گھبراہٹ طاری ہو جاتی تھی۔
"اب جو بھی ہو دیکھا جائے گا۔" اس نے دل کو ڈپٹا تھا۔

☼ ☼ ☼

میرب، ماریہ، سعدیہ اور سعد کے ہمراہ فوراً" ہی اسپتال پہنچی تھی اور اب مہ پارہ کے گلے لگی رو رہی تھی۔ سائر بڑی خاموش نگاہوں سے ان سب کو دیکھ رہا تھا۔
"بیٹا کیوں رو رو کر خود کو ہلکان کر رہی ہو۔ اپنی حالت دیکھو۔ تمہیں تو گھر پر رہ کر آرام کرنا چاہیے تھا۔" مہ پارہ نادم لہجے میں بولیں۔
"میں نے خوامخواہ تمہیں پریشان کر دیا۔"
"نہیں آپ نے اچھا کیا جو اطلاع دے دی، آخر کڑے وقت میں انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔" سعدیہ نے آگے بڑھ کر سائر کے کندھے پر مشفقانہ انداز میں ہاتھ رکھا۔
"تو بھلا بتاؤ۔ بچہ بے چارہ اکیلا پریشانی جھیلتا رہا اگر اپنے ساتھ ہوں تو فکر آدھی ہو جاتی ہے۔ اب تم بالکل فکر مت کرو، دیکھ لینا بھائی صاحب ان شاء اللہ جلد ہی صحت یاب ہو جائیں گے۔"
"ان شاء اللہ آمین..." اس نے کہا تھا۔ تب ہی ڈاکٹر ایک مرتبہ پھر ان کی جانب آتا دکھائی دیا۔ سب یک دم خوف سے الرٹ ہو گئے۔
"فی الحال وہ خطرے سے باہر ہیں، مگر پھر بھی چوبیس گھنٹے نہایت اہم ہیں۔ ہم نے انہیں انڈر آبزرویشن رکھا ہے آپ بھی دعا کریں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔
"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" بے ساختہ سائر کا مرجھایا چہرہ کھلا تھا۔ سب ہی اس اطلاع پر اطمینان محسوس کر رہے تھے۔
"اب ایسا کرو بیٹا۔ ہم لوگ یہیں ہیں۔ تم جاؤ مہ پارہ کے ساتھ گھر پر کچھ دیر آرام کر لو۔ فریش ہو کر پھر آجانا۔" سعدیہ نے کہا۔
"نہیں۔ میں یہیں رہوں گا۔ یہاں میری ضرورت ہے۔" وہ ضدی لہجے میں بولا۔
"نہیں بیٹا۔ سعدیہ ٹھیک کہہ رہی ہیں، چلو گھر چلیے دیکھو اپنا کتنا خراب ہو رہا ہے ایک دو گھنٹے آرام کر کے واپس آجانا۔"
مہ پارہ نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ "اور میرب چلو شاباش تم بھی گھر چلو۔ تم تو شکل ہی سے کمزور اور بیمار لگ رہی ہو۔" اور میرب نے انکار نہیں کیا کہ اسے بہت سے ایسے سوالات کرنے تھے جن کا جواب صرف مہ پارہ ہی دے سکتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ تینوں ابھی کچھ دیر قبل ہی لاؤنج میں تھکے تھکے اور اپنی اپنی سوچوں میں گم آکر بیٹھے تھے کہ لالی چلی آئی۔
"کیسے ہیں صاحب جی۔ اچھے تو ہیں۔" اس نے فکرمندی سے پوچھا۔
"ہاں۔ تم دعا کرو۔" مہ پارہ مختصراً" بولیں۔ سائر نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا دیا تھا۔ میرب خاموش بیٹھی تھی۔

"ہاں میں تو صبح سے صاحب کے لیے دعا کررہی ہوں۔ بہت اچھے ہیں وہ، بہت خیال رکھتے ہیں ہم سب کا' اللہ انہیں لمبی حیاتی دے۔ ڈاکیا کوئی لفافہ دے گیا تھا ان کے نام' جب میں چائے کا پوچھنے گئی تو وہ خط ہی پڑھ رہے تھے۔ خدا کی مار۔۔۔ لعنت ہو اس لفافے پر' مجھے تو لگتا ہے اسی کو پڑھ کر صاحب کی طبیعت بگڑی ہے۔" وہ ایسے لہجے میں بولی گویا بہت بڑا انکشاف کررہی ہو اور سچ تو یہی تھا۔ وہ سب لفافے اور خط کا ذکر سن کر بری طرح چونکے۔

"ذرا لے کر آؤ۔ کہاں ہے وہ خط۔" مہ پارہ عجیب بے چینی سے بولیں۔

مہ پارہ خط پڑھ کر دم بخود بیٹھی تھیں ان کے اندر اتنی ہمت باقی نہیں رہی تھی کہ وہ میگزین کھول کر دیکھ پاتیں۔

"کیا۔۔۔ کیا لکھا ہے کس کا خط ہے؟" سائر اپنی نشست سے اٹھا اور جھپٹ کر ان سے کاغذ چھینا۔ میرب الگ پریشانی اور تجسس سے کبھی کاغذ کبھی مہ پارہ تو کبھی سائر کو دیکھ رہی تھی۔

"وقار جمیل فاروقی۔۔۔ آج سے تقریباً" سترہ سال قبل تم نے ایک سرپرائز مجھے دیا تھا۔ آج میری باری ہے۔ تم نے کیا سوچا تھا کہ چندا اتنی ہی ارزاں شے ہے کہ جب تمہارا جی چاہے گا اپنی زندگی سے ایسے تہی داماں کرکے نکال پھینکو گے تو یہ تمہاری بھول تھی وقار جمیل۔۔۔ اس روز تم نے مجھے برباد کیا تھا آج میں وہ بربادی تمہیں لوٹا رہی ہوں سود سمیت۔۔۔

اس میگزین میں چھپی تمہاری "معصوم اور پاکباز" بیٹی کی تصاویر تمہیں احساس دلائیں گی اس بھیانک غلطی کا' جو تم نے مجھ سے سب کچھ دھوکے بازی سے چھین کر کی تھی۔ آج کے بعد تم کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔ میرا خود سے وعدہ ہے۔ تم سے وعدہ کرکے میں نے کیا کرنا ہے خود سے وعدہ کروں گی تو نبھاؤں گی تو سہی۔۔۔

فقط گلناز بانو عرف چندا!!!"

اور میگزین دیکھنے کی اس نے نہ ضرورت محسوس کی نہ اس میں ہمت تھی۔ خط پڑھ کر وہ پتھرایا نہیں بلکہ اس کے اندر سالوں سے دہکتا آتش فشاں پھٹ پڑا۔

"اجیہ۔۔۔ کہاں ہے اجیہ؟" وہ پوری قوت سے دھاڑا تو مہ پارہ یکلخت ہوش میں آئیں اور اجیہ جو اپنا مختصر سا اٹیچی بکس تھامے باہر کی صورت حال سے یکسر بے نیاز خاموشی سے باہر نکل رہی تھی اس کا جلال دیکھ کر وہیں جم گئی۔

"میں تمہیں جان سے ماروں گا بے غیرت۔۔۔" وہ اس کی جانب جھپٹا تو مہ پارہ جیسے ہڑبڑا کر ہوش میں آئیں۔

جب تک مہ پارہ ان کے نزدیک پہنچیں سائر یکے بعد دیگرے تھپڑوں سے اس کا منہ سرخ کرچکا تھا۔

"یہ کیا کیا تم نے۔۔۔ کیا کیا۔"

"رکو ٹھہرو سائر!" مہ پارہ نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"مت روکیں مجھے' میں اسے جان سے ماروں گا۔" اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"پاگل مت بنو۔۔۔ اسے مارنے سے کیا ملے گا۔ مجھے تو افسوس ہے کہ ہمیں پہلے ہی کیوں خبر نہ ہوئی۔"

"آپ لوگوں کو تو افسوس ہو گا ہی کہ جس عورت کو آپ لوگ جیتے جی مار چکے تھے وہ زندہ کیسے رہ گئی۔ ظالم ہیں آپ سب۔۔۔ میں نے اپنی ماں کا بدلہ لے لیا ہے آپ سب سے۔ اب مجھے کوئی افسوس نہیں۔" وہ سرخ چہرے اور وحشت زدہ آنکھوں والی اجیہ' اجیہ نہیں کوئی سودائی لگ رہی تھی اور جو اپنی سب سے قیمتی چیز داؤ پر لگا دے وہ سودائی ہی تو ہوا کرتا ہے۔

"بدلہ لے لیا ہے؟ اپنے باپ کی جان لینے کی کوشش کرکے؟" مہ پارہ نے ملامتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "اور کس بات کا بدلہ ذرا میں بھی تو سنوں۔" وہ اب قہر آلود نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ سائر دونوں ہاتھوں سے سر تھامے زمین پر یوں بیٹھا تھا گویا سب کچھ ہار چکا ہو۔ میرب صورت حال سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔

"بابا شکی تھے، تنگ نظر تھے... امی پہ شک کرتے تھے۔ انہوں نے ان کی زندگی تلخ کر رکھی تھی۔ آپ لوگوں نے بھی ان کا ساتھ نہیں دیا وہ انہیں مارتے تھے پیٹتے تھے کولہو کے بیل کی طرح ان سے گھر کے کام لیتے تھے۔ درحقیقت وہ اتنی خوب صورت اور کم عمر بیوی ڈیزرو ہی نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے برباد کر کے رکھ دیا امی کو۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی نہایت پریشانی میں گزاری' محنت کی' مزدوری کی' کسی نے انہیں پلٹ کر نہیں پوچھا۔ بہت غلط کیا آپ لوگوں نے ان کے ساتھ بہت غلط۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"غلط تو ہم نے واقعی کیا اجیہ..." مہ پارہ تاسف سے اسے دیکھنے لگیں۔

"تمہیں حقیقت سے نا آشنا رکھ کے۔ تمہارا بچپن' تمہاری معصومیت چھن نہ جائے' اس خوف سے ہم نے تمہیں آگہی کے عذاب سے بچایا۔ تم لڑکی ذات تھیں' تمہیں آنے والے وقت کے مسائل سے بچانے کی خاطر' تمہارے باپ نے اپنا آبائی شہر چھوڑا' اپنے رشتے داروں سے ملنا جلنا ترک کر دیا۔ تمہیں ایک محفوظ و مامون مستقبل دینے کی خاطر وقار بھائی نے اپنے حال میں کتنے سمجھوتے کیے تھے' یہ مجھ سے پوچھو۔"

"مجھے کسی سے کچھ نہیں پوچھنا۔ جھوٹے' دغا باز ہیں آپ سب... آپ لوگوں نے بچپن ہی میں میری ماں سے جدا کر دیا مجھے' میں آپ لوگوں کو کبھی معاف نہیں کر سکتی۔" وہ نفی میں سر ہلا کر بری طرح سسک رہی تھی۔

"کینسر کو وجود سے جدا کرنا ہی پڑتا ہے بے وقوف... نہیں تو وہ سارا جسم سڑا کر گلا کر ختم کر دیتا ہے۔" مہ پارہ اب خود بھی رونے لگیں۔ بے بسی کے آنسو۔

"میری ماں کے لیے آپ ایسے الفاظ استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں۔" وہ درد سے بلبلائی۔

"حقوق کی بات رہنے دو اجیہ! تم نہیں جانتیں۔ تم کچھ نہیں جانتیں۔ تم نہیں جانتیں کہ وہ کتنی خود غرض اور مفاد پرست عورت ہے' تم نہیں جانتیں کہ اس نے زندگی میں سوائے خود پرستی کے کچھ نہیں کیا' تم نہیں جانتیں وہ رشتوں کو نبھاتی نہیں' انہیں استعمال کرتی ہے اور تمہیں سن کر افسوس تو ہو گا' مگر اچھا ہے کہ سن ہی لو کہ وہ تمہیں بھی استعمال کر چکی ہے۔ بہت غلط طریقے سے..."

"میں نہیں مانتی آپ کی بکواس کو۔" وہ بدتمیزی سے چیخی۔

"تمہیں ماننا پڑے گا اجیہ... تم نے اس کی طرف کی کہانی بھی سنی۔ اب اس طرف کی کہانی بھی سنو۔ اس کے بعد فیصلہ کرو۔ مجھے اپنے بیان کی صداقت کے لیے گواہوں کی ضرورت تو نہیں' لیکن اگر تمہیں ہو تو میں چشم دید گواہ بھی تمہارے سامنے لا سکتی ہوں اور لانا بھی کیا..." وہ کچھ دیر ٹھہر کر ساتر کو دیکھنے لگیں جو لٹے پٹے انداز میں گم صم سا بیٹھا تھا۔

"تمہارا یہ بھائی... اس سے پوچھو کیسا محروم اور اذیت ناک بچپن گزارا ہے اس جہاں نصیب نے۔ کہو سچ سننے کی تاب ہے تم میں۔" مہ پارہ اسے دیکھ کر طنزیہ بولیں۔

اجیہ کے آنسو بھل بھل بہہ رہے تھے وہ ہاں کر پا رہی تھی نہ نا...

☆ ☆ ☆

وقت بدل گیا۔ حالات تبدیل ہو گئے۔ پاکستان فلم انڈسٹری کا بدترین زوال شروع ہو گیا۔ ہر کرسی پر ان پڑھ اور موقع پرست لوگ قابض ہو گئے۔ نتیجتاً" کام ٹھپ ہو گیا۔ انڈسٹری سے وابستہ لوگوں کے گھر کے چولہے بجھنے لگے۔ کراچی میں ڈرامہ انڈسٹری فروغ پا رہی تھی۔ وہاں اب کام بہت تھا سو متعلقہ لوگ تلاش معاش کی خاطر کراچی کا رخ کرنے لگے۔ یہاں مواقع زیادہ تھے۔ چندا بھی یہیں چلی آئی اور اپنی ایک جاننے والی کی وساطت سے میڈم کٹی کے پارلر میں جاب حاصل کی اور یہیں ایک چھوٹے اور خستہ سے فلیٹ میں رہنے لگی۔ زندگی میں کوئی واقعہ بھی بنا کسی

وجہ کے وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ شاید قدرت چندا کو آخری موقع دینا چاہتی تھی۔
چندا کا اجیہ اور مہ پارہ کو شاپنگ مال میں دیکھنا۔ اس سنہری موقع کا سنگ بنیاد تھا۔ اور اس نے ایک بار پھر اس موقع کا غلط استعمال ہی کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں نہیں جانتی کہ وہ تم سے کب، کہاں اور کیسے ملی، میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ اس نے ثابت کر دیا کہ وقار بھائی کا فیصلہ کتنا بروقت اور درست تھا، ایسا نہیں ہے کہ ہمیں کبھی اس کا خیال نہیں آیا یا ہم نے یہ نہیں سوچا کہ وہ کن حالوں میں زندگی گزار رہی ہوگی۔ آتا تھا۔ بھائیوں کا پتا نہیں مجھے اور آپا کو ضرور آتا تھا اور ہم اس کے لیے دعا بھی کرتے تھے، مگر افسوس کہ ہماری دعائیں اس کے کسی کام نہیں آئیں۔" وہ بولتے بولتے تھک سی گئیں۔ ان کا چہرہ سرخ اور آنکھیں اشکبار تھیں۔ سارہ بھی سر جھکائے نجانے کیا سوچ رہا تھا۔ میرب ساری کہانی سن کر ششدر بیٹھی تھی اور اجیہ۔۔۔ اجیہ اب رو نہیں رہی تھی اس کی آنکھوں میں چپ طاری تھی۔ اس نے ساری کہانی سن لی تھی، مگر یقین۔۔۔
"نہیں میں نہیں مان سکتی۔ امی ایسی ہرگز نہیں ہو سکتیں۔ آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔" کچھ دیر بعد وہ بولی تو مہ پارہ نے ازحد غصے سے اسے دیکھا۔
"کیسے مانو گی تم۔۔۔ وہ طریقہ بتا دو۔"
"مجھے ماننا ہی نہیں ہے۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔
"اٹھو۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں بولیں۔ "ابھی اور اسی وقت مجھے اس کے پاس لے کر چلو بہت ہو گیا یہ ڈرامہ۔ آج سچ اور جھوٹ کا فیصلہ ہو ہی جائے۔"
"میں نہیں لے کر جاؤں گی کسی کو وہاں۔" وہ خوف زدہ بچے کی طرح بولی۔
تب ہی مہ پارہ کا فون بجا۔ حمزہ کا تھا۔ انہوں نے اپنا لہجہ اعتدال پر لا کر "ہیلو" کہا۔

"کہاں ہیں آپ۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔
"کراچی میں ہوں۔ بھائی صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں بیٹا! انہیں اٹیک ہوا ہے۔" وہ متاسف سی بتانے لگیں۔
"کیوں، کیا اپنی بیٹی کے کارناموں کی خبر ہو گئی انہیں؟" وہ زہر خند ہو کر بولا۔
"یہ کس انداز میں بات کر رہے ہو حمزہ۔" انہوں نے ناپسندیدگی سے ٹوکا۔
"بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں میں مام۔۔۔ آج ہی کوریئر ملا ہے مجھے۔۔۔ خط ہے اجیہ کا، ساتھ میں وہ میگزین بھی جس میں اس کی ولگر پکچرز آئی ہیں، اس نے صاف صاف لکھا ہے مام وہ ماڈلنگ کرنا چاہتی ہے اور اس کی شادی زبردستی میرے ساتھ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، کیا یہ سب آپ کو معلوم تھا مام؟" وہ جیسے رو دینے کو تھا۔ مہ پارہ بوکھلا کر رہ گئیں۔
"نہیں بیٹا۔۔۔ اصل میں۔۔۔ دراصل بات یہ ہے کہ۔" ان سے بات نہ بتائی جا رہی تھی۔ ہاں کرتیں تو بیٹے کا اعتماد کھوتیں، نہ کرتیں تو بیٹا نجانے کیا کرتا۔
"مام اس نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے۔ اگر ایسے ہی کریکٹر کی لڑکی سے شادی کرنی تھی تو یہاں کیا کمی تھی۔ نہیں مام۔۔۔ میں زبردستی کے بندھن باندھنے کا قائل نہیں ہوں۔ مجھے تو پہلے ہی سمجھ جانا چاہیے تھا کہ وہ میرے ساتھ خوش نہیں ہے۔ میں نے آپ کو ابھی اسی لیے فون کیا ہے کہ میں اسے طلاق دے رہا ہوں۔" مہ پارہ پوری جان سے کانپ اٹھیں۔
"نہیں بیٹا۔ ایسی حماقت بالکل مت کرنا۔ ہو سکتا ہے تمہیں کوئی غلط فہمی۔"
"وہاٹ غلط فہمی مام۔۔۔؟" وہ یوں ہنسا گویا انہوں نے کوئی بچکانہ بات کی ہو۔ "لیٹر غلط ہو سکتا ہے، مگر اس کی تصویریں۔۔۔ نو مام۔۔۔ میں اتنا بے غیرت نہیں ہوں کہ میری بیوی اتنا ولگر اور چیپ فوٹو شوٹ کروائے اور میں ری ایکٹ نہ کروں۔ سوری مام میں نے پہلے آپ کی بات مان لی تھی، اب نہیں مان سکتا اس لیے میں اسے طلاق دے رہا ہوں۔"

وہ "حمزہ ڈونٹ ڈو اٹ" کہتی رہ گئیں، مگر اس نے فون بند کردیا۔ فون بند ہونے پر انہوں نے نہایت کاٹ دار اور چبھتی نگاہوں سے ساکت کھڑی اجیہ کو دیکھا۔ بہت جتاتی نگاہوں سے۔

"یہی چاہتی تھیں نا تم، تو مبارک ہو تمہیں۔ تمہارے کارناموں کی خبر اس تک بھی بڑے اہتمام سے پہنچادی گئی ہے۔ وہ تمہیں طلاق دے رہا ہے۔"

میرب نے بے ساختہ منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخ کا گلا گھونٹا۔ سائر یونہی بیٹھا رہا گویا اب اسے کسی بھی بات سے فرق نہ پڑ رہا ہو اور اجیہ... اس کی نگاہوں سے بے یقینی جھلکی اور وہ ساکت رہ گئی۔ ہکا بکا تو لالی بھی کھڑی تھی۔

"تم بے عزت ہوگئی ہو اجیہ... بدنام کردی گئی ہو... یہ کیسا بدلہ، کیسا انتقام ہے، جس میں سارا نقصان سراسر تمہارا ہی ہوا؟ تمہیں بڑی خوبی سے تمہارے ہی خلاف استعمال کرلیا گیا ہے اجیہ! اور تم اندھی محبت میں بے موت ماری گئیں۔ کیا اب بھی تمہیں لگتا ہے کہ میں نے تمہیں جھوٹی کہانی سنائی ہے؟"

"کیا ہو رہا ہے یہ سب، مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" وہ پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچنے لگی کہ یہ بات اس کے علم میں بھی نہیں تھی کہ حمزہ کو بھی اس کی تصاویر ارسال کی گئی ہیں گو کہ اسے حمزہ سے کوئی لگاؤ کوئی انسیت نہیں تھی مگر بہرحال وہ اس کا کزن بھی تھا اور اس کے سامنے یوں ایکسپوز ہونا۔

"اور نہ صرف اس کے سامنے اجیہ... تمہاری ہوشربا تصاویر تو نجانے کس کس نے دیکھی ہوں گی۔ کیا تم آج کے بعد خود سے نگاہیں ملانے کے قابل رہ گئی ہو؟" کوئی اس کے اندر درد سے کراہا تھا۔

"کیا تم اب بھی مجھے اس کے روبرو لے کر نہیں چلوگی؟" مہ پارہ نے بہت کاٹ دار لہجے میں سوال کیا تھا۔ اجیہ کے اندر مسلسل درد کی کوئی بازگشت سی گونج رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"مجھے کیا سمجھا تھا اس نے۔ اب اسے پتا چلے گا کہ برباد ہونے کے بعد کیسا محسوس ہوتا ہے۔ لات مار کر مجھے اپنی زندگی سے باہر پھینکا تھا نا اس نے آج میں نے اسے ایسی ٹھوکر ماری ہے کہ وہ منہ کے بل گرا ہوگا... ہاہاہا۔" وہ جھوم رہی تھی۔ خوشی سے ڈول رہی تھی۔ اپنی فتح پر قہقہے لگا رہی تھی۔ بلند آہنگ خوف ناک قہقہے۔

تب ہی دروازے کی گھنٹی بجی۔ وہ پل بھر کو خاموش ہوئی۔ پھر بے تابی سے دروازے کی جانب بڑھی۔

"آگئی میری ہونہار بیٹی۔" وہ دروازہ کھول کر والہانہ پذیرائی کو آگے بڑھی، مگر اسے جلد ہی ٹھہر جانا پڑا... کہ دروازے پر اجیہ نہیں... مہ پارہ اور سائر تھے۔

"مانو تم... اور یہ... یہ سونو ہے؟" اس نے پہچان کا مرحلہ بخیر و خوبی طے کرلیا تھا۔

"ہاں میں..." مہ پارہ درشتی سے بولیں۔ "کیوں کیا تمہیں کسی اور کا انتظار تھا؟" انہوں نے بنا بلائے گھر میں داخل ہوتے ہوئے طنزاً کہا۔

سائر کی بے تاثر نگاہیں اس بے حس چہرے پر جمی تھیں جسے چھونے، چومنے کی خواہش کبھی بہت بچپن میں اس کے سینے میں سر پٹخا کرتی تھی، مگر آج اس کے اندر سوائے رنج و طیش کے کوئی اور جذبہ بیدار نہ ہوا۔

"ہاں اسی کا انتظار تھا جس نے تمہیں یہاں کا پتا بتایا ہے۔" وہ ذرا بھی خائف یا شرمندہ نہ ہوئی۔

"مجھے حیرانی ہے تم پر چندا..." مہ پارہ تاسف سے اسے دیکھ کر بولیں کہ جس کا تکبر اور خود غرضانہ انداز آج بھی جوں کا توں قائم تھا۔ "تم نے وقار بھائی کی عزت سے کھیلا، ان کی دولت کو برباد کرنا چاہا، تم نے اپنے بچوں کی معصومیت اور ان کا بچپن چھینا اور آج... آج بھی تم جب ان کی زندگی میں واپس لوٹی ہو تو تباہی اور بربادی بن کے... تم ہو کیا شے چندا... میں تمہیں کبھی سمجھ ہی نہیں پائی۔"

"مجھے لعن طعن کرنے سے تمہیں کچھ مل رہا ہو تو کرتی رہو، مگر واضح رہے... مجھے تمہاری جذباتی باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا۔" اس کے لبوں پر خندہ مسکراہٹ، مگر نگاہوں میں غصہ ٹھہرا ہوا تھا۔

"میں جانتی ہوں۔ تمہیں فرق پڑ بھی کیسے سکتا ہے۔ احساس انسانوں کے دل کی میراث ہے۔ یہ بے حس لوگوں کے اندر نہیں پنپتا۔" مہ پارہ نے نفرت سے کہا۔

"ہاہاہا..." اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ "چلو یہ ہی سہی مگر یہ تو پتا چلے کہ آخر تمہارے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے اور ہاں۔" اس نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "کہاں ہیں میری فرمانبردار بیٹی۔۔۔ تمہارے ساتھ نہیں آئی کیا۔ اوہ میں پوچھنا تو بھول ہی گئی۔ وہ زندہ بھی ہے یا اس کے عزت دار باپ نے غیرت کے نام پر اسے قتل کر دیا۔"

"تم کیسی ماں ہو چندا؟ ایک عورت بھلے اچھی بیٹی۔۔۔ بہن یا بیوی نہ بھی ہو، مگر ایک ماں کے اچھے ہونے 'اپنی اولاد سے مخلص ہونے پر شبہ نہیں کیا جا سکتا' مگر تم نے اس بات کی نفی کر دی ہے چندا۔۔۔ کیا کوئی ماں اتنی شقی القلب کی ہو سکتی ہے مجھے یقین نہیں آتا۔" ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"جس کے خوابوں' خواہشوں' تمناؤں کا گلا قدم قدم پر گھونٹا گیا ہو اس سے تم اور کیا امید رکھتی ہو؟" اب کی بار وہ چیخ اٹھی۔

"خواب' خواہش اور تمنائیں۔۔۔" مہ پارہ نے دہرایا۔ "کون سے خواب' کیسی خواہشیں اور کس بات کی تمنائیں۔۔۔ زندگی نے تمہیں کیا نہیں دیا۔ بہترین ماحول میں تمہاری پرورش ہوئی' یاد ہے ابا میاں اپنے اور بچوں کی حق تلفی شاید کر جاتے ہوں' مگر وہ تم پر جان چھڑکتے تھے۔ اچھی شکل صورت' وفادار کھانا پیتا شوہر' پیاری صحت مند اولاد' بہترین نہ سہی بہت اچھا گھر اور کیا چاہیے ہوتا ہے ایک عورت کو زندگی میں۔۔۔ تمہیں تو سب کچھ بن مانگے ہی مل گیا تھا آخر تم پر کس بات کا جنون سوار رہا۔"

"یہ سب کچھ کسی عام عورت کے لیے متاثر کن ہوگا' میرے لیے نہیں۔" وہ غرور سے بولی۔ "مجھے آزاد فضاؤں میں اڑنا تھا۔ بہت اونچی۔ بہت بلند پرواز تھی میری' مگر مجھے ملا کیا؟ ایک سنہری قید خانہ جس میں' میرا دم گھٹتا تھا' سانس رکتی تھی میری۔" وہ اپنی گردن پر ہاتھ رکھ کر یوں بولی گویا اس کا دم واقعی گھٹ رہا ہو۔

"تمہاری غلط سوچ نے تمہاری زندگی تو برباد کی ہی' مگر تم سے وابستہ لوگوں کو بھی چین سے جینے نہیں دیا۔" مہ پارہ کو اس کے خیالات نے تیخ پا کر دیا۔ "ایک غلط عورت صرف خود کو برباد نہیں کرتی کئی نسلیں تباہ کر دیتی ہے' تم نے یہ بات سچ ثابت کر دی ہے چندا۔ تف ہے تمہاری زندگی پر۔

وقار بھائی نے تمہیں محبت' پیسہ' عیش و آرام کیا نہیں دیا اور تم۔۔۔ تم ان کے ساتھ کیا کر رہی تھیں کیا تمہیں یاد ہے۔۔۔ تم اپنے محبوب کے ساتھ مل کر ان کی عزت کا جنازہ تیار کر رہی تھیں۔ کیا وہ تمہیں معاف کر دیتے۔"

"میں نے اس سے معافی مانگی بھی نہیں تھی۔" وہ اتنے آرام سے بولی جیسے اطلاع دے رہی ہو۔ "مجھے نہ اس کی ذات سے دلچسپی تھی نہ اس کے پیار و محبت سے۔۔۔ مجھے چاہنے والے سراہنے والے بہت تھے۔"

"ان سے نہ سہی ان کے پیسوں سے تو تھی۔" مہ پارہ بھڑک کر بولیں۔ وہ ہنس پڑی۔

"اس کے پاس تھا ہی کیا۔ ایک گھر۔۔۔ وہ بھی میرے کسی کام نہ آسکا۔"

"حالانکہ تم نے اسے اجاڑنے کی پوری پوری کوشش کی تھی۔"

"بس بہت ہو گیا۔" وہ بھنا گئی۔ "کیوں آئے ہو تم لوگ یہاں؟ اگر میرا ماضی مجھے یاد دلانے تو اس کی ضرورت نہیں۔ وہ مجھے پوری جزئیات کے ساتھ یاد ہے۔"

"نہیں۔۔۔ مجھے کچھ یاد دلانے کی قطعی ضرورت نہیں' میں آج صرف تمہاری مکروہ صورت تمہیں حقیقت کے آئینے میں دکھانے آئی ہوں۔ تمہیں تمہارے وجود پر لگے داغ دکھانے آئی ہوں۔ تم دیکھو۔ دیکھو کہ تم کتنی زہریلی ہو۔ تمہارے شر سے تمہاری اولاد تک محفوظ نہیں رہ سکی۔ تم ایک بے ثمر' بے سایہ بے مصرف شجر ہو۔ ایسی بنجر زمین جس پر کسی کی محبت

کی بارش بھی ہریالی نہیں اگا سکی۔"

"اے۔۔۔" مہ پارہ کے الفاظ چندا کو سرتاپا جھلسا گئے اس نے انگلی اٹھا کر کہا اور نزدیک آکر انہیں دھکا دیتی ہوئی بولی۔ "نکلو۔۔۔ نکلو یہاں سے آج سے کئی سال پہلے تم لوگ میری لیے مر گئے تھے مجھے تم لوگوں سے کوئی لینا دینا نہیں۔۔۔ بھاڑ میں جاؤ تم سب۔"

"کاش تم اسی وقت واقعی مر گئی ہوتیں چندا! تو آج پھرو قار بھائی کو، ہم لوگوں کو اس ذلت کے گڑھے میں تو نہ دھکیل پاتیں، تم نے اپنی معصوم بیٹی کے جذبات سے اس کی معصومیت سے کھیلا ہے چندا تم کیسی ماں ہو۔"

"اوہ اچھا۔" چندا نے چٹخارا سا لیا۔ "اب سمجھی سارا غصہ اجیہ پر ہے جو مجھ پر نکالا جا رہا ہے۔ چلو نکالو۔۔۔ نکالو جو کچھ دل میں ہے سب کہہ ڈالو۔ میں تو اپنا کہا پورا کر چکی۔ میں نے جمیل کو برباد کرنے کی قسم کھائی تھی میری قسم پوری ہوئی۔" اس نے کندھے اچکائے تو اب تک سائر جو خاموش کچھ کچھ اداس سا کھڑا اسے تک رہا تھا جیسے ہوش میں آکر بولا۔

"کیا قصور تھا ان کا؟ صرف یہی کہ وہ آپ سے محبت کرتے تھے، آپ کی بے وفائی برداشت نہیں کر سکے اور آپ کو اپنی زندگی سے بے دخل کر دیا۔ صرف اس قصور کی اتنی بڑی سزا کہ آپ نے انہیں بے عزت کرنے کے لیے اپنی اولاد کو بطور آلہ استعمال کیا؟ آپ کو ایک بار بھی اس بچی کی معصومیت پر رحم نہیں آیا جو ماں کی محبت کو ترسی ہوئی زندگی گزارتی آئی تھی، جو صرف آپ کی وجہ سے آیاؤں کی گود میں پلی۔ ایک لڑکی ہونے کے ناتے اس نے زندگی کے ہر ہر موڑ پر آپ کی کتنی ضرورت محسوس کی، میں گواہ ہوں ان لمحوں کا۔ اور جب آپ ملیں بھی تو۔۔۔ تو اس کی زندگی سے کھیل گئیں۔ ماں نہیں ڈائن ہیں آپ، جو ہماری زندگی کی ہر خوشی کو کھا گئیں۔" وہ بے بسی سے ہونٹ چباتے ہوئے اضطراب سے چلایا۔

"میرے گھر میں کھڑے ہو کر چلانے کی ضرورت نہیں، میں نے اس کی زندگی سے کھیلا نہیں اس کی زندگی کو بنا دیا ہے۔ ورنہ وہ تو کبھی کی بھاگ چکی ہوتی اپنے عاشق کے ساتھ اگر میں تمہیں بروقت فون نہ کرتی۔" وہ تفاخرانہ لہجے میں بولی گویا کوئی بہت قابل فخر کارنامہ انجام دے دیا ہو۔

"اچھا۔۔۔ تو وہ آپ تھیں۔۔۔" حال سے بے حال ابتر حلیے اور سوجے سرخ پپوٹوں والی اجیہ اچانک کہیں سے نمودار ہوئی تھی۔ یک لخطے کو چندا گڑبڑا سی گئی۔

"ارے میری بچی۔۔۔ کہاں رہ گئی تھی تو۔" وہ بناوٹی والہانہ انداز میں اس کی جانب بڑھی۔

"بس۔۔۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے بے لچک انداز میں اسے ٹوکا۔

وہ ہکابکا رہ گئی۔

"ماں! کتنا معتبر اور پرکشش لفظ تھا آج سے قبل میرے لیے، مگر آج آپ نے اس لفظ پر سے میرا اعتبار اٹھا دیا ہے امی۔۔۔ میں نے آنکھ بند کر کے آپ کی ہر بات پر یقین کیا، اس کو مانا۔ آپ کی کھوئی ہوئی خوشیاں لوٹانے کے لیے اپنی سب سے قیمتی متاع کو داؤ پر لگا دیا اور اب مجھے پتا چلا کہ آپ۔۔۔ آپ تو مجھے کسی مہرے کی طرح استعمال کر رہی تھیں۔ میرے خالص جذبوں سے کھلواڑ کر رہی تھیں۔ کیوں۔۔۔ آخر کیوں کیا آپ نے میرے ساتھ ایسا؟" وہ اس کے وجود کو جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔

"اب میں سمجھی کہ آپ مجھ سے ملاقات اوروں سے کیوں پوشیدہ رکھنا چاہتی تھیں۔ آپ کو چھپ کر وار کرنا تھا۔ سو آپ نے کر دیا۔" اس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح پہلو میں آگرے۔

"تو میری بات تو سن۔۔۔ یہ سب تو میں نے تیری خاطر کیا ہے۔" وہ اسے پچکارنے لگی۔

"نہیں امی! میرے لیے نہیں آپ نے سب کچھ بابا سے بدلہ لینے کی غرض سے، اپنی انا کی تسکین کی خاطر کیا۔ مگر مجھے آپ سے نہیں خود سے شکایت ہے، میں نے کیسے آپ کی باتوں میں آکر اپنے اتنے پیارے بابا کو زک پہنچائی، کیا ان کی اجاڑ، ویران تنہا زندگی میں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ رکھی تھی۔ وہ ساری

زندگی ہمارے لیے قربانیاں دیتے رہے اور میں نے... میں نے کیا کیا ان کے ساتھ۔" وہ شدید صدمے کے زیر اثر آگئی۔

"تم... مجھ پر اعتبار نہیں کر رہیں؟" چندا تحیر سے بولی۔

"نہیں ہے مجھے کسی پر اعتبار۔" اجیہ ہسٹریائی انداز میں چیخی۔ "یا اللہ... یہ میں نے کیا کر دیا' میرے بابا میری وجہ سے موت کی سرحد پر کھڑے ہیں۔" وہ پاگلوں کی طرح خود کو پیٹنے لگی۔ اس کی بات پر چندا مسکرائی۔ دیوانگی آمیز مسکراہٹ۔

"دیکھ لیا۔ مجھ سے ٹکرانے کا کیا انجام ہوا۔"

"بے شرم عورت... بکواس بند کرو اپنی اور اگر تم میں ذرا بھی غیرت ہے تو شرم سے ڈوب مرو۔" مہ پارہ نے دانت پیسے۔

"میں کیوں مروں۔ وہ مرے جو میری تباہی کا ذمے دار ہے۔"

"اپنی تباہی کی وجہ اور ذمے دار آپ خود ہیں۔ کیوں ہمارے پیچھے پڑ گئی ہیں۔ جان چھوڑ دیں ہماری۔" سائر نے بے بسی سے ہاتھ جوڑے۔

"امی آپ نے مجھے بہت دکھ دیا ہے' میں نے آپ کو کیا سمجھا اور آپ... میں اب بابا کا سامنا کیسے کروں گی۔" وہ کرلا رہی تھی۔

"کیا پتا اس کی نوبت ہی نہ آئے۔ تب تک وہ مر ہی چکا ہو۔" چندا سفاکی سے بولی تو اجیہ بے ساختہ کہہ اٹھی۔

"مرنا تو آپ کو چاہیے... آپ نے اپنی زندگی میں اتنے لوگوں کا دل توڑا ہے ان کی زندگیاں برباد کی ہیں' رشتوں کو ٹشو پیپر کی طرح استعمال کیا ہے مر تو آپ کو جانا چاہیے۔"

"اجیہ... یہ تم کہہ رہی ہو۔" چندا کی آنکھوں میں بے یقینی اور لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ کو یقین نہیں آرہا نا کہ میں جو آپ سے اندھا دھند محبت اور آپ پر اعتبار کرتی رہی ہوں' میں ایسا کر سکتی ہوں۔ تو امی... یقین تو مجھے خود پر بھی نہیں آرہا ہے' میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ میں اپنے ہاتھوں اپنے جہنم کا ایندھن اکٹھا کر رہی ہوں گی۔"

"چلیں خالہ! مجھے بابا کے پاس لے چلیں... میں ان کے پیروں میں گر کر معافی مانگوں گی۔" وہ مچل کر بولی۔

"انسان کو اگر غلطی کا احساس ہو جائے تو معافی مانگنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ نہیں تو بہت دیر ہو جاتی ہے اور مجھے امید ہے کہ ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی گو کہ نقصان کافی ہو چکا ہے۔" مہ پارہ اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہوئی بولیں۔

"میں جا رہی ہوں امی... اور مجھے پورا یقین اور امید ہے کہ آج کے بعد میں آپ سے کبھی نہیں ملوں گی۔" اس کے لہجے میں ڈوبنے والوں جیسی آہیں تھیں۔

مہ پارہ بھی اس کی بات پر رو پڑیں... سائر نجانے کیا ضبط کر رہا تھا آنسو' آہیں پا سکیں...

"نہیں تم ایسے نہیں جا سکتیں... ابھی تو میں نے تم سے بہت کام لینا ہے۔" چندا سرعت سے پیچھے لپکی اور اسے پکڑ کر کھینچنے لگی۔

"کاش آپ نے غرض سے نہیں محبت سے مجبور ہو کر روکا ہوتا۔" اجیہ رکی اور مڑے بنا بڑی حسرت سے بولی۔ سائر نے اس کے لہجے پر تکلیف سے آنکھیں بھینچی تھیں۔

"رکو... ٹھہرو... میں نے تمہارے لیے بہت سے ڈائریکٹروں سے بات کر رکھی ہے مت جاؤ... کامیابی تمہاری منتظر ہے۔" وہ بے بسی سے چلائی۔

"جو سب کچھ چھن جانے کے بعد ملے مجھے ایسی کامیابی نہیں چاہیے۔ مجھ میں آپ جتنا حوصلہ اور ہمت نہیں ہے ماں... میں رشتوں کے بغیر نہیں جی سکوں گی۔"

"تم پاگل ہو گئی ہو... یہ لوگ تمہیں بھٹکا رہے ہیں۔" اس کے منہ سے کف اڑنے لگا۔

"نہیں امی..." وہ مڑی۔ "میرے قدم اب جا کر

ہی تو راہ راست پر پڑے ہیں۔ میں آپ کی طرح بے نشان منزل کی مسافر نہیں بن سکتی۔"

"تمہیں خدا نے بے انداز نوازا تھا۔" مہ پارہ دکھی ہو کر بولیں۔ "اور تمہیں نجانے مزید کس چیز کی ہوس تھی۔" انہوں نے ایک اداس نگاہ اس کے مختصر اور خستہ فلیٹ پر ڈالی۔

"تم نے اگر تھوڑا صبر کر لیا ہوتا تو آج تم واقعی محل میں راج کر رہی ہوتیں۔ یہ جھونپڑی تمہارا مقدر نہیں تھی، مگر تم نے اپنے ہاتھوں سے اسے مقدر کیا ہے۔" اس کے بعد وہ لوگ ٹھہرے نہیں، مگر ان کے الفاظ چندا کی سماعت میں راسخ ہو گئے۔ آن واحد میں ہمیشہ کی طرح اس کی پلاننگ ناکام ہو گئی تھی۔

وہ چند ثانیے ساکت کھڑی رہی۔ پھر اچانک ہی اس کے لبوں پر ہنسی آ گئی تھی۔

"ہاہا۔۔۔ ہاہا۔۔۔ میں نے دنیا تسخیر کر لی، میں نے دنیا تسخیر کر ہی لی، کوئی ہے جو میرے مقابلے پر آئے۔۔۔ آئے تو سہی اگر اسے برباد نہ کر دیا تو میرا نام۔۔۔ میرا نام۔" اسے یاد ہی نہ آتا تھا کیا ہے میرا نام۔

"ڈائن۔۔۔ بے حیا۔۔۔ ذلیل۔۔۔ بے غیرت۔۔۔ نہیں نہیں کچھ اور تھا کیا تھا میرا نام۔" وہ چیخ چیخ کر بے حال دیواروں سے اپنا سر ٹکرانے لگی۔

☼ ☼ ☼

چوبیس گھنٹے تمام ہوئے۔ وقار کی طبیعت سنبھل گئی۔ وہ جو نہی ہوش میں آئے اجیہ ان کے پیر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ انہوں نے منہ پھیر لیا۔ سائر۔۔۔ مہ پارہ۔۔۔ میرب حتیٰ کہ ماریہ اور سعدیہ تک صورت حال پر آبدیدہ ہو گئیں۔

"معاف کر دیجیے بھائی صاحب۔۔۔ بچی نادانی میں غلطی کر گئی کیا کرتی مقابل بہکانے والی ماں ہی تھی نا۔۔۔ بس آ گئی باتوں میں۔" مہ پارہ نے کہا۔

"میں جانتی ہوں میں نے آپ کو بہت دکھ بہت اذیت سے دوچار کیا ہے، لیکن اگر آپ نے مجھے معاف نہیں کیا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔" وہ ان کے پیر چھوڑ کر دھمکی آمیز لہجے میں بولی تو وقار تڑپ گئے۔

"بس کرو اجیہ۔۔۔ اور میرا کتنا امتحان لو گی۔" وہ رو پڑے تو اجیہ اور زور زور سے رونے لگی۔ سائر آگے بڑھا اور اس کے کندھوں پر پیار سے بازو حمائل کر کے بولا۔

"بس اب خاموش ہو جاؤ۔ بابا نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔۔۔ اور بابا۔" سائر نے ان کی جانب شرمندہ نگاہوں سے دیکھا۔

"معافی تو مجھے بھی آپ سے مانگنی ہے۔۔۔ کیا میں اس قابل ہوں کہ آپ مجھے معاف کر سکیں۔"

"میں تو تمہیں بھی معاف کر ہی دوں گا بیٹا کہ اولاد چاہے کتنا ہی دل دکھائے، والدین کے دل ان سے ہمیشہ ہی راضی رہتے ہیں۔ اصل گناہ گار تو تم خدا کے بعد میرب بیٹی کے ہو۔ بہت اذیت۔۔۔ بہت دکھ پہنچایا ہے تم نے اس بچی کو۔"

ان کی بات پر سائر نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ میرب گو کہ اس سے حد درجہ شاکی تھی۔ مگر وہ سب کے سامنے اس کا شرمندگی سے جھکا سر نہ دیکھ سکی۔

"نہیں بابا۔" وہ مضبوط اور ہموار لہجے میں بولی۔ "سائر کوئی عادی مجرم تو نہیں، یہ تو خود حالات کی ستم ظریفی کا شکار تھے۔ انہیں گناہ گار نہیں۔۔۔ حالات سے مجبور کہیے۔۔۔ بسا اوقات حالات انسان سے وہ کچھ کروا لیتے ہیں جو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا ہوتا۔۔۔ اور جہاں تک میری بات ہے۔ ہاں ٹھیک ہے میں ان سے خفا تھی، مگر اب نہیں، تو انہیں مجھ سے معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

وہ چمکتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی اور ٹھیک اسی لمحے سائر نے گردن اٹھا کر بڑی حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پورے اعتماد سے مسکرائی۔۔۔ جواباً سائر کے لبوں پر بھی مسکراہٹ چمکی تھی۔ وہ بے اعتبار ہی تھا نا۔۔۔ بے وفا تو نہیں۔۔۔ اور یہی بہت بڑا اطمینان تھا میرب کے لیے، ہاں اسے کچھ وقت لگنا تھا یقین کرنے، اعتبار

کرنے میں۔۔۔ ظاہر ہے برسوں کی خرابی لمحوں میں دور نہیں ہو سکتی، مگر وہ پر امید تھی کہ سائر کی ذات کے سارے سربستہ راز اب اس پر منکشف ہو چکے تھے اور راز مل جائیں تو منزل تک پہنچنے کے راستے آسان ہو جاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

اور ٹھیک دو ماہ بعد جب میرب نے ایک خوب صورت اور صحت مند بچی کو جنم دیا، تب سائر ایک انوکھے احساس آشنا ہوا تھا۔ جس لمحے اس نے بے ساختگی سے بچی کو گود میں اٹھا کر اس کا ماتھا چوما اس کی آنکھیں نم تھیں۔

اسے بچی کا والہانہ ماتھا چومتے دیکھ کر میرب کے سارے خدشات اور تفکرات بھاپ بن کر اڑ گئے تھے۔ عاشر اور ابراہیم بھی انگلینڈ سے واپس آچکے تھے۔ پاریہ اپنے شوہر کے ساتھ ہنی مون ٹرپ پر گئی ہوئی تھی، وہیں سے فون کر کے ڈھیروں مبارک باد پہنچائی تھی اور وقار۔۔۔ ان کی تو خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا انہیں لگتا تھا جیسے ان کی عمر بھر کی ریاضت کا پھل مل گیا ہو۔ خوش تو اجیہ بھی بے اندازہ تھی مگر اس کا چہکنا، مسکرانا بس اب خواب و خیال کی بات ہو گئی تھی۔ اس کے وجود سے اعتماد عنقا ہو گیا تھا۔ وہ لوگوں سے کترانے لگی تھی ہر وقت خود احتسابی کی کیفیت میں مبتلا رہتی۔ مسز پارہ واپس لوٹ گئی تھیں انہیں اس بات کا شدید قلق تھا کہ وہ اجیہ کو بہو نہیں بنا سکی تھیں کہ حمزہ اسے طلاق نہ دینے پر راضی نہیں ہو سکا تھا۔ اجیہ کی آنکھوں کی بجھی جوت میرب کے دل کو ٹھیس پہنچا رہی تھی کہ وہ اس کے لیے بھی یہی سمجھتی تھی کہ وہ قصوروار اتنی تھی نہیں جتنی اسے سزا مل رہی تھی۔

عاشر اجیہ کو چاہتا تھا اور میرب چاہ رہی تھی کہ عاشر اسے اپنا لے۔

"میں جانتی ہوں کہ تمہارے لیے اسے اپنانے کا فیصلہ اب ہر گز بھی اتنا خوش گوار اور آسان نہیں ہو سکتا، مگر میں پھر بھی چاہتی ہوں کہ تم اسے اپنا کر اس کی ذات کا فخر اور اعتماد بحال کرنے میں اس کی مدد کرو۔" وہ دردمندی سے کہہ رہی تھی۔

"چاہتا تو میں بھی یہی ہوں، مگر آخر ہوں تو مرد ہی نا۔۔۔ دل میں اس کے لیے اب پہلے والی عزت اور مقام نہیں رہا ہے۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"مگر محبت تو بہت اعلا ظرف ہوتی ہے۔"

"محبت تو بے شک ہوتی ہے، مگر مرد اتنا اعلا ظرف نہیں ہوتا۔"

"مگر عاشر۔۔۔ میں تو تمہیں عام مردوں سے مختلف سمجھتی رہی۔" اس نے کسی قدر تاسف سے کہا۔

"اس لیے تم سے اپنا خیال شیئر کر لیا۔"

"مجھے کچھ وقت دو۔" وہ پینٹ کے جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ "یہ بات تو سچ ہے کہ صرف اسی چہرے نے میرے خیال کی شمعوں کو روشن کیے رکھا۔ کوئی اس دل کو اس کے سوا بھایا ہی نہیں، جو کچھ اس نے اپنی زندگی کے ساتھ کیا اس پہ مجھے بہت افسوس ہے۔"

"میں یہی پوائنٹ تو تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اس نے اپنی زندگی کے ساتھ نہیں زندگی نے اس کے ساتھ کیا۔ اس نے اپنی مرضی سے اپنے لیے ایک بد کردار ماں کا انتخاب نہیں کیا تھا۔ جو کچھ ہوا اس میں غلطی بے شک اس کی ہے، مگر سارا قصور اس کا نہیں، تب پھر وہ اکیلی سزاوار کیوں ٹھہرائی جا رہی ہے۔" وہ جذباتی ہو گئی۔

"کیوں کہ یہی دنیا کا چلن ہے یہاں جرم کے محرکات نہیں مجرم اہمیت رکھتا ہے۔" وہ دور خلاؤں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"اگر اس کی جگہ تمہاری بہن ہوتی تو۔۔۔ تو کیا تم تب بھی اس کے لیے اتنا سخت موقف رکھتے۔۔۔ کیا تم اس کی خلاصی کے لیے کوشش نہیں کرتے؟"

"میری بہن اتنی کم عقل اور جذباتی نہیں ہے۔"

"یہ ہی تو۔۔۔" میرب نے جیسے نکتہ پکڑا۔ "کیوں کہ میری تربیت ایک اچھی عورت نے کی اور مجھے بہکانے

بھی کوئی نہیں آیا۔ مجھے اس طرح آزمایا ہی نہیں گیا نا عاشر! اور آزمائش پر ہم میں سے کتنے لوگ پورے اترتے ہیں؟ اگر ناکامی کو اللہ معاف کر دیتا ہے تو ہم کیوں معاف نہیں کر سکتے جبکہ خطاوار نادم بھی ہے؟" اس کے لہجے میں ہمدردی تھی گہرائی تھی اور بے چارگی بھی۔۔۔۔

"شاید کچھ عرصہ بعد میں اس متعلق کچھ کر پاؤں۔۔۔ فی الحال تو میرا دل نہیں مان رہا ہر چند کہ وہ اس کی جانب ملتفت ہے، مگر ایک دیوار سی ہے جو میرے دل اور اجیہ کے درمیان کھڑی ہو گئی ہے۔" وہ بھی اداس تھا۔

"اور میں دعا کرتی ہوں کہ یہ دیوار جلد ہی گر جائے۔" میرب نے دل کی گہرائیوں سے دعا کی تھی۔

☆ ☆ ☆

ڈھلتی شام کا سمے تھا۔

وقار صاحب۔۔۔ سائرہ، میرب اور اجیہ۔۔۔ سائرہ کی بیٹی جگنو کی دوسری سالگرہ منانے ہوٹل جا رہے تھے۔ خوشی، اطمینان اور آسودگی ان کے چہروں سے جھلکتی تھی۔ زندگی میں آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہوتا جا رہا تھا۔

"بابا۔۔۔ چاکلیٹ کیک لوں گی۔" جگنو نے توتلی زبان میں کہا تو سب ہنس پڑے۔

"ہاں بیٹا۔۔۔ چل رہے ہیں نا۔۔۔ جو چاہے لے لینا۔" ان کی گاڑی سگنل پر ٹھہری، سڑک کی دوسری جانب قطار سے بنی دکانوں کے آگے کوئی ہاہا کار مچی ہوئی تھی، مگر لوگ اس جانب متوجہ نہ ہو سکے۔

"ماروں گی۔۔۔ سب کو ماروں گی۔" پتھر اٹھا اٹھا کر اپنے پیچھے پڑے شرارتی اور بدتمیز بچوں کو پتھر مارتی اس عورت کو دیکھ کر پہلی نگاہ ہی میں کراہیت سی آئی تھی۔ جگہ جگہ پیوند والی خاکی مردانہ قمیص، ٹخنوں سے اونچی لال پھولوں، پھٹے پائنچوں والی شلوار۔۔۔ پھٹی اوڑھنی جو اس کے بنجے چھتے میل سے اٹے بالوں میں گری جاتی تھی۔ وحشت زدہ چہرے، جھلسی ہوئی رنگت اندر کو دھنسی پتھرائی ہوئی آنکھیں۔۔۔

"پاگل۔۔۔ پاگل۔۔۔ پاگل۔" بچے خوشی سے تالیاں بجا رہے تھے۔ اس پر کنکر پتھر اچھال رہے تھے۔

"ارے ہٹو، چلو بھاگو یہاں سے۔" ایک دکاندار نے سب کو ڈانٹ کر بھگایا۔

"پاگل۔۔۔ پاگل ہاں میں پاگل۔" اس نے ہیجانی قہقہہ لگایا۔ پھر یک دم خاموش ہو کر وحشت سے چلائی۔

"پاگل۔۔۔ تو پاگل۔۔۔ تو پاگل۔" وہ دیوانگی سے پتھر اٹھا کر اب بچوں کے پیچھے بھاگی۔

"پاگل۔۔۔ دیوانی۔۔۔ ننگی۔" بچے نعرے لگاتے آگے آگے تھے۔

بے لگام خواہشوں کے پیچھے اندھا دھند بھاگنے والوں کا انجام اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔ دوسروں کی زندگی سے کھیلنے والی آج دوسروں کے لیے تماشا بنی ہوئی تھی۔ سگنل کھل گیا تھا گاڑیاں آگے بڑھنے لگیں۔

☆

ایمل رضا

خوشبو

خوشبو پھیلی تھی۔ چاروں اور۔ جیسا کہ اس کا خاصہ ہے۔ بڑے ہی دھیمے انداز سے۔ لیکن پھر عجیب بات ہوئی۔ اسی خوشبو نے سارے حالات اپنے تابع کرلیے۔

فریحہ تو بچپن سے ہی طرح طرح کی خوشبوؤں میں پل کر جوان ہوئی تھی۔ لیکن اس خوشبوں کے احساس کو وہ بھی نہ سمجھ سکی۔ اور نہ ہی یہ جان سکی کہ خوشبوئیں بھی بعض اوقات آسیب کا روپ دھار لیتی ہیں۔ اور سائے کی طرح ساتھ چمٹ جاتی ہیں۔ پورا کمرہ روز دھلوایا جانے لگا۔ بیڈ شیٹ، صوفے کے کور، پردے، ڈریسز ہر روز تبدیل کیے جاتے، رافیل کا نائٹ سوٹ بھی روز دھلتا۔ لیکن خوشبو تھی کہ۔۔۔ پتا نہیں خیال تھا کہ خواب حقیقت تھی یا بس ایک خوشبو تھی۔ آسیب کی طرح پیچھا کرنے والی۔ جس نے فریحہ کا چین و قرار سب چھین لیا تھا۔

دہکتے انگاروں پر لوبان کے جلنے کی خوشبو، رتن جوت کیریا تخم کی دھسک والی اور فریحہ اندر ہی اندر کہیں جانتی تھی کہ اس عود کی تھالی بڑی حویلی کے پچھلے صحن کے سامنے والے بڑے کمرے میں دھری تھی۔ دھرا تو وہاں پر اور بھی بہت کچھ تھا۔ کچھ حقیقتیں، وضاحتیں اور شہادتیں بھی۔

یہ تب کی بات ہے جب سارے گھر والے فریحہ کو فریحہ نہیں بلکہ فری کہتے تھے اور قاسم کو قاسی۔ قاسم اس کا تایا زاد۔ ماں باپ کا اکلوتا اس کی طرح۔ اس کا دوست، اس کا واحد کزن۔ محبوب اور آنے والے دنوں میں اس کا منگیتر بھی۔ لیکن ابھی ہم بچپن میں ہی رہتے ہیں جہاں سے خوشبو کا شاخسانہ نکلتا ہے۔

بڑی حویلی کے پچھلے کمرے میں سیلن کی خوشبو تھی۔ حویلی میں بڑے کمرے زیادہ اور لوگ کم تھے۔ فری اور قاسی کو ملا کر کل چھ۔ اس لیے زیادہ کمروں پر تالے پڑے تھے۔ کچھ جو تالوں کے بغیر تھے۔ ان کے دروازے اندر کی فضا کی طرح جامد تھے۔ صرف صبح کے وقت ملازموں کی آمد سے حویلی میں چہل پہل ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد پھر وہی ان چاہی اور روز کی چھائی ہوئی خاموشی۔ لیکن ایک کمرہ ایسا بھی تھا جس کی رونق سدا بہار تھی۔

دونوں کا بچپن۔ باغ۔۔۔ پہاڑ۔۔۔ صحرا، بارش، میدان، طوفان۔ سب کچھ وہی تھا۔ جہاں طرح طرح کے کھلونوں کا ڈھیر بھی تھا۔ مٹی، پیتل، پلاسٹک سے لے کر ریموٹ کنٹرول گاڑیاں، جہاز، بندوقیں، گڑیاں اور نجانے کیا کیا کچھ۔ سب کچھ روز کمرے میں بکھرتا اور روز ہی سمٹتا۔ خود دونوں کھیلتے۔ گھنٹوں اپنے اپنے کھلونوں کو بھگاتے، دوڑاتے اور تھک کر وہیں سو جاتے۔ اسکول بھی دونوں کا ایک ہی تھا۔ کلاس بھی

ایک۔ بیٹھتے بھی دونوں ساتھ ساتھ ہی تھے۔
تایا اصغر زیادہ تر زمینوں پر ہوتے اور چچا اسلم اپنے دوستوں کے ساتھ شکار پر یا چوپال پر۔ تائی گھر کے کام کرواتے نہ تھکتیں۔ چھاج، چھان، کپاس، مرچ، ہلدی، روئی، لحاف۔ ان کی زندگی ان چیزوں سے شروع ہو کر ان پر ہی ختم ہوتی تھی۔ اور چچی اپنے ساتھ ایسا کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ ہر روز اپنے کمرے میں بیٹھی وہ سرخی پاؤڈر کو اپنے اوپر نت نئے طریقوں سے آزماتی رہتیں۔ تب ہی تو چچا زیادہ وقت گھر سے باہر گزارتے تھے۔ بچوں کی پروا کرتے کرتے دونوں لاپروائی کی حد تک بے پروا ہو چکے تھے۔ گھر میں کسی چیز کی کمی نہ تھی اور باہر جانے کی انہیں ضرورت نہ تھی۔ مشینی کھلونوں سے کھیلتے کھیلتے دونوں کو پتا ہی نہ چلا کہ کب دونوں نے اپنی اپنی زندگیوں کے ریموٹ ایک دوجے کے ہاتھ میں دے دیے ہیں۔

کمرے کے پیچھے بڑی جگہ خالی مٹی سے بھری تھی۔ جہاں گڑھے کھود کھود کر انہوں نے اپنے لیے محل نما گھر بنائے تھے۔ پھر تصوراتی آنکھ سے وہ دونوں ان گھروں میں بیٹھ بھی گئے تھے۔ اور انہوں نے وہاں اپنی اپنی زندگیاں بھی بتادی تھیں۔ اسی مٹی پر دونوں نے ان گنت پودے بھی اگائے۔ آم، جامن، املی کی گٹھلیاں دبائیں۔ مٹر کے جڑ نکلے دانے گڑھے کھود کر دفن کیے۔ پھر روز بلاناغہ پانی بھر دیا۔ جڑیں پھوٹیں، نئے پتے بھی آئے۔ لیکن کسی پودے کو پروان چڑھنا نصیب نہ ہوا۔ ذرا سی بے دھیانی سے چڑیاں ساری ہریالی۔ چگ جاتیں۔ دونوں ذرا بڑے ہوئے تو تایا اصغر کے ساتھ اپنی زمینوں پر جانے لگے۔ وہاں ان کی بہت بڑی اراضی کا کونے کا قدرے چھوٹا حصہ انجیر کے درختوں سے پر تھا۔ جہاں کی زمین اب کلر والی ہو گئی تھی اور درختوں کی جڑیں فور شور زدہ۔

دادا ابو کو ایک وقت میں جنون سوار ہوا تھا یہاں انجیر لگانے کا۔ انجیر کی خوشبو پھیلے گی تو دلوں سے کدورتیں، رنجش ختم ہو جائیں گی۔ دادا ابو بڑے ادبی قسم کے آدمی تھے۔ ذہن میں کچھ سما جاتا تو کسی کی نہ سنتے۔ ویسے بھی جو آدمی ادب کی سنتا ہو وہ دنیا کی آوازوں پر پھر کم ہی دھیان دیتا ہے۔

ان کے بڑوں نے سمجھایا بھی تھا کہ نہ تو آب و ہوا یہاں کی انجیر کے لیے مناسب ہے اور نہ ہی جگہ۔ لیکن دادا ابو نہ مانے۔ بڑے جتنوں اور معیاری مہنگی ادویات سے پودے درخت تو بن گئے تھے لیکن کسی ناک نے آج تک ان کی خوشبو نہ سونگھی تھی اور کسی آنکھ نے ان پر پھل لگتے نہ دیکھا تھا۔

ان ہی بے تحاشا بنجر درختوں میں سے ایک درخت فریحہ اور قاسم نے اپنے لیے منتخب کر لیا۔ دونوں نے اپنے اپنے نام اس پر کندہ کیے اور پھر روز اسے پانی دینے لگے۔ اپنے مزارعوں سے پوچھ کر قاسم گوڈی کر کے اسے کھاد گائے کا گوبر اور بکروں کی مینگنیاں بھی ڈالنے لگا۔ ایک سال گزر گیا۔ ان کا درخت دوسرے درختوں کے مقابلے میں کافی ہرا بھرا ہو گیا لیکن پھل تب بھی نہ لگا۔

پر ان کی اصل زندگی کو پھل ضرور لگ گیا۔ دونوں کی منگنی ہو گئی۔ قاسم کو دیکھ کر ویسے بھی امی کی کاجل لگی آنکھوں میں عجیب سی روشنی بھر جاتی تھی۔ اور ہونٹوں پر بھید بھری مسکراہٹ آجاتی تھی جیسے وہ کسی خاص وقت کا انتظار کر رہی ہوں۔ تایا ابا کی جائیداد کا اکلوتا وارث تھا قاسم۔ باقی سب تو خیر تھی۔ لیکن اپنی نند اور اس کی بیٹی رمشا سے انہیں بڑا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ ان کو خدشہ تھا کہ وہ دیکھتی ہی رہ جائیں گی اور نند رمشا کے لیے قاسم کو لے اڑے گی۔ دونوں کی عمریں کافی کم تھیں ورنہ امی تو نکاح سے کم پر مان ہی نہیں رہی تھیں۔

لو ھر فریحہ اور قاسی نے اس رات پہلی بار اپنے اپنے بستر پر خود پر سے دریا کو پوری روانی کے ساتھ گزرتے محسوس کیا تھا۔ یہ بھی ایک خوشبو تھی۔ جس سے باقی خوشبوئیں انجان تھیں۔ دریا کے پانی کی خوشبو اور اسی کی طرح شفاف محبت کی خوشبو۔ یہ تمام واقعات فصل خریف کی ہیں۔

پھر فصل ربیع شروع ہوئی۔ اصل فصل۔

✡ ✡ ✡

فصل ربیع میں سب سے پہلی خوشبو شہر کی تھی۔ نئی خوشبو۔ جس میں آلودگی اور پر ہجوم ہنگامے کی آمیزش تھی۔ اور نفسا نفسی تھی۔ میٹرک کے بعد وہ شہر آگئی۔ آنا قاسم کو بھی تھا لیکن تایا ابا انتقال کر گئے۔ اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کے لیے وہ وہیں رک گیا۔ چچا اسلم نے اس کے جانے پر بھی اصرار کیا تھا۔ لیکن تائی امی نہ مانیں۔ کہتیں اب اسے دیکھ دیکھ کر ہی زندگی بسر کرنی ہے۔ اس لیے فریحہ اکیلی ہی آگئی تھی۔

نجانے یہ جگہ کی تبدیلی کا اثر تھا یا قاسم سے جدائی کا غم۔

اپنے ہاسٹل کے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی وہ ان گنت روشنیوں کے ملاپ کو دیکھتی اور سوچتی اتنی روشنی ہے۔ ہر رنگ کے دس دس عکس نظر آتے ہیں۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون سا رنگ پکا اور سچا ہے۔ ان باتوں کا اظہار وہ اپنی دوستوں سے کرتی تو وہ پھڑک پھڑک جاتیں۔

"کیسی باتیں کرتی ہے تو فیری۔ اکیلے کمرے میں بند رہے گی تو ایسی ہی سوچیں آئیں گی۔ کل تو بھی ہمارے ساتھ باہر نکل۔ بازار جائیں گے۔ گھومیں پھریں گے۔ شاہی قلعہ بھی چلیں گے۔"

"شاہی قلعہ۔؟"

"ہاں۔ بہت تاریخی جگہ ہے۔"

شہر آنے کے پہلے ہی ہفتے وہ فریحہ سے فیری ہو گئی تھی۔ فری بھی نہیں۔ صرف فیری۔ اور یہ ننھا سا لفظ اس کی دوستیں بڑا لمبا' ہونٹوں کو بڑا موڑ کر ادا کیا کرتی تھیں۔ اس نے سوچا یہ شہر بھی عجیب ہے۔ آتے ہی بدل دیتا ہے اور تاریخی چیزوں کو اپنے اندر سمیٹے بھی رکھتا ہے۔

شہر تو واقعی عجیب تھا۔ تب ہی تو اس کا باپ اس کو داخل کروا کر خود واپس گیا تھا لیکن اپنا دل و دماغ یہیں کہیں چھوڑ گیا تھا۔ تین ماہ بعد وہ پانچ دنوں کے لیے گھر واپس گئی تو اسے اس بات کا پتا چلا تھا۔ سارا دن تو وہ قاسم سے باتیں کرتی رہی۔ اسے اپنے کالج' ہاسٹل' دوستوں اور شہر کی ہر ایک بات جو اس نے دیکھی اور نوٹ کی تھی بتادی۔ قاسم خاموشی سے سنتا رہا اور مسکراتا رہا۔ وہ کیا کہتا۔؟ وہ تو کہیں گیا ہی نہیں تھا اور گاؤں وہیں کا وہیں ٹھہرا ہوا تھا۔ کچھ نیا نہیں ہوا تھا۔ دونوں میں کوئی پردہ تو نہ تھا۔ بس گفتگو میں ذرا تکلف ضرور آگیا تھا۔ سارا دن فریحہ کی باتیں ختم ہوئیں نہ قاسم کی مسکراہٹ' پتا نہیں وہ باتیں سن سن کر مرعوب ہو رہا تھا یا فریحہ کو دیکھ دیکھ کر۔ شہر تو وہ بھی جاتا تھا اپنے ابا اور چچا اسلم کے ساتھ۔ نجانے کتنی ہی بار۔ اور فریحہ بھی دیکھی بھالی تھی۔ اس کے بچپن کی دوست۔ نیا تھا تو صرف وہ جذبہ جو بلند سے بلند تر ہی ہوتا جارہا تھا اور جس کی ہر نئی منزل آخری منزل نہیں تھی۔

رات کو فریحہ ماں باپ کے کمرے میں گئی تو شہر کے قصے بھولی تھی۔

"شہر میں گھر؟"

"ہاں۔ تمہارے باپ نے اور میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم اپنے حصے کی زمین بیچ دیں گے اور شہر میں گھر بنائیں گے۔"

"تو پھر تائی اور قاسم؟" وہ شاید صرف قاسم کا پوچھنا چاہ رہی تھی۔

"تمہاری تائی کو تو بہت منایا ہے پر وہ نہیں مانی۔ اب تم قاسم کو منا کر دیکھ لو۔"

وہ قاسم کو نہ منا سکی۔ وہ تو بات بھی نہ کر سکی۔ اس نے ابھی صرف محبت کرنے کا فن سیکھا تھا۔ محبت تھوپنے کا نہیں۔ کھونٹی سے باندھنا اسے آتا تھا نہ وہ جاننا چاہتی تھی۔

اگلی بار اسے سیدھے گاؤں نہیں جانا پڑا تھا۔ وہ شالدرے والی اپنی نئی کوٹھی میں آگئی تھی۔ کوٹھی ہاسٹل سے دور تھی اسی لیے وہ ابھی تک ہاسٹل ہی رہ رہی تھی۔ گھر پہنچ کر وہ امی ابو کے ساتھ تائی سے ملنے گئی تھی۔ امی نے شہر کے قصے دوبارہ اپنی زبان میں جذب کر کے ابھارے تھے لیکن تائی امی پھر بھی نہیں مانی تھیں۔ دو دن بعد یہ قافلہ واپس آیا تھا۔ اب ہر

مہینے وہ اسی طرح کرتی۔ پہلے شاہدرے جاتی پھر گاؤں۔ تائی اور قاسم سے ملنے۔ چھ ماہ تو اسی طرح ہوتا رہا۔ لیکن ساتویں ماہ امی نے جانے سے انکار کردیا۔

"بھئی۔ اس دفعہ نہیں۔ اگلی بار سہی۔"

اسے اور تو کسی چیز کی فکر نہ ہوئی بس اتنا ہی ہوا کہ قاسم نجانے کب سے پگڈنڈی پر نظریں گاڑے کار کے اٹھتے دھویں کو دیکھنے کے انتظار میں غرق ہوگا۔ پھر اتفاق ایسا ہوا کہ امی اگلی دفعہ بھی جانے پر راضی نظر نہ آئیں۔

امی ممی بننے کی پوری تیاری کررہی تھیں۔ گھر بدل رہا تھا۔ قرینہ بھی، طریقہ، سلیقہ بھی۔ ابو دھوتی کرتے سے شلوار قمیص پھر سفاری سوٹ پر آگئے تھے۔ ان کی بیڑی بھی سگریٹ سے سگار تک کا سفر طے کرچکی تھی۔ ممی کا پراندہ کھل چکا تھا بالوں میں لہریں آگئی تھیں۔ پھر کمر پر جھولتے بال کٹتے کٹتے کندھے سے آلگے تھے۔ کپڑے تنگ ہوتے ہوتے جسم نمایاں کرنے لگے تھے۔ کاجل کی جگہ آئی لائنر، مسکارے اور نجانے کس کس نے لے لی تھی۔

"ابو' تائی کی طرف چلیں؟" اس نے ہمت کرکے سگار پیتے ابو سے کہہ دیا۔ اخبار سے نظریں ہٹا کر اسلم نے اسے دیکھا۔ ان کے چہرے پر بڑی سی معذرت لکھی ہوئی تھی۔

"بیٹا! اس ہفتے میں مصروف ہوں۔ جے جے کے ساتھ جانا ہے منگلا ڈیم۔ مچھلی کے شکار کے لیے۔"

ابو۔ نہیں ڈیڈی نے جواب دیا۔

پھر تیسرا مہینہ بھی گزر گیا۔ چوتھا اور پانچواں بھی۔ تائی اسی دوران اس کی غیر موجودگی میں چکر لگا کر چلی بھی گئی تھیں۔ اسے پتا ہی نہ چلا۔ چھ ماہ گزرے تو وہ باقاعدہ اداس رہنے لگی۔

"کیا ہوا؟" سہیلیوں نے بڑے پیار اور ہمدردی سے پوچھا۔ جواب میں اس نے اپنی منگنی کی انگوٹھی انہیں دکھادی۔ جواب تک اس نے ان سے چھپائی ہوئی تھی۔

"ہائے، چھپی رستم! تو نے ہمیں بتایا ہی نہیں۔ کیسا ہے۔ کیا کرتا ہے۔ نام کیا ہے بھلا؟" جذبات کے ریگ مال سے گھستی گھستی وہ اپنے سارے ضبط ان کے آگے کھولنے لگی۔

"تو میڈیکل کررہی ہے۔ اور وہ زمین سنبھالتا ہے۔ واہ۔" وہ سوچنے لگی شہر کے ساتھ ساتھ لوگ بھی عجیب ہیں۔ جن کی تعریف میں طنز ہے اور تائید میں تنقید۔

"تو کہے تو ہم بھی ساتھ چلیں۔"

"یہاں ہاسٹل میں ہی نہ بلوالیں اس ٹیارے کو۔"

"ہائے۔ دیکھنے میں کیسا ہے؟"

"نام تو اچھا ہے قاسم۔ دیکھیں کہیں محمد بن قاسم ہی نہ نکلے۔ عزتوں کا رکھوالا۔ یہ نسیم حجازی کے کردار اب کسی لڑکی کو نہیں چاہئیں۔ آج کل کی لڑکیوں کو تو کچھ اور ہی چاہیے۔" لڑکیاں ذومعنی ہنسیں۔

"تو اکیلی کیوں نہیں چلی جاتی۔" سارے ہنسی مذاق میں کسی ایک نے اسے راہ دکھا ہی دی۔

"ہاں۔ اکیلی چلی جاؤ۔ تنہا سفر کروگی تو کانفیڈنٹ فیل کروگی۔" ممی بیگ اٹھا کر اسے کہتے ہوئے باہر چلی گئیں۔ اور ڈیڈی۔ وہ بھلا گھر پر موجود ہی کب تھے۔

تھوڑا سا سامان پیک کرکے وہ تائی سے ملنے آگئی۔ یا شاید قاسم سے ملنے۔

"تو اکیلی ہی آگئی فریحہ؟" صدقے واری جانے کے بعد تائی نے حیران ہو کر پوچھا۔ پھر خود ہی چپ بھی ہوگئیں۔ شام کو اس کی قاسم سے ملاقات ہوئی تھی۔

قاسم گھر میں داخل ہوا تو فری سیڑھیوں پر بیٹھی آسمان پر اڑتی چڑیوں کو دیکھتے ہوئے گنگنا رہی تھی۔ قاسم کو دیکھ کر وہ گنگنانا اور دیکھنا دونوں بھول گئی۔

ایک تو اس وجہ سے کہ وہ کب سے اس کا انتظار کررہی تھی۔ دوسرا وہ تھوڑا بدل گیا تھا اور تیسرے۔ وہ اسے اچانک دیکھ کر کھل اٹھا تھا۔ چوتھے دونوں۔ چھ ماہ بعد مل رہے تھے۔

قاسم تھوڑا جھینپ گیا۔ اس نے اپنی قمیص اتار کر اپنے کندھے پر رکھی ہوئی تھی اور جسم پر جابجا گیلی مٹی چڑھی تھی۔

"وہاں کوئی تخت نہیں ہے۔ جو تو زمین پر لیٹ جاتا ہے۔" اپنی چادر کے پلو کو مٹھی میں پکڑ کر وہ اس کے جسم پر پھیرنے لگی۔ وہ چھ ماہ پیچھے جانے کی کوشش کر رہی تھی یا شاید بچپن میں۔ قاسم نے اپنے جسم پر لہراتا اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ شام ہونے کے باوجود گہری رات کا سناٹا فریحہ کے چہرے پر آکر رک گیا۔

"اپنی چادر خراب نہ کر۔ میں نہالیتا ہوں۔"

"تجھے دیکھنے میں کوئی رکاوٹ مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔" آنکھیں نجانے کب بھیگ گئیں اور آواز نجانے کب روہانسی ہو گئی۔

"سچ فریحہ؟" وہ جلد سے جلد یقین کر لینے کے سے انداز میں پوچھنے لگا۔

"ہاں۔ سچ۔"

"تو جانتی ہے' یہ چھ ماہ میں نے کیسے کاٹے۔ روز بڑی سڑک کو دیکھتا تھا۔ دن رات۔ سارے مزارعے بھی مجھے چھیڑنے لگے تھے۔ میں نے سوچا' کہیں تجھے شہر راس ہی نہ آگیا ہو۔ کہتے ہیں جسے شہر راس آجائے وہ پھر کسی اور کو راس آنے جوگا نہیں رہتا۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگا۔

"جس دن میں تجھے بھول جاؤں گی۔ وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہو گا قاسم۔"

اندر کچن میں تائی کو نجانے کیا نہیں مل رہا تھا جو وہ کب سے باہر ہی نہ نکلی تھیں۔ فریحہ اندر گئی تو وہ خالی مرتبان سے کشتی کھیل رہی تھیں۔

"تائی کچھ جل گیا ہے کیا؟۔ خوشبو آرہی ہے۔ عجیب سی۔"

وہ جان نہ سکی کہ پچھلے کمرے میں پڑا عود دان بھڑک اٹھا ہے۔ بھنتے گڑ اور گلاب کا ملاپ ہوا ہے اور خوب ہوا ہے۔ اسے پتا ہی نہ چلا۔ شہر محبت میں کس نے اگر کے کھیت کو پروان چڑھایا ہے۔ یہ اس کی خوشبو تھی۔

"قاسم جب گھر آتا ہے تو۔ انجیر کی خوشبو بھی آتی ہے۔"

تائی جیسے بات کو گول کرنا چاہتی تھیں۔

"اس وقت تیری چادر میں سے آتی ہو گی۔" تائی نے زمین سے ٹکتی مٹی سے اٹی اس کی سفید چادر کی طرف اشارہ کیا اور ہنسی دبانے کی غرض سے اپنا منہ مرتبان کے اندر تک ڈال دیا۔ فریحہ شرم سے پانی پانی ہو گئی۔

اگلے دن صبح اس کے اٹھنے سے پہلے ہی قاسم جا چکا تھا۔ فریحہ کو غصہ آگیا۔

"تائی! اتنے تو نوکر چاکر ہیں وہاں۔ پھر یہ کیوں ہلکان ہوتا ہے۔"

"کوئی پرلیا کسی کے کام کو اپنا سمجھ کر تھوڑی نہ کرتا ہے۔ پر میں نے روکا تھا۔ کہنے لگا' جلدی آجاؤں گا۔" تائی نے اس کا دل رکھنے کو کہا۔ پر اس کا دل نہ لگا۔ دوپہر ہو گئی قاسم نہ آیا۔ پھر سہ پہر بھی ڈھل گئی۔

"اب کی بار جائے کی تو ساگ روٹی بھی لیتی جانا۔ کیا پتا' اسے بڑا اچھا لگے۔" فریحہ کو اپنی دوست کا مذاق یاد آیا۔ ساتھ ہی اس کے دل میں ایک خیال آیا یا شاید۔ شرارت۔ تھرماس میں چائے ڈال کر اس نے سینڈوچ اور ابلے انڈے ایک ٹوکری میں ڈالے اور زمینوں پر چل دی۔ قاسم نے اسے دور سے ہی دیکھا تو ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگا۔ فریحہ کے نزدیک پہنچتے پہنچتے وہ ہنسی بلند و بانگ قہقہوں میں بدل گئی۔

چوڑی چھاتی' موٹی گردن' مضبوط بازو' کسرتی جسم۔ بہت سارے انجیر کے درختوں میں گھرا قاسم۔ اسے خود بھی کوئی درخت ہی لگا۔ جس کی شاخیں آپس میں تالی بجا رہی تھیں اور پتے بری طرح لہرا رہے تھے۔ وہ ایک درخت ہی تھا۔ اونچا لمبا تر و تازہ اس کا اپنا جس کے تنے پر وہ اپنا نام کندہ کر چکی تھی۔

"میں نے اتنا دل لگا کر یہ سب بنایا اور تو ہنس رہا ہے۔"

"میں کوئی مزارع تھوڑی ہوں۔ مالک ہوں یہاں کا۔ انتظام ہو جاتا ہے یہاں پر بھی بھئی۔" باسکٹ اور تھرماس وہیں رکھ کر وہ اسے اندر انجیر کے درختوں میں لے گیا۔

"دیکھ' سارے ہرے بھرے ہو گئے نا۔ کیسے بنجر تھے سب۔ اب سب پر پھل آئے ہیں۔ جس درخت

پر میرا نام لکھا ہے اس پر بھی۔"
"ہاں واقعی۔" نظر اٹھا کر وہ ایک ایک درخت کو دیکھنے لگی۔
"یہ کھا کر دیکھ۔ کیسا میٹھا اور لذیذ ہے۔" اس نے ایک پھل توڑ کر اسے پکڑا دیا۔
"خوشبو دیکھ۔ میں نے کہا وقت بدل رہا ہے اور ماحول بھی۔ دادا ابو صحیح کہتے تھے۔ میرا دل تو واقعی صاف ہو رہا ہے۔"
"اس میں سے تیری خوشبو آتی ہے۔" وہ لیس دار گودے کو کھاتے ہوئے بولی۔
"میری؟" وہ حیران ہوا۔ "انجیر میں خوشبو کہاں ہوتی ہے۔"
خوشبو کا ذکر پھر چل نکلا اور کسی نے کستوری کا سفوف ہوا میں اڑا دیا۔ ہنستے ہنستے فریحہ نے کل کی چادر والی بات بھی قاسم کو بتادی۔
"تو کلر سے لڑا ہے نہ۔ تو نے شور۔۔۔ سے مقابلہ کیا ہے۔ بنجر درختوں کے ساتھ دن رات محنت کی ہے۔ ان میں تیری اور تجھ میں ان کی خوشبو رچ بس گئی ہے اور۔۔۔"
"اور کیا۔ بول فریحہ؟" اس کا چہرہ جذبات سے روشن ہو گیا۔
"اور یہ خوشبو میری ذات کا حصہ ہے۔ میرے ہوش گم کرتی ہے۔ مجھے دیوانہ کرتی ہے۔"
فریحہ نے کہا اور محبت کا طبل پوری دھوم دھام سے بج اٹھا۔ فریحہ کی ان باتوں کے گواہ درخت بن گئے اور سرگم کے آگے کسی نے جیسے عنبر رکھ دی' یہ بن کر قاسم کی آنکھیں گہرے ہوتے اندھیرے میں چمکی تھیں۔
سنجیونی۔۔۔۔ بوٹی کی طرح۔ فریحہ پیچھے کو ہٹنے لگی۔ ایک درخت اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ موٹے تنے والا۔ سنجیونی بوٹی کی چمک کے ساتھ اور یہ چمک لحہ بہ لحہ قریب ہی آتی جارہی تھی۔ قریب اور قریب۔ فریحہ دوسرے درخت کے تنے سے جا لگی۔
درخت پر بیٹھی چڑیا پھر سے اڑ گئی۔ اور نمبردار نے بڑی زوردار سیٹی بجائی حالانکہ سیٹی بجانے کا کام تو عشا کے بعد شروع ہوتا تھا۔
ہنستے ہوئے وہ پگڈنڈی پر واپس آئی تھی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ قاسم اسی طرح کھڑا تھا۔ درخت کے تنے پر جھکا۔ اس کی طرف پشت کیے۔ جیسے خود سے شرمندہ ہو۔ حالانکہ۔۔۔۔ حالانکہ کچھ بھی تو نہ ہوا تھا۔
فریحہ نے اسے ایک دھکا ہی تو دیا تھا۔
صبح فریحہ کو پتا چلا' رات وہ بڑی دیر سے گھر واپس آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

فریحہ کی پڑھائی کو ابھی صرف ڈیڑھ سال ہوا تھا۔ ساڑھے تین سال مزید باقی تھے۔ یہ ساڑھے تین سال بڑی تیزی سے گزر گئے۔ وقت بدلا اور خوشبو؟ خوشبو میں بھی کہیں کھنڈت پڑ گئی۔ انجیر کے درختوں کی بڑھوتری کو وہ مزید دیکھ ہی نہ سکی۔
کچھ حالات۔ کچھ تعلیم کا دباؤ۔ وہ ان ساڑھے تین سالوں میں ایک بار بھی گاؤں نہ جا سکی۔ تائی امی شروع شروع میں تو خود چلی آتی تھیں۔ پھر نجانے ممی ڈیڈی کے رویے میں انہیں کون سی بات بری لگی کہ انہوں نے بھی آنا چھوڑ دیا۔ سال بعد عید وغیرہ پر قاسم آجاتا تھا۔ دونوں کی ملاقات تب ہی ہوتی تھی اور یہ ملاقات بڑی مختصر' بڑی سرعام قسم کی ہوتی تھی۔ اسے پتا ہی نہ چلتا تھا اور ممی ارادتاً" دونوں کو تنہا نہ چھوڑتی تھیں۔
محبت اور ایلفی میں ایک قدر مشترک ہے کہ ذرا سی باہری ہوا یا دھوپ سب سوکھا کر رکھ دیتی ہے۔

دونوں بچپن کے دوست۔۔۔۔ تکلفات کی آڑ میں چھپے رہے۔ یہ آڑ ہی محبت کے لیے باہری ہوا ثابت ہوئی تھی۔
پھر صورت حال میں سلمیٰ آنٹی شامل ہوئیں۔ پڑوس میں بننے والی نئی کوٹھی میں اپنے شوہر نامدار کے ساتھ۔ شوہر پوری ڈیڈ کی کاپی اور سلمیٰ آنٹی ممی کی۔ اتنی کہ ممی کو ان کے گھر چھوڑ آؤ اور سلمیٰ آنٹی کو اپنے گھر لے آؤ۔ وہ بھی اپنے چار جمیلوں اور ان کی فیملیز سے تھوڑے عرصے پہلے ہی آزاد ہوئی تھیں۔

اس لیے ممی کی طرح اپنی زندگی خوب دل لگا کر انجوائے کر رہی تھیں۔ بہت سی نت نئی چیزیں انہوں نے ممی کو بتائیں اور بدلے میں اتنی ہی ممی نے ان کو سکھائیں۔ سیاست' گھر' فیشن' کلب' سڑکیں' بوتیکس' سنیما' پارک' شیفون' جارجٹ' گولڈ' ڈائمنڈ ہر چیز پر دل کھول کر تبصرے کیے جاتے۔ پھر ایک دن فریحہ ان کے سامنے بیٹھی تو باتوں کا رخ پانی کے دھارے کی طرح بدل گیا۔

سلمیٰ آنٹی بولتے بولتے رکیں۔ فریحہ کو دیکھا اور ٹھٹھک گئیں۔ اس دن کے بعد عورت نامہ ختم ہو گیا اور ان کا بیٹا نامہ شروع ہو گیا۔ رافیل ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ چار سال سے امریکا میں مقیم تھا اور بہت جلد واپس آنے والا تھا۔ لائق تھا۔ محنتی تھا اور کامیاب ہونے جا رہا تھا۔ اسی لیے سلمیٰ آنٹی کے منہ سے اس کی باتیں ختم ہونے کا نام نہ لیتی تھیں۔

"رافیل بیٹا... رافیل وہ۔" فریحہ کو لگتا' دنیا میں جتنے بھی اچھے کام ہوئے ہیں وہ صرف رافیل نے ہی کیے ہیں۔ اور آگے بھی جتنے ہوں گے وہ رافیل کی نسل ہی کرے گی۔

"بس آنے والا ہے۔ ایک ماہ بعد۔ ملواؤں گی۔" سلمیٰ آنٹی بڑے اشتیاق سے روز دن گنتی۔ بس انیس... بس ستائیس... اور بس کل۔"

"ارے آپ ایسے ہی کیوں لائیں گی' میں دعوت کروں گی باقاعدہ اس کی' پھر لائیے گا۔"

فریحہ سے زیادہ ممی مرعوب ہوئی تھیں شاید... پھر جب رافیل آگیا تو ایک ویک اینڈ ممی نے ان لوگوں کی دعوت کر دی اور اس دعوت کے حساس ہونے کے باعث پورے گھر کو ادھیڑ ڈالا۔ فریحہ جان ہی نہ سکی کہ ممی مٹی میں بیج دبا کر کونپل پھوٹنے کے لیے دعا گو تھیں۔ وہ اکثر اتوار کی شام ہوسٹل واپس چلی جاتی تھی' لیکن اس اتوار ممی نے اسے جانے ہی نہ دیا۔

"ارے... کیا سوچیں گے وہ لوگ۔ میزبان ہی گھر سے غائب ہے۔"

نت نئے کھانوں سے بھری ٹیبل پر ڈیڈی کو رافیل کے ابو اور ممی کو سلمیٰ آنٹی کے ساتھ اپنے اپنے دل پسند موضوعات پر شروع ہوتے وقت نہ لگا۔ چارو ناچار فریحہ کو ہی رافیل کو کمپنی دینی پڑی۔

آنے والے دنوں میں پینٹ شرٹ اور شوز میں ہر وقت تیار اور اٹین شن رہنے والا رافیل' فریحہ کو بڑا جاذب نظر لگا۔ چھوٹے' مگر جدید کٹ کے بال' ہلکی مستقل شیو' صاف ستھرے ہاتھ اور ناخن' اجلا لباس' پیسے کی فراوانی اور اندر کے قلبی سکون سے چمکتی جلد پر اطمینان آنکھیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو ہر وہ بات بتا دی اور پوچھ لی جو پہلی ملاقاتوں کا خاصہ ہوتی ہے اور جس میں تکلف کو ایک حد سے آگے نہیں بڑھنے دیا جاتا۔

دعوت کے اختتام پر وہ تین ان تین کو بھی اگلے ویک اینڈ کی دعوت دے گئے جسے ممی نے آدھے راستے میں ہی قبول کر لیا۔ مجبوراً" فریحہ اگلے سنڈے بھی ہوسٹل نہ جا سکی۔

پہلی دعوت میں رافیل جو صرف موم بنا بیٹھا تھا۔ دوسری دعوت میں بڑھ کر شمع اور پھر مشعل بن گیا۔ فریحہ کی آنکھیں اتنا روشن سراپا دیکھنے کی عادی نہیں تھیں۔ وہ چندھیا چندھیا گئیں۔

امریکی ماحول کا عادی لڑکا اپنے تعلیمی پریکٹیکل جوک سنا رہا تھا۔ جسے سنتے ہوئے فریحہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئی۔ رافیل کے ہاتھ پر کب اس نے ہاتھ مارا۔ اسے پتا ہی نہ چلا' بس پتا ہی تو نہ چلا۔

چھت پر دونوں کے کمروں کے ٹیرس آپس میں ذرا سے فاصلے ہی پر تھے۔ دونوں کی شام کو ایک ساتھ ٹیرس پر آنے کی ٹائمنگ دونوں میں سیٹ ہو گئی۔ فریحہ بھی رافیل کی خاطر صبح جاگنگ کرنے لگی۔ ہاسٹل' یونیورسٹی سب سے غیر حاضر ہونے لگی۔ یہ ایک نیا ہی کالج تھا جہاں اس نے داخلہ لے لیا تھا۔

مہینے بھر بعد کا واقعہ ہے۔ سلمیٰ آنٹی نے بھی ان کے گھر ہی ڈنر کیا تھا۔ رافیل بھی چلا آیا نجانے کہاں سے... آوارہ گردی کرتا ہوا۔

"ممی! گھر کی چابیاں دے دیں۔ آپ بے شک

یہاں ہی بیٹھی رہے۔ مجھے تو بڑی بھوک لگی ہے۔"

"ارے۔۔۔ بھوک لگی ہے تو بیٹھو۔ کھانا بنا ہوا ہے۔ ہم نے بھی ابھی ابھی کھایا ہے۔" سلمیٰ آنٹی کے بجائے ممی نے کہا۔

"دیکھو ذرا۔ کیسے شرما رہا ہے۔" اپنی ممی کا موڈ مذاق میں دیکھ کر وہ بیٹھ گیا۔

"فریحہ نے آج نئی ڈش بنائی ہے۔ تم بھی ٹرائی کرو۔" اور رائیل نے کھاتے وقت باقی ڈشز چھوڑ کر صرف فریحہ کی ڈش کی ہی تعریف کی۔

"رہنے دیں جناب۔۔۔ بنا رہے ہیں مجھے۔ کیا کبھی کسی اچھے ریسٹورنٹ میں کھانا نہیں کھایا؟"

"کھایا ہے۔۔۔ بہت بار۔۔۔ پر وہ تو پروفیشنل طریقے سے بناتے ہیں اور آپ نے پیار سے بنایا ہے۔" مسکرا کر کہا گیا۔ گھبرا کر فریحہ نے اپنی نظریں اس پر سے ہٹالیں۔ وہ کھا کم اور اسے زیادہ دیکھ رہا تھا۔

"اتنا اچھا کھانا کھلانے کا شکریہ آنٹی۔۔۔! اب آپ کا بھی حق بنتا ہے مجھ پر۔ کہیں تو آئس کریم کھلاؤں۔"

"لو بھئی۔ نیکی اور پوچھ پوچھ۔" گاڑی میں دونوں خواتین پیچھے اور یہ دونوں آگے بیٹھ گئے۔ آئس کریم پارلر میں ممی اور آنٹی نے ابھی آدھا کپ بھی ختم نہ کیا تھا کہ ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ہم ابھی آئے۔ ساتھ ہی بوتیک پر سیل لگی ہے۔"

"میں بھی چلتی ہوں۔" فریحہ اٹھی۔

"بیٹھو۔ تم تو انجوائے کرو۔" وہ دونوں ان دونوں کو اکیلا چھوڑ گئیں۔ فریحہ اٹھ نہ سکی۔ اس لیے نہیں کہ ممی نے منع کیا تھا بلکہ اس لیے کہ رائیل نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ رات میں صبح کی روشنی فریحہ کے چہرے پر عود آئی۔ پتا نہیں کیوں وہ رائیل کا ہاتھ جھٹک نہ سکی۔ پتا نہیں کیوں اور دوبارہ اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"امریکا میں بہت طرح کے لوگ ہوتے ہیں فریحہ۔۔۔! بہت ممالک بہت خطوں کے، سب کو جانتے جانتے اتنا ماہر ہو گیا ہوں کہ تم جیسی سادہ سی لڑکی کو جاننے میں ذرا بھی وقت نہیں لگا۔ اگر تم مجھے جاننا چاہو۔۔۔ سمجھنا چاہو تو شوق سے۔۔۔" وہ مسکرایا اور بڑی دیر مسکراتا ہی رہا۔ فریحہ کی آئس کریم پگھلنے لگی۔

"اور اس سب کے بعد کیا تم مجھ سے شادی کرو گی فریحہ؟" ٹیبل کی سطح سے نظریں ہٹا کر فریحہ نے رائیل کو دیکھا اور اگر کے کھیت کو جیسے کسی نے آگ لگا دی۔ خوشبو پلٹی اور پلٹ کر جھپٹی۔

راہداریاں پھیل گئیں اور آنکھیں سکڑ گئیں۔ محسوس کرتے کرتے۔

"ممی اور سلمیٰ آنٹی تو آپس میں کتنا بولتی ہیں۔ ایک ایک بات کرتی ہیں۔ پھر ممی نے سلمیٰ آنٹی کو یہ کیوں نہ بتایا کہ میری منگنی ہو گئی ہے۔" واپسی کے سفر پر اس نے سوچا تھا۔

اور اگر ممی نے نہیں بتایا تھا تو میرے منہ پر کس نے تالا لگا دیا تھا' میں کیوں رائیل کو قاسم کے بارے میں نہ بتا سکی اور رائیل کو یہ کیوں کہہ دیا کہ سوچ کر بتاؤں گی۔

مشرق کی طرف چلتے چلتے بڑے فاصلے پر واقع۔۔۔ قاسم کے انجیر کے درختوں پر دیمک لگنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"بیٹا! ہم چاہتے ہیں کہ اب تمہاری شادی کر دیں۔"

اگلے دن ممی اس کے کمرے میں آئی تھیں۔ اسے جگایا تھا۔ کھڑکی کے پردے سرکائے تھے اور جب وہ مکمل بیدار ہو گئی تھی تو ممی نے کہا تھا۔ "پریکٹس تم شادی کے بعد بھی کر سکتی ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ تائی امی۔۔۔" وہ بات مکمل نہ کر سکی۔ اس کے لب جامد ہو گئے۔ کچھ دل و دماغ نے اس کا ساتھ نہ دیا تھا۔ کچھ ممی کی آنکھیں ضرورت سے زیادہ کھل گئی تھیں اور ان کے تیور اس طرح بگڑے تھے کہ سر پر لگا ایک رولر لڑھک کر نیچے گر گیا تھا۔

ماحول ہلکا کرنے کی غرض سے۔ اس نے کل رات

رائیل کے پرپوزل والی بات۔۔۔ ہنستے ہوئے ممی کو بتا دی۔ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتی تھی۔ جہاں خود الجھ جاتی، وہاں سب کچھ ممی کے سپرد کر دیتی اور ممی کی عقل و دانش پر اسے شروع سے ہی کامل یقین رہا تھا۔

"آپ نے بتایا نہیں سلمیٰ آنٹی کو کہ میری منگنی ہو چکی ہے۔" ہنستے ہنستے اس نے یہ بات بھی کہہ دی۔ ممی کی صورت جیسے "سب کچھ جان کر بھی کچھ نہیں جانتی" کی نمائندگی کرنے لگی۔ وہ ایک ٹک فریحہ کو دیکھے گئیں۔

"نہیں۔۔۔ اور تم بھی مت بتانا کیونکہ تمہارے ڈیڈی بھی یہ ہی چاہتے ہیں۔"

"کیا؟"

"جو اندر ہی اندر تم بھی چاہتی ہو۔"

فریحہ کو کوئی شاک نہ لگا۔ وہ بت بنی بیٹھی رہی۔

"بچپن میں تم قاسم کے ساتھ گھر گھر کھیلا کرتی تھیں، لیکن اب تم بنگلے میں رہ رہی ہو اور یہ بنگلے بنگلے کا کھیل قاسم کے ساتھ نہیں کھیلا جا سکتا۔ یہ سڑک اور پگڈنڈی کا فرق نہیں ہے فریحہ! پوری زندگی کا سوال ہے۔ قاسم ایک شخص ہے اور رائیل شخصیت۔۔۔ تمہیں بہرحال شخصیت کی ضرورت ہے۔"

ممی بات کرنے سے پہلے سوچتی نہیں تھیں۔ صرف تولتی تھیں اپنے ذہن کے تول پر بنی تصویر۔ جس میں پلڑا رائیل کی طرف جھکا ہوا تھا۔ ممی نے فریحہ کو بھی دکھا دی۔ فریحہ تو آگ کے ہی تڑپ رہی تھی۔ مچل رہی تھی۔ سلگ رہی تھی۔ ممی نے حقیقتوں کی ہوا دی تو اس نے فوراً" ہی آگ پکڑ لی جس نے سب کچھ جلا ڈالا۔ خوشبو نے دھوئیں کا روپ اختیار کر لیا۔ بین جو ڈالا گیا تو وہ مرگھٹ کی اداسیوں کو بھی پیچھے چھوڑ گیا۔

ممی یہ سب نہ کہتیں تو وہ خود ان کے آگے ہاتھ جوڑ دینے کو تیار تھی کہ اسے آزاد کروائیے۔ وہ دو جنتوں میں نہیں جی سکتی۔ دو مختلف سمتوں۔۔۔ دو صدیوں۔۔۔ دو قرنوں میں۔۔۔ اپنے آپ کو بٹا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔ وہ دو کشتیوں میں پیر نہیں رکھنا چاہتی۔۔۔ کیا کوئی شخص دو دن اکٹھے گزار سکتا ہے۔ کوئی دو زندگیاں ایک ہی زندگی میں جی سکتا ہے۔ نہیں۔۔۔ نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ اور آج ممی نے اسے ایک زندگی چن لینے کا موقع دے دیا تھا۔

"آخری فیصلہ تمہارا ہو گا۔ فریحہ میری جان! جو تم چاہو۔۔۔" وہ دروازے کی طرف بڑھی پھر رک گئیں۔

"تمہیں پتا ہے کہ رمشا پچھلے چھ ماہ سے گاؤں میں ہے۔ اور۔۔۔ اور گاؤں میں طرح طرح کی باتیں اٹھ رہی ہیں۔" کہتے ہوئے وہ باہر چلی گئی تھیں۔

ممی اب ممی نہیں رہی تھیں۔ وہ مام بن چکی تھیں۔ ہاسٹل آنے کے ایک ہفتے کے بعد اسے اس چیز کا اندازہ ہوا تھا۔ سات دن کے اندر اندر انہوں نے گھر بیٹھے بیٹھے ہی نجانے کیا چکر چلایا تھا کہ آٹھویں دن ہاسٹل کے کمرے کی کھڑکی سے اس نے قاسم کو بلڈنگ کے اندر داخل ہوتے دیکھا۔ وہ ہانپتا کانپتا آیا تھا۔ جسم کا سارا خون اس کے چہرے پر جمع تھا۔

"مس فریحہ! آپ سے کوئی قاسم صاحب ملنے آئے ہیں۔" لڑکی نے اسے آکر کہا۔ وہ سوچنے لگی۔

"اس سے کہو مجھے نہیں ملنا اس سے۔۔۔" لڑکی چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد پھر آئی۔

"وہ کہتے ہیں۔ ضروری بات کرنی ہے۔" کمرے میں چکر لگاتی فریحہ نے پین پکڑ کر کاغذ پر نوٹ لکھ دیا۔

"ساری ضروری باتیں رمشا سے کرو اب۔۔۔" اور لڑکی کو تھما دیا۔ نیچے سے بھی نوٹ آگیا۔

"رمشا میری کچھ نہیں لگتی۔۔۔ لیکن اب تو ایسا چاہتی ہے تو اس سے ہی کر لیتا ہوں۔ میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہے۔ مردہ انسانوں کی جانچ پڑتال کرتی ہے۔ کبھی زندہ انسانوں کے سینے چیر کے دیکھ۔۔۔ پتا نہیں کیسے کیسے انکشافات ہوں گے۔"

قاسم لکھ کر چلا گیا۔ وہ جانتا تھا کہ محبت کا دونوں طرف سے اصلی ہونا ضروری ہے۔ کسی ایک طرف کی سودے بازی دونوں کی زندگیاں تباہ کر دیتی ہے۔

فریحہ پڑھ کر دھم سے اپنے بستر پر گری۔ اگلے ہفتے گھر آکر اس نے انجیر اور قاسم کی خوشبوؤں والی سفید

چادر کو دھلنے کے لیے دے دیا تھا۔

٭ ٭ ٭

ایک ماہ بعد... رافیل کے ساتھ اس کی شادی ہو گئی۔ خوب دھوم دھام سے... جس میں دونوں طرف سے اپنی اپنی اکلوتی اولاد پر دل کھول کر پیسہ خرچ کیا گیا اور سالوں کے ارمان نکالے گئے۔ ہنی مون پہ فریحہ کی فرمائش پر رافیل فریحہ کو فرانس لے گیا۔ وہاں سے واپسی پر ہی کچھ عجیب و غریب واقعات ہونے لگے۔

وہ کشتیوں میں سے اس نے ایک کشتی کا انتخاب کرلیا تھا، لیکن کشتی کشتی ہی رہی گھر نہ بن سکی۔ وہ زندگیاں تو اس کے خود کے بھیتر چھپی بیٹھی تھیں، جنھوں نے اس کے اندر بے چینی سی بھردی تھی اب وہ کہیں ٹک کر بیٹھے رہنے کو تیار نہ تھی۔ رکتی تو لگتا کہیں کچھ ہو جائے گا۔ چلتی تو محسوس ہوتا کسی اور ٹرین میں سوار نہ ہو جائے۔ فریحہ رافیل کو بدلی بدلی سی لگی۔ شادی کے ابتدائی دن تھے۔ جب سب کچھ سنہرا سنہرا سا لگتا ہے، لیکن فریحہ کے چہرے پر تو کچھ اور ہی رنگ چھائے رہتے تھے۔

"امریکا میں بڑی لڑکیاں مرتی تھیں مجھ پہ... لیکن میں نے خود کو بچائے رکھا۔ شاید تمہارے لیے اور تم ہو کہ... مجھ سے شادی کرکے خوش تو ہو نا؟"

"جی... بہت۔" وہ مسکراتے ہوئے کہتی۔

"تمہاری یہ مسکراہٹ... مجھے مطمئن نہیں کرپاتی۔"

وہ اسے کیسے مطمئن کرتی۔ وہ تو خود غیر مطمئن تھی۔ کچھ حیران کن تھا۔ کچھ انوکھا تھا جسے وہ سمجھ نہیں پارہی تھی۔ ممی کے مشورے بھی اس معاملے میں اسے لاچار محسوس ہوئے۔ ان سب کے علاوہ ایک اور چیز بھی تھی۔ خوشبو... اس خوشبو کی چلم بڑی حویلی کے پچھلے صحن کے سامنے والے کمرے میں دھری تھی۔ فریحہ بڑے بزرگوں، داناؤں کی یہ باتیں کیسے بھول گئی کہ خوشبو معطر کرتی ہے۔ دلوں سے رنجشیں، کدورتیں ختم کرتی ہے تو وہی خوشبو بہکاتی بھی ہے، ورغلاتی بھی ہے۔ برے کام کرنے والوں کے پیچھے آسیب کی طرح چمٹ بھی جاتی ہے۔

اس کے پیچھے بھی ایک آسیب لگ گیا تھا شاید۔

بڑے بزرگوں کی یہ تلخ باتیں۔ کیوں نئی نسل انہیں منوں مٹی تلے دفنا کر ان پر فاتحہ بھی پڑھنا بھول جاتی ہے۔ کیوں ان پر یقین نہیں کرتی۔ کیوں کرنا نہیں چاہتی۔ نہیں مانتی۔ کیوں ہر تجربے سے خود گزرنا چاہتی ہے۔ فریحہ اس آسیب سے چھٹکارے کے لیے ہر روز لوبان سلگانے لگی۔

مہینے بھر بعد کا واقعہ ہے؟ چلتے چلتے جیسے رک گئی۔ جلد ہو گئی... کچھ ہوا... ہاں بہت کچھ... وہ خود پر منکشف ہو گئی؟ ذات کے تصرف کی روشنی نے اسے خود میں قید کرلیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"روز بیڈ شیٹ بدلواتی ہو۔ روز کمرہ دھلواتی ہو۔ کیا ہوا ہے۔ کیسا خبط ہے یہ؟" رافیل نے پیار سے پوچھا۔

"کچھ بھی تو نہیں..." وہ ایسے بولتی جیسے اپنے خبط کو ضبط کررہی ہو۔ کسی خزانے کا راز اس کے سینے میں دبا ہو یا اسے قیامت کے دن کا پتا چل گیا ہو۔

"یہ میرے نائٹ سوٹ پر کس نے اس بری طرح اسپرے کیا ہے۔ کیسی خوشبو آرہی ہے۔"

"خوشبو...؟" وہ کانپ کانپ گئی۔ "کیسی خوشبو؟ ہاں میں نے ہی لگادیا ہو گا پرفیوم غلطی سے۔"

رافیل نے آگے بڑھ کر کھڑکیاں دروازے کھول دیے۔

"مجھے تو پورے کمرے سے خوشبو آرہی ہے۔"

"میں نے اسپرے کیا تھا۔"

"اتنا زیادہ۔" وہ تقریباً چلایا۔ فریحہ اسے کیسے بتاتی کہ وہ کچھ نہیں کررہی اور یہ سب کچھ کون کررہا ہے۔ کون خوشبوؤں سے لبریز آسیب ہے جو اس کے کسی برے کام کے نتیجے میں اس کے پیچھے لگ گیا ہے۔ وہ تو خود اس آسیب کا سراغ کھوج رہی ہے۔ اسے بھگانے یا اسے منانے کے لیے اور اس دن تو رافیل حیران ہی رہ گیا جب اس نے فریحہ کو اپنا تکیہ سونگھتے دیکھ لیا۔

"کیا کر رہی ہو؟"

"وہ۔۔۔ وہ میں۔۔۔" وہ گھبرا گئی۔ "مجھے لگا کہیں گندا ہی نہ ہو۔"

"صبح ہی تو تم نے اٹھتے ساتھ کور بدلے تھے۔" وہ حیران ہوا۔ پھر قریب ہوا۔

"فریحہ! سب خیریت تو ہے نا۔ کوئی بات ہے تو تم مجھے بتا سکتی ہو۔ شہر میں بڑے اچھے اچھے سائیکاٹرسٹ موجود ہیں۔ ایک دوبار جانے سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔" رافیل نے بڑے پیار سے کہا۔ فریحہ ہوک کر رہ گئی۔

تو کیا وہ کچھ ایسا کر بیٹھی تھی کہ اسے سائیکاٹرسٹ کے۔۔۔ مشوروں کی ضرورت آپڑی تھی۔

غم کی وجہ سے وہ ساری رات اس نے سوتے جاگتے گزاری۔ صبح آنکھ کھلی تو بستر کی بائیں طرف خالی تھی۔ رافیل یقیناً غسل خانے میں نہا رہا تھا۔ پتا نہیں لیٹے لیٹے وہ دوبارہ سو گئی تھی کہ جاگ ہی رہی تھی۔ بستر کی بائیں طرف ہاتھ پھیرتے پھیرتے اسے ایسے محسوس ہوا جیسے وہاں نرم گھاس اگ آئی ہو۔ آسیب اپنا سراغ دینے لگا تھا۔ گمان سے نکل کر وہ حقیقت میں آگئی۔ رفتہ رفتہ گھاس ملائم سے ملائم تر ہوتی گئی۔ سحر نے شام پکڑلی۔ سورج نے بھڑک کر لو دکھائی۔ پھر بجھ گیا۔ وہ چونک کر اٹھی، بیٹھی پھر کھڑی ہو گئی۔ رات وہ کہاں تھی اور اب وہ کہاں ہے۔ وہ فیصلہ نہ کر سکی۔

کیا وہ اغوا ہو گئی تھی راتوں رات یا بھٹک گئی تھی دن دیہاڑے۔

اس کے اردگرد انجیر کے درختوں نے پرچھائیاں سی شروع کیں۔ پھر وہ اپنے اپنے پھل وجودوں کے ساتھ وہیں ایستادہ ہو گئے۔ اس نے خود کو ان درختوں کے جھرمٹ میں گھرے ہوئے پایا۔ پھر انہیں میں سے ایک درخت اس کی طرف بڑھا۔ چوڑی چھاتی، موٹی گردن، مضبوط بازو، کسرتی جسم، سانولا سا، بھید بھری خوشبو دینے والا اور گہرے ہوتے اندھیرے میں جس کی آنکھیں سنجیونی بوٹی کی طرح چمک رہی تھیں۔

وہ درخت قریب ہوا۔۔۔ قریب اور قریب۔۔۔ فریحہ دوسرے درخت کے تنے سے جا لگی اور اس بار اس نے اس درخت کو دھکا نہیں دیا تھا بلکہ بڑھ کر اس کے ساتھ لپٹ گئی اور پھر لپٹی ہی رہی۔ درخت نے بھی اسے نہ چھوڑا جیسے وہ اس سے کوئی پرانے حساب کتاب یا کوئی پرانے بدلے لے رہا ہو۔

دریاؤں کے رخ مڑ گئے اور آبشاروں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ دور کہیں سے ایک آواز سنائی دی۔

"فریحہ۔۔۔!"

مدھم۔۔۔ مدھم۔۔۔ پھر یہ آواز تیز ہوتی گئی۔۔۔ تیز سے تیز تر۔۔۔ اس کے چہرے پر پھوار کی طرح پانی کے چھینٹے پڑے۔

"فریحہ۔۔۔!" رافیل نے اسے کندھوں سے تھام کر بری طرح ہلایا تھا۔ پھر شرارت سے اپنے گیلے بال اس کے چہرے پر جھٹکے تھے۔

"اچھا۔۔۔!! تو مجھ میں سے انجیر کی خوشبو آتی ہے؟" وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا۔ فریحہ کچھ نہ سمجھ سکی۔

"اور یہ خوشبو تمہاری ذات کا حصہ ہے۔ تمہارے ہوش گم کرتی ہے۔۔۔ تمہیں دیوانہ کرتی ہے۔۔۔ ہاں بتاؤ۔۔۔ بتاؤ۔" کافور کی لہر آئی اور فریحہ کو چھو کر چلی گئی۔

"وہ تمہیں تشبیہ دینے کے لیے انجیر ہی ملی تھی۔۔۔ مجھے تو بالکل پسند نہیں، لیکن اب اگر تم کہتی ہو تو روز کھانی ہی پڑے گی۔" شوخی سے کہتا رافیل فریحہ کو سکتے کے عالم میں چھوڑ کر باہر چلا گیا تھا۔

پہلے تو وہ کچھ سمجھ نہ سکی اور جب سمجھی تو اس کا اندر باہر بھیگ گیا۔ آنسوؤں سے، دکھ، غم، پچھتاوے سے۔۔۔ کرچی کرچی ہوتے وجود کے ساتھ فریحہ نے خود کو آئینے میں دیکھا۔ جہاں اس کے عکس کے بجائے کچھ اور ہی تھا۔

ایک آسیب۔۔۔ ایک انجیر کے موٹے تنے والا درخت۔۔۔ جس کی آنکھیں سنجیونی بوٹی کی طرح چمک رہی تھیں۔ اور جو ہاتھ پر ہاتھ مارتا، پتے لہراتا، طنزیہ قہقہے لگاتا بڑی اونچی ہنسی ہنس رہا تھا۔۔۔ بڑی ہی اونچی اونچی۔

☆

مریم سمیر
سفر رائیگاں

"آنی بوا۔۔۔ سلاد بنا دیا آپ نے۔۔۔؟" شوکت بیگم نے اندر کچن میں جھانکا۔

"ہاں خیر ہے۔۔۔ سب ہو گیا۔" وہ شیلف صاف کرتے ہوئے بولیں۔

"اور 'انار دانے کی چٹنی' ہری مرچ ڈال کر بنائی ہے نا۔۔۔ آپ کو پتا ہے نا' مروہ کو بہت پسند ہے۔" فریج کھول کر پھر بھی ایک بار اپنا اطمینان ضرور کر لیا۔ آنی بوا ہنس دیں۔

"ہاں ہاں۔۔۔ ہو' سب ہو گیا۔ میرے ہاتھوں کی پلی بڑھی بچیاں ہیں سب کی پسند ناپسند ازبر ہے مجھے۔" آنی بوا مسکرا دیں۔

"ہاں۔۔۔ وہ تو ہے پر پچھلی بار جو ہوا' مجھے بس ٹینشن سی ہے کوئی کمی نہ رہ جائے' آپ کے سامنے کی ہی بات ہے اسامہ نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔" شوکت بیگم کے لہجے میں آج بھی اس بات کا تاسف تھا۔

"کوئی بات نہیں' نئے رشتے' نئے لوگ ملیں تو انہیں سمجھنے میں تھوڑا وقت تو لگتا ہے۔" آنی نے ان کا حوصلہ بڑھایا۔

"ہاں۔۔۔ لیکن۔۔۔"

"جو ہوا۔۔۔ بس جانے دو۔۔۔ تم جھٹ پٹ میٹھے پر بادام پستہ لگا دو۔۔۔ میں تو چٹنی بنانے میں تھک گئی۔" وہ سہارا لے کر کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"آنی۔۔۔ مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔۔۔ آپ کا اس طرح کام کرنا۔۔۔ پھر بھی کتنا کچھ کر دیا آپ نے۔۔۔" شوکت بیگم ان کے لیے گلاس میں پانی ڈالنے لگیں۔

"کیا کرتی ہوں میں؟ صفا کے امتحان نہ ہوتے تو اس نے سب ہی کچھ خود کرنا تھا۔ اتنا سارا کام تم اکیلے کیسے کر پاتیں۔" آنی بوا نے کہا۔

"اچھا چلیں۔۔۔ اندر چل کر بیٹھیں۔ میں میٹھا فریج میں رکھ کر آتی ہوں۔"

"اسماء آجاتی تو اچھا تھا' پر بیٹیاں بھی اپنے گھر کی ہو جائیں تو' اگلے کی مرضی سے ہی آتی ہیں۔" شوکت بیگم کچھ نہیں بولیں۔

"میں تو کہتی ہوں۔۔۔ صفا سے پہلے۔۔۔ تنویر کی دلہن

مکمل ناول

لے آؤ' کچھ تمہیں سہولت ہو جائے گی۔" آنی بوا نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"آج کل کی لڑکیاں... کہاں یہ سب کرتی ہیں آنی بوا' مجھے تو یہ باتیں بھی اب بے کار لگتی ہیں۔ اب مروہ کو ہی دیکھ لیں۔" ان کے لہجے میں ہلکی سی فکر مندی کی جھلک تھی۔ آنی بوا نے بغور انہیں دیکھا۔

"اور صفا' کیسے کھینچ کھانچ کر کچن میں لانا پڑتا ہے۔" وہ کچھ وقفے سے بولیں... تو آنی بوا ہنس دیں۔

"تم دل بہت جلدی چھوٹا کر لیتی ہو' بچی ہے وہ... اور مروہ... ابھی شادی ہوئے دن ہی کتنے ہوئے پھر بھی کتنی جلدی ان کے رنگ میں رنگ گئی۔" آنی بوا نے انہیں دلاسہ دیا۔

"اتنے کچے رنگ تھے میرے آنی بوا!" وہ ایک لحظے کو ہاتھ روک کر بولیں... ایک دم تو آنی بوا بھی کچھ نہیں بولیں... اور جب بولنے کی لیے لب کھولے... تو ساتھ ہی تنویر اندر داخل ہوا...

"کیا بات ہے؟ آج تو پورا گھر... ماں کے بنائے کھانوں کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔" اس نے کھینچ کر لمبا سانس لیا۔

"اور تمہاری ماں پھر بھی بے چین ہے کہ کوئی کمی نہ رہ جائے' جوائی راجا کی ضیافت میں۔" آنی بوا نے کہا۔

"یہ ڈر تو پتا نہیں کب تک رہے گا۔ اتنے مہان جو ہیں ہمارے بہنوئی' بالکل ہائی فائی..." وہ اک انداز سے ناک چڑھا کر بولا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی شوکت بیگم کی ہنسی نکل گئی۔

"شکر ہے... آپ ہنس تو لیں... یہ حساب کتاب دیکھ لیں... صبح جو دو ہزار آپ نے مجھے دیے تھے نا... اس میں سے یہ پانچ کا نوٹ بچا ہے۔" اس نے ایک رسید کے ساتھ پانچ کا سکہ بڑھا دیا۔

"ہائیں... بوتلیں' آئس کریم اور تھوڑا سا فروٹ... اور دو ہزار لگ گئے۔" شوکت بیگم کا منہ کھلا رہ گیا۔

"نہیں... روغنی نان والے کو بھی پیسے دیے ہیں... اور بیکری کا سامان۔"

"اچھا اچھا بس... چار سموسے... چار پیٹیز میں پیسے پورے کر دیے... حد ہو گئی آنی بوا! آج کی دعوت میں پانچ ہزار خرچ ہو گئے۔" وہ تو دل و جاں سے جل گئیں۔

"بڑے گھر میں بیٹی بیاہی ہے ماں... اس کے سکھ کی خاطر کچھ قیمت... زندگی بھر قسط وار چکانی پڑے گی۔" پتا نہیں وہ طنز تھا یا آگاہی تنویر تو کہہ کر چلا گیا... اور شوکت بیگم پانچ کا نوٹ ہی دیکھتی رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

"شوکت بیگم اور انوار صاحب" ہنستا بستا گھرانہ... جہاں پیسے کی ریل پیل تو نہیں' لیکن اتنی آسانی ضرور تھی کہ انوار صاحب کے چھوٹے سے کاروبار سے زندگی سہل سی گزر رہی تھی... تین بیٹیوں اور ایک بیٹے کے ساتھ' وہ بہت مطمئن زندگی گزار رہے تھے آنی بوا جیسا بزرگ کا سایہ ان کے لیے کسی رحمت سے کم نہیں تھا۔ ان کے ساتھ کوئی خون کا رشتہ نہیں تھا۔

انوار صاحب کی والدہ کی منہ بولی بہن... جو تقسیم ہند میں بچھڑ کر ان سے آملی تھیں... ان ہی کی بیٹی تھیں' ساری زندگی اسی گھر میں بتادی۔ انوار صاحب انہیں بہن مانتے تھے' وہ ان سے کافی بڑی تھیں... اور انہیں آنی کہہ کر بلاتے تھے۔ شوکت بیگم انہیں "آنی بوا" پکارتیں اور آج تک وہ سب کی بوا آنی ہی رہیں... ان کی موجودگی گھر کے لیے باعث رحمت تھی۔

بڑی دونوں بیٹیوں کی شادی کر کے انوار صاحب کافی حد تک مطمئن ہو گئے تھے'

ان کی بڑی بیٹی اسماء اور چھوٹی بیٹی مروہ... دونوں کی شادی غیروں میں ہی ہوئی تھی۔ بڑی بیٹی کو بیاہے پانچ سال ہو گئے تھے... جبکہ مروہ کو ابھی صرف تین مہینے ہوئے' نئے لوگ' نئے رشتے اور ان کے مزاج کو سمجھنے میں کافی مشکل ہوئی' رشتوں کو نبھانا اور سمجھنا کچھ آسان تو نہیں تھا اور ابھی بھی... اپنے نئے داماد... اور بیٹی کے سسرال والوں کو ہینڈل کرنا مشکل تھا... دونوں بیٹیوں کی شادی اچھے کھاتے پیتے گھرانوں میں ہوئی... جو کم از کم انوار صاحب کے حالات سے

مطابقت نہیں کھاتے تھے۔۔۔ بڑے داماد۔۔۔ زیرک تو کافی حد تک ان سے گھل مل گیا۔۔۔ مزاج کا کافی اچھا اور بے تکلف تھا۔۔۔ جبکہ اسامہ کی طبیعت کچھ الگ سی تھی' بہرحال ابھی تو آغاز تھا۔۔۔ وہ اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے نہیں دے سکتے تھے۔

اسامہ فطرتاً "ریزرو رہنے والا لڑکا تھا' دوسروں میں جلدی گھلنا ملنا اسے پسند نہیں تھا' اپنے اصولوں اور عادات میں وہ بہت پکا تھا۔ اس کا زندگی گزارنے کا انداز کافی ہٹ کر تھا۔۔۔ اور اپنی شریک حیات میں بھی یہی سب دیکھنا چاہتا تھا' یہ سب مروہ کے گھر والے۔۔۔ اپنے داماد کے بارے تو سمجھ سکتے تھے۔۔۔ لیکن اپنی بیٹی میں بدلتی ہوئی عادات کو ایک دم قبول کرنا ان کے لیے کافی مشکل تھا۔۔۔ خاص کر شوکت بیگم کے لیے۔" یہ ان کی ہی تربیت تھی کہ جس گھر اور جس ماحول میں جاؤ وہاں کے مطابق رچ بس جاؤ' لیکن بعض اوقات کچھ تبدیلیاں مزاج کے ساتھ میل نہیں کھاتیں اور محسوس ہوتی ہیں۔

اسامہ کی خاموش طبع فطرت انہیں اچھی لگی تھی' مگر یہ کیا کہ ان کی ہنستی کھیلتی باتونی سی مروہ بھی اسامہ کے ساتھ بیٹھے اپنے ماں باپ اور گھر والوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کر رہی تھی جیسے پہلی بار مل رہی ہو۔۔۔ کھانے میں احتیاط' باتوں میں احتیاط' ہنسنے میں احتیاط۔۔۔ اور تو اور شادی کے بعد پہلی بار میکے میں ہونے والی دعوت میں اپنے پسندیدہ کھانوں کو اس نے چھوا تک نہیں۔

شوکت بیگم پریشان ہو گئیں۔ وہ ایک دم' چند دنوں میں اتنا کیسے بدل سکتی ہے؟ کہیں۔۔۔؟ وہ اسامہ کے ساتھ خوش تو ہے؟ کیسے کیسے خیال ان کے دماغ میں آنے لگے' اپنے اس خدشے کا اظہار انہوں نے آئی بوا سے بھی کر دیا' انہوں نے بھی دنیا دیکھی تھی۔ شوکت بیگم کے اس خیال کو رد کر دیا۔

"شوکت بیگم۔۔۔ وہ دونوں خوش ہیں۔ ایک دوسرے کی خوشی کے لیے میاں بیوی میں سے کسی ایک کو بدلنا ہی پڑتا ہے۔۔۔ اور یہ قربانی عورت کے حصے میں ہی آتی ہے۔" آئی بوا نے بڑے مدلل اور ٹھوس لہجے میں کہا۔

"ہماری مروہ بہت سمجھ دار ہے' اب اتنا تو ہم بھی سمجھ گئے ہیں کہ اسامہ بہت سلجھا ہوا اور نیک سیرت لڑکا ہے' اچھی بات ہے' وہ جیسا چاہتا ہے۔ مروہ ویسی ہی ہو گئی۔" انہوں نے مزید رسانیت سے کہا۔

"پر آئی بوا۔۔۔ یہاں اس نے زندگی کا ایک حصہ گزارا ہے' مجھے اس کے بدلے ہوئے اطوار بہت عجیب لگتے ہیں۔" وہ ماں تھی' کیسے چین نہیں آتا۔

"ماں کا سکھ سکون اسی میں ہے کہ اس کی بیٹی اپنے گھر میں خوش رہے اور تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہونا چاہیے۔۔۔" آئی بوا نے حتمی انداز میں کہا اور اس بات کے لیے شوکت بیگم کو قائل ہونا ہی پڑا۔

☆ ☆ ☆

مروہ کی نند سنگاپور سے آئی تھی۔۔۔ شادی کے بعد وہ پہلی بار آئی تو مروہ نے فون کر کے کہا کہ اسے کھانے پر بلائیں' بس اسی سلسلے میں یہ تیاری ہوئی تھی۔ مروہ نے فون پر سمجھا دیا تھا کہ کھانا بہت ہلکے مسالے والا ہونا چاہیے۔۔۔ وہ تو چاہتی تھی کہ بازار سے ہی آرڈر کر دیا جائے' مگر آٹھ نو افراد کا کھانا باہر سے منگواتے تو دس ہزار سے کم کیا خرچ ہوتا' شوکت بیگم کے لیے سمجھداری اسی میں تھی کہ وہ گھر میں ہی سب کچھ پکا لیتیں' انہوں نے دیسی کھانوں کو ہی "ولایتی" طریقے سے پکایا' جو ان کی بیٹی کے سسرال والوں کو پسند آجائے

'مروہ اور اسامہ پہلے ہی آگئے۔ ماں کھانے میں مرچیں تو کم رکھی ہیں نا' اور۔۔۔ ویجیٹیبل رائس میں اسپرنگ انین (sorubg onion) ہی یوز کرنا تھا۔۔۔ آپی نازی کو وہ بہت پسند ہے۔" مروہ نے پہلے آکر کھانے کا جائزہ لیا' پتا نہیں کیوں لیکن شوکت بیگم کو دل میں یہ بات بری محسوس ہو رہی تھی۔

"عجیب لڑکیاں ہو تم۔۔۔ مشکل میں ڈال دیتی ہو؟" وہ قدرے خفگی سے بولیں۔

"اوہ میری پیاری ماں۔۔۔ میں تو بس اس لیے کہہ

رہی تھی کہ کسی کو آپ کے بنائے کھانے پر انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملے۔۔۔ اور میں نے دیکھا ہے نازی آپی بہت نک چڑھی ہیں۔" وہ آہستگی سے بولی مگر پھر بھی اندر داخل ہوتی اسماء نے سن لیا۔

"خیر نک چڑھا تو تمہارا سارے کا سارا ہی سسرال ہے۔" وہ ہنس کر بولی تو دونوں بہنیں گلے لگ کر ہنس دیں۔ "کیا زیرک بھی آئے ہیں؟" شوکت نے بیٹی کو گلے لگا کر پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ اسامہ کے پاس بیٹھے ہیں؟ کیا بنایا کھانے میں۔۔۔" اس نے ایک دیگچی کا ڈھکن اٹھایا "ہم' ہم ویجیٹیبل رائس۔" اس نے دوسرا ڈھکن اٹھایا۔

"چکن چاؤ من' دیگچی کباب۔" اس نے باری باری سب کھانوں کا جائزہ لیا "بہت زبردست مینو ہے۔۔۔ سب آپ نے بنایا امی۔" اس نے حیرانی سے ماں کو دیکھا۔

"اور نہیں تو کیا؟ صفا کے امتحان تھے۔۔۔ میں نے امی کو فون پر گائیڈ کیا۔۔۔ یہ چکن چاؤ من تو امی نے پہلی بار بنایا ہے۔ ایکچولی نازی آپی کے بچوں کو بہت پسند ہے۔" مروہ نے خوش ہو کر بتایا' اس نے ایک کانٹا (Fork) اٹھایا اور دیگچی میں ہی سے چکھا "ہمی۔۔۔ بہت مزے کا بنا ہے امی۔" اسماء نے بھی ٹیسٹ کیا۔

"ہاں بنا تو مزے کا ہے۔۔۔ لیکن زیرک کو ایسے کھانے نہیں پسند۔" اسماء نے کہا۔ شوکت بیگم کا چہرہ مرجھا گیا۔

"تم لوگ اچانک آئے۔۔۔ بتا دیتیں تو میں کچھ اور بنا دیتی۔" شوکت بیگم نے کہا۔

"کوئی مسئلہ نہیں۔۔۔ تنویر کو بھیج کر بروسٹ منگوالیں' ساتھ یہ دیگچی کباب ہیں ناں۔۔۔" وہ دیگچی کا ڈھکن اٹھاتے ہوئے بولی۔ شوکت بیگم ہونق بنی رہ گئیں۔

"ابھی۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ وہ کہیں گے کچھ نہیں مگر ٹھیک سے کھانا نہیں کھائیں گے۔۔۔ اور پچھلی' صبح سے انہوں نے کچھ نہیں کھایا۔ امی تو ابھی آنے تک کہتی رہیں مگر۔۔۔ گھر میں ان کی پسند کا کھانا نہیں بنا تھا۔ نکلے تو آؤٹنگ کے لیے تھے پھر سوچا کہ آپ سے بھی ملتی جاؤں۔۔۔ مل کر کھانا بھی کھالیں۔" وہ اپنی ہی دھن میں بولتی جا رہی تھی۔

"ارے اسماء آپی۔۔۔ آج زیرک بھائی کو یہ کھانا کھلا کر دیکھیں۔۔۔ کچھ نیا ہو جائے گا اور پھر بنایا بھی تو ہماری ماں نے ہے۔۔۔ پسند تو ضرور آئے گا۔" مروہ نے امی کا چہرہ دیکھا تو یونہی کچھ محسوس کر کے بولی۔

"ہاں۔۔۔ ٹھیک کہہ رہی ہے' بروسٹ وروسٹ چھوڑو۔۔۔ اور کھانا لگاؤ۔۔۔ میز پر۔" شوکت بیگم نے فوراً" کہا' مروہ برتن نکالنے لگی۔

"یہ' صفا کہاں ہے نظر نہیں آ رہی۔" بالآخر صفا کو یاد کر ہی لیا گیا۔

"وہ کمرے میں ہے' دو پیپر ہیں اس کے کل' صبح سے پڑھنے میں لگی ہے۔۔۔" امی نے بتایا۔

"کچھ دیر کے لیے آجائے باہر' سب آئے ہیں۔ اچھا نہیں لگتا اور آپ صبح سے اکیلی ہی کام میں لگی ہیں' مجھے بلا لیا ہوتا۔۔۔ بتایا تک نہیں کہ مروہ کا سسرال بھی آرہا ہے۔" اسماء قدرے ناراضی سے بولی۔

"میں نے سوچا' تم کہاں بچے کے ساتھ کام کرو گی' ویسے بھی تمہارے سسرال کا کام کم ہے کیا۔۔۔ مروہ جاؤ' بلا لاؤ صفا کو۔ کچھ دیر بیٹھ جائے اور کھانا بھی کھالے۔۔۔" ماں نے کہا۔

"ہاں۔۔۔ ویسے بھی میں بھی ساتھ کام میں لگی رہی تو اسامہ برا مان جائیں گے۔" مروہ نے کہا اور کچن سے نکل گئی۔ شوکت بیگم کو شک ہوا کہ شاید انہیں سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ انہوں نے اسماء کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے انسان سسرال میں بھی کام کرتا رہے اور میکے میں بھی۔۔۔ آپ بھی تو ایک کام والی نہیں رکھتیں۔۔۔ خود بھی تھک جاتی ہیں۔۔۔ اور آنی بوا بھی چھوٹے موٹے کام میں الجھی رہتی ہیں۔۔۔" اسماء بلا تامل جو منہ میں آیا کہتی گئی۔ اور ساتھ ساتھ

برتن نکال کر شیلف پر رکھنے لگی۔
"آپ جائیں۔۔۔ اندر جاکر بیٹھیں۔۔۔ آنی بوا تو بور کر رہی ہوں گی۔" اس کا موڈ خراب تھا۔
"رہنے دو تم۔۔۔ میں خود کرلوں گی۔۔۔ جاؤ بیٹھو جاکر" شوکت کو غصہ آنے لگا۔
"امی۔۔۔ برا ماننے والی کیا بات ہے۔۔۔ نوکرانی رکھنا کوئی فیشن نہیں۔۔۔ اس گھر کی ضرورت ہے۔۔۔ اور اگر نہیں رکھ سکتیں تو تنویر کی شادی کردیں' کم از کم ہمارے آنے پر ہمیں خود تو کام نہیں کرنا پڑے گا۔" اسماء نے کہا اور برتن اٹھا کر اندر لے گئی۔ شوکت بیگم بے یقینی سے بیٹی کو دیکھتی رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم آنی بوا!" صفا گلاس ڈور کھول کر اندر آئی۔ آنی بوا اپنا پاندان کھولے بیٹھی تھیں۔
"وعلیکم السلام۔۔۔ آگئیں؟ کیسے ہوئے پرچے؟"
"اچھے ہوگئے۔" وہ بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔
"امی کہاں ہے؟"
"صبح سے طبیعت خراب ہے' ابھی لیٹی ہے۔۔۔" آنی بوا نے بتایا۔
"کیا ہوا امی کو۔۔۔ ڈاکٹر کے پاس چلی جاتیں۔" وہ فکر مندی سے اٹھی۔
"تم جانتی ہو نا اپنی ماں کو۔۔۔ سب کے لیے سب کچھ کرتی ہے۔۔۔ اپنی اس کو فکر نہیں' کہتی ہے' سو جاؤں گی تو طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔۔۔ تھک بھی تو جاتی ہے۔" آنی بوا نے رسانیت سے کہا۔ صفا نے شوکت بیگم کے کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھا اور انہیں سوتا دیکھ کر واپس پلٹ آئی۔
"تم کپڑے بدل آؤ۔ میں کھانا نکالتی ہوں۔"
"نہیں مجھے بھوک نہیں۔۔۔ کالج میں سینڈوچ کھایا تھا۔۔۔ ابھی کچھ دل نہیں چاہ رہا۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔
کچھ دیر بعد صفا واپس آئی۔۔۔ تو آنی بوا ابھی بیٹھی اونگھ رہی تھیں۔۔۔ وہ ٹی وی آن کرنے کا سوچ رہی رہی

تھی کہ فون کی بیل ہوئی۔ اس نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف اسماء آپی تھیں ـــــ آنی بوا بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ چند منٹ بعد صفا نے فون رکھ دیا۔

"کیا کہہ رہی تھی ـــــ"

"ٹیلر کو کپڑے بھجوانے ہیں۔" اپنے دیور سے بھجوائیں گی۔" صفا نے بتایا اور ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی۔

"لو بھلا ـــــ اب وہاں کوئی درزی نہیں بچا۔" آنی بوا بڑبڑائیں۔

"میں کہوں گی تو برا لگ جائے گا ـــــ اپنی ماں کی طبیعت ہی دیکھ لیں ـــــ اب دیکھ لینا ـــــ سب کپڑوں کی سلائی بھی ماں کی جیب سے جائے گی ـــــ" آنی بوا بولیں۔ صفا چپ چاپ چینلز بدلتی رہی۔

"کل کی دعوت پر چھ ہزار لگ گئے اور داماد نے پھر بھی کھانا ڈھنگ سے نہیں کھایا' زیرک ایسا نہیں تھا' یہ اسماء اسے سر ـــــ"

"آنی بوا ـــــ چھوڑیں نا اس بات کو ـــــ" صفا جھلا کر بولی۔

"لو ـــــ" آنی بوا نے بھنویں چڑھا کر اسے دیکھا۔

"کیوں چھوڑ دوں ـــــ؟ بیٹیوں سے بڑھ کر ہے میرے لیے شوکت بیگم اور ـــــ تمہارا باپ۔" احساس نام کی بھی کوئی چیز ہوتی ہے' اب یہ تھوڑی نا کہ شوہر کی جی حضوری میں باقی ہر رشتہ بالائے طاق رکھ دیا جائے ـــــ کتنا دل برا ہوا تمہاری ماں کا ـــــ پاس ہو تم۔ اندازہ تو ہو گا تمہیں بھی ـــــ ایک بیٹی داماد کو خوش کرتے کرتے ـــــ دوسری خوامخواہ ناراض ہو گئی ـــــ اتنی نعمتیں گھر میں موجود تھیں۔ ایک موئے بروسٹ کے نہ آنے سے کیا فرق پڑ جاتا ہے ـــــ اپنے گھر کیا ہر روز باہر سے بروسٹ منگواتے ہیں؟" آنی بوا تو بھری بیٹھی تھیں ـــــ بولنے پر آئیں تو چپ نہیں ہوئیں۔

"اسماء آپی ناراض ہوتیں تو ابھی فون تھوڑا کرتیں؟ اور ویسے بھی سنبھال لیا ہو گا انہوں نے ـــــ زیرک بھائی سمجھ دار ہیں ـــــ" صفا نے بات ختم کرنے کی کوشش کی۔ "اور دیکھو ماں سے کہتی ہیں کام والی رکھ لو ـــــ" آنی بوا نے ایک اور بات نکال لی۔

"تو غلط کیا ہے اس میں ـــــ اپنی طبیعت بھی تو دیکھیں نا' اب کل میں نے ہیلپ نہیں کی تو سارا کام خود کرنا پڑا ـــــ آج طبیعت خراب ہے' مجبوری ہے اتنی بار تو میں کہہ چکی ہوں۔" صفا بھی اس بات پر قائل نظر آئی۔

"آج کل نوکرانیاں ملتی کہاں ہیں' کوئی بھروسے اعتماد والی کام والی نہیں بچی ـــــ مل جائیں تو ہزار نخرے ـــــ اور منہ مانگے دام' اب مہنگائی کے اس دور میں کون پانچ پانچ ہزار دے۔" آنی بوا قدرے برا مان کر بولیں۔

"پانچ ہزار دینے کون کہہ رہا ہے آنی بوا۔" اسے اکتاہٹ سی ہوئی۔ اس سے پہلے کہ آنی بوا کچھ اور کہتیں شوکت بیگم کمرے سے نکل آئیں۔

"لو آ گئی تمہاری ماں ـــــ اب کرو بحث' میری تو نماز کا وقت ہو گیا ہے۔" آنی بوا ناراض سی جانے لگیں۔

"کیا ہوا آنی بوا ـــــ؟" شوکت بیگم نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"کچھ نہیں ـــــ" وہ چلی گئیں۔

"کیا کہا تم نے ان سے ـــــ وہ کیوں ناراض ہو گئیں؟" شوکت بیگم صفا کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"کچھ بھی نہیں ـــــ میں ذرا سی دیر سونے جا رہی ہوں۔" وہ بھی چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

انوار صاحب کے مشورے سے تنویر کے لیے رشتہ دیکھنے کا کام شروع ہوا۔ گو کہ وہ پہلے صفا کا کرنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ ابھی پڑھنا چاہتی تھی۔ حالانکہ راضی تو ابھی تنویر بھی نہیں تھا مگر دونوں بہنوں نے شور مچا رکھا تھا شوکت بیگم کی پہلی نظر اپنے بھائی کی بیٹی علوینہ پر تھی اور اس پر کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوا۔ سو فیصلہ یہی ہوا کہ اتوار کے روز جا کر رشتہ کی بات کر لی جائے' لیکن جب اس کا ذکر اسماء اور مروہ سے کیا ـــــ تو دونوں کو ہی اعتراض تھا۔

"ماں۔۔۔ فیملی سے باہر دیکھیں کوئی لڑکی 'علوینہ ہمارے حج بھائی کے ساتھ سوٹ نہیں کرے گی۔" اسماء نے صاف منع کر دیا۔
"ایک ہی تو بھائی ہے ہمارا ابھا بھی تو دیکھ کر لائیں ' ویسے بھی لیز ابھابھی مجھے پسند نہیں۔"
"تمہاری رضامندی نہیں ہے۔۔۔ تو صاف کہہ دو ' بھر بھر کے باتیں مت سناؤ۔" آئی بوا نے اسے ٹوکا۔
"گھر کی لڑکی ہے۔۔۔ اور۔۔۔"
"امی 'حسن بھی تو گھر کا ہی لڑکا تھا۔ ہماری مروہ تو انہیں نظر نہیں آئی تھی۔۔۔ اور آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ ہمارے بابا کا ارادہ تھا کہ حسن اور مروہ کا رشتہ ہو جائے۔ تب تو مامی جان نے اپنی بہن کا گھر دیکھا تو ہم کیوں۔۔۔" اسماء نے ساری اگلی پچھلی باتیں کھول کر رکھ دیں۔
"اچھا۔۔۔ اب یہ سب باتیں مروہ کے سامنے کرنے کی ضرورت نہیں۔" شوکت بیگم نے اسے ٹوکا۔
"تم بھی کیسی ماں ہو شوکت؟ مروہ سے چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ سب ہی تو جانتی ہے۔۔۔ اور تنویر کے لیے علوینہ کا منع کر دیا ہے اس نے بھی پر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ اب اس گھر سے بیٹی آہی نہیں سکتی 'مروہ ماشاء اللہ اپنے گھر میں خوش باش ہے۔ پھر دل میں ملال کیا رکھنا۔" آئی بوا نے سمجھانے کی کوشش کی۔
"کچھ بھی ہے۔۔۔ ہمیں نہیں پسند یہ رشتہ 'دنیا بھری پڑی ہے حسین لڑکیوں سے 'باہر نکلیں تو پتا چلے ناں۔۔۔" اسماء نے کہا۔ شوکت بیگم اسے دیکھ کر رہ گئیں۔
"تابندہ آنٹی کو فون کریں 'شہر کی بہترین لڑکیوں کے رشتے ہیں ان کے پاس۔"
"شہر کی بہترین لڑکیاں۔۔۔ کیا یہاں آئیں گی؟ ہمیں اپنے جیسوں میں ہی رشتہ کرنا ہے۔" شوکت بیگم نے کہا۔
"آپ رہنے دیں 'میں خود تابندہ آنٹی کو فون کروں گی۔۔۔ اسی ہفتے دو چار لڑکیاں دکھا دیں۔۔۔" اس کی بات پرانی بوا اور شوکت بیگم نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔
"دو چار لڑکیاں۔۔۔؟" آئی بوا نے اپنا سر پکڑ لیا۔
"اچھا۔۔۔ ابھی میں چلتی ہوں۔۔۔ ہنی نے صبح اسکول بھی جانا ہے۔ میں فون کر کے تابندہ آنٹی کا نمبر لے لوں گی۔۔۔ اور آپ بھی ذرا ارد گرد نظر رکھیے گا۔" اس سے پہلے کہ آئی بوا کچھ اور کہتیں وہ پہلے ہی جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆ ☆ ☆

"آؤ۔۔۔ ارحم میاں۔۔۔ کیسے ہو؟" ارحم اندر داخل ہوا۔
"ٹھیک ہوں آئی بوا 'آپ کی دوائیں لایا ہوں۔" ارحم نے ایک شاپر بیگ آئی بوا کے پاس رکھ دیا۔
"جیتے رہو بیٹا 'بہت مہربانی۔" آئی بوا نے دعا دی۔
"مہربانی کی کیا بات ہے 'اسپتال سے آتے ہوئے لے آیا ہوں۔ کوئی ایکسٹرا کام نہیں تھا اور ہوتا بھی تو میں دل سے ہی کرتا۔" اس نے محبت سے کہا اور پاس ہی بیٹھ گیا۔
"اچھا لائیے۔۔۔ میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔"
"مجھے نہیں۔۔۔ شوکت کو سمجھا دو۔۔۔ میں بلاتی ہوں شوکت۔" آئی بوا نے آواز دی۔
"نہانے گئی ہیں امی۔۔۔ کوئی کام۔۔۔" وہ اپنے کمرے سے نکلی۔ یقیناً "ٹہلتے ہوئے پڑھ رہی تھی۔ صفا اسے دیکھ کر ذرا رکی۔
"السلام علیکم۔۔۔ ڈاکٹر صاحب۔۔۔ کیسے آنا ہوا؟" اسے دیکھ کر وہ اندر تک کھل اٹھی تھی۔
"وعلیکم السلام۔۔۔ میں ٹھیک ٹھاک۔۔۔ تم کیسی ہو؟ اسٹڈیز کیسی چل رہی ہیں۔" ارحم نے اک نگاہ اسے دیکھا اور پھر شاپر سے دوائیاں نکالنے لگا۔
"ٹھیک۔۔۔ آئی بوا کی دوائیں لائے ہیں؟"
"ہاں۔۔۔ 'ادھر آؤ میں تمہیں سمجھا دیتا ہوں۔ ٹائم پر دے دینا 'ایک ہفتے کی ہیں۔۔۔ ختم ہو جائے گی تو میں اور لا دوں گا۔۔۔ لیکن پلیز اس کے بعد ایک بار ڈاکٹر کا وزٹ ضرور کیجئے گا۔۔۔" اس نے آئی بوا کو نصیحت کی۔

"آپ بھی تو ڈاکٹر ہی ہیں... وزٹ تو ہر دوسرے دن ہی ہو جاتا ہے۔" وہ اسے چھیڑنے والے انداز میں بولی... ارحم نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

"اچھا زیادہ مت بولو... پہلے اسے پانی پلاؤ۔ سیدھا اسپتال سے ہی آرہا ہے۔" آپی بوا نے اسے ٹوکا۔

"نہیں... آپی بوا... میں بس چلتا ہوں... گھر جاکر کھانا کھاؤں گا... مما ویٹ کر رہی ہوں گی۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب رک جاؤ ذرا... تمہاری ماں بھی نہیں آتی' یہ برابر میں گھر ہے' اور عید کا چاند بنی رہتی ہے۔ آؤں گی کسی روز... خبر لینے تمہاری ماں کی۔" جواباً" ارحم مسکرا دیا۔

"جی ضرور... لیکن ابھی میں اجازت چاہوں گا۔" صفا سینے پر ہاتھ باندھے اسے دیکھتی رہی۔

"جاؤ بچے... جیتے رہو' اللہ خوش رکھے... لمبی عمر جیو۔" آپی بوا نے اسے ڈھیر دعاؤں سے نوازا۔

"دواؤں کے بدلے دعائیں۔" صفا سے چپ نہیں رہا گیا۔ اب کے ارحم کھل کر مسکرایا۔

"سودا مہنگا نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"اللہ حافظ آپی بوا... آنٹی شوکت کو بھی میرا سلام کہئے گا۔" وہ کہہ کر جانے لگا... صفا کے پاس ایک پل کو رکا... دونوں کی نظریں ملیں... صفا کا دل سینے میں اچھلا۔ اس نے نگاہیں چرالیں۔

"ٹیک کیئر۔" ارحم چلا گیا اور اپنا دل سنبھالنے میں اسے کافی وقت لگا۔

☼ ☼ ☼

"مجھے اجازت دیں امی میں آپ سب کی مشکل آسان کر دوں۔" آج پھر سب "انوار منزل" میں اکٹھے تھے' ساتھ ساتھ کھانے کی تیاری بھی چل رہی تھی اسماء کے بچوں نے پاپ کارن اور آئسکریم منگوائی۔ تو صفا سب کو سرو کرنے لگی۔ تب ہی تنویر نے اپنے متعلق رشتے کے بارے میں شروع ہونے والی گفتگو میں حصہ لیا۔ تینوں ماں بیٹیاں اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"پسند کی شادی منع ہے۔ اس کے علاوہ کچھ کہنا ہے تو بولو... " اسماء نے تیزی سے کہا تنویر تھا تو شرارت کے موڈ میں مگر آپی کی بات سن کر ایک پل کو چپ رہ گیا۔

"بھانت بھانت کی لڑکیاں دیکھ دیکھ کر ریجیکٹ کرنے سے تو بہرحال بہتر ہے۔" تنویر نے جواب دیا۔ اسماء اور شوکت بیگم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"اچھا... تو واقعی کوئی پسند ہے؟" اسماء نے تیکھے سے لہجے میں پوچھا۔ تنویر نے فوراً" جواب نہیں دیا۔

"آپ کو کیوں بتاؤں... " وہ اسے تنگ کرنے کے موڈ میں آگیا۔

"نہ بتاؤ بھیا... پر یاد رکھنا اس پر پسندیدگی کی مہر... میری بھی لگے گی۔ تب ہی وہ اس گھر میں آئے گی۔" اسماء اترا کر بولی۔

"جی... جی... ضرور' کوئی ہے تو بتادو... دس دن میں دس لڑکیاں دیکھ چکے ہیں۔ اگر تمہاری والی پسند آجائے تو ہو سکتا ہے... یہیں بس ہو جائے۔" صفا نے اسے آئس کریم کی پیالی تھماتے ہوئے کہا۔

"ایکچولی جہاں ان کی تلاش ختم ہو گی۔ وہیں میری پسند شروع ہوتی ہے۔ سولیٹ دیم (So let them) وہ آئس کریم لے کر اپنے کمرے میں جانے لگا۔

"اسی تلاش میں کوئی اور حسینہ مل گئی تو تمہاری والی کا نمبر نہیں آئے گا... یاد رکھنا" صفا پیچھے سے بولی۔

"ول سی۔" (will see)

"سن رہی ہیں اس کی باتیں... یہاں ہم پاگلوں کی طرح لڑکی تلاش کر رہے ہیں۔ اور وہ اپنا ہی چکر چلائے بیٹھا ہے۔" اسماء بڑبڑائی۔

"مذاق کر رہا ہے' میں بات کرلوں گی اس سے۔" شوکت بیگم نے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کی۔

"امی... میں سچ کہہ رہی ہوں... اتنا خوار ہوئے

کے بعد... اس کی پسند کی لڑکی تو۔ اس گھر میں نہیں آنے دوں گی... حد ہوتی ہے... ہم بھی بیٹیوں والے ہیں... ہمیں کیا پاگل سمجھ رکھا ہے اس نے..." وہ بگڑ کر بولی۔

"اچھا... چھوڑو... تم پاپ کارن کھاؤ۔"

"اور امی... اسے یہ بھی سمجھا دیجئے گا... کہ شریف گھرانوں میں پسند کی شادیاں یونہی نہیں ہو جاتیں... سب کی رضامندی درکار ہوتی ہے' اکیلا تو نہیں رہنا اور نہ ہی ہم دنیاداری اور رسم و رواج سے کٹے ہوئے ہیں۔ بابا زیرک' اسامہ سب کی پسند معنی رکھتی ہے... ایک ہی تو بہو آئے گی اس گھر میں... یونہی کسی کو بھی اٹھا لائیں گے۔" تنویر کی باتیں سن کر تو اسماء کے پاؤں تک لگی تھی۔

"اچھا... اچھا تم ہائپر مت ہو... تمہارے لیے اچھا نہیں ہے' ڈاکٹر کے ہاں گئی تھیں تم؟" شوکت بیگم نے بات بدلی۔

"نہیں... ٹائم ہی نہیں ملا' سوچ رہی تھی کہ مروہ کے ساتھ ہی چلی جاؤں گی' ہفتے کو وہ بھی تو الٹرا ساؤنڈ کے لیے جا رہی ہے۔ میں بھی ڈاکٹر رانیہ سے چیک اپ کروالوں۔" اسماء نے کہا۔ آئی بوا' عصر کی نماز پڑھ کے آ رہی تھیں جب انہوں نے اسماء کی یہ آخری بات سنی اور ساتھ ہی شوکت بیگم کا چہرہ بھی دیکھا۔

☼ ☼ ☼

"ڈاکٹر رانیہ... بہت اچھی اور قابل ڈاکٹر ہے' اتنے مشکل کیس... بہت سہولت سے ہینڈل کرتی ہیں' آپ بلا تامل اس پر بھروسہ کر سکتی ہیں..." اسامہ شوکت بیگم کو "ڈاکٹر رانیہ" کی خصوصیات گنوا رہا تھا' جب صفا اندر داخل ہوئی' اس کے ہاتھ میں کھیر کی ڈش تھی۔

"امی... میں یہ آنٹی کے ہاں دے کر آتی ہوں۔"

"ہاں... جاؤ اور میرا سلام بھی کہنا۔" اسامہ بھائی میں بس ابھی آئی' جائیے گا مت... صفا نے کہا اور چلی گئی۔

"ایک چھولی آنٹی ڈاکٹرز تو اور بھی ہوں گے... مگر ہماری فیملی کو صرف ڈاکٹر رانیہ پر ٹرسٹ ہے... اسی لیے میں نے آپ سے کہا۔ کیونکہ فرسٹ ڈلیوری تو مروہ کی یہیں پر ہو گی۔ تو اچھا ہے ڈاکٹر رانیہ ہی اس کا چیک اپ کریں۔" اسامہ نے کہا۔

"تمہیں جیسے اطمینان ہو... ٹھیک ہے۔" شوکت بیگم اس کے علاوہ کیا کہہ سکتی تھیں' آج پہلی بار آئی بوا داماد' ساس کی گفتگو میں نہیں بولیں' مروہ کو بہت الٹیاں ہو رہی تھیں... اور وہ اسے کچھ دن کے لیے میکے چھوڑنے آیا تھا... اور آج ایک بار پھر اسامہ... تفصیل سے 'ڈاکٹر رانیہ کی خصوصیات بتا رہا تھا تاکہ وہ اسی کو وزٹ کریں۔

☼ ☼ ☼

"یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ دونوں بہنیں ایک ساتھ پریگننٹ ہیں۔" ارحم کی مما' فرحت' صفاء سے یہ خوشخبری سن کر خوش ہو گئیں۔

"تیسرا بچہ ہے نا اسماء کا... ماشاء اللہ اور مروہ تو خیر سے فرسٹ ٹائم (کنسیو Conceive) کر رہی ہے... کونسا منتھ چل رہا ہے اس کا۔" انہوں نے صفا سے پوچھا۔

"شاید' تین مہینے ہو گئے ہیں انہیں۔"

"ماشاء اللہ' پہلی بار عموماً لڑکیوں کو پتا نہیں چلتا ذرا معاملات آگے' خیر میں تم سے یہ کیسی باتیں کرنے لگی۔ کل آؤں گی تمہاری طرف..." وہ جانے اور کیا کہنے جا رہی تھیں کہ خود ہی صفا کی "معصومیت" کا خیال کر کے چپ کر گئیں۔

"ہاں... یہ ضرور کہنا کہ ڈاکٹر طیبہ... ڈاکٹر رانیہ... آنٹی جی۔" صفا نے اسے اور کچھ کہنے سے پہلے کہا۔

"اسامہ بھائی کی فیملی' ڈاکٹر رانیہ سے چیک اپ کرواتی ہے... تو اس بار وہی۔"

"اچھا... رانیہ ڈاکٹر... ہاں وہ بھی بہت اچھی ہے' ذرا مہنگی ہے۔ اپنے ارحم کے اسپتال کے ایم ایس کی بیوی ہے نا' ہمارے ہاں بھی اکثر آتی جاتی ہے۔

پرائیویٹ کلینک رن کرتی ہے۔ پر ارحم بتا رہا تھا ہفتے میں ایک دن اسپتال بھی آتی ہے اور اکثر cases بھی کرتی ہے۔ پرائیویٹ کلینک سے تو سستا ہی پڑ جاتا ہے۔ ورنہ سب جانتے ہیں کہ آدھے گھنٹے کے وزٹ کا دو ہزار سے کم نہیں لیتی۔۔۔ اوپر سے بے بھی بہت مصروف ڈاکٹر۔ اپائنٹمنٹ میں بہت مشکل ہوتی ہے۔۔۔" آنٹی فرحت نے اس کے بارے میں ساری تفصیل جاری کی۔ اتنی انفارمیشن سے وہ بوریت محسوس کرنے لگی۔

"ڈاکٹر صاحب۔ نہیں آئے ابھی۔۔۔"

"السلام علیکم مما۔۔۔" اس کی بات ابھی پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہی آواز سنائی دی جسے وہ سننا چاہتی تھی۔

"لو۔ آگیا وعلیکم السلام۔۔۔ لمبی عمر ہے میری جاں کی۔۔۔ ابھی صفا تمہارا ہی ذکر کر رہی تھی۔۔۔" آنٹی فرحت نے خوشی سے بیٹے کو دیکھا۔

"زہے نصیب۔" وہ تھکا ہوا آیا تھا۔ لیکن سچ یہی تھا کہ صفا کو دیکھ کر وہ ہشاش بشاش ہو گیا تھا۔

"میرے لائق کوئی خدمت۔" وہ صرف اسے چھیڑ رہا تھا کیونکہ "غلط وقت" پر اس کا ذکر کرنا اور اس کا آجانا اسے شرمندہ سا کر رہا تھا۔

"ہاں خدمت تو کرنا پڑے گی، مروہ پریگننٹ ہے۔۔۔ ڈاکٹر رانیہ کی اپائنٹمنٹ لے دو۔" فرحت آنٹی نے گلاس میں پانی ڈال کر بیٹے کو دیا۔

"مبارک ہو۔۔۔" وہ مسکرا دیا۔

"تو۔۔۔ اس لیے میرا انتظار ہو رہا تھا۔" اس نے پانی کا گھونٹ بھرتے ہوئے۔۔۔ صفا کی ہونق بنی شکل کا مزا لیا۔

"جی نہیں۔۔۔ میں تو آنٹی، میں نے۔۔۔" اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیسے صفائی پیش کرے۔۔۔ آنٹی فرحت ہنس دیں۔

"نہیں بچے۔۔۔ وہ تو بس باتوں میں ذکر ہوا۔۔۔ تو میں نے خود ہی تم سے کہہ دیا۔۔۔ میں جانتی ہوں کہ شوکت بیگم پر بہت بوجھ ہے۔۔۔ اور یہ میری بھی تو بیٹیاں ہیں

۔۔۔ دس سال کا ساتھ ہے ہمسائیگی کا۔۔۔ اتنا تو حق ہے کہ بنا کہے بھی کچھ کام کر لیں۔" آنٹی فرحت کے لہجے میں صرف محبت اور اپنائیت تھی۔

"میں کل۔۔۔ بات کروں گا۔" اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

"اچھا آنٹی میں چلتی ہوں۔۔۔ اسامہ بھائی کو کہہ کر آئی تھی کہ ابھی آتی ہوں۔۔۔ اور یہاں باتوں میں لگ گئی۔"

"یہ بڑی بیماری ہوتی ہے لڑکیوں میں۔۔۔" ارحم نے چھیڑا۔ اس نے صرف دیکھنے پر اکتفا کیا اور خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

"کیا ہو رہا ہے بیگم صاحبہ۔۔۔" شوکت بیگم اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی اپنے سامنے کوئی ڈائری کھولے بیٹھی تھیں۔۔۔ جب انور اندر آکر ان کے پاس بیٹھ گئے۔

"کچھ خاص نہیں۔۔۔" ایک گہری سانس لے کر شوکت بیگم نے ڈائری بند کر دی۔ انوار صاحب جھک کر اپنے جوتے اتارنے لگے۔

"تنویر نہیں آیا۔"

"نہیں ابھی کچھ دیر پہلے فون آیا تھا کہ دیر ہو جائے گی۔" شوکت بیگم نے جواب دیا۔

"ہاں نیا کام ہے۔۔۔ محنت بھی لگے گی اور وقت بھی۔" ان کے لہجے میں بیٹے کی طرف سے اطمینان تھا۔

"ابھی کل کی بات ہے۔۔۔ ہمارے چاروں بچے ہمارے ساتھ، ایک ساتھ، ایک گھر میں، چھوٹی چھوٹی خوشیاں بانٹتے تھے اور اب، زندگی کس برق رفتاری سے پہلو بدل گئی الحمد اللہ، بچیاں اپنے گھروں کی ہو گئیں۔ بیٹا برسر روزگار ہو گیا۔ اس کی شادی ہو جائے، صفا اپنے گھر کی ہو جائے تو ہماری بھی زندگی میں بھاگ دوڑ ذرا تھم جائے۔ سچی میں شوکت بیگم، بہت تھک سا گیا ہوں میں۔" ان کے لہجے کی روانی میں کہیں پہ

تھکن نظر آنے لگی' شوکت بیگم نے پرسوچ نگاہوں سے شوہر کو دیکھا۔
"پتا نہیں کیوں... مگر وہ اس بات میں ہاں نہیں ملا سکیں... کیونکہ شاید وہ اچھی طرح سے جانتی تھیں کہ اولاد کو بیاہ دینے کے بعد بھی ان کی تھکن ختم نہیں ہونے والی۔ بھاگ دوڑ میں کمی تو دور' اس کی تلخی ہی شاید سہار نہ سکیں۔
"کیا سوچنے لگیں۔ یہ آپ کیا حساب کتاب کھولے بیٹھی ہیں..."
"کچھ خاص نہیں... اس مہینے کچھ زیادہ خرچہ ہوگیا... وہی دیکھ رہی تھی۔" شوکت بیگم نے بتایا۔ انوار صاحب کچھ نہیں بولے۔ بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔
"چند دن تک... ایک کلائنٹ سے رقم ملنے والی ہے' میں کچھ پیسے دے دوں گا..." تھوڑی آسانی ہو جائے گی۔" انوار صاحب کچھ وقفے کے بعد بولے مگر اس بار شوکت بیگم نے کچھ نہیں کہا۔
"میں چائے بنا لاؤں؟ پئیں گے۔"
"چائے نہیں کافی کا موڈ ہو رہا ہے اور وہ بھی صفاء کے ہاتھوں کی' برامت ماننیے گا کافی تو مجھے صفا کے ہاتھ کی ہی پسند ہے۔" انوار صاحب ماحول کو بدلنے کے لیے شرارت سے بولے تو شوکت بیگم مسکرادیں۔
"اچھا میں دیکھتی ہوں... اگر وہ فارغ ہے تو... ورنہ چائے ہی چلے گی۔" شوکت بیگم کہہ کر کمرے سے چلی گئیں۔ انوار صاحب کروٹ بدل کر لیٹ گئے ان کے دماغ میں اس وقت بڑھتے ہوئے اخراجات کی پریشانی چل رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

سٹنگ روم میں بیٹھی وہ نوٹس لکھ رہی تھی جب فون کی بیل ہوئی۔ اس نے اٹھ کر فون اپنے پاس رکھا اور ریسیور کان سے لگایا۔
"ہیلو..." "ارحم! اسپیکنگ۔"
"جی..." ارحم کا نام سن کر اس کا دل دھڑک اٹھا۔
"کیسی ہو...؟"
"ٹھیک ہوں۔" اس نے ذرا رک کر جواب دیا۔
"اور... باقی سب خیریت سے ہیں...؟"
"جی..." اس کی اتنی تابعداری سے' وہ فون کی دوسری طرف بلاوجہ ہی مسکرا اٹھا۔
"آپ... مسکرا کیوں رہے ہیں؟" صفا نے ایک لمحے میں ہی کچھ محسوس کرتے پوچھا تو ارحم کی حیرانی یقینی تھی۔
"تمہیں کیسے پتا کہ میں مسکرا رہا ہوں؟" برجستہ جواب آیا۔ اب صفا کو اپنی دھڑکن تواتر سے تیز چلتی محسوس ہوئی' ارحم ہلکے سے ہنس دیا۔
"اٹس اوکے... میں اب اور تنگ نہیں کروں گا' مروہ کے لیے ڈاکٹر رانیہ کی اپائنٹمنٹ لے لی ہے... نیکسٹ سنڈے... At-8:40..." ارحم نے بتایا۔
"تھینک یو..." میں ابھی فون کر کے اسے بتا دیتی ہوں... اسامہ بھائی کو تو تین ہفتے بعد کی مل رہی تھی' اچھا ہے پہلے چیک اپ ہو جائے' وہ بہت کانشیس ہو رہی ہے اپنی طبیعت کو لے کر۔" صفا نے کہا۔
"جی... فرسٹ پریگننسی میں تو ایسی صورت حال سے دوچار ہونا بہت عام ہے... خیر یہ باتیں فی الوقت ڈسکس کرنے کی نہیں۔" ارحم نے کہا۔
"جی... تھینک یو۔ آپ نے ٹائم نکالا۔"
"بہت فارمل ہو رہی ہو...؟ خیر ابھی مجھے ایک پیشنٹ کو دیکھنا ہے... پھر بات کروں گا۔" وہ کوئی بات کرنے جا رہا تھا۔ لیکن ایک کال پر اسے فون بند کرنا پڑا۔" صفا کچھ دیر یونہی بیٹھی رہی... پھر واپس سٹنگ روم میں آگئی۔ اس کی توجہ اپنے نوٹس کی طرف سے ہٹ گئی' دل کی دھڑکنیں جو معمول سے ہٹ گئی تھیں اپنی رفتار پر آنے لگیں۔ اپنے دل میں جنم لیتے احساسات جنہیں وہ کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی... یا پھر دینا نہیں چاہتی تھی۔ یہ سچائی کہ وہ ارحم... ڈاکٹر ارحم عزیز کو بہت سوچنے لگی ہے۔ اس کی آمد' آواز' احساس... سب کچھ اس کے لیے معنی رکھتا ہے وہ

اسے پسند کرنے لگی ہے۔ یہ احساس... اس کے لیے حیران کن نہ سہی پر "بے بس" سا ضرور تھا۔ وہ اس کی بے اعتنائی سہہ نہیں پا رہی تھی۔ تب ہی ایک بار پھر اپنے آنسوؤں کے سامنے ہار گئی۔

☆ ☆ ☆

"دیکھو بی بی... ہمارے گھر کام کچھ زیادہ نہیں ہوتا ... کھانا پکانا خود ہی کریں گے 'بس جھاڑ جھپاڑ... اور کپڑوں کی دھلائی... اور استری کرنا... ہم ایک ہزار سے زیادہ نہیں دیں گے۔" آنی بوا نے اسماء کی طرف سے بھجوائی گئی کام والی سے معاملات طے کرنے شروع کیے۔

"اے لو... اماں 'ایک ہزار تو کوڑا اٹھانے والے نہیں لیتے اب..." وہ تنک کر بولی۔ آنی بوا کا پارہ چڑھنے لگا۔

"بات سنو لڑکی 'زبان مت لڑاؤ میرے ساتھ... بس ایک ہزار سے زیادہ نہیں دیں گے... کرنا ہے تو کرو... ورنہ۔"

"آنی بوا... کیا ہوا۔" شوکت بیگم اسماء سے فون پر بات کرنے گئیں تو یہاں آنی بوا گرم ہو رہی تھیں۔

"دیکھو تو... ایک ہزار پر ناک بھوں چڑھا رہی ہے۔" آنی بوا جلے لہجے میں بولیں۔ شوکت بیگم یکدم ٹینس ہو گئیں۔ بیٹی کے سسرال سے بھیجی گئی ملازمہ ... یونہی تو بحث مباحثہ نہیں ہو گا۔

"آپ چپ ہو جائیں آنی بوا... میں بات کرتی ہوں... کیا نام بتایا تھا تم نے؟" شوکت بیگم آنی بوا کو چپ ہونے کا کہہ کر اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"رجیہ... (رضیہ)" اس نے اپنا نام بتایا۔

"بی بی... میں دو اور بھی گھروں میں کام کرتی ہوں صرف برتن اور کپڑے دھونے کا پندرہ سو لیتی ہوں' ایک سارے گھر کا کام مجھ اکیلی کے ذمے ہے' ساڑھے تین ہزار' اور بھرے پورے گھروں میں تو میں خود بھی کام نہیں کرتی' قسم خدا کی... آپ کے ساتھ کوئی جھوٹ نہیں... اسماء بی بی کے گھر میری بھابھی کام کرتی ہے اسی کے کہنے پر یہ کام کرنے کو راضی ہوئی' بندے زیادہ ہوں یا نہیں... کام تو کام ہوتا ہے' مجھے تو اسماء بی بی نے کہا تھا' سارا ہی کام کرنا ہے بس کھانا پکانا نہیں ہو گا... میں نے ان کو بھی پانچ ہزار ہی بولا تھا..." اس کی باتیں سن کر تو شوکت بیگم کا منہ ہی کھلا رہ گیا۔ آنی بوا تو سر پیٹنے لگیں۔

"ہائیں... پانچ ہزار... منہ بھر کے بول بول دیا' پانچ ہزار... ایسے ہی کمائے جاتے ہیں پانچ ہزار... اتنا کمائی ہو تو اپنا کاروبار شروع کر دو... یعنی حد ہوتی ہے..." وہ ہتھے سے اکھڑ گئیں۔

"آنی بوا... آنی بوا... آپ چپ رہیے۔ میں بات کرتی ہوں نا۔" شوکت بیگم تو خود ہکا بکا تھیں۔ انہیں اسماء پر غصہ آ رہا تھا۔

"دیکھو رضیہ... 'مجھے صرف کپڑے دھونے اور صفائی ستھرائی کے لیے ضرورت ہے۔ ایک ہزار بہت ہے... تمہیں اسماء نے بھیجا ہے تو چلو... بارہ سو... اس سے زیادہ نہیں۔" شوکت بیگم نے کہا۔

"بارہ سو...؟" وہ سوچنے لگی۔ "نہیں بی بی... اتنی دور سے آؤں گی 'بارہ سو' وارا نہیں کھاتا... اچھا ایسا کریں پندرہ سو دے دیں' اور کم زیادہ نہیں کروں گی' وہ بھی اسماء بھابھی کے لیے..." رضیہ صاحبہ نے بڑا احسان جتایا' شوکت بیگم نے آنی بوا کی طرف دیکھا' وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگیں۔

"اچھا ٹھیک ہے... میں اسماء سے بات کر لوں گی۔" فی الحال اسے ٹال کر شوکت بیگم نے نکالا۔

"اس اسماء کو جانے کب عقل آئے گی' سسرال میں چلتی نہیں... اور یہاں اپنے فیصلے چلانے چلی ہے۔" مہنگائی کے اس دور میں بنا سوچے سمجھے بات منہ سے نکال دیتی ہے... ذرا خیال نہیں اسے۔" آنی بوا نے رضیہ کے جانے کے بعد سے بولنا شروع کر دیا۔ سوچ تو شوکت بیگم بھی یہی رہی تھیں مگر کچھ کہہ کر آنی بوا کو مزید ٹینشن دینا نہیں چاہتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

اور وہی ہوا' جو ہونا ہی تھا' ماں کو سمجھا بجھا کر لاجواب

کیااور رضیہ بی بی کی نوکری پکی کروادی۔

شوکت بیگم کو فارغ بیٹھنے کی عادت کبھی تھی ہی نہیں... ایک عام عورت کی طرح زندگی گھر گرہستی میں گزار دی... بے شک وقت کے ساتھ وہ ہمت طاقت نہیں رہی تھی 'مگر پھر بھی انہیں یہ اضافی خرچہ ضرورت سے زیادہ مجبوری یا پھر دکھاوا لگ رہا تھا۔ بہر حال رضیہ کے آنے سے... اور کوئی خوش ہونا ہو' بیٹیاں بہت مطمئن ہو گئی تھیں۔ "آفٹر آل... ملازمہ رکھنا... ٹرینڈ ہو چکا ہے۔" یہ انوار صاحب کی صاحبزادیوں کے کمنٹ تھے۔

"آپ کو بھی سکھ... اور آنے والی کو بھی..." اور وہ آنے والی جانے کب آئے گی۔ تین مہینے ہو گئے لڑکیاں دیکھتے 'مگر مجال ہے جو ایک بھی بھائی ہو... ایک دو "بردکھوئے" کے بعد تنویر نے تو صاف منع کر دیا کہ جب ہر طرح سے مطمئن ہو جائیں تب بات کرے گا... اور اطمینان تو بد قسمتی سے ملنے والا تھا نہیں' مرہ کی تو پہلی پریگننسی تھی۔ وہ زیادہ نہیں جاتی تھی... جبکہ اسماء اپنی تیسری پریگننسی... جو اپنا آپ ظاہر کرنے لگی تھی۔ اس کے باوجود وہ ہر تیسرے دن کہیں چائے پر چلی جاتی' اسماء کے سسرال والوں کا تو کہنا تھا کہ اسماء تو بس اپنے میکے میں ہی گھسی رہتی ہے' شاید ان کا گھر اس کے بغیر چل نہیں سکتا... سچ یہی تھا کہ اسماء نے وہاں کچھ ایسا ہی امپریشن بنا رکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

صفا... کالج سے آئی... تو ہال کمرے میں "آنی بوا" اونگھ رہی تھیں وہ ہلکی آہٹ سے چلتے ہوئے اپنے کمرے میں جانا چاہتی تھی' جب آنی بوا نے اسے پکارا۔

"آ گئیں... صفا؟"

"جی..." وہ رک گئی۔ "السلام علیکم آنی بوا! آپ ادھر لیٹی ہیں... اندر چل کر سوئیے۔"

"نہیں... یونہی آنکھ لگ گئی... اس عمر میں دو ہی تو کام ہیں... کھالیا' سولیا' رب کو یاد کر لیا۔" وہ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کا سہارا لے کر اٹھ بیٹھیں۔

"امی گھر پر نہیں ہیں کیا...؟"

"برابر میں گئی ہے... وہ مٹھائی رکھی ہے۔ تم بھی کھاؤ..." وہ جس انداز سے بولیں... صفا کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ کس "ٹون" میں کہہ رہی ہیں۔

"ہاں' برابر والے... اور مٹھائی" کا کنکشن... اس کے سامنے ایسا کوئسچن مارک بن گیا' جس کا جواب وہ جاننا نہیں چاہتی تھی... آنی بوا اپنے موٹے شیشے کی عینک سے اسے دیکھنے لگیں... اور پھر صفا کے اپنے اندر کوئی ریت کی دیوار سی ڈھنے لگی۔

"ارحم کا رشتہ طے ہو گیا ہے... مبارک دینے گئی ہے..." چھناک سے کچھ ٹوٹا اور اندر ہی کرچیاں بکھر گئیں... اسے اپنے چہرے کی رعنائی... مرجھاتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"آ... اچھا۔" وہ آنی بوا کے سامنے سے ہٹ گئی... اس کا کوئی اظہار و خیال کا عشق تو تھا نہیں... ہاں پسندیدگی کا معیار... دل کو چھو چکا تھا۔

"میں تو یہی سوچ رہی تھی... اتنا اچھا لڑکا..." وہ جانے کیا کہنے جا رہی تھیں کہ اس کا چہرہ دیکھ کر چپ ہو گئیں۔

"اچھی بات ہے... میں ذرا کپڑے تبدیل (change) کرلوں..." وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔

اپنی فائل اور بیگ بیڈ پر پھینکتے ہوئے وہ خود بھی بیٹھ گئی "ارحم کا رشتہ طے ہو گیا ہے۔" ایک بار پھر یہ جملہ اس کے کانوں میں گونجا... اور پھر رگ و پے میں گردش کرتا ہوا... اس کے وجود کو ہلانے لگا "تو ارحم... ڈاکٹر ارحم' میں کبھی آپ کی نظروں میں تھی ہی نہیں...؟" پھر کس آس پر وہ ان رستوں کی طرف چل نکلی... جہاں وہ اکیلی ہی تھی... جسے ہم سفر سمجھا... وہ تو فقط اک سایہ نکلا... ابھی جو اک آنسو نکلا' وہ ہار سے زیادہ پچھتاوے کی کیفیت سے سرشار تھا... محبت اور پچھتاوے کا سفر... ایک لمحے میں اس کے دل کی دنیا بدل گیا تھا۔

روٹیاں بنا کر اس نے میز پر رکھیں... اور خود بھی

شوکت بیگم کے برابر بیٹھ گئی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے صفا؟ بہت اترا ہوا لگ رہا ہے تمہارا چہرہ؟" بابا جان نے بغور اس کو دیکھا۔

"جی بابا... بس سر درد ہو رہا تھا' اسی کی وجہ سے طبیعت بوجھل ہو رہی تھی۔"

"جانے تمہارا سر کیوں درد کرتا ہے اتنا... اور طبیعت خراب تھی تو روٹیاں کیوں بنانے لگی..." امی نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر حدت محسوس کی۔

"ٹھیک ہوں میں امی۔"

"کچھ کھاتی تو ہے نہیں... اتنی مشکل پڑھائی ہے' اتنی بار میں نے کہا ہے... دودھ اور بادام نہار منہ کھایا کرو... پر آج کل کی لڑکیوں کو جانے کیا ہے۔" آنی بوا بھی شروع ہو گئیں۔

"اوہو... آپ سب میرے ہی اوپر "کتاب لکھنے" بیٹھ گئے... کوئی اور بات کریں نا۔" وہ چڑ کر بولی... تو بابا جان مسکرا دیے۔

"کوئی اور بات کرو... یہ نا ہو... رات کا کھانا بھی سکپ (Skip) کر جائے۔"

"تم کھانا کھاؤ گڑیا... مزہ کی سناؤ... اور یہ تنویر کہاں ہے... کیا سو گیا ہے؟" بابا نے پوچھا۔

"ہاں... وہ بھی تھکا ہوا تھا... کھانا کھائے بنا ہی لیٹ گیا ہے۔" امی نے بتایا۔

"بہنیں' لڑکی ڈھونڈنے نکلی تھیں' چار مہینے ہو گئے۔ شہر بھر کی لڑکیاں دیکھ ڈالیں۔ اب شہر سے باہر کی دیکھنے کی سوچ رہی ہیں... ارحم کو دیکھو... کیا کمی ہے اس میں... بتاؤ ذرا اپنے میاں کو... کونسی بہو پسند کی ہے فرحت نے...؟" آنی بوا پر شکوہ سی بولیں۔

"آنی بوا... جہاں جس کے نصیب ہوں گے وہی ہو گا۔" امی نے جواب دیا۔ صفا کا دل رک سا گیا۔

"اچھا... ارحم کا رشتہ طے ہو گیا...؟" انوار صاحب نے پوچھا۔

"ہاں... لڑکی گریجویٹ ہے... دور کی رشتہ داروں میں سے ہے۔" امی نے بتایا۔ صفا نے حیرانی سے ماں کو دیکھا۔

"اچھا...!" کچھ ایسا ہی انداز انوار صاحب کا تھا۔

"ہاں... حیرت تو مجھے بھی ہوئی تھی... ارحم خود اتنا لائق ڈاکٹر... اور لڑکی گریجویٹ... میں نے تو کہا تھا فرحت بھابھی سے... کہ ہم نے سوچا تھا کہ ارحم کے لیے کوئی ڈاکٹر ہی ڈھونڈیں گی... کہنے لگیں' ارحم گھریلو لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا... کہتا ہے گھر رہنے والی لڑکی... خود ان کی تنہائی دور کرے گی۔" امی کھانا ڈالتے ہوئے بتا رہی تھیں... صفا کے سر میں شدید درد اٹھ رہا تھا۔

"ایک طرح سے صحیح ہی کہتی ہیں' کوئی ڈاکٹر بیوی لے آتیں... تو ان کی تنہائی تو وہیں رہتی' ارحم بہت سمجھ دار ہے۔" وہ مزید بتانے لگیں صفا نے پانی کا گھونٹ بھرا۔

"تم بھی چل کر مبارک باد دے آنا... تمہیں بہت یاد کر رہی تھیں... لگے جمعے منگنی ہے... پھر دو ماہ بعد شادی' کہہ رہی تھیں... صفا سے کہو ایک ہفتے میں ساری شاپنگ کروانی ہے مل کر..." وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔ وہ کچھ نہیں بولی' بس سر ہلا دیا۔

"میں کہتی ہوں... آس پاس نظر رکھو... اپنے تنویر کا بھی کچھ سوچو... خوب سے خوب تر کی تلاش میں کچھ نہیں ملنے والا..." آنی بوا نے کہا۔ تو بابا نے تائید میں سر ہلایا۔

"امی... میرے سر میں بہت درد ہے... دوائی کھا کر لیٹوں گی۔ پلیز صبح جلدی جگا دیجئے گا۔" صفا کرسی پیچھے دھکیل کر اٹھی۔

"کچھ کھایا تو ہے نہیں تم نے..." آنی بوا نے اس کی پلیٹ دیکھی... جس میں چاول ویسے کے ویسے پڑے تھے۔

"بس ٹھیک ہے..." وہ کہہ کر چلی گئی۔

"کیا ہوا ہے اسے...؟ کوئی بات ہوئی ہے...؟ بہت الجھی سی لگ رہی ہے صفا..." بابا کو قدرے تشویش ہوئی' پر امی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ معاملہ ان کی سمجھ سے باہر تھا' جبکہ آنی بوا کے عمر رسیدہ چہرے پر سوچ کی اک بامعنی سی لکیر ضرور گہری

ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"اوہو امی یہ کیا ڈیزائن سلوا دیا آپ نے۔۔۔؟ اتنا زیادہ کپڑا تھا اور سادی قمیض سلوا دی۔۔۔" مروہ ایک بہت ہی خوب صورت آلتی شرٹ کو سامنے کھولے بیٹھی تھی۔۔۔

"میں نے تو اسے جدید ڈیزائن کا ہی کہا تھا۔۔۔ ناپ بھی دی تھی"

"یہ ہلکا سا گلے کا ڈیزائن اور شیپ شرٹ' جدید ڈیزائن ہے؟ میں تو نہیں پہن رہی یہ شرٹ۔۔۔ صفا کو دے دیجئے گا۔ آپ کو پتا بھی ہے کہ اسامہ کو اچھا لگتا ہے کہ میں نت نئے ڈیزائن اور فیشن ایبل کپڑے پہنوں۔" منہ پھلائے بولتے ہوئے اس نے شرٹ ایک طرف پھینک دی۔

"پرسوں تمہیں شادی پر جانا ہے۔۔۔ ابھی پہن لو۔۔۔ پھر" امی نے سمجھانا چاہا۔

"رہنے دیں۔۔۔ اتنی اوٹ پٹانگ ڈریسنگ کر کے مجھے تماشہ نہیں بننا۔۔ آپ فرحت آنٹی کے ساتھ بازار جا رہی ہیں نا۔۔۔ میں بھی چلتی ہوں کوئی ریڈی میڈ سوٹ خرید لوں گی۔۔۔" اس نے جھٹ فیصلہ کیا۔

"یہ ریڈی میڈ کپڑے لینے تم اپنے میاں کے ساتھ ہی جانا۔۔۔ مجھے پہچان نہیں ہے۔ پھر بولو گی آوٹ آف فیشن ہے۔" امی نے صاف منع کر دیا۔

"مجھے تو پہچان ہے نا۔۔۔ ادھر لبرٹی میں کتنی شاپس ہیں۔ بریزے تو میں کئی بار گئی ہوں۔ پانچ سات ہزار میں بہترین سوٹ آجاتا ہے۔" وہ نخرے سے بولی۔

"پانچ' سات ہزار۔۔۔ رہنے دو۔۔۔ میں افورڈ نہیں کر سکتی۔"

"آپ چلیے تو سہی۔۔۔ میرے پاس بھی کچھ پیسے ہیں۔۔۔ مل ملا کر لے لیں گے۔" مروہ اصرار کرنے لگی۔

"میرے پاس مل ملا کر لینے کو بھی نہیں ہیں۔۔۔ بچوں والی ضد ہے تمہاری مروہ۔۔۔ ایسی تو نہیں تھی تم۔۔۔ جتنا ہے' جو ہے اسی پر اکتفا کرنے والی مروہ۔۔۔ ایسی فضول خرچ ہو گئی۔" امی کو اس کی ضد بہت بری لگی۔ تب ہی اسے احساس دلانے لگیں۔ اس دوران صفا کمرے میں آئی۔

"امی۔۔۔ فرحت آنٹی کا فون آرہا ہے۔۔۔ انتظار کر رہی ہیں آپ کا۔" مروہ کا موڈ امی کے انکار پر آف ہو چکا تھا' جبکہ امی ذہنی طور پر سخت اپ سیٹ ہو گئی تھیں' نہیں نہ تو مروہ کی فضول خرچی اچھی لگ رہی تھیں۔۔۔ اور نہ ہی اپنا اس طرح انکار کرنا۔۔۔ بیٹیوں کو تو ماں سے ہمیشہ ہی آس رہتی ہے۔۔۔ اور مائیں بھی کبھی دریغ نہیں کرتیں' لیکن اس وقت حالات ہی ایسے تھے' شوکت بیگم کے پاس جو آٹھ دس ہزار پڑے تھے اس میں مہینے کے باقی دن کے اخراجات۔۔۔ مروہ کے میڈیکل اور اب ساتھ ہی ارحم کی منگنی کے اخراجات بھی پورے کرنے تھے۔۔۔ پرسوں کا ساتھ تھا۔۔۔ یونہی سوکھے منہ ہاتھ تو خوشیاں دی لی نہیں جاتیں۔۔۔ جبکہ مروہ کی پریگنینسی میں جو کامپلیکشن تھیں۔ اس وجہ سے مہینے میں دوبار تو ڈاکٹر کا وزٹ ہو ہی جاتا تھا۔۔۔ وہ بھی ان کے خرچے پر۔"

"میری مانو۔۔۔ ابھی ہی پہن لو۔۔۔ برا تو نہیں لگ رہا۔۔۔" امی نے ایک بار اور کوشش کی۔

"امی۔۔۔ آپ سمجھتی ہی نہیں۔۔۔ اسامہ کی فیملی میں شادی نہیں۔۔۔ فیشن شو ہوتا ہے' یہ جو شرٹ خراب کی ہے اس ٹیلر کے بچے نے' صرف شرٹ ہی چار ہزار کی ہے' میں نے تو اسامہ کو سرپرائز دینا تھا' اسے میری چوائس بہت پسند ہے۔ یہ دکھاؤں گی تو مذاق اڑائے گا میرا۔"

"اب اس مذاق سے بچنے کے لیے تم چار ہزار کی شرٹ ہمارے پلے میں نہ ڈالو۔۔۔" صفا بیچ میں بولی۔

"جب تمہاری شادی ہو گی نا۔۔۔ تب دیکھوں گی۔۔۔ شوہر کی پسند ناپسند کا خیال رکھتی ہو یا نہیں۔"

"جب کی جب دیکھی جائے گی۔۔۔ فی الحال تو اس شرٹ کا کوئی امیدوار نہیں۔" "اور ویسے بھی اتنے شاندار مہنگے جوڑے" "فی الوقت ہماری جیب سے باہر

ہیں۔۔۔ صفا کے لہجے میں ہلکے سے طنز کی گھلاوٹ تھی' مروہ یکدم ہار گئی۔ منہ پھلائے شرٹ لفافے میں ڈالی۔
"آئندہ کچھ نہیں سلوانا آپ کے ہاتھوں۔۔۔ آپ کی نظر میں پیسے دھیلے کی کوئی اہمیت نہیں۔۔۔ بس جیسے خود بے ڈھنگے "آوٹ آف فیشن پہنتی ہیں۔۔۔ ویسے ہی سب کو چلانا چاہتی ہیں۔" وہ منہ میں جو آیا کہتی چلی گئی۔
"مروہ۔۔۔ ایسے کیسے کہاں جارہی ہو۔۔۔ اتنا سریس مت لو۔۔۔ تمہاری حالت ایسی نہیں ہے۔" شوکت بیگم نے تحمل سے اسے غصہ کرنے سے روکا۔
"کچھ نہیں ہوتا مجھے۔" وہ نخوت بھرے لہجے میں کہہ کر چلی گئی۔ شوکت بیگم پریشان۔۔۔ جبکہ صفا کے دماغ میں حیرانی اور غصے کے جذبات ابھر رہے تھے۔
ادھر ارحم کی منگنی کی تیاریاں چل رہی تھیں ادھر صفا نے کتابوں میں پناہ لینے کی کوشش کی۔۔۔ وہ فرحت آنٹی کا مان نہیں رکھ سکی پورے ایک ہفتے میں صرف ایک بار چند منٹ کے لیے گئی اور مبارک دے کر آ گئی۔ فرحت آنٹی نے شکوہ بھی کیا تو ایگزام کی تیاری کا بہانہ بنا دیا۔ آج کل ویسے بھی بہت ٹف پیریڈ چل رہا تھا۔ دل و دماغ کی جنگ میں بیچاری صفا تیروں کی زد میں تھی' فرحت آنٹی کے بھرپور اصرار پر اس نے منگنی میں آنے کی حامی بھرلی' حیرت کی بات تو یہ تھی کہ اگر اس نے خود ارحم کو فون کر کے مبارک نہیں دی تھی۔۔۔ تو اس نے بھی کال نہیں کی۔۔۔ مروہ کی اپائنٹمنٹ اور آنی بوا کی دوائیوں کا لفافہ بھی اپنے ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دیا' وہ تو ارحم کا سامنا کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔۔۔ اور ارحم۔۔۔؟ ایک سوالیہ نشان تھا۔
یونیورسٹی سے واپسی پر گاڑی خراب ہو گئی' اور اسے بس پر آنا پڑا' گھر کے پاس ہی سٹاپ پر وہ اتری۔۔۔ موسم صبح سے ہی ابر آلود تھا۔۔۔ اور اب ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی تھی' وہ تیز قدم اٹھاتے ہوئے گھر کی طرف بڑھ رہی تھی' گھر سے چند قدم کے فاصلے پر وہ آنٹی فرحت کے گھر کو عبور کرنے ہی والی تھی جب مین گیٹ کھلا۔۔۔ اور گاڑی باہر نکلنے والی تھی۔۔۔ وہ رک گئی۔ راستہ بدلنے کی ہمت نہیں ہوئی۔۔۔ وہ ڈاکٹر ارحم کو دیکھ چکی تھی۔ اس کے قریب گاڑی لا کر ڈاکٹر ارحم نے دروازہ کھولا۔
"السلام علیکم۔" ہمیشہ والا اعتماد اس کے لہجے سے رخصت ہو چکا تھا۔
"وعلیکم السلام۔۔۔ شکر ہے نظر تو آئیں۔ کہاں ہوتی ہو آج کل۔۔۔ مجھے مبارک دینے بھی نہیں آئیں۔"
ڈاکٹر ارحم نے اس کا بھرپور نظروں سے ایک جائزہ لیا۔
"مبارک ہو۔۔۔" وہ ہر احساس سے عاری تھی۔ اس کی "مبارک" سن کر ڈاکٹر ارحم کے چہرے پر اک سایہ سا لہرایا' وہ فوراً" سنبھل بھی گیا۔
"تھینکس۔۔۔"
"میں بعد میں آؤں گی۔۔۔ ابھی چلتی ہوں۔" صفا نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا' ایک پل میں کیا نہیں آن اترا ان نگاہوں میں' وہ سب جس کا خود اسے بھی احساس نہیں تھا۔۔۔ وہ ڈاکٹر ارحم کے قریب سے گزر گئی۔۔۔ ان آنکھوں کی نمی ڈاکٹر ارحم کو بے تاب کر گئی

پگھل پتھر بھی سکتے ہیں
الٹ دریا بھی سکتے ہیں
کوئی آوارہ سا پنچھی!
پلٹ کر آ بھی سکتا ہے
جو شب!
کہ! مجھ پہ ہنستی ہے
وہی شب رو بھی سکتی ہے
محبت ہو بھی سکتی ہے

☼ ☼ ☼

"امی! دیکھیں تو سہی ثنا کتنی پیاری لڑکی ہے۔۔۔ دو بھائی ہیں۔ دونوں باہر' باپ کا بزنس ثنا ہی سنبھالتی ہے زیادہ اور ماں ہے نہیں۔"
اسماء نے تصویر ماں کے ہاتھوں میں تھمائی۔۔۔ وہ لڑکی بلاشبہ بہت حسین تھی مگر ساتھ ہی اس کی بتائی جانے والی تفصیلات بہت حد تک شوکت بیگم کے لیے

ناقابل قبول تھیں۔۔۔ آنی بوا تو پہلے ہی سر پکڑ چکی تھیں ۔۔۔ یہ سننے کے بعد کہ لڑکی ' زیرک کی رشتہ میں پھپھی زاد بھی لگتی ہے۔۔۔ فرسٹ کزن نا سہی۔۔۔ کزن تو تھی نا ۔۔۔؟

"اسماء ۔۔۔ لڑکی بہت پیاری ہے ۔۔۔ مگر ہماری حیثیت سے بڑھ کر ہے ' لڑکی کاروبار چلاتی ہے اور بھائی باہر بیٹھے ہیں۔۔۔ وجہ ۔۔۔؟ باپ کا کاروبار کیوں نہیں سنبھالا۔۔۔؟"

"اوہو ' امی ۔۔۔ آپ بھی بال کی کھال اتارنے لگتی ہیں۔۔۔ آج کل کیا زمانہ ہے مرد عورت میں فرق کرنے کا۔۔۔ دراصل ثنا کے چاچو بزنس میں حصہ دار ہیں نا۔۔۔ ثنا کے بڑے بھائی کو لندن گرین کارڈ ہولڈر ہونے کے لیے کچھ سال وہیں رہنا ہے ' جبکہ چھوٹا بھائی ابھی پڑھ رہا ہے اس لیے ثنا باپ کی مدد کرتی ہے۔" اسماء نے ساری تفصیل بتائی ۔۔۔ شوکت بیگم نے آنی بوا کی طرف دیکھا۔

"اسماء ۔۔۔ مجھے اس رشتے پر اس لیے اعتراض ہے کہ ۔۔۔ دیکھو وہ دور نزدیک سے زیرک کی کزن ہے۔ گھروں میں سو مسئلے مسائل ہوتے ہیں ' جو لڑکی کاروبار چلاتی ہے۔ وہ تنویر کے ساتھ کیسے میل کھائے گی۔ تمہیں پتا ہے نا ' وہ تو خود تنخواہ دار ہے اور ۔۔۔ پھر وٹے سٹے والا حساب ہی ہو جائے گا ۔۔۔ اس لیے۔"

"مجھے پتا تھا ' آپ کوئی نہ کوئی مین میخ ضرور نکالیں گی۔" وہ تپ گئی۔

"ہمیں اپنے برابر والوں میں ہی رشتہ کرنا ہے۔۔۔" شوکت بیگم نے کہا۔

"امی ۔۔۔ آپ کے برابر تو کوئی ہو نہیں سکتا ' آپ کی سوچ ابھی تک اتنی ہی محدود ہے۔" اتنے میں تنویر اندر داخل ہوا ۔۔۔ اور وہ چپ ہو گئی۔ کمرے میں تینوں کا موڈ آف دیکھ کر اس نے اشارے سے ماں سے دریافت کیا ' وہ نفی میں سر ہلا کر اٹھ گئیں۔

"کیا ہوا ۔۔۔ موڈ کیوں آف ہے؟" اس نے اسماء سے پوچھا ۔۔۔ اسما مختصرا" اس کو بتانے لگی۔

"لڑکی کے بھائی کی بجائے اگر لڑکی خود گرین کارڈ ہولڈر ہوتی تو میں ضرور سوچتا۔" وہ مذاقا" بولا ۔۔۔ اسماء نے گھور کر اسے دیکھا۔ تنویر ایک انگڑائی لیتے ہوئے صوفے کی پشت سے لگ کر کھڑا ہو گیا ' چند لمحے اسماء کو دیکھا۔

"آپی ' اب یہ " بھابھی ہنٹ شو (show Hunt) ختم کر دیں ' میں نے آپ سب کو بہت وقت دیا ہے ' اب مجھے آپ میں سے کسی کی بھی تلاش کی گئی لڑکی سے شادی نہیں کرنی ہے ۔۔۔"

"ہاں ۔۔۔ بس تمہارے بولنے کی کمی تھی ' وہ پوری کر لو ۔۔۔ اسماء تڑخ کر بولتے ہوئے اٹھی۔

"اس گھر میں تو جس کا بھلا سوچو ۔۔۔ وہی کاٹنے کو دوڑتا ہے۔"

"ہائے ہائے ' اسماء ' دھیرج رکھو ' تحمل سے بات کرو۔ اپنی حالت دیکھ کر غصہ کھاؤ تھوڑا ۔۔۔" آنی بوا نے اسے قابو میں رہنے کو کہا۔

"بس رہنے دو آنی بوا ۔۔۔ سب کو دیکھ لیا ہے۔" وہ ٹسوے بہانے لگی۔ تنویر سنجیدہ شکل بنائے اسے دیکھ رہا تھا۔

"حد ہو گئی ہے۔" اس نے بے بسی سے بہن کو دیکھا ۔۔۔ اور کمرے سے چلا گیا۔

"عفرا ' فرح ۔۔۔ چلو ۔۔۔" اسماء نے اپنا بیگ سمیٹا اور بچوں کو آواز دی۔

"عجیب لڑکی ہو ' کوئی ماں کے گھر سے ایسا خفا ہو کر جاتا ہے۔ زیرک کو فون کرو ۔۔۔ تمہیں لے کر جائے ' رکشے سے مت جانا۔ آنی بوا سے تو خود وہ سنبھل نہیں پا رہی تھی ' اس دن مروہ اور آج اسماء ۔۔۔" وہ رکی نہیں چلی گئی ' آنی بوا ایک بار پھر سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

اسماء اور مروہ بھی منگنی پر مدعو تھیں مگر وہ گھریلو مصروفیت کی وجہ سے نہیں آسکیں ۔۔۔ تنویر کی آج کل نائٹ ڈیوٹی چل رہی تھی وہ بھی نہیں جاسکا۔ آنی بوا نے اپنی طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے معذرت کر لی۔ جانا تو صفا بھی نہیں چاہتی تھی ۔۔۔ مگر امی کا دل پہلے ہی بہت

اداس تھا اس کے انکار پر شاید وہ کچھ اور اپ سیٹ ہو جاتیں۔ اسی کی خاطر اس نے دل مضبوط کر لیا۔۔۔ اور منگنی اٹینڈ کرنے کے لیے تیار ہو گئی لائٹ پنک اور بلیو اسٹائلش سے سوٹ میں ہلکا سا میک اپ کانوں میں اسٹائلش نازک سے ٹاپس اور ایک کلائی میں چوڑیاں' بس اتنی ہی اس کی تیاری تھی۔ قد کاٹھ میں ویسے ہی بہت اچھی تھی۔۔۔ پشت تک لمبے بال آج کل بالکل اسٹریٹ تھے۔۔۔ اس نے انہیں ایسے ہی رہنے دیا۔ آنکھوں کا کاجل اس کی اداس آنکھوں کو کچھ اور بھی اداس کر رہا تھا۔

لیکن آج اسے اداس نہیں ہونا۔۔۔ جو طوفان اس کے اندر ہے۔۔۔ اسے دبائے ہی رکھنا ہے کیونکہ جب تک یہ جذبات اندر ہیں تب تک اس کے ہیں۔ عیاں ہو گئے تو پھر اس کے نہیں رہیں گے' پھر ان کی قسمت کیا ہو گی یہ وہ جان سکتی تھی' اس لیے جاننا نہیں چاہتی تھی۔

منگنی کی رسم میں اتنے زیادہ مہمان نہیں تھے۔ اس لیے لڑکی والوں کے گھر کے لان میں ہی انتظام کیا گیا۔۔۔ آنٹی فرحت کی طرف سے کچھ بیس پچیس لوگ تھے اور دوسری طرف سے بھی بیس پچیس افراد سے کم ہی ہوں گے۔۔۔ ڈاکٹر ارحم' جب لڑکی والوں کے گھر میں داخل ہو رہا تھا۔۔۔ تب صفا کی پہلی نگاہ اس پر پڑی تھی بلیک ٹوپیس میں وہ بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ ڈاکٹر ارحم سب سے پیارا اس وقت لگتا ہے' جب اوور آل پہنے' گلے میں اسٹیتھ کوپ لٹکائے' وہ بہت توجہ سے اپنا کام کر رہا ہوتا ہے۔۔۔ مگر نہیں! آج اس نے صفا کے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا تھا' اس سوٹ میں اس کی وجاہت۔۔۔ اپنے اردگرد شاید سب کو بہت امپریس کرتی۔۔۔ اور صفا کو شاید سب سے زیادہ' وہ یہاں آنے تک دانستہ ڈاکٹر ارحم کے سامنے نہیں آئی تھی اور ابھی اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کے سامنے جا کھڑی ہو۔۔۔ اسے پوچھے "وہ اسے نظر کیوں نہیں آئی؟" کیا وہ اسے نظر ہی نہیں آئی؟ ایک بار بھی اس کو یہ نہیں لگا کہ اس کا وجود' اس کی ذات' کسی کی سوچ کا محور بن گیا ہے۔۔۔ ایک بار بھی نہیں۔۔۔ ایک بار بھی نہیں' ڈاکٹر ارحم۔" بہت ضبط کے باوجود بھی اس کی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب گئیں۔

بے بسی کی انتہاؤں پر۔۔۔ ضبط کے آخری مراحل طے کرتے ہوئے۔ اس نے اپنے آنسو اپنے اندر اتارے۔ اے خدا مجھے ہمت دے کہ میں اس شخص کی سوچ سے پیچھا چھڑا سکوں۔۔۔ یہ شخص جو میرا نہیں ہو سکتا اسے میرے دل سے نکال دے یا تو اسے میرا کر دے۔" یہ آخری کلمات خود اس کے منہ سے نہیں نکلے تھے جانے کیسے ادا ہو گئے۔

"صفا۔۔۔ صفا۔" امی نے اسے پکارا تو وہ اپنے آپ سے باہر نکلی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟ میں کب سے پکار رہی ہوں۔"

"کچھ نہیں۔۔۔ امی' بس وہ۔۔۔ کُک کیا کہہ رہی تھیں آپ۔"

"فرحت بھابھی۔۔۔ تمہیں بلا رہی ہیں۔۔۔ جاؤ انہیں ضرورت ہو گی۔" امی نے کہا تو وہ اپنی کرسی سے اٹھی' لان تک' اس جگہ پر وہ کن سوچوں پر سوار پہنچی اسے اندازہ ہی نہیں ہوا۔۔۔ اسے تو امی کے ہوش دلانے پر پتا چلا تھا کہ اس کے جذبات۔۔۔ دعا بن کر دل سے نکل رہے ہیں۔

اور اب کتنا مشکل تھا۔۔۔ ان آنکھوں سے آنکھیں چرانا۔ وہ تو اس ایک لمحے میں جکڑا گیا تھا جب منگنی کی رسم ادا کرتے ہوئے اس کی نظریں صفا پر اٹک گئی تھیں۔ اس کا پورا وجود جیسے پتھر ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں عروج کا موم سا ہاتھ جیسے پگھل رہا تھا۔ انگوٹھی اس کے ہاتھ میں تھی اور وہ اس چہرے کا طواف کر رہا تھا جو اردگرد سے بے خبر اپنی ہتھیلیوں میں الجھی ہوئی تھی۔ ہر اک وہ لمحہ جو صفا کو دیکھ کر اس سے مل کر خوشی بنا تھا۔ اس کے سامنے کنول بکھیرنے لگا۔ وہ کیا کر رہا ہے؟ جس لڑکی کو اس کے ساتھ ہونا چاہیے' اسے وہ زندگی سے نکال رہا ہے اور جو اس کی زندگی میں آرہی ہے وہ اس کی زندگی میں کہیں نہیں تھی۔" ماما نے اس کا بازو دبایا اور اس نے عروج کو انگوٹھی پہنا دی۔ یہ کیا ہوا؟ اس

کے ساتھ کوئی مذاق ' کوئی امتحان... آزمائش یا پھر اسے نظر انداز کرنے کی۔ سزا جو بھی تھا مگر اس احساس کے بیدار ہونے کا وقت بہت ظالم تھا۔

☆ ☆ ☆

دن جیسے تیسے گزرتے جا رہے تھے... وہ دل و جان سے اپنی پڑھائی میں غرق ہونے کی کوشش کر رہی تھی باقی سب کچھ اپنی جگہ موجود تھا' وہی مروہ اور اسماء کی روز روز امی سے نت نئی باتوں پر بحث ' ان کی تنقید... امی کا بجٹ کا رونا ' بہنوں کی کنجوسی اور شاہ خرچی کی تقریریں... آنی بوا کی بڑبڑاہٹ ' اور پھر اچانک ایک دھماکہ ہوا جس نے سارے گھر کو ہلا کر رکھ دیا... تنویر نے اپنے لیے ایک لڑکی خود پسند کر لی اور اسی سے ہر حال میں شادی کا ارادہ بھی بتا دیا... پہلے تو کسی کو یہ بات ہضم ہی نہیں ہوئی... اور جب "انوسٹی گیشن" کی تو پتا چلا کہ لڑکی کا پہلے ہی ایک نکاح ٹوٹ چکا ہے وہ ایک کمپنی میں جاب کرتی ہے... تنویر سے دو تین سال بڑی ہے... اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی اور تنویر یہ سب باتیں جانتا ہے۔

"تمہیں کوئی اور لڑکی نہیں ملی تھی... جو اس کو پسند کر لیا۔" اسماء نے خوب احتجاج کیا۔

"نہ تو نکاح ٹوٹنا کوئی عیب ہے اور نہ مجھ سے عمر میں زیادہ ہونا... دو تین سال بڑی ہے... بیس تیس سال نہیں۔" اس نے دفاع کیا۔

"شرم و حیا کوئی چیز ہوتی ہے... اس کے نکاح ٹوٹنے کی وجہ بھی تو ہو گی؟" اسما نے کہا۔

"مجھے کیا لینا دینا اس کے ماضی سے اور ویسے آپی... اچھا خاصہ خوار ہو چکی ہیں آپ... آپ اس لڑکی سے ایک بار مل لیں... پھر کوئی فیصلہ کر لیں۔"

"فیصلے کی گنجائش ہے کیا ابھی...؟" وہ نخوت سے بولیں۔

"یہ تو کہہ سکتا ہوں کہ آپ کی رائے بدل جائے گی۔"

"ہاں وہ تو بدل گئی... تمہارے بارے میں... تم نے ذرا بھی سوچا کہ تمہاری شادی شدہ بہنیں سسرال والوں سے کیا کہیں گی؟ لوگ کیسی کیسی باتیں بنائیں گے...؟"

"میں دنیا والوں کے سامنے جوابدہ نہیں ہوں۔" تنویر نے کہا۔

"ابو جان کبھی نہیں مانیں گے..."

"انہیں ماننا پڑے گا۔" وہ کہہ کر چلا گیا اس نے آنی بوا کی طرف دیکھا... جو سر تھامے 'چھو جھکائے ان کی بحث سے سخت نالاں ہو رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

جتنی دھماکہ خیز خبر یہ تھی کہ تنویر نے خود اپنے لیے کوئی لڑکی پسند کر لی ہے ' اس سے بھی زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ بابا جان... مان گئے تھے ' وہ ایک بار اس لڑکی سے ملنے اور اس کے گھر والوں سے بات کرنے پر راضی تھے... تنویر کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا اور اسماء مروہ دونوں اس رشتے کے خلاف تھیں مگر بابا جان کے سامنے کچھ دیر کو ہی سہی انہیں چپ رہنا پڑا ' بابا جان نے تنویر کی بات بڑے غور سے سنی تھی اور پھر اسے کمرے سے بھیج دیا۔ ان کا جواب یہ تھا کہ اگر لڑکی اور اس کے گھر والے ہمارے مطابق ہوئے تو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں کرے گا... کیونکہ ان کی نظر میں نہ تو نکاح ٹوٹنا کوئی بڑی انکار کی وجہ ہے اور نہ ہی عمر میں بڑا ہونا ہاں ان کی یہ شرط ضرور تھی کہ لڑکی کو شادی کے بعد نوکری چھوڑنا پڑے گی۔" امی جانتی تھی کہ اسماء اور مروہ ایسے رشتے کے ہاں ہونے پر واویلا ضرور مچائیں گی ' بہرحال ایک دن ان سے ملاقات کا رکھ لیا گیا۔ امی بابا کی باتوں سے کنوینس ضرور ہوئی تھیں... مگر دنیاداری بھی ان کے ساتھ ہی تھی ' بابا کی حامی بھر لینے سے وہ سارے سوال ختم نہیں ہو جاتے تھے جو یہاں رشتہ کرنے کی صورت میں کھڑے ہو سکتے تھے ' اسماء اور مروہ کا احتجاج درست مگر اظہار کا طریقہ کار غلط تھا۔ ورنہ سوال تو امی جان کے دماغ میں بھی وہی اٹھے تھے جو ان دونوں کے ' وہ لوگوں کو کیا جواب

دیں گے؟ ہمارے اکلوتے بیٹے میں کوئی عیب تھا جو ایسی لڑکی سے رشتہ جوڑا۔۔۔ اور سچ تو یہی تھا کہ بیٹیوں کے سسرال والوں کے کان میں کوئی بات پڑی تو وہ تو ضرور سوال اٹھائیں گے۔۔۔ لیکن بہرحال بابا جان کے کسی حتمی فیصلے پر پہنچنے تک وہ کچھ کہنا نہیں چاہتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

مروہ کی گود بھرائی کا پیغام بھی آگیا۔۔۔ اس کی طبیعت خراب تھی اور ڈاکٹر نے مکمل آرام کا مشورہ دیا تھا' اسی لیے کچھ دن پہلے ہی گود بھرائی کی رسم کر کے اسے ماں کے ہاں بھیجا جا رہا تھا۔۔۔ تاکہ وہ مکمل بیڈ ریسٹ کرے۔ یہ رسم تو بہرصورت ادا کرنا ہی تھی حالانکہ حالات خاصے ناسازگار تھے' تنویر نے شادی کی رٹ لگا رکھی تھی۔۔۔ دوسری طرف اسماء بھی فارغ ہونے والی تھی۔۔۔ اور اس کا بھی ارادہ یہی تھا کہ ڈلیوری کے چند دن بعد بچوں کو لے کر یہیں آجائے تاکہ تھوڑا آرام کر سکے' اور بچوں کو بھی سنبھالنا تھا' اس کام کے لیے صفا تھی۔۔۔ اور صفا کے لیے تو زندگی پہلے ہی بہت تھکی تھکی سی ہو گئی تھی۔ تنویر کا کہنا تھا کہ گود بھرائی کی رسم سے پہلے ایک بار لڑکی کو دیکھ لیا جائے۔۔۔ تاکہ اگر کوئی رسم ادا کرنا ہے تو ساتھ ہی کر دی جائے۔۔۔ سو پہلے اسی کام کو نمٹا لیا گیا۔

لڑکی کا نام رباب تھا۔۔۔ وہ ایک بینک میں جاب کرتی تھی' متوسط گھرانے کے لوگ تھے۔ تین بہنیں تھیں۔۔۔ دو کی شادی ہو چکی تھی۔ رباب دوسرے نمبر پر تھی' ماموں زاد کے نکاح میں دو سال رہی پھر کچھ ناچاقی کی وجہ سے علیحدگی ہو گئی۔ یہ سب تفصیل ان لوگوں نے خود ہی بتائی۔ رباب بے حد خوب صورت تو نہیں تھی' قبول صورت ضرور تھی' لڑکی دیکھ کر وہ آگئے۔ بظاہر انکار کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی۔ انوار صاحب خود بیٹیوں والے تھے' بنا کوئی اعتراض کیے انہوں نے لڑکی والوں سے ہاں کہہ دی۔

اور ان کی اس ہاں نے شادی شدہ بیٹیوں کو ناراض کر دیا۔ صفا خود بھی دل سے راضی نہیں تھی مگر بابا کی وجہ سے چپ ہی رہی۔ اور ویسے بھی کسی کو سمجھنے اور ثابت کرنے کے لیے ایک موقع ضرور دینا چاہیے۔ وہ اس ایک موقع کو ہار چکی تھی۔ اور چاہتی تھی کہ تنویر کا یہ فیصلہ صحیح ثابت ہو' چند دن بعد گود بھرائی کی رسم کے ساتھ ہی تنویر اور رباب کی بات بھی طے کر دی گئی' مروہ کے آنے سے مصروفیت کچھ اور زیادہ ہو گئی۔ اسامہ کی وقت بے وقت آمد۔۔۔ بجٹ کی بے ترتیبی اور صفا کی پڑھائی عروج پر تھی۔

اسماء آپی کے ہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی' تھکی ست زندگی میں اک جھونکا سا آیا' بے شک آنے والے دنوں میں کچھ اور مصروفیت بڑھنے والی تھی۔ مگر فی الحال دونوں طرف یہ بہت اچھی خبر تھی' دو بیٹوں کی ماں بن کر گویا "جوڑا" مکمل ہو گیا تھا۔ اب سب مروہ کے منتظر تھے۔ وہ کیا خوشخبری سنانے والی ہے۔

وہ کالج سے واپس آئی تو آنٹی فرحت پہلے سے موجود تھیں۔۔۔ کمرے میں گھر کی سب ہی عورتیں موجود تھیں۔ خوب گپ شپ چل رہی تھی۔ سامنے ٹیبل پر مٹھائی رکھی تھی۔ شاید اسماء کے بیٹے کی مبارک باد دینے آئی تھیں' وہ چینج کر کے آنے کا کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ واپس آئی تو آنٹی فرحت جا چکی تھیں۔

"آنٹی چلی گئیں؟" وہ مروہ کے پاس ہی تخت پر بیٹھ گئی۔

"ہاں۔۔۔ اچانک کچھ مہمان آگئے تھے۔ ارحم کی کال آئی تھی۔" وہ چادر لپیٹ کر تکیے سے ٹیک لگا کر لیٹ گئی۔ صفا جواباً" کچھ نہیں بولی۔

"کھانا۔۔۔ کھا لیا آپ لوگوں نے؟"

"میں نے تو کھا لیا ہے۔۔۔ بہت بھوک لگ رہی تھی تنویر تو اسماء آپی کو لینے گیا ہے۔۔۔" مروہ نے بتایا۔

"ہوں۔۔۔" اتنے میں تائی بوا غسل خانے سے وضو کر کے نکلیں۔

"وہ ذرا جائے نماز یہیں کرسی پر ڈال دو اور شوکت سے کہو کھانا رکھے۔۔۔ بھوک سے چکر آ رہے ہیں۔" وہ

سہارا لے کر بیٹھ گئیں۔
"آپ نے کھانا نہیں کھایا۔ وقت پر کھانا تو کھا لیا کریں۔" مروہ نے ان کے لیے جگہ خالی کی۔
"کھا لیتی... شوکت نے کئی بار کہا۔ مگر دل نہیں چاہ رہا تھا۔ پھر فرحت آگئی ارحم کی شادی کی تاریخ طے کر دی اسی کی مٹھائی دینے آئی تھی بس باتوں میں لگی رہی۔" آئی بوا بولتی جا رہی تھیں اور صفا کا دل کہیں پاتال میں اترتا جا رہا تھا۔
"اچھا..." مروہ بڑبڑائی "میری ڈلیوری کے دن ہیں... سوچا تھا فارغ ہو جاؤں تو ہی کوئی فنکشن اٹینڈ کروں اور سنو! تمہارے بھائی صاحب بھی دولہا بننے کی تیاری کر رہے ہیں۔" مروہ نے بتایا تو وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگی، آئی بوا! سر جھٹک کر اسے دیکھا اور پھر نماز کے لیے نیت باندھ لی۔
"ابھی کچھ دیر پہلے کہہ رہا تھا کہ شادی کی تیاری کریں... ایک آدھ مہینے میں ہی۔" مروہ نے بتایا کم، جتلایا زیادہ۔
"اتنی جلدی... ایسی کیا جلدی؟" چند روز پہلے تک تو ایک آدھ سال تک ارادہ تھا... اور اب اچانک ایک آدھ مہینہ۔" اس کا منہ کھلا ہی رہ گیا۔
"تم کب آئیں؟" شوکت بیگم اندر داخل ہوئیں، ان کے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی، وہ خود ہی آئی بوا کے لیے کھانا لے آئی تھیں۔
"امی... تنویر بھائی شادی کا کہہ رہے ہیں۔" اس نے امی کا سوال نظر انداز کر دیا۔ امی نے مروہ کی طرف دیکھا۔
"ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے... مجھ اکیلی سے اتنے کام نہیں ہوتے..." وہ مروہ سے کچھ ناراض نظر آئیں کھانے کی ٹرے رکھی مروہ نے پہلو بدل لیا۔
"بس ڈلیوری کے فوراً بعد چلی جاؤں گی میں، میں ہی بوجھ لگتی ہوں آپ کو..." وہ تنک گئی۔
"ارے ارے... یہ بات کہاں سے کہاں لے گئیں تم۔" صفا پریشان نظر آنے لگی۔
"سچ ہی تو کہہ رہی ہوں۔" مروہ کی آواز بھرا گئی۔
"جس کا جو دل چاہے کرتا پھرے اور کہتا پھرے، میں تو تھک گئی ہوں ایک کے بعد ایک کو سمجھاتے، سنبھالتے۔" شوکت بیگم بھی بھری بیٹھی تھیں کہہ کر چلی گئیں۔ صفا کو سمجھ نہیں آئی کہ بات کیا تھی، آئی بوا نے سلام پھیر کر اس کی طرف دیکھا۔
"جاؤ بچے کھانا کھا کر آرام کرو، اٹھو، میری نماز میں خلل ہو رہا ہے۔" آئی بوا نے کہا تو مروہ نے ٹھیک سے لیٹتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ صفا وہیں کچھ سمجھ میں نہ آنے والی باتوں کو سلجھانے لگی۔ آئی بوا دوبارہ نماز کی نیت باندھ چکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"آج کے مہنگائی کے اس دور میں بھی اتنا کر لینا بہت زیادہ ہے۔ آپ خوامخواہ کپڑوں کا ڈھیر لگائے جا رہی ہیں۔" شادی کی تیاری زوروں پر تھی۔ فرحت بیگم، اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے دھڑا دھڑ شاپنگ کر رہی تھیں۔
"میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا، تم اس معاملے میں کچھ نہیں بولو گے۔ اپنے اکلوتے ڈاکٹر بیٹے کی شادی یونہی تھوڑی کر دوں گی... اپنے سب ارمان پورے کروں گی۔" وہ خوشی سے چہک رہی تھیں۔ ارحم ان کے چہرے کی خوشی دیکھ کر خود بھی بہت پرسکون سا ہو گیا۔
"آج چھٹی ہے میں نے جیولر کو فون کر دیا ہے۔ گھر آجائے گا، تمہیں کہیں جانا تو نہیں؟"
"امی... اب ایک ڈاکٹر کو کیا پتا ہو کہ وہ چھٹی کا پورا دن گھر گزار سکے گا یا کبھی بھی کال پر جانا پڑے گا۔" وہ صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔
"ہاں مجھے پتا ہے پر ایک ڈاکٹر کی زندگی میں بھی کچھ ایسے دن آتے ہیں جب اسے اپنی زندگی کے لیے لمحوں کو قید کرنا پڑتا ہے۔" وہ شرارت سے بولیں۔ تو وہ ہنس دیا۔ فرحت محبت سے اسے دیکھنے لگی۔ اس نے ایک پل کو ماں کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔
"آپ بس خوش رہا کریں سچ جانیے تو یہ شادی خود

سے زیادہ میں آپ کو خوش دیکھنے کے لیے کر رہا ہوں ... آپ کی تنہائی دور ہو جائے ... اور بس آپ خوش رہیں ' یونہی ہنستے بولتے رہا کریں۔" ایک بیٹے کی حیثیت سے اس کے لہجے میں بے حد اطمینان اور اپنائیت تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنے دل کو جتنی بار بھی اس نے ٹٹولا وہاں عروج کا کوئی وجود نہیں تھا۔
فرحت ایک دم سنجیدہ ہو گئیں۔
"اگر ایسا ہے تو ایک بات سچ بتانا ..." وہ ذرا سا کھسک کر بیٹے کے قریب ہو گئیں۔ اس نے سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھا مگر ایک لمحے کو بھی نظریں ملا کر نہیں رکھ سکا۔
"میں نے آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔" وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے کھیلنے لگا۔
"میری طرف دیکھ کر بات کرو۔" فرحت نے اس کا چہرہ اپنی جانب کیا۔
"امی جان ... آئی ایم فائن۔"
"میں نے یہ تو نہیں پوچھا تم سے ...؟" وہ اس کے بے اختیار بولنے پر سنجیدہ ہو کر بولیں وہ سٹپٹا کر رہ گیا۔
"تم نے عروج سے شادی کا فیصلہ میری خاطر کیا ... اور خود تمہارے دل میں ہے ؟ وہ کون ہے۔" ایک پل کو وہ بالکل ساکت رہ گیا ' جس سچائی کو وہ خود جھٹلاتا رہا ہے ' کیا اسے امی اتنی آسانی سے پڑھ چکی ہیں۔
"میری بات کا جواب دو ارحم ..."
"مما ... کوئی بھی نہیں۔" وہ ماں کی طرف دیکھے بغیر بولا اور اٹھ کر جانے لگا۔
"ارحم ... میں نے کہا تھا جھوٹ نہیں بولو گے۔" فرحت نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر روکا۔ اس نے رک کر ماں کی طرف دیکھا۔
"مما ' اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میرے دل میں کون ہے ' مجھے اس گھر کے لیے ایک ساتھی چاہیے ' جو صرف اس گھر کو دیکھے ' آپ کو دیکھے ' اور جو میرے دل میں ہے ' اس کے خواب کچھ اور ہیں ... کچھ اور سوچ رکھا ہے اس نے ... میں نہیں چاہتا کہ اس گھر میں آنے والی بہو میرے ساتھ صبح آفس کے لیے نکلے اور شام کو میرے ساتھ واپس آئے۔ ایسی لڑکی اس گھر کی تنہائی دور نہیں کر سکتی۔" وہ رسانیت سے بولا۔ فرحت کا دل یکدم کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ ان کا شک ٹھیک تھا۔ ان کے بیٹے کی آنکھوں کی اداسی سچ تھی۔
"تم اس گھر کے لیے "بہو" لا رہے ہو ؟ میں تمہارے لیے ایک بیوی چاہتی ہوں اور وہ جو کوئی بھی ہے " وہ تمہارے دل میں اب بھی ہے ' ایک ماں کا دل اداس ہونے لگا۔
"مما پلیز ... لیو دس ٹاپک ..." میں عروج کے ساتھ خوش رہ لوں گا ' پلیز مام ' پلیز۔" اس نے ماں کو دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے پورے وثوق سے کہنے کی کوشش کی۔
"پلیز مما ' آئندہ آپ اس موضوع پر بات مت کریے گا۔ اور ضرورت بھی نہیں ہے۔" اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا اور پھر وہاں سے چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

"اتنا پیسہ خرچ ہو رہا ہے صفا کی پڑھائی پر ... کس کام کا ... کون سا فائدہ ہو گا آپ کو اس کی پڑھائی کا ' کل کلاں کو شادی ہو جائے گی اور اگلے عیش کریں گے۔"
آج ایک نئی بات "مروہ" نے نکالی۔ امی تو سٹپٹا کر رہ گئیں اور ہونق سی آنی بوا کو دیکھنے لگیں ... پھر مروہ کو دیکھا ' وہ آرام سے سیب کھا رہی تھی۔
"ایسی خرافات تمہارے دماغ میں آتی کیسے ہیں ؟ ہو کیا گیا ہے ایک سال میں تمہارے دل و دماغ کو ؟" آنی بوا بلا لحاظ بولیں۔
"تو غلط کیا کہہ رہی ہوں ...؟"
"مروہ ایسی باتیں نہیں کرتے ... کوئی بھی ماں باپ اپنی اولاد کو ... اور خاص کر بیٹیوں کو تعلیم اس لیے نہیں دلواتے کہ وہ کل کو انھیں فائدہ دیں ... تم نے اور اسماء نے جو اور جتنا پڑھنا چاہا ... ہم نے بھی اس میں بھی رکاوٹ نہیں ڈالی۔"
"زندگی گزر گئی ... خیر سے سب کی شادی ہو گئی۔

مطلب، تنویر کی بھی ہونے ہی والی ہے، پر اس گھر کے حالات نہیں بدلے۔ نہ سوچ، نہ رہن سہن۔۔۔ میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اور اسماء آپی بھی تو اچھی زندگی گزار رہی ہیں۔ میں نے بی کام کرکے کون سا تیر مار لیا؟ اور اسماء آپی یونیورسٹی جانے کا خواب لے کر ہی رخصت ہو گئیں۔ وہ تو قسمت میں اچھا لکھا ہے کہ ہمارے شوہر خاص کر اسامہ اچھا کماتے ہیں۔۔۔ اچھا کھاتے ہیں پیسے کی کوئی کمی نہیں۔۔۔ بس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر صفا بھی کسی امیر گھرانے میں بیاہی جائے تو چولہے میں جائے گی یہ ڈاکٹری۔۔۔" وہ سخت برامان کر اپنی سوچ پر قائل کرنے کی کوشش میں تھی شوکت بیگم اپنی پڑھی لکھی بیٹی کی سوچ پر چکرا سی گئیں۔ مروہ بھی موڈ آف کرکے کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔ شوکت بیگم فروٹس والے برتن اکٹھے کرنے لگیں تب ہی مروہ کی کراہتی ہوئی آواز آئی۔

"امی۔۔۔"

درد کی ایک تیز لہر مروہ کے وجود کو دوہرا کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو۔۔۔ اسامہ بیٹا، مبارک ہو۔ اللہ نے رحمت کر دی تم بیٹی کے باپ بن گئے ہو۔" شوکت بیگم فون پر داماد کو خوشخبری سنا رہی تھیں۔ اس کے اسپتال آنے سے پہلے ہی گڈ نیوز آ گئی۔۔۔ وہ ابھی تک ٹریفک میں پھنسا تھا۔

"بیٹی۔۔۔؟" مگر الٹرا ساؤنڈ میں تو بیٹا بتایا تھا ناں؟" داماد کے ایسے اندازِ سوال پر شوکت بیگم کو دھچکا سا لگا۔ وہ۔۔۔ ہوں ہاں کرنے لگیں ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا جواب دیں۔"

"میں کچھ دیر میں پہنچتا ہوں۔۔۔ آپ پلیز فون بند کریں۔۔۔ بہت ٹریفک ہے یہاں۔۔۔" اسامہ نے رابطہ منقطع کر دیا۔ شوکت بیگم کے کانوں میں جیسے تیز ہوائیں چلنے لگیں۔

"بیٹی کا سن کر اسامہ نے فون بند کر دیا۔" وہ خود کلامی سے بڑبڑائیں۔ جس شوہر اور سسرال کی لبِ لباب ازم پر ان کی بیٹی اتنا اترا رہی تھی۔۔۔ وہ یہ ہے؟" پتا نہیں کب آنکھیں آنسوؤں میں ڈوبیں اور اک پانی کا قطرہ۔۔۔ گال پر بہہ نکلا۔

بعض اوقات یہ رشتے سمجھنے کتنے مشکل ہو جاتے ہیں۔۔۔ آسان تعلقات اتنے کٹھن لگنے لگتے ہیں۔۔۔ "وہ پہلی اولاد کی خوشی" جس کا کوئی مول نہیں اور اس میں پسند، ناپسند، چاہنے، نا چاہنے کا کوئی دخل ہوتا ہی، بیٹی ہو یا بیٹا۔۔۔ کسی بھی نعمت یا رحمت سے خالی دامن بھر جائے تو بانجھ پن یا "بے اولادی" کا دیمک نہیں لگتا۔۔۔ ایسی ناشکری۔۔۔؟" اور پھر اللہ انسان کو اس کی من چاہی اولاد دینا شروع کر دے تو نظامِ زندگی تہس نہس نہ ہو جائے اللہ چاہے تو ہی سب ممکن ہے ورنہ سب ناممکن۔۔۔ ایک مشین کے ذریعے انسان خدا کی رضا کو نہیں جان سکتا۔۔۔ بیٹی یا بیٹا۔۔۔ سو فیصد گارنٹی ہنڈرڈ پرسینٹ نہیں ہو سکتی۔ بہرحال اسامہ کے ایسے رویے پر ان کی اصل خوشی کافور سی ہو گئی۔ دل میں ہزاروں طرح کے وسوسے آنے لگے۔ وہ سب باتیں۔۔۔ جن کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ دل کو ستانے لگیں۔ وہ گم صم سی ایک جگہ بیٹھی تھیں۔

"مروہ کو پتا چلا تو وہ کیا کرے گی۔ کتنا دکھی کر دے گا اسامہ، میری بیٹی کو۔۔۔"

"مما! ڈاکٹر ارحم سے بات ہوئی ہے میری۔۔۔ کچھ دیر میں روم میں شفٹ کر دیں گے۔۔۔ آپ نے اسامہ بھائی کو بتا دیا نا؟ میں نے کئی بار فون کیا، کال ریسیو نہیں کر رہے۔" صفاء کوریڈور میں ماں کے برابر بیٹھ گئی۔ شوکت بیگم نے خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیا ہوا امی۔۔۔ آپ بہت ٹینس لگ رہی ہیں۔۔۔"

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد امی نے اسے اسامہ کے بارے میں بتا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا صفا کو یقین نہیں آیا۔

"تب ہی پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ کال ریسیو نہیں کر رہے تھے۔۔۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی اسامہ ان کی طرف آتا دکھائی دیا۔ وہ دونوں اپنی جگہ سے اٹھ گئیں۔

"مبارک ہو اسامہ بھائی۔۔۔" صفا نے پہلی کوشش 'بالکل نارمل نظر آنے کی کی۔" وہ جواباً" کچھ نہیں بولا۔

"یہ سب کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ الٹرا ساؤنڈ میں تو بیٹا تھا۔" وہ ان سے ایسے سوال کر رہا تھا جیسے بیٹی پیدا کرنے کی ذمہ داری ان کے سر ہے۔

"یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں اسامہ بھائی۔۔۔ بیٹی ہو یا بیٹا اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اور سونو گرافی کی رپورٹ ہنڈرڈ پرسنٹ تو نہیں ہو سکتی' یہ تو اللہ کی مرضی ہے۔" صفا نے اسے سمجھانا چاہا۔

"تم پلیز اس معاملے میں مت بولو' کتنا کچھ سوچ رکھا تھا ہم نے۔۔۔ سب کو بتا تھا کہ بیٹا آنے والا ہے۔۔۔ میں تو گھر پر اطلاع بھی نہیں کر سکا۔ وہ لوگ تو پوتے کی خوشی کا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ ایسے افسردہ ہو رہا تھا۔ جیسے۔۔۔؟ شاید وہ الفاظ تحریر میں آنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ جواباً" ماں بیٹی ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں۔

"اسامہ۔۔۔ بیٹا یہ تو اللہ کی مرضی ہے' جسے چاہے بیٹا دے اور جسے چاہے بیٹی۔ شکر کرو' اللہ نے صاحب اولاد تو کیا۔۔۔ بیٹی دی ہے تو انشاء اللہ بیٹا بھی ہو جائے گا۔" شوکت بیگم نے اسے سمجھایا۔

"فی الحال تو مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔۔۔ سوائے اس شرمندگی کے۔۔۔ جو مجھے اٹھانا پڑے گی۔" وہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔ ایک نئی پریشانی پورے جوبن پر تھی۔

حیرت کا دورہ تو اس وقت شدید ہو گیا۔۔۔ جب ان کی اپنی بیٹی۔۔۔ مروہ بھی بیٹی کی پیدائش کا بن کر سکتے میں آگئی۔ ایک ننھی سی پری اس کے برابر لیٹی تھی اور وہ بے یقینی سے بچی کو۔۔۔ دیکھ رہی تھی اور پھر یکدم رونے لگی۔

"یہ کیا ہو گیا امی۔۔۔ مجھے تو بیٹا چاہیے تھا۔"

"مروہ۔۔۔ مروہ میری جان بیٹیاں' بیٹوں سے زیادہ پیاری ہوتی ہیں۔ ایسے مت روؤ۔۔۔ اچھی بات نہیں' اللہ ناراض ہوتا ہے۔" شوکت بیگم نے بیٹی کو سمجھانا چاہا۔

"سب باتیں ہیں۔۔۔ کیسے فیس کروں گی میں اپنے سسرال والوں کو۔۔۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی شوکت بیگم کے پاس تو وہ الفاظ ہی نہ رہے کہ بیٹی کو سمجھائیں' دلاسہ دیں یا پھر اس کی کم عقلی پر روئیں۔

"حد ہی کر دیتی ہو مروہ تم بھی۔۔۔ 'بیٹی کوئی گالی تو نہیں ہے؟ تمہاری ہی اولاد ہے۔۔۔ پتا نہیں تمہاری سوچ اس قدر گھٹیا کیوں ہو گئی ہے۔۔۔ اب تم یہ سب کرو گی تو اسامہ بھائی یا باقی گھر والے کیوں نہ کریں گے؟" صفا سے رہا نہ گیا۔ پھٹ ہی پڑی۔

"بات گالی کی نہیں ہے۔۔۔ سب کو بتایا تھا کہ بیٹا ہے اور اب۔۔۔"

"تو کیا ہو گیا۔۔۔؟" صفا نے تلخی سے بات کاٹی۔۔۔

"یہ بھی تمہاری ہی اولاد ہے۔۔۔ معصوم سی بچی کو اس طرح رو رہی ہو۔۔۔ جیسے۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"لعنت ہے ایسی سوچ پر۔۔۔ صفا تلخی سے کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

گھر میں ایک دفعہ پھر بے سکونی کا دور چل رہا تھا' سسرال سے مروہ کی بیٹی کو دیکھنے کوئی نہیں آیا تھا۔ اسامہ دوسرے تیسرے روز آتو جاتا مگر وہ خوش نہیں تھا اور اس کی اداسی دیکھ کر مروہ کی ممتا امتحان میں پڑ جاتی' دوسری طرف تنویر جلدی شادی پر زور دے رہا تھا۔ موسم بدل رہا تھا' وہ چھوٹے بچے تھے اسی لیے مروہ اور اسماء چاہتی تھیں کہ فل سردی کا سیزن نکال لیا جائے جبکہ وہ جلدی مچا رہا تھا۔ کچھ بجٹ بھی بری طرح اپ سیٹ ہو چکا تھا۔ حالات اجازت نہیں دے رہے تھے۔ مگر یہاں تو سب کو اپنی پڑی تھی۔ شوکت بیگم بھی یہی چاہتی تھی کہ مروہ واپس گھر جالے تو ہی کوئی قدم اٹھائیں۔ کیونکہ بیس دن ہو گئے مگر وہاں سے ایک فون کال نہیں آئی تھی۔۔۔ شوکت بیگم نے خود فون کیا مگر انہوں نے مصروفیت کا بہانہ بنا کر منع کر دیا۔ جوں جوں دن گزر رہے تھے۔ شوکت بیگم کی پریشانی بڑھ

رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

گھر کی اداسی سے دل بہت برا ہو رہا تھا پڑھائی کی طرف بھی توجہ نہیں دی جا رہی تھی' فائنل چل رہا تھا اور اس کا دل ہر طرف سے اچاٹ ہو گیا تھا۔۔۔ دل کی اداسیاں اور بھی بڑھ گئیں۔ جب فرحت بیگم کی طرف سے کئی بار بلاوا آیا اور اسے جانا ہی پڑا۔

فرحت آنٹی کے ہاں بہت رونق ہو گئی تھی۔۔۔ شادی کے دن قریب آ رہے تو اور آنٹی کے کچھ مہمان بھی دور دراز سے آ چکے تھے۔ فرحت بیگم 'صفا کو دیکھ کر اس کی طرف محبت سے لپکیں۔

"چاند نکل آیا آج تو۔۔۔" وہ اس کا ماتھا چوم کر اندر لے آئیں' مہمانوں سے تعارف کروایا۔ چائے کا دور چل رہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ کپڑوں اور زیورات کی پیکنگ چل رہی تھی۔

"عروج کو وائٹ گولڈ بہت پسند ہے۔" "یہ دیکھو' یہ اس کی منہ دکھائی پر ڈاکٹر بیٹا دے گا۔" فرحت بیگم نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے ایک نازک سا نیکلس سیٹ دکھایا۔۔۔ اس نے چند ثانیے دیکھا۔

"بہت پیارا ہے۔"

"کتنی بار بلا بھیجا میں نے شوکت کو۔۔۔ وہ بھی نہیں آپائی مرہ کے سسرال سے آیا گیا کوئی؟" آنٹی نے پوچھا۔

گویا آنی بوا۔۔۔ اپنے دکھ کو بوجھ ہلکا کر چکی تھیں۔۔۔ اسے اندازہ ہوا۔

"جی۔۔۔ پرسوں واپس جا رہی ہے۔۔۔ لیکن کوئی رسم وغیرہ نہیں ہو گی' اسامہ بھائی آ کر لے جائیں گے۔" اس نے بتایا۔

"کیسے لوگ ہیں سچ میں۔۔۔" وہ تاسف سے بولیں۔ اور پھر ابھی وہ کچھ اور کہنے ہی والی تھیں کہ ایک دس گیارہ سال کی لڑکی چائے کا کپ اٹھائے آدھمکی۔

"نانو۔۔۔ ڈاکٹر ماموں کے لیے۔۔۔ کہاں ہیں؟" وہ اپنے کمرے میں ہے۔۔۔ لاؤ' میں خود دے آتی ہوں تم چائے لے کر سیڑھیاں مت چڑھو' تمہاری ماں بھی نا۔ وہ بچی سے کپ لے کر اٹھیں۔

"صفا۔۔۔ بچے جاؤ تم ہی چائے دے آؤ اسے۔ فرحت آنٹی جاتے جاتے پلٹ آئیں۔۔۔ اور ذرا کمرہ بھی دیکھ آؤ۔ کیسا سیٹ کیا ہے' اس لڑکے نے۔۔۔ کچھ ادھر ادھر کرنا ہو تو کر لینا۔ میں پھول بھجواتی ہوں۔" فرحت آنٹی نے کپ تھماتے ہوئے ساتھ ہی کام بھی تھما دیا۔ اسے کچھ کہنے سننے کا موقع ہی نہ ملا۔

☆ ☆ ☆

اس نے ہلکے سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"اور اجازت پا کر دروازہ کھولا۔ خوشبو کا ایک جھونکا سانسوں میں گھل گیا۔ وہ ابھی نہا کر نکلا تھا۔ صرف ٹراؤزر پہنے گلے میں تولیہ لٹکائے۔۔۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا۔۔۔ اس نے شیشے میں ہی آنے والے کا چہرہ دیکھا تو ہاتھ اپنی جگہ رک گیا۔

"میں۔۔۔ چائے لائی تھی۔" اس نے وہیں دروازے پر کھڑے کپ بڑھایا۔

"ارے۔۔۔ تم کہاں ہوتی ہو۔" اس نے ہاتھ سے برش رکھ کر اپنا لہجہ بشاش کرنے کی کوشش کی۔

"سوری۔۔۔" اور پھر اپنا تولیہ اتار کر کرسی پر رکھا ہینگ کی ہوئی شرٹ پہن لی۔

"آؤ۔۔۔ اندر آؤ۔" اس نے چائے کا کپ خود آگے بڑھ کر لے لیا' صفا نے اک اچٹتی نگاہ کمرے پر ڈالی۔ نیا فرنیچر۔۔۔ پردے۔۔۔ پینٹ شدہ خوشبو میں بسا کمرہ۔۔۔ کسی کے آنے کا منتظر تھا۔۔۔ ڈبل بیڈ کے سامنے کاؤچ کے ساتھ رکھی کارنس ٹیبل پر "گلدان" خالی پڑا تھا۔۔۔ ایک فوٹو فریم 'ڈاکٹر ارحم کی مسکراتی تصویر کے ساتھ۔۔۔ دوسری جگہ عروج کی تصویر کی منتظر۔۔۔ وہ کمرے کا جائزہ لے رہی تھی اور ڈاکٹر ارحم اس کا۔۔۔ چائے کا سپ لیتے ہوئے ڈاکٹر ارحم کو محسوس ہوا کہ کچھ اور بھی تھا جو اس کے حلق سے اترا۔۔۔ کوئی سسکی۔۔۔ کوئی تھکا ہوا آنسو' کوئی آہ۔۔۔ ان خالی نگاہوں میں اسے نظر آئیں تو فقط کرچیاں۔۔۔ نہ اس نے کبھی کچھ کہا۔۔۔ نہ

اس نے کچھ سنا۔۔۔ پھر یہ بے تابیاں اور کرچیاں ' یہ سسکیوں اور آہ کا کھیل۔۔۔ کیسے کہاں ' کیوں شروع ہو گیا۔

"کیا۔۔ دیکھ رہی ہو؟" ارحم نے کپ ایک طرف رکھ دیا۔ چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

"کچھ نہیں۔۔۔ آنٹی نے کہا تھا۔۔ ایک بار دیکھ لوں کہ سب سیٹ ہے۔ سب کچھ تو سیٹ ہے ' وہ خود کو سنبھالتے ہوئے کمرے کے بیچوں بیچ آکھڑی ہوئی۔

ارحم کچھ نہیں بولا۔

"صفا۔۔۔ سب سیٹ نہیں ہے۔" اچانک وہ اس کے پیچھے آکر بولا۔ تو وہ گھبرا کر پلٹی ' دل زور سے دھڑکا جیسے ابھی باہر آگرے گا' ارحم کا دل چاہا کہ بول دے کہ اس کی کمی ہے ' جو اس کے سامنے ہے۔" پر لمحوں کی سچائی بہت بھاری تھی ' چند دنوں میں اس کی نئی زندگی شروع ہونے والی تھی۔ اگر آج ان لمحوں کے آگے وہ ہار گیا۔۔ تو خود اس کا تو پتا نہیں مگر پھر شاید ان آنکھوں میں بکھری کرچیاں اسے خون رلا دیں۔۔۔ اور اب شاید کچھ کہنے بولنے کا فائدہ بھی نہیں۔۔۔

"کیوں۔۔۔ کیا ہوا۔۔۔؟ کیا کمی ہے۔" وہ سنبھل کر اس سے دور ہٹی۔۔۔ کمرے پر اک نگاہ اور ڈالی۔۔۔ چند ثانیے ارحم اسے دیکھتا رہا۔۔ اس کے بند ہونٹوں کے پیچھے لفظ تمہاری تڑپ رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ کچھ اور کہتا دروازہ کھلا اور وہی بچی پھول لیے داخل ہوئی۔

"یہ پھول کمرے میں رکھنے ہیں۔۔۔ نانو نے دیے ہیں۔" اس بچی نے کہا۔

"تھینک یو مانو۔" ارحم نے پھول لے کر اس کا گال تھپکا۔

"یہ نور آپی کی بیٹی ہے۔۔۔ وہ جو کراچی میں ہوتی ہیں۔۔۔ مما کی لاڈلی بھانجی۔" ارحم نے تعارف کروایا۔

"ہیلو۔" صفا نے اسے پیار کیا۔

"پلیز۔۔۔ یہ بہت بورنگ ڈاکٹر ہیں۔۔۔ انہیں سمجھا دیں کہ اپنی شادی پر اداس نہیں گھومتے۔۔۔ میں تو بور ہو گئی ہوں یہاں آکر۔" اس بچی نے اس انداز سے کہا کہ وہ دونوں ہنس دیے۔

"چل مانو۔۔۔ بھاگو یہاں سے ' ورنہ انجکشن تیار کرنے لگا ہوں۔" ارحم نے اسے چپت لگائی۔

"کیوں دھمکا رہے ہیں بچی کو۔۔۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے ' کم از کم گھر میں تو اچھی شکل لے کر گھوما کریں۔۔ شادی ہونے والی ہے آپ کی ' کل کو عروج نے بھی شکایت کر دی تو پھر؟ صفا نے اندر کا غبار دھونے کی کوشش کی۔۔ وہ بس اسے دیکھنے لگا۔

"یہ پھول وہاں واز میں لگا دو اور تم۔۔۔ چلو بھاگو یہاں سے۔" ارحم نے پھول صفا کو تھماتے اور پھر بچی سے مخاطب ہوا۔

"میں ان کے ساتھ پھول سجاؤں گی۔۔۔ اور یہ گل دستہ میں نے خود بنایا ہے۔۔۔ یہ فلاور کتنا پیارا ہے ناڈاکٹر ماموں۔" اس نے صفا کے ہاتھ میں پکڑے ریڈ روز کو نکال لیا۔

"ہوں۔۔۔ بہت پیارا ہے۔۔۔ تھینک یو۔" ارحم نے شرارت سے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے پھول لے لیا۔۔ صفا خالی واز میں پھول سجانے لگی۔۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے ' پھول لیے اسے انہماک سے دیکھنے لگا۔۔۔ وہ مانو کے ساتھ ہنستی بولتی پھول سجانے لگی۔ ساتھ ہی باتیں کر رہی تھی۔ ایک لمحے کو ارحم کو اس بات کا شدید احساس ہوا کہ شاید اس کا فیصلہ جلد بازی میں ہو چکا ہے ' صفا ان ہزاروں لاکھوں لڑکیوں جیسی نہیں تھی۔۔۔

"ہو گیا۔۔۔" وہ پھول سجا کر پلٹی۔

"اٹس لکنگ ویری نائس۔۔۔ ہے نا ماموں۔"

"ہوں۔۔۔ اب جاؤ جلدی سے اور چائے بنواؤ۔۔۔ یہ چائے ٹھنڈی ہو گئی۔"

"اف۔۔۔" وہ سر جھٹک کر چلی گئی۔

"او کے۔۔۔ ڈاکٹر صاحب میں بھی چلتی ہوں۔ کافی دیر ہو گئی۔"

"او۔۔۔ کے" ڈاکٹر ارحم نے کہا۔ وہ آگے بڑھی تو ارحم اس کے سامنے آگیا۔

"مجھے کچھ کہنا ہے۔"

ڈاکٹر ارحم کا یہ انداز اس کے لیے نیا تھا۔۔۔ خود اپنی حالت بھی۔۔۔ ڈاکٹر ارحم چند لمحے اس کی آنکھوں میں

دیکھتا رہا اور پھر ہاتھ میں پکڑا پھول اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ ہار گیا تھا!

☆ ☆ ☆

جیسے تیسے موحد اپنے سسرال گئی تو شوکت بیگم نے سکھ کا سانس لیا۔ اسماء بھی اپنے سسرالی رشتہ دار کی شادی میں شرکت کے لیے فیصل آباد گئی ہوئی تھی۔ اب ان کی طرف سے سکون تھا۔ تو تنویر شادی پر زور دے رہا تھا۔ بابا تو تین مہینے بعد کا کہہ رہے تھے مگر وہ اس مہینے کی بات کر رہا تھا۔ اس کا اصرار یہ تھا کہ دھوم دھڑکا کرنے کی ضرورت ہی نہیں نکاح کر کے دلہن کو گھر لے آیا جائے۔

"لیکن ایسی کیا افتاد ٹوٹ پڑی۔ بھگا کر تھوڑی لا رہے ہیں لڑکی کو' اور ویسے بھی بہنیں تو پہلے ہی اس رشتے سے خوش نہیں تھیں۔۔۔ اب اس طرح شادی کرنے پر تو واویلا مچادیں گی۔" شوکت بیگم کو ایک نئی پریشانی نے آلیا۔ ادھر ارحم کی شادی میں چند دن باقی تھے۔۔۔ شرکت ضروری تھی۔ پہلے ہی وہ کسی معاملے میں ان کی کوئی مدد نہیں کرواسکیں۔ اس بات کا انہیں افسوس تھا۔

ڈھولک کی تھاپ اس کے کمرے کی دیواریں توڑ کر سنائی دے رہی تھی۔ طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی یہ من بھی کتنا پاگل ہے۔ کبھی ایک بوند کافی ہوتی ہے اور کبھی برستا ابر بھی من کی پیاس نہیں بجھاتا' کانٹا چبھے۔۔۔ درد تو ہوتا ہے۔۔۔ آہ تو نکلتی ہے اس کی خاموش محبت کو قبولیت کی مہر ضرور لگی تھی' مگر درد خود اپنا آپ دکھا ضرور رہا تھا' کبھی شکوہ' کبھی شکر' کبھی شکایت' کبھی عنایت۔۔۔ کبھی اطمینان' کبھی بے چین۔ خرابی طبیعت تو اک بہانہ تھا' جو لمحے انجانے میں اس کی جھولی میں آن گرے تھے ان کے ساتھ وہ کوئی تلخ لمحوں کو دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ ارحم کی شادی شروع ہونے میں صرف دو تین دن باقی تھے اور وہ چاہتی تھی کہ یہ دن اس کی زندگی میں کبھی نہ آئیں۔۔۔ وہ اس عشق کے ساتھ زندگی تو ویران نہیں کرلے گی' مگر بہرحال درد تازہ ہو تو بھی درد۔۔۔ درد ہوتا ہے۔۔۔ وہ تو چاہتی تھی کہ ان دنوں کہیں دور چلی جائے۔۔۔ اور محبت کے جو پیغام اس نے آخری ملاقات میں ڈاکٹر ارحم سے وصول کیے ہیں۔ ان کے بعد ان آنکھوں میں اجنبیت نہ دیکھے' امتحان سے بھی فراغت تھی' فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

وہ کمزور لمحے۔۔۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سب ہوتا چلا گیا جس کا اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اسے خود پر حیرت تھی۔۔۔ وہ ایسا کیسے کر سکتا ہے۔۔۔ کسی اور کے ساتھ کمیٹڈ ہونے کے باوجود۔۔۔ صفا کو اظہار کے پھول کیسے دے سکتا ہے۔ اظہار تھا یا اقرار؟ جو بھی تھا۔۔۔ اسے بہت پچھتاوا ہو رہا تھا۔۔۔ وہ اسے سامنے پاکر اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکا۔ یا پھر اس کے پیچھے صرف یہ سوچ تھی۔۔۔ کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے اور جانتا ہے کہ صفا بھی اسے پسند کرتی ہے۔" پر اب اس سوچ کے اظہار کے لیے۔۔۔ یہ وقت نہیں تھا اور کچھ دنوں میں اسے کمرے میں عروج آجائے گی اور وہ لڑکی جو اس کمرے سے زندگی لے گئی ہے۔ وہ کیا کرے گی اپنے فیصلے پر اس سے پہلے اسے کبھی پچھتاوا نہیں ہوا تھا۔

اس سے پہلے وہ خوش رہنے کی کوشش تو کرتا تھا اور اب جب شادی کے دن آن پہنچے تھے۔ اس کو اسپتال سے گھر آنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ گھر میں ڈھولک رکھ لی گئی۔ مگر اس نے ایک بار پھر صفا کو نہیں پایا تھا۔ وہ آج کل فارغ ہے۔۔۔ وہ جانتا تھا اس کے نہ آنے کی وجہ وہ خود ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا شاید یہی وجہ تھی کہ ڈھولک کی تھاپ اس کے سر میں درد کر رہی تھی۔۔۔ وہ کچھ دیر سکون لینے کی خاطر ٹیرس پر چلا گیا۔ یونہی کھلے آسمان پر دوڑتے بادلوں کے پیچھے آنکھ مچولی کھیلتے چاند کو دیکھتے ہوئے وہ اپنی بکھری سوچوں کو سمیٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تب ہی اس کی نظر لان میں ٹہلتی صفا پر پڑی' وہ کچھ دیر اسے یونہی دیکھتا رہا۔ ایسے لمحے زندگی میں ہر کسی کو کب نصیب ہوتے ہیں۔ فرصت بھی تنہائی بھی اور دیدار بھی' وہ پوری توجہ سے اسے دیکھنے لگا۔

"آئی بوا کی طبیعت جب کبھی اچانک خراب ہوئی ... وہ فوراً" اسے بلانے آجاتی تھی۔ "ڈاکٹر جلدی چلیے نا..." وہ گھبرائے ہوئے کہتی تو وہ فوراً" اس کے ساتھ ہو جاتا۔" جب پہلی بار وہ اسے ملی تھی... تو وہ میڈیکل میں جانے کا خواب دیکھتی تھی... تب وہ نو عمر سی لڑکی تھی۔ اسے ہمیشہ ڈاکٹر کہہ کر بلاتی... زیادہ بات چیت تو ہوتی نہیں... لیکن کبھی جب وہ پوچھتا۔ "صفا کیا بننا چاہتی ہو۔" "تو وہ فوراً" جواب دیتی "ڈاکٹر صفا" وہ ہنس دیتا ہمیشہ اسے فیصلے پر مضبوط رہنے کی نصیحت کرتا ... اور اب اچانک اسے کیا ہو گیا تھا... اس کی سوچ اتنی پسماندہ کیسے ہو گئی؟ وہ خود ایک ڈاکٹر تھا اور ایک ڈاکٹر سے شادی اس لیے نہیں کر رہا تھا کہ وہ اس کے گھر' اس کی ماں کو توجہ نہیں دے پائے گی۔ اس نے صفا کے لیے ایسے کیسے سوچ لیا؟ جبکہ اس کی چھٹی... یا پھر ساتویں حس اسے آگاہ کر چکی تھیں کہ صفا کی آنکھوں میں اس کے لیے پسندیدگی ہے... اس نے اتنی بڑی بات کیسے نظر انداز کر دی؟" خود اپنی ہی عدالت میں وہ کٹہرے میں کھڑا تھا۔ اس کے پاس اپنے کسی سوال کا جواب نہیں تھا... مضطرب ہو کر اس نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا... صفا لان سے جا چکی تھی' اس نے چہرہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا' بارش کی چند بوندیں اس کے چہرے پر گریں... چاند بادلوں میں کہیں کھو گیا تھا۔

ہے تیرے اختیار میں تو یہ معجزہ کر دے
وہ شخص میرا نہیں تو اسے میرا کر دے

☆ ☆ ☆

"امی ... آپ کے پاس کہاں رکھے ہیں دو لاکھ روپے جو زیرک بھائی نے منہ کھول کر مانگ لیے؟" تنویر تو امی کے منہ سے پیسے مانگنے کا سن کر تپ ہی گیا۔ وہ سخت پریشان بیٹھی تھیں۔

"کہہ رہا ہے کہیں سے بھی ارینج کر دیں' سخت ضرورت آن پڑی ہے... ورنہ پھر اسماء کا زیور بیچنا پڑے گا۔"

"یہ دھمکی ہے یا بلیک میلنگ... ہم کہاں سے یوں اچانک ارینج کر دیں؟ گھر میں دبا کر رکھیں ہیں کیا؟" وہ بھڑک کر بولا۔

"اب تم یہ غصہ ماں کو کیوں دکھا رہے ہو؟ داماد ہے وہ... ایسے کیسے منہ اٹھا کر منع کر دیں۔" آئی بوا نے اسے ٹوکا۔

"تو کہاں سے دیں گے دو لاکھ... میری شادی کے لیے تو ایک روپیہ نہیں نکل رہا تھا... اور اب دو لاکھ ارینج کرنے کا سوچا جا رہا ہے...؟" وہ کچھ اور بگڑ گیا۔

"تنویر بیٹا... یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے ذرا تحمل سے سوچو' اتنے سال ہو گئے اسماء کی شادی کو... کبھی کسی چیز کی تمنا نہیں کی اس نے اور اگر اب پیسے مانگ رہا ہے... وہ بھی ادھار تو لوٹا ہی دے گا نا..." آئی بوا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ شوکت بیگم کو تو فی الوقت کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"ادھار... ایک بار جانے دیں دو لاکھ ان کی جیب میں' دوبارہ شکل نہیں دیکھیں گی پیسوں کی... لڑکی والے ہیں واپسی کا مطالبہ کیسے کر سکتے ہیں؟" اس کے غصے میں کمی نہیں آئی تھی۔

"میاں تم تو چپ رہو... بلکہ جاؤ یہاں سے بجائے مسئلے کا حل نکالنے کے تم لگے ہو تیکھی تو کیلی سنانے..." آئی بوا نے ایک بار پھر اسے ٹوکا۔ وہ بھنا کر رہ گیا۔

"اگلے مہینے... صفا کی ہاؤس جاب کے لیے بھی پیسے چاہئیں۔" اس نے یاد دلایا۔

"اور ایک بات میں صاف کہے دے رہا ہوں... وہ رباب کے ابا رشتہ چھوڑنے کا سوچ رہے ہیں۔ انہیں کوئی اور امیر لڑکا نظر آ رہا ہے... اسی لیے میں شادی کے لیے جلدی مچا رہا تھا۔ مگر آپ کے تو مسائل ختم ہوتے نظر نہیں آ رہے اور میں رباب کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گا... چاہے مجھے کورٹ میرج کرنا پڑے۔" اس کی اتنی تیزی سے کہی بات آئی بوا اور شوکت بیگم پر بم بن کر گری۔

"کیوں...؟" شریف لوگوں کے تو یہ طور طریقے نہیں ہوتے۔" شوکت بیگم صدمے سے باہر نکلیں...

"ہاں۔۔۔ جیسے آپ کی مجبوریاں ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں' ویسے کسی اور کی بھی۔۔۔ تیرہ' پندرہ ہزار کی تنخواہ پر میں۔" وہ جانے کیا کہنے جارہا تھا کہ یکدم چپ ہوگیا بابا جان اور صفا اندر داخل ہو رہے تھے۔ وہ رکا نہیں وہاں سے چلا گیا۔

"اسے کیا ہوا؟" صفا کو ایک لمحے کی دیر نہیں ہوئی اندازہ کرنے میں کہ کوئی بہت سیریس مسئلہ چل رہا تھا ۔۔۔

"کچھ نہیں۔۔۔" شوکت بیگم پانی لینے چلی گئیں۔

"کیا ہوا آئی بوا۔۔۔ آپ لوگ کچھ پریشان لگ رہے ہیں؟ بابا جان نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

اور اتنی پریشانیاں۔۔۔ آئی بوا نہیں سہار سکتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن۔۔۔ عجیب سا موسم تھا۔۔۔ سورج کی آنکھ مچولی' کبھی یونہی بادل' سورج کی کرنوں کی پروا نہ کرتے ہوئے بوندیں برسانے لگتے' اور کبھی۔۔۔ سورج کی تپش سے زمین کا ہر کونہ چمک اٹھتا' کبھی کبھی ایسے بے اعتبار سے موسم سے کتنی کوفت ہوتی ہے اور کبھی دھوپ میں برستی بارش من کو دھو کر ایک نئی تاب دے دیتی ہے۔۔۔ کبھی دل مچلتا ہے۔۔۔ تو کبھی تھپک کر سلائے گئے بچے کی طرح پرسکون ہو جاتا ہے۔ کچھ ایسا ہی سکون صفا محسوس کر رہی تھی حالانکہ۔۔۔ مسئلے مسائل تھے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

ساتھ ہی ساتھ برابر میں بجتی ہوئی شہنائی ابھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ من جیسے ہر طرف سے پہلو بدل گیا تھا' شام کو مہندی کی رسم تھی اور اسے جانا ہی تھا۔ امی نے مروہ اور اسماء کو بھی آنے کا کہا تھا مگر اسماء نے تو منع کر دیا تھا جبکہ۔۔۔ مروہ کے اپنے سسرال میں کوئی فنکشن تھا' یہاں تنویر الگ خراب موڈ لیے گھوم رہا تھا۔ بابا جان داماد کے لیے دو لاکھ ارینج کرنے کی پریشانی میں مبتلا تھے' تو امی کو تنویر کی بروقت شادی کی فکر کھائے جارہی تھی۔ اگر واقعی اس نے کورٹ میرج کر لی تو۔۔۔ اس کی دھمکی سے فی الحال بابا جان لاعلم تھے۔ امی نے تو فون کرتے مروہ سے بھی ادھار پیسوں کا تذکرہ کیا کہ شاید اسامہ کی طرف سے مل جائیں' خود اس کے پاس ایک لاکھ رکھے تھے' وہی دینے کی حامی بھری' امی کے لیے یہ بھی بہت تھا۔ بیٹی لاکھوں کا زیور مشکل وقت میں کوڑیوں کے بھاؤ بیچ دے' انہیں گوارا نہیں تھا' کچھ اسی طرح کرتے۔۔۔ ڈیڑھ لاکھ زیرک کو سونپا۔۔۔ جس نے جلدی لوٹانے کا وعدہ کیا۔۔۔ پر وہ وعدہ ۔۔۔ لو ر داماد' وفا کرے۔

پھر رات اچانک وہ ہوا۔۔۔ جس کا کبھی کسی نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔۔۔ سب لوگ مہندی کی رسم پر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔۔۔ تنویر اور بابا جان تو کہیں باہر گئے تھے۔ گھر کی خواتین۔۔۔ تیاری کر رہی تھیں جب دروازے پر بیل ہوئی' گپنے کانوں میں بندے پہنتے ہوئے وہ دروازہ کھولنے گئی۔ تو سامنے۔۔۔ فرحت بیگم کھڑی تھیں۔ گھر کے ہی سادہ کپڑوں میں۔

"میں بہت آس لے کر آئی ہوں شوکت بہن۔" روتے ہوئے فرحت بیگم کی آواز سنائی دی۔۔۔ آئی بوا اور شوکت بیگم کو حیرت کا بت بنے بیٹھی تھیں۔ ان کی ہونے والی بہو "عروج بیگم" گھر سے بھاگ گئی تھیں۔ وہ کسی اور کو پسند کرتی تھی۔ ماں باپ نے زبردستی رشتہ طے کر دیا اور اب جب شادی کا دن آن پہنچا تو گھر سے بھاگ گئی۔۔۔ ماں باپ جانے کہاں سے ڈھونڈ کر لائے اور اب اسی لڑکے سے شادی کروا رہے تھے۔ فرحت بیگم سے بہت معذرت کرلی تھی پھر ان لوگوں کی معذرت ان کے دل کے خون ہونے سے نہیں روک سکی۔ وہ سخت دلبرداشتہ تھیں۔ "گھر میں مہمان موجود تھے۔۔۔ کارڈز تقسیم ہو چکے تھے۔ آج مہندی کی رسم ہونا تھی۔۔۔ وہ لوگ اپنی کسی اور بیٹی کا رشتہ دے رہے تھے لیکن فرحت بیگم نے منع کر دیا۔

"آپ صفا کو میری بہو بنا دیں۔" وہ ہاتھ پھیلائے آنسوؤں میں کہہ رہی تھیں۔۔۔ کمرے میں بیٹھا ہر شخص بے یقینی میں مبتلا تھا اور کمرے سے باہر دروازے کی اوٹ میں کھڑی صفا بے یقینی کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔

نہیں سوچا تھا کہ زندگی کی کایا یوں پلٹ جائے گی' جہاں عروج کو آنا تھا... وہاں' صفا بیٹھی ہوگی... نہیں شاید وہ صفا کی جگہ پر کسی اور کو لانے کی غلطی کر رہا تھا' اس نے رک کر صفا کو دیکھا۔ وہ حسن مجسم' اس وقت دنیا کی سب سے حسین لڑکی لگ رہی تھی... وہ دھیرے سے مسکرایا۔ اس کی بے چینی' قرار میں بدل گئی' ان نگاہوں کی تپش میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ جسے صفا نے محسوس کرتے ہوئے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا ... اور یہ پھر کبھی نہ لوٹ کر آنے والا لمحہ' ٹھہر گیا... وہ نگاہیں جکڑی گئی تھیں۔ ارحم کھنچتا ہوا اس کے پاس چلا آیا۔

"ویلکم..." ویلکم ان مائی لائف۔" اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے وہ محبت سے چور لہجے میں بولا۔

"اینڈ... تھینکس۔ تھینکس' میری زندگی میں آنے کے لیے... تھینکس... میرے کمرے میں بہار لانے کے لیے... اینڈ تھینکس... مجھے خوش نصیب..." وہ شرارت سے مسکراتا ہوا کچھ اور کہنے والا تھا... جب صفا نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹایا... اس کا چہرہ شرم سے سرخ اور ہاتھوں میں لرزش تھی۔ یہ زندگی کا انجام نہیں ہے... شاید ایک کہانی کا ہو' سچائی کچھ اور ہے۔

یہ خواب ناک سے منظر!
یہ دلفریب لمحے
یہ کھنکتی مسکراہٹیں
یہ نئی زندگی کی نرم گرم سانسیں
لمحوں میں دھڑکتی ہیں

ان لمحوں کے قیام کی شاید کوئی حد نہیں... نوعیت بدل جائے تو زندگی کا آنے والا ہر لمحہ خوب صورت ہوتا ہے... انسان خوابوں کو حقیقت کا پہناوا ہی سمجھتا ہے ... اب اس پہناوے کے رنگ کیسے ہوں گے' یہ تو مقدر لکھنے والا ہی جانتا ہے... اک حقیقت تو یہ بھی تھی... کہ شوکت بیگم کی زندگی میں آنے والے مسائل کا سرکل ایسے ہی چلتا جا رہا تھا' تین بیٹیوں کی شادی کے بعد ایک اکلوتی بہو بھی گھر آگئی تھی' زندگی کا جو رنگ یہاں چل رہا تھا وہ کچھ اور دیر تک چلنا تھا... شاید یہی زندگی ہے۔ انسان پیدا ہوتے ہی ایک معمول میں مصروف ہے۔ وقت اور عمر کے ساتھ معمولات بدل جاتے ہیں مگر مصروفیات ختم نہیں ہوتیں... اپنی بیٹیوں کو تو یہ سبق پڑھا کر بھیجا تھا کہ جہاں بیاہ کر جانا... اسی رنگ میں رنگ جانا' اسی گھر کو اپنا گھر بنا لینا' کبھی کبھی اپنا یہ پڑھایا گیا اصول انہیں خود بہت تکلیف دے گیا... مگر آنے والی ایک اکلوتی بہو نے کچھ اور نئے سبق اور اصول بھی پڑھا دیے۔

کچھ انسانوں کی زندگی میں تھکن کبھی ختم نہیں ہوتی... ایک ماں کی تو کبھی نہیں... کبھی اپنی اولاد کو سکھانا پڑھانا پڑتا ہے... اور کبھی گھر بنائے رکھنے کے لیے بہت کچھ خود سیکھنا پڑتا ہے... یہ سفر ناتمام ہے ۔اس کا کوئی اختتام نہیں۔

صفا شادی کے بعد تعلیم جاری رکھے ہوئے تھی۔ وہ ارحم کے ساتھ ہی اس کے ہاسپٹل میں ہاؤس جاب کر رہی تھی۔ فرحت بیگم بھی اس سے بہت خوش تھیں۔ ماں کے ہاں پڑھانے جانے والا سبق تھوڑا طویل تھا... مگر آج بہنوں سے سیکھی گئی غلطیاں دہرائے بنا وہ خوش تھی..."

اسماء اور مروہ کے وہی جھمیلے تھے... انہیں عادت ہوگئی تھی۔ اپنے ہر مسئلے کا بوجھ "اماں" کے گھر اٹھا لانے کا۔

نئی آنے والی بہو بیگم... بہت نازک اندام تھی' اسے ایک نہیں کئی کام والیوں کی ضرورت تھی۔ کپڑے دھونے' استری کرنے' برتن' صفائی اور بہت سارے لوگوں کا کھانا... بنانا ابھی سیکھنا باقی تھا' شوکت بیگم کی محنت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ شاید ایک ماں کی تھکن کبھی ختم نہیں ہوتی۔ "فرض" کے نام پر وہ کبھی کبھار اپنے وہ حق بھول جاتی ہے' جو اس کی اولاد کی طرف سے ملنے چاہییں... اور ان میں سب سے بڑا حق عزت کے بعد سکون ہے... جو نصیب سے ملتا ہے۔"

✿

نمرہ احمد

ماہ کامل کی وہ برفیلی رات!

کوہسار پہ سفید برف دمک رہی ہے
ایک قدم کا نشان تک نہیں ہے
ایک تنہائی کی سلطنت ہے...
اور یوں لگتا ہے جیسے میں ملکہ ہوں!
میرے اندر کے طوفان کی طرح باہر کی ہوا بھی غرّا رہی ہے
میں اپنے شر کو اندر نہیں دبا سکی...

خدا جانتا ہے میں نے کتنی کوشش کی!
کہ ان کو معلوم نہ ہونے دوں!
وہ اچھی لڑکی بن جاؤں جو مجھے بننا تھا
چھپالوں، محسوس نہ کروں، ان کو پتا نہ چل جائے
مگر خیر... اب جان گئے سب!
سو... جانے دو... جانے دو
اب نہیں دبا سکتی اس کو اندر
جانے دو... جانے دو

بیسویں قسط

مڑ جاؤ۔۔۔ اور دروازہ بند کر دو
لوگ کیا کہیں گے، مجھے پرواہ نہیں
طوفان کو برپا ہونے دو
ٹھنڈ سے مجھے فرق پڑا کبھی نہیں!
عجیب بات ہے کہ کیسے ذرا سے فاصلے سے
چیزیں چھوٹی دکھائی دینے لگتی ہیں
اور وہ خوف جو بھی مجھے گھیرے رہتا تھا
اب مجھے چھو بھی نہیں پا رہا
اب یہ دیکھنے کا وقت ہے کہ میں کیا کر سکتی ہوں
اب اپنی حدود کو آزمانا ہے اور توڑنا ہے
نہ کوئی صحیح، نہ کوئی غلط۔۔۔ کوئی اصول نہیں میرے
لیے
میں ہوں آزاد! جانے دو۔۔۔ جانے دو
تم اب مجھے کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھو گے
یہاں کھڑی ہوں میں اور یہیں رہوں گی میں!
طوفان کو برپا ہونے دو
کسی برف شار کی طرح ایک خیال دل میں جم سا جاتا
ہے!
میں کبھی واپس نہیں جاؤں گی، ماضی، ماضی میں رہ
گیا۔
جانے دو۔۔۔ جانے دو
اور میں اٹھوں گی تازہ صبح کی طرح
جانے دو۔۔۔ جانے دو
وہ پرفیکٹ گرل اب نہیں رہی
اور یہاں کھڑی ہوں میں، دن کی روشنی میں
طوفان کو برپا ہونے دو
ٹھنڈ سے مجھے فرق پڑا کبھی نہیں!
Queen Elsa ۔۔۔ (فروزن)

☼ ☼ ☼

فصیح نے تیز قدموں سے راہداری عبور کی اور اضطراب پہ قابو پاتے ہوئے دروازہ کھولا تو گارڈز اور میری خاموش کھڑے نظر آ رہے تھے۔ سعدی کے

مکمل ناول

کمرے کی چوکھٹ پہ خاور کھڑا فرش کو دیکھ رہا تھا جہاں بے سدھ گارڈ لیٹا دکھائی دیتا تھا۔ اس کی آنکھیں کسی نے بند نہیں کی تھیں۔ وہ ہنوز شاک کے عالم میں کھلی ہوئی تھیں۔ ساتھ ہی زمین پہ سعدی اکڑوں بیٹھا تھا۔ گھٹنے سینے سے لگائے 'وہ شل سا سامنے خلا میں دیکھ رہا تھا۔ مٹھی سختی سے بند تھی۔

"کیا ہوا ہے ادھر؟" فصیح خود پہ غصہ طاری کرتا' گارڈز کو ہٹاتا تیزی سے اندر داخل ہوا۔ لاش کے قریب قدم روکے۔

"وہ کھانا لے کر اندر گیا۔ پھر کچھ دیر بعد سعدی نے آواز دی۔ میں آئی تو یہ دونوں اسی حالت میں تھے۔ یہ کچھ بتا نہیں رہا تھا تو میں نے خاور کو بلایا۔" میری جلدی جلدی کہنے لگی۔

گارڈز بھی دم بخود تھے۔ مرنا یا مارنا' ان کی جاب ــــــ میں شامل نہ تھا۔ وہاں کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ ان کا ساتھی گارڈ سعدی یوسف کو قتل کرنے اندر گیا تھا۔ اور کس نے اسے بھیجا تھا۔

"اس کی موت زہر کی وجہ سے ہوئی ہے۔" پنجوں کے بل لاش کے قریب بیٹھتے ہوئے خاور نے خشک لہجے میں اسے مخاطب کیا' مگر فصیح نے جھک کر اس کی نبض چھوئی' گردن پہ ہاتھ رکھا۔ پھر احتیاط سے ہاتھ کی پشت دیکھی۔ وہاں موجود نشان واضح تھا۔ "کہاں سے آیا زہر تمہارے پاس' بولو۔" اس نے سعدی کو جھپٹ کر کھڑا کیا۔ سعدی اب بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں سامنے دیوار پہ جمی تھیں۔ فصیح نے پہلے جبراً اس کی مٹھی کھولی۔ اندر مڑی تڑی تصویر تھی۔ پھر اس نے اس کی تلاشی لی' جیبیں تھپتھپائیں۔

"پورا کمرہ چیک کرو' ایک ایک چیز چھان مارو۔ زہریلا انجکشن کہاں سے آیا؟ مجھے جواب چاہیے۔ اس کی بھی تلاشی لو۔" خاور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ گرجا۔ خاور نے ابرو اچکا کر ہاتھ اٹھا دیے۔ گارڈز آندھی طوفان کی طرح کمرہ کھنگالنے لگے۔ میری وہاں سے ہٹ گئی۔

قریباً" ایک گھنٹہ گارڈز اس کے کمرے کو چھانتے رہے۔ ہر شے الٹا دی' بکھرا دی۔ مگر زہریلی سرنج نہ ملی۔ فصیح' جواہرات کو کال ملاتا وہاں سے نکل گیا۔ وہ سخت پریشان لگتا تھا۔ کمرے میں وہ تنہا رہ گئے تو خاور نے ایک گہری نظر سعدی پہ ڈالی جو پھر سے فرش پہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ شل' ساکت۔ لاش اب وہاں نہیں تھی۔

"شکر کرو' بروقت میری نے وہ پین چھپا دیا۔ ویسے کہاں سے آیا وہ تمہارے پاس؟"

وہ سن نہیں رہا تھا۔ بس یک ٹک دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

"وہ تم پہ حملہ کرنے آیا' تم نے اسے مار دیا۔ ٹھیک کیا۔ اب ہم زیادہ دن یہاں نہیں رکیں گے۔ ماہ کامل کی رات قریب آپہنچی ہے۔"

اس نے اب بھی کچھ نہیں کہا۔ خاور سر جھٹک کر باہر نکلنے لگا تو وہ بولا۔

"اس کی بھی فیملی تھی۔" دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے مٹھی کھولی۔ "یہ اس کی جیب میں تھی۔ اس کی بیوی کی تصویر۔ ساتھ میں ایک بچی بھی ہے۔ دو افراد... دو افراد تھے اس کی فیملی میں۔ میں نے جس کی جان لی وہ ایک باپ بھی تھا۔"

"وہ ایک قاتل تھا۔" خاور ناگواری سے بولا۔

"وہ... ایک انسان تھا۔" سعدی نے آنکھیں اس کی طرف موڑیں تو وہ سرخ تھیں' مگر خشک تھیں۔ ان میں اس وقت بہت سے جذبات تھے۔ دکھ' غصہ' احساس جرم' بے بسی۔ اور ان میں اس وقت کچھ بھی نہیں تھا۔

"تو پھر مبارک ہو سعدی یوسف! آج سے تم بھی ہم جیسے قاتلوں میں شامل ہو گئے ہو۔" خاور بگڑ کر کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ سعدی نے زخمی نظروں سے اسے جاتے دیکھا تھا۔ اس کا دماغ ابھی تک ماؤف تھا۔

☆ ☆ ☆

میں ایسے جمگھٹے میں کھو گیا ہوں
جہاں میرے سوا کوئی نہیں ہے

صبح دھند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کہیں کوئی سنہری کرن ذرا دیر کے لیے جھانکتی، پھر دھندلکوں میں گم ہو جاتی۔ زمر نے اسٹڈی روم (اپنے نئے کمرے) کا دروازہ کھولا تو لاؤنج میں معمول کی گہما گہمی نظر آئی۔ صداقت ابا کی وہیل چیئر باہر لا رہا تھا۔ حسینہ انڈے پھینٹ رہی تھی۔ ندرت فریج کھولے کھڑی تھیں۔ سیم یونیفارم میں ملبوس ناشتے کے لیے دہائی دے رہا تھا۔ ایسے میں سب نے سیاہ کوٹ میں ملبوس تیار سی زمر کو اسٹڈی سے نکلتے دیکھا۔ ندرت بالکل ٹھہر گئیں۔ (ابھی کل ہی تو فارس آیا تھا اور ...؟) ابا نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔

"تم... ادھر تھیں؟" ندرت نے صداقت کے باہر جانے کا انتظار بمشکل کیا اور پھر پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔ وہ جو سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہی تھی، اس نے مڑ کر بنا کسی تاثر کے ندرت کو دیکھا۔

"جی! مجھے دیر تک کیس اسٹڈی کرنا ہوتا ہے۔" سادگی سے کہہ کر زینے پر چڑھنے لگی۔ ابا کو بالخصوص نظر انداز کیا جو بالکل خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

زینہ عبور کرتے ہوئے اسے اپنی پشت پہ سب کی، حتیٰ کہ حسینہ تک کی نظریں محسوس ہو رہی تھیں۔ ابھی وہ اوپر پہنچی ہی تھی کہ فارس اور اس کے سابقہ کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ باہر نکلا۔ جینز پہ پوری آستین کا سفید سوئیٹر پہنے، وہ تازہ دم لگ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"السلام علیکم۔" ایسے مسکرا کر بولا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔ (نگاہیں اب تک پشت پہ گڑی محسوس ہو رہی تھیں۔)

"وعلیکم السلام۔ میرے جانے کے خیال سے کتنے خوش لگ رہے ہو۔"

وہ ہلکا سا ہنسا اور نفی میں سر ہلایا۔ پھر اس کی تیاری دیکھ کر استفسار کیا۔ "کورٹ جا رہی ہو؟ کیوں؟"

"تمہارے کیس کی وجہ سے جتنے لوگوں کے کیسز میں نے لٹکائے ہیں نا، ان کو بھی تو دیکھنا ہے اور ہاں... میری فیس نہیں لوٹائی تم نے؟"

فارس نے گہری سانس لی۔ "میری دوسری جاب بھی جا چکی ہے، نئی ملتے ہی لوٹا کر دوں گا۔ کچھ دن کی مہلت دے دیجیے۔" زمر نے بمشکل مسکراہٹ دبائی۔

"صرف کچھ دن!" تنبیہہ کی اور پھر حنہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

فارس نیچے اتر آیا۔ ندرت ان کو نارمل دیکھ کر واپس کاموں میں لگ گئیں مگر ابا بالکل خاموشی سے کچھ سوچتے رہے۔

اس نے حنہ کے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ بیڈ پہ کمبل لیے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ الجھے بال، سوتی شکل، بالکل چپ، گھٹنوں پہ جمے لیپ ٹاپ کو دیکھ رہی تھی۔ زمر بیڈ کے کنارے آ بیٹھی۔

"سو ہماری اتنے مہینوں کی محنت ضائع ہو گئی۔ وہ فلیش بے کار ہے۔"

"ہوں۔" اس کی خاموشی غیر معمولی تھی۔

"ہمیں فارس کو بتا دینا چاہیے۔ پچھلے تین چار ماہ فارس کی وجہ سے ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے، مگر اب ہمیں سعدی کے لیے فوراً کچھ کرنا ہے۔ ہمیں وہ فلیش چاہیے حنہ! کیا دیکھ رہی ہو؟"

"شیرو کا ان باکس۔ وہ رات علیشا سے بات کرتا رہا تھا۔ یاد ہے اس کو ایک دفعہ ایک لڑکی نے پٹوایا تھا۔ ہارون عبید کی بیٹی۔ آبدار عبید۔ مگر علیشا اسے بتا رہی ہے کہ اسے ہاشم نے پٹوایا تھا۔" وہ سارا قصہ سنا رہی تھی۔ پتھرائی ہوئی نظریں اب بھی اسکرین پہ جمی تھیں۔ زمر اس کے ساتھ آ بیٹھی اور غور سے ساری گفتگو پڑھنے لگی۔ حنین نے شروع کا پورشن چھپا دیا تھا۔ اب زمر کو کیا بتائے؟

"کون ہے یہ آبدار عبید؟"

حنہ نے ڈبل کلک کر کے نتیجہ اس کے سامنے رکھا۔ وہ کسی سیمی نار میں اپنے والد کے ہمراہ کھڑی تھی۔ سرخ اسکارف لیے گہری آنکھوں والی خوب صورت لڑکی جو سفید پینٹ اور بھورے کوٹ میں ملبوس تھی۔ کسی

باہر کے ملک کی تصویر تھی۔
"یہ تو..." وہ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔ اب حنین کو کیا بتائے؟
نیچے آئی تو فارس 'ندرت' اور اسامہ کچن میں گول میز کے گرد ناشتہ کر رہے تھے۔ سیم بولے جا رہا تھا اور فارس مسکرا کر سن رہا تھا۔ ایسے میں ابا لاؤنج کے دوسرے کنارے بیٹھے تھے۔ چپ' بالکل چپ۔ زمر نے اپنا کپ لیا اور ان کے ساتھ آبیٹھی۔
"ہم ٹھیک ہیں۔ آپ نے دیکھ تو لیا ہے۔" قدرے بے نیازی سے شانے اچکا کر کپ لبوں سے لگا لیا۔
ابا نے ان ہی سنجیدہ خاموش نظروں سے زمر کو دیکھا۔ "میں نے دیکھا ہے۔ تم دونوں نارمل طریقے سے باتیں کر رہے تھے۔ میں تمہیں بتاؤں اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے 'یہ سب پہلے دن سے چلا آرہا ہے۔ اب تم لوگ عادی ہو چکے ہو۔"
ان کے لہجے میں کیا کیا نہیں تھا۔ چائے اس کو اندر تک تیزاب کی طرح جلا گئی۔ وہ بالکل سن رہ گئی تھی۔ پھر بنا کچھ کہے باہر نکل گئی۔
اوپر اپنے بیڈ پر بیٹھی حنین اسی سطر کو بار بار پڑھے جا رہی تھی جو سیرو نے علیشا سے کہی تھی۔
"بھائی شادی کر رہا ہے... بھائی شادی... بھائی..."
شیخ کی دوا... اپنی ٹیچر کی دعا... فجر کی قضا صلوۃ سب اس کے ذہن سے محو ہو چکا تھا۔ اس کی ساری دنیا برف ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

میری کشتی کو بھلا موج ڈبو سکتی تھی؟
میں اگر خود نہ شریک کف دریا ہوتا

قصر کاردار بھی اس صبح دھند میں ڈوبا ہوا تھا۔ اپنے کمرے میں سنگھار میز کے سامنے کھڑا ہاشم' اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے' ٹائی کی گرہ لگا رہا تھا۔ چہرے پہ سنجیدگی تھی۔ گیلے بال پیچھے کو برش کیے' وہ اب بہتر لگتا تھا گویا پچھلے چند ماہ کی بے سکونی دھیرے دھیرے عنقا ہو رہی تھی۔ تب ہی اس کا فون بجا۔ اس نے سنگھار میز پہ رکھے موبائل کا اسپیکر آن کیا اور کف لنکس اٹھاتے ہوئے بولا۔ "ہاں بولو فصیح۔"
"سر...! رات میں آپ کا فون آف تھا' میں بتا نہیں سکا۔ سعدی نے ایک گارڈ کو قتل کر دیا ہے۔"
کف لنک کو کف پہ ٹھیک کرتی اس کی انگلیاں ٹھہر گئیں۔ لمحے بھر کے لیے وہ منجمد ہو گیا۔
"قتل؟"
"گارڈ اس کے کمرے میں گیا' اور کچھ دیر بعد اس کی وہاں سے لاش ملی۔ زہر کے انجکشن سے مارا گیا ہے اسے۔"
"کیسا انجکشن؟" وہ چونکا۔
"ہم نے بہت ڈھونڈا مگر انجکشن نہیں ملا۔ اس کے پاس سے کچھ بھی نہیں ملا۔"
"فصیح! میری بات کان کھول کر سنو۔" وہ بولا تو آنکھوں میں غصہ اور چہرے پہ سختی در آئی تھی۔ "اگر مجھے کبھی یہ علم ہوا کہ تم خاور یا سعدی کو میرے خلاف کسی بھی طرح... استعمال کرنا چاہتے ہو' تو میں جو تمہارے ساتھ کروں گا' وہ تمہاری سات نسلیں یاد رکھیں گی۔"
"سر! ہم خود شاکڈ ہیں کہ انجکشن..."
"اوہ شٹ اپ! بے وقوف سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے؟" وہ غرایا۔ "زہر تم لوگوں کے علاوہ کون دے سکتا ہے اسے؟"
"سر' آپ یقین کیجیے' میں..."
"سعدی یوسف کبھی کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔ مجھے کیا معلوم' اس نے ایسا اپنے بچاؤ میں کیا ہے یا تم اپنے کیے گئے قتل اس پہ ڈال رہے ہو۔ کل رات سے پہلے مجھے وہ انجکشن چاہیے۔ ورنہ میں تم سب کو زمین میں گاڑ دوں گا۔"
فون بند کیا تو اس کا موڈ سخت خراب تھا۔ اسٹینڈ سے اٹھا کر کوٹ پہنا اور آئینے میں خود کو دیکھتے پرفیوم گردن پہ چھڑکا۔ تب ہی دروازہ بنا کسی دستک کے کھلا

۔ ہاشم نے ناگواری سے چوکھٹ کو دیکھا۔ وہاں نوشیرواں کھڑا تھا۔ شب خوابی کی ٹی شرٹ میں ملبوس، وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا چند قدم اندر آیا۔

"میں اس وقت بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں شیرو!" وہ مڑ کر بدمزاجی سے کہتا ٹائی پن ٹائی پہ لگانے لگا۔

"وہ کون تھا؟" وہ اتنی عجیب آواز میں غرّایا کہ ہاشم نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ ماتھے پہ سلوٹیں پڑیں۔

"تمہارے مینرز کہاں گئے شیرو؟"

"شیرو!" جواہرات اوپر کسی کام سے آئی تھی۔ کھلا دروازہ دیکھ کر اور شیرو کی آواز سن کر وہ متعجب سی چوکھٹ میں آکھڑی ہوئی۔

"وہ لڑکا جس نے مجھے یونیورسٹی میں پیٹا تھا۔ وہ کون تھا؟"

ہاشم کے ابرو بھنچے۔ تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ صرف ٹائی پن کو جوڑتی انگلیاں سختی سے بھینچ لیں۔

"تم نے مجھے کبھی ایسے کسی لڑکے کے بارے میں نہیں بتایا۔"

"مگر آپ جانتے تھے۔" وہ چلّایا۔ "آپ نے اسے بھیجا تھا مجھے مارنے کیونکہ میں نے۔۔۔ آپ کی آبدار کو کالز کی تھیں۔"

"شیرو، تم سے کس نے کہا ہے یہ؟" جواہرات محتاط آواز میں کہتی اس کے قریب آئی۔ نوشیرواں نے پلٹ کر صدمے اور دکھ سے اسے دیکھا۔ "آپ بھی جانتی تھیں۔ آپ بھی اس میں شامل تھیں۔ اور وہ آپ کا شوہر بھی۔۔۔"

"نوشیرواں!" ہاشم گرجا۔ غصے سے آنکھیں سرخ ہوئیں۔

"میرے اوپر مت چلاؤ۔ نہیں تھا وہ میرا باپ۔ جو ایک بیٹے کو دوسرے سے پٹوائے، وہ میرا باپ نہیں تھا۔" وہ حلق پھاڑ کر چلّایا تھا۔

"تمہیں کس نے بتایا یہ سب؟ آبی نے؟"

جواہرات نے اس کا بازو تھامنا چاہا مگر وہ دو قدم دور ہٹا۔

"میرے قریب مت آئیے۔ میں نے۔۔۔ میں نے کبھی آپ کو نہیں بتایا اس لڑکے کا، کیونکہ اس نے میری توہین کی تھی۔ اس نے۔۔۔ ممی اس نے مجھے اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اتنے سارے لوگوں کے سامنے اس نے مجھے زمین پہ گرا کر مارا تھا۔ سعدی نے مجھے نہیں بچایا، میں اتنے سال سعدی سے ناراض رہا، مگر اس کو آپ ہی نے کہا تھا دور رہنے کے لیے۔"

"میں نے اس سے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔"

شیرو نے نفی میں سر ہلایا۔ "کس منہ سے آپ لوگ مجھے الزام دیتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو اغوا کر کے آپ کو دھوکا دیا۔ میں نے دھوکا دیا؟ شروع تو آپ۔۔۔ آپ سب نے کیا تھا۔" اس کی سرخ آنکھوں میں پانی تھا، اور وہ غصے سے کانپ رہا تھا۔

"میں تمہاری حفاظت کر رہا تھا نوشیرواں۔ اور پچھلے کئی ماہ سے میں تمہاری غلطیوں کو ہی سنبھال رہا ہوں۔ سعدی نے رات ایک گارڈ کو قتل کر دیا ہے۔ اب مجھے اس کو بھی سنبھالنا ہے۔ (جواہرات کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری مگر چہرے پہ در آیا تعجب مصنوعی تھا۔ اسے خبر مل چکی تھی۔) تمہارے پیچھے میں کتنا خوار ہوا ہوں، اندازہ ہے تمہیں؟" وہ ڈپٹ کر بولا۔

"آپ ہمیشہ اپنا دفاع دوسرے پہ چڑھائی کر کے کرتے ہیں۔ جیسے ہر دفعہ میری غلطی ہو۔ مگر اب نہیں۔"

"شیرو، ڈیڈ نے ایک دفعہ مجھے بھی پولیس کے حوالے۔۔۔"

"بس کردیں میرے ساتھ جھوٹ بولنا۔" وہ چیخا۔ "اسی طرح۔۔۔ اسی طرح ڈنر ٹیبل پہ بیٹھ کر کارس کے خاندان کو اپنے پاس کھانے پہ بلا کر۔۔۔ آپ دونوں ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ بولتے ہیں۔"

ہاشم کا ہاتھ بے اختیار اٹھا مگر اس سے قبل کہ وہ نوشیرواں کے چہرے پہ طمانچہ رسید کرتا، شیرو نے ایک

جھٹکے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"مجھے دوبارہ مارنے کی غلطی مت کرنا۔ ہاشم کاردار!"
اس کی کلائی کو جھٹکا دے کر نیچے گرایا۔ ہاشم منجمد رہ گیا۔ بالکل سن۔
"شیرو!" جواہرات نے ششدر سی بمشکل آواز نکالی۔
وہ اسے گھورتے ہوئے غرایا۔ "میرا نام نوشیرواں ہے۔" اور سامنے رکھے کوٹ اسٹینڈ کو ٹھوکر ماری' وہ دیوار کی طرف لڑھکا۔ کتنی ہی چیزیں گریں۔ اور نوشیرواں غصے سے کانپتا' ہانپتا' دروازہ دھاڑ سے بند کر کے باہر جا چکا تھا۔
چند لمحے وہاں سناٹا چھایا رہا۔ پھر جواہرات ہاشم کی طرف بڑھی۔ "ابھی وہ غصے میں ہے' ذرا دیر میں۔۔۔"
"مجھے اکیلا چھوڑ دیں ممی۔" وہ آئینے کی طرف مڑ گیا اور گھڑی اٹھا کر کھولنے لگا۔ چہرہ سپاٹ اور سخت ہو چکا تھا۔
"ہاشم۔۔۔!"
"آؤٹ' ممی! ناؤ!" وہ دھاڑا۔ جواہرات بے بسی سے وہاں سے نکل آئی۔ اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی اور آنکھوں کی جوت بجھی بجھی سی تھی۔ ایک کینہ توز نظر اس نے اس دیوار پہ ڈالی جس کے پار انیکسی تھی۔
فارس غازی جب بھی واپس آتا تھا' ان کی زندگیاں یوں ہی خراب ہونے لگتی تھیں۔ کل وہ آیا اور آج ہی ان کے قصر میں نحوست آ گئی۔ اب وہ کیسے اپنے دونوں بیٹوں کو جوڑ پائے گی؟

☆ ☆ ☆

وہ جو پہچان میرے اخلاص کی تھی
چھین کر لے گئے احباب وہ چہرہ میرا

وہ کاغذ سامنے پھیلائے' بے توجہی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ سامنے بند قرآن مجید رکھا تھا۔ اس کا کھلا قلم خشک ہو رہا تھا مگر صفحہ قرطاس ابھی تک خالی تھا۔ وہ لکھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ اب لکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ ذہن کے اندر باہر' ہر جگہ ایک ہی منظر چھایا تھا۔۔۔ وہ آنکھوں کی بجھتی جوت۔۔۔ روشنی سے اندھیرا۔۔۔ اس نے کبھی کسی کو اپنے سامنے مرتے نہیں دیکھا تھا اور جس کو دیکھا تھا بس اب وہی یاد رہا تھا۔
میری نے سنہری پین سے میز بجایا تو وہ چونکا۔
"اسے سنبھال کر رکھو۔ یہ وہ آخری فیور تھا جو میں نے تمہیں دیا' سعدی!" وہ برہمی سے بولی۔
سعدی نے خالی خالی نظروں سے اس قلم کو دیکھا۔
"میں نے۔۔۔ ایک انسان کی جان لی ہے!"
"اتنا اپ سیٹ مت ہو۔" وہ نرم پڑی۔ "تم نے جو کیا سیلف ڈیفنس میں کیا۔ سیلف ڈیفنس ہر انسان کا حق ہوتا ہے۔"
"ہاں میری اینجیو۔" وہ تلخی سے مسکرایا۔ "اللہ گارنٹی دیتا ہے کہ سیلف ڈیفنس میں کیے جانے والے قتل پہ گناہ نہیں ہے۔ قانون گارنٹی دیتا ہے کہ سیلف ڈیفنس جرم نہیں ہے۔ مگر کوئی یہ گارنٹی نہیں دیتا کہ اس کا "غم" نہیں ہو گا۔ جب انسان کسی کو قتل کرتا ہے تو اس کا ایک حصہ مرنے والے کے ساتھ مر جاتا ہے۔ وہ حصہ کبھی واپس نہیں آتا میری! چاہے وہ قتل ناحق ہو' قتل خطا ہو' یا قتل دفاع ذات۔ قتل کا غم بہت بھاری ہوتا ہے۔" اس نے اداسی سے کہتے ہوئے رجسٹر بند کر دیا۔ پھر گہری سانس لی اور مڑ کر اسے دیکھا جو بیڈ شیٹ بدل رہی تھی۔
"ہم بہت جلد یہاں سے نکل جائیں گے میری' یہ سب ختم ہو جائے گا۔ تمہاری قید۔۔۔ تمہاری اذیت۔"
وہ تسلی دینے والے انداز میں تکان سے کہہ رہا تھا۔
"تم آزاد ہو گی اور اپنے ملک جا سکو گی۔ اپنے بیٹے کے ساتھ ایک پرسکون زندگی گزار سکو گی۔ کاردار ز اور ان کی محلاتی سازشوں سے دور۔۔۔ تم اپنی چھوٹی سی دنیا میں واپس چلی جاؤ گی۔"
"چھوٹی سی دنیا کی بات کس نے کی؟" اس کے الفاظ پہ سعدی جو واپس پلٹنے لگا تھا' چونک کر دوبارہ سے اسے دیکھنے لگا۔

"سوری؟"

میری نے چادر جھٹکی اور گھوم کر رخ اس کی جانب موڑا۔

"تمہیں کس نے کہا کہ مجھے میری چھوٹی دنیا واپس چاہیے؟ چھوٹی دنیا میں تو میں پہلے بھی تھی۔ جانتے ہو فلپائن کیسا ہے؟ میرا سارا ملک کیسا ہے؟ لکڑی کے بنے چھوٹے چھوٹے گھر کیسے ہوتے ہیں؟ سارا دن 'ساری رات کتوں کی طرح کام کرو 'تب بھی دو وقت کی روٹی جتنے پیسے نہیں بن پاتے۔ جانتے ہو جب سیلاب آتا ہے وہاں تو کیسے گھر تنکوں کی طرح بہتے ہیں؟ جانتے ہو کتنا مشکل ہوتا ہے اپنے ملک کو چھوڑنا اور غیر ملک میں نوکری کے لیے جانا مگر ہم فلپائن کی عورتیں جاتی ہیں دوسرے ملکوں میں... کیونکہ بادشاہوں کے غلام خود بہت سوں کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ کس نے کہا تم سے کہ مجھے اپنی چھوٹی سی دنیا 'پرسکون زندگی اور بے فکر ضمیر واپس چاہیے؟ مجھے اپنی جاب واپس چاہیے تھی 'سعدی یوسف! مجھے اپنا مقام واپس چاہیے تھا۔ میں... اس محل کی۔ ملکہ تھی۔ وہاں میرا حکم چلتا تھا۔ میری اتھارٹی تھی۔ فلپائن کی بھوک اور غربت' خوف اور ظلم میں اپنے بچے کو بڑا کرتے میں نے ایک ہی خواب دیکھا تھا۔ پیسے کا۔ اونچے محل کا۔ میں تمہارا ساتھ اس لیے دیتی رہی کیونکہ تم نے مجھے میری پوزیشن واپس دلانے کی امید دلائی تھی۔ تمہارے ساتھ بھاگنے کا مطلب ہے' میں تاعمر مفرور رہوں گی۔"

بول بول کر وہ ہانپنے لگی تھی۔ چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا اور آنکھوں میں پانی تھا۔ سعدی ان ہی اداس نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

"ہم جمعرات کی رات یہاں سے بھاگ رہے ہیں۔ خاور میرے کمرے میں آئے گا اور ہم مل کر گارڈز پہ حملہ کریں گے۔ اگر تم نے چلنا ہو تو بتا دینا۔" سنجیدہ 'نپا تلا لہجہ اور دوٹوک انداز تھا اس کا۔

میری عجیب سی کیفیات میں گھری اس کو دیکھتی رہی پھر دروازہ زور سے بند کر کے باہر نکل گئی۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

مجھے جو بھی دشمن جاں ملا وہی پختہ کار جفا ملا
نہ کسی کی ضرب غلط پڑی 'نہ کسی کا تیر خطا ہوا

وہ گھر آئی تو ٹیکسی کی طرف جاتے 'مسز جواہرات کے کمرے کے پچھلے برآمدے پہ نظر پڑی۔ جواہرات وہاں اسی سرخ اسکارف والی لڑکی کے ساتھ بیٹھی تھی۔

زمر نے ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی اور اپنے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ دروازہ کھولا تو حنین کھڑکی کا پردہ ہٹا کر تیکھی نظروں سے باہر جھانک رہی تھی۔ زمر اس کے ساتھ آکھڑی ہوئی۔

"یہ فارس سے ملنے کورٹ آئی تھی۔ فارس نے کہا 'یہ اس کی گرل فرینڈ ہے۔"

حنین کے ابرو بھنچے۔ خفگی سے باہر بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ "آئی ڈونٹ لائیک ہر۔"

"می ٹو۔" زمر کے لبوں سے نکلا۔

"می تھری!" اسامہ پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔ وہ دونوں پلٹیں۔

"تمہیں کیا مسئلہ ہے اس سے؟"

"مجھے ایسی خوب صورت لڑکی پسند نہیں جو قد اور عمر میں مجھ سے بڑی ہو۔" چہک کر کہتا اندر بھاگ گیا۔

زمر اور حنین نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ابھی خبر لیتی ہوں میں اس کی۔" حنہ دانت پیستی اس کے پیچھے لپکی۔ زمر مسکرا دی۔ سعدی... وہ کچھ کچھ سعدی کی طرح ہوتا جا رہا تھا۔

سبزہ زار کے اس طرف... برآمدے میں بیٹھی آبدار نے چائے کا کپ لبوں سے لگا کر ہٹایا اور سوچتے ہوئے پوچھنے لگی۔ "یہ کون تھی؟"

"یہ اورنگ زیب کے بھانجے فارس کی بیوی ہے۔"

آبی کے دل کو کچھ ہوا مگر سنبھل کر بیٹھی رہی۔

"دیکھنے میں بس ٹھیک ہے۔ فارس زیادہ اچھا ہے۔ ہمارے گھر آیا تھا تو میں نے دیکھا تھا۔ پسند کی شادی

تھی کیا؟" سرسری سا پوچھا۔
جواہرات نے ہنس کر سر جھٹکا۔ "میرج آف convenience (کلفنڈی شادی) ہے۔ طلاق ہونے والی ہے۔ چند دن کا کھیل ہے۔"
آبی سُن رہ گئی' پھر... بظاہر بہت سنبھلے انداز میں پوچھا۔ "کیا واقعی؟"
"یہ لڑکی اس سے نفرت کرتی ہے' انتقام کے لیے شادی کی تھی۔ آئے دن جھگڑے ہوتے ہیں۔ اب بھی اس کا کیس اس لیے لڑ رہی تھی تاکہ اس کو پھنسا سکے۔ مگر شش... یہ راز ہے۔" آخر میں رازداری سے آواز ہلکی کی اور ہنس پڑی۔
"اوہ... اس کا مطلب ہے کہ... یہ شادی ختم ہونے والی ہے؟" آبدار کی آنکھوں میں خوشگوار سی حیرت چمکنے لگی تھی۔
"بالکل۔ اچھا تو تم کہہ رہی تھیں کہ شیرو سے تمہاری کوئی بات نہیں ہوئی اس حوالے سے؟" جواہرات وہ بات کریدنے لگی جس کے لیے اس نے آبی کو بلایا تھا' اور آبی مسکراتے ہوئے بظاہر سن رہی تھی... مگر اس کا دماغ کہیں اور تھا۔ شاید دل بھی۔
"شادی کرلو آبی!" آخر میں جواہرات نے کہا تھا۔ اس نے مسکرا کر کپ رکھا اور نرمی سے کہنے لگی۔
"شادی زندگی کا سب سے بڑا جوا ہوتا ہے' آنٹی!

وہیں کھیلنا چاہیے' جہاں دل مانتا ہو۔"
"تو دل کہاں مانتا ہے تمہارا؟"
"دل..." وہ پھر مسکرائی۔ اس مسکراہٹ میں خلوص بھی تھا' سادگی اور معصومیت بھی۔ "بس کوئی ایسا ہو جو نڈر ہو' بہادر ہو۔ جس کو عامل تنویم کو hypnotize (ہپناٹائز) کرنا آتا ہو۔ جس کے لیے میں بڑے سے بڑا خطرہ لینے کو تیار ہو جاؤں' بدلے میں صرف ایک کپ چائے کے لیے۔ جس کا ایک فقرہ دوسروں کی تقریروں پہ بھاری ہو۔ وہ بولے تو سب سنیں۔ وہ خاموش ہو جائے تو اس کی خاموشی بھی بولے۔" پھر ذرا مزید سنبھل کر بولی۔ "اور جس دن ایسا

کوئی مل گیا' تو اس پہ لگا unavailable کا ٹیگ بھی available میں بدل دوں گی۔"
جواہرات کو اس کی باتوں نے چونکایا تھا۔ وہ ایسی ہی باتیں کیا کرتی تھی۔ پھر وہ اٹھ گئی تو جواہرات بھی اندر چلی گئی۔ ادھر پودوں پر ہاتھ پھیرتی' مدھم آواز میں خود سے باتیں کرتی' ایرانی لڑکی دور جا رہی تھی۔ سردی سے اس کی ناک سرخ پڑ رہی تھی مگر سرمئی آنکھوں میں بے پناہ خوشی بھری چمک تھی۔ تب ہی وہ رکی۔ سامنے فارس کار سے نکل رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ وہ نہیں مسکرایا۔ وہ محتاط تھا۔
"ہیلو۔" وہ اس کے قریب آ رکی۔ فارس نے سر کے خم سے جواب دیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ انیکسی اور قصر کی ہر کھڑکی سے یہ منظر صاف دکھائی دیتا تھا۔
"آپ کے اوپر میرا ایک ادھار ہے۔"
"چائے؟" اس نے یک لفظی استفسار کیا۔
"جی ہاں۔ مسٹر اینڈ مسز فارس غازی میرے اور بابا کے ساتھ چائے پئیں گے۔ وقت اور جگہ میں ٹیکسٹ کر دوں گی۔"
"آپ کے پاس میرا نمبر ہے؟" فارس کار لاک کرتے ہوئے بولا۔
"آپ کے پاس میرا ہے نا۔ مجھے ٹیکسٹ کریں گے تو میں محفوظ کرلوں گی۔" وہ مسکرائی تھی۔ فارس نے کار لاک کرتے ہوئے سر کو خم دیا۔

"ایک بری خبر بھی ہے۔" وہ ذرا ٹھہری۔ "اس نے آپ کا بھیجا ہوا تحفہ استعمال کرلیا ہے۔ کل رات ایک گارڈ اپنی جان سے گیا ہے۔ اوکے' پھر جلد ملاقات ہوگی چائے پہ۔" وہ برابر سے نکل کر چلی گئی۔ لاؤنج کی کھڑکی سے دیکھتی جواہرات نے اس سرسری ملاقات کو علیک سلیک سے زیادہ کچھ نہ سمجھا اور زمر نے ناک سکیڑ کر پردہ واپس گرا دیا۔
مگر ایک وہی تھا جو چابی کی ہول میں لگائے' وہیں ٹھہر گیا تھا۔ منجمد' شل' ششدر۔ پورے جسم کو کسی نے برف کے ڈھیر میں ڈال دیا تھا۔ سفید پڑتے چہرے

کے ساتھ اس نے بدقت تمام کار لاک کی اور پھر قدم اٹھاتا... بھاری قدم اٹھاتا... ایکسی کی طرف بڑھنے لگا۔

سعدی؟ قتل؟ اس کا پورا جسم سنسنا اٹھا تھا۔

☆ ☆ ☆

تجھ پہ کھل جاتی مری روح کی تنہائی بھی
میری آنکھوں میں کبھی جھانک کے دیکھا ہوتا

قریباً" پونے چھ برس قبل وہ "واقعہ" ہوا تھا' جب اس نے اپنی زندگی کی ترجیحات طے کر رکھی تھیں اور اس لحاظ سے' زمر کے یونیورسٹی چھوڑنے کے سال بعد' اس نے ندرت سے کہا تھا کہ وہ زمر کے لیے رشتہ بھیج دیں۔

ان دو سالوں میں متعدد بار اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کہیں اس کے والدین اس کی کہیں اور شادی نہ کردیں' مگر اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ وہ جلے دودھ کے برے تجربے کے بعد یونہی کسی کو بھی اپنی بیٹی نہ دیں گے' غور کرنے میں یا ہاں کرنے میں بھی مہینے لگائیں گے' اور اس کی لاعلمی میں یہ سب ہو جائے' یہ ناممکن تھا' اسے خبر مل ہی جاتی تھی۔

ندرت اس کی دلچسپی کا سن کر پہلے خوش ہوئیں' پھر خاموش۔ وہ ان کی آنکھیں پڑھ سکتا تھا۔ وہ متامل تھیں۔ اتنے برسوں کے ناخوشگوار تعلقات کے بعد ان کو اپنی ساس سے امید نہیں تھی کہ وہ ان کے بھائی کو اپنی بیٹی کا ہاتھ تھمادیں گی۔ خود فارس کو اگر اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی نہ تھی' تو کوئی احساس کمتری بھی نہ تھا۔ گو کہ اس نے ہمیشہ زمر کی عزت کی۔ احترام کیا۔ اسے خود سے برتر سمجھا' مگر اس نے کبھی خود کو کمتر نہیں سمجھا تھا۔ جس سادہ زندگی کی خواہش اسے تھی' اس میں ان پیچیدگیوں کی جگہ نہیں تھی۔

رشتہ بھجوانے کے چند روز بعد وہ آفس میں تھا جب حسین کا فون آیا۔ اس نے بتایا کہ زمر اس سے ملنا چاہتی ہے' کوئی بات کہنا چاہتی ہے۔ وہ یوں ایک بلاوے پہ چلے جانے کے حق میں نہیں تھا' مگر... اسے انکار کرنا بھی اچھا نہیں لگا۔ وہ حنہ کے گھر آگیا۔ اسے امید تھی کہ زمر اس کے رشتے کے حوالے سے بات کرنا چاہے گی۔ اپنے دو ٹوک انداز میں' سمجھ داری کے ساتھ ترجیحات' اور توقعات واضح کرے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ اس پروپوزل سے انجان لگ رہی تھی۔

وہ تو اپنی ناک میں پہنی اس لونگ سے بھی انجان لگتی تھی۔ کچھ روز قبل وہ ایک جیولر کے پاس کسی تفتیش کے سلسلے میں گیا تو اسے شوکیس میں سجی یہ ڈائمنڈ نوز پن اتنی خوب صورت لگی کہ وہ لیے بغیر نہ رہ سکا۔ بھیجتے وقت اپنا نام اس لیے نہیں لکھا کہ کسی اور کے ہاتھ لگ گئی تو تماشا نہ بن جائے۔

اس کو وہ پہنے دیکھ کر دل میں جہاں خوشگوار احساس اترا' وہاں مایوسی بھی ہوئی۔ وہ اس کی لکھائی نہیں پہچان سکی تھی۔ اس نے ایک سال تک پڑھا تھا وہ اس سے' کبھی تو نوٹ کی ہوگی اس نے فارس کی لکھائی۔ مگر وہ نوٹ نہیں کرسکی اور پھر جب وہ اپنے مدعے پہ آئی' اس کے سامنے صوفے پہ بیٹھے' وہ اپنا مسئلہ بتانے لگی تو فارس غازی کے دل میں مزید مایوسی اترتی گئی۔ وہ کسی ملزم کے بھائی کی ہراسمنٹ کی وجہ سے پریشان تھی۔ یہ اچھا تھا کہ ایک قریبی رشتے دار ہونے کے ناتے اس نے فارس پہ بھروسہ کیا اور اس کو اپنا مسئلہ بتایا' مگر یہ اتنا اچھا نہ تھا۔ وہ مدد کی ہامی بھر کر وہاں سے اٹھ آیا۔ مگر دل میں ایک عجیب سا احساس جڑ پکڑنے لگا۔ وہ جانتی تھی اور جان کر انجان بنتے ہوئے اس کو آزما رہی تھی؟ یا وہ جانتی ہی نہیں تھی؟ مگر یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کو رشتہ دیے اتنے دن گزر چکے ہوں اور زمر کے والدین جو ہر بات میں اس کی رائے مانگا کرتے تھے' اس کو خبر ہی نہ کریں۔

اگلی دفعہ جب وہ ندرت کے پاس گیا تو ان سے کہا کہ وہ زمر کی والدہ سے پوچھیں۔ ہاں تو ہاں' ناں تو ناں۔ ندرت نے ایسا ہی کیا اور اپنی ساس کا جواب سن کر ان کے اندر تک خاموشی چھاگئی۔ زمر نے انکار کیا ہے اور

کہتی ہے کہ وہ فارس جیسے غصہ ور اور پتا نہیں کیا کیا آدمی کے ساتھ گزارا نہیں کر سکتی؟ سیریسلی؟ وہ بچہ تو نہیں تھا کہ اس بات پہ یقین کر لیتا۔ وہ دن پہلے تک زمر اس سے مدد مانگ رہی تھی اور اب اس کو یہ سب کہے گی؟ صاف ظاہر تھا' زمر کی امی نے ندرت سے ساری زندگی کے حساب چکتا کیے تھے۔ بیٹی سے پوچھے یا شاید بتائے ہی بغیر انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ ندرت دوبارہ بات کرنے کے حق میں تھیں مگر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

عزت اور غیرت سب میں ہوتی ہے۔ ان کے سامنے محبت پیچھے رہ جاتی ہے۔ اس میں بھی اتنی غیرت تو تھی کہ اگر ایک دفعہ اتنا صاف جواب مل گیا ہے تو وہ اس خاندان سے دوبارہ سوال نہیں کرے گا۔ وہ اس سے برتر تھی' مگر وہ اس سے کم تر نہیں تھا۔

اسے معلوم تھا حنین ندرت کی بات سن رہی تھی' اور وہ جانتا تھا کہ وہ سوچ رہی ہو گی' ماموں نے اتنی جلدی ہار مان لی؟ مگر یہ ہار جیت کی بات نہیں تھی۔ عزت اور غیرت کی بات تھی۔ عزت دار لوگ خاموشی اور وقار سے راستہ بدل لیتے ہیں۔ اس نے بھی یہی کیا۔

فارس کو سات سو سال قبل کی ابن قیم کی لکھی کتاب پڑھنے کی ضرورت نہ تھی' یہ جاننے کے لیے کہ مرض عشق کی دوا کیا ہے؟ ایک سمجھ دار اور پریکٹیکل آدمی ہونے کی حیثیت سے اتنا تو اسے معلوم ہی تھا کہ یہ عشق وغیرہ ٹھیک ہو جاتا ہے وقت کے ساتھ۔ اگر انسان اس گلی جانا چھوڑ دے' اس شخص سے ملنا اور اسے دیکھنا چھوڑ دے (غض بصر) اور خود کو کہیں اور مصروف کر لے۔ زندگی میں کوئی نیا رشتہ آجائے' ایک

اچھی بیوی ہو تو پرانی محبت یاد بھلے رہ جائے' تکلیف نہیں دیتی۔ مگر یہ سب صرف تب ہو سکتا ہے جب انسان کی نیت صاف ہو' اور ارادہ "آگے بڑھ جانے" کا ہو۔ جو لوگ مرض عشق سے شفایاب نہیں ہو پاتے' ان کی دراصل "نیت" نہیں ہوتی۔ محبوب کی یاد کے "نشے" سے نکلنے کی۔

اور فارس نیت کر چکا تھا۔ اس نے زمر کے خاندان سے میل ملاپ چھوڑ دیا۔ زمر کی امی کی ڈیتھ ہوئی تو وہ گیا ضرور بلکہ دو چار دفعہ گیا' مگر کوشش کی کہ زمر سے سامنا نہ ہو۔ نگاہ بھٹکے گی تو دل بھٹکے گا' مگر چونکہ نیت صاف تھی' اس لیے اس کا دل پرسکون ہو گیا۔

اس نے زمر کو چھوڑ دیا۔ اس سے دستبردار ہو گیا اور خود کو ایک نئے انسان کی زندگی میں شامل ہونے کے لیے تیار کر لیا۔

وہ شادی سے پہلے زرتاشہ سے صرف ایک دفعہ ملا تھا۔ وہ اس کے ابو کے رشتہ دار کی بیٹی تھی۔ ایم ایس سی سائیکولوجی کر رکھا تھا اور دل سے آرٹسٹ تھی۔ رنگت خاصی گوری اور شولڈر کٹ بال بے حد سیاہ تھے۔ وہ خوب صورت بھی تھی اور طبیعت کی بھی اچھی تھی۔

زرتاشہ ذرا بچکانہ' ذرا سی جلد باز' ذرا سی نخریلی ضرور تھی' لیکن یہ سارے عناصر اس میں ذرا ذرا سے تھے۔ ان کو چھوڑ کر اس میں ڈھیر ساری محبت' ڈھیر سارا خلوص اور ڈھیر ساری خوش مزاجی بھری تھی۔ شادی سے پہلے اس نے فارس کے سامنے صرف دو شرطیں رکھی تھیں۔

میرے لیے لڑیں گے مگر مجھ سے نہیں لڑیں گے۔

اگر میں کبھی جاب کرنا چاہوں تو مجھے منع نہیں کریں گے۔

اس نے دوسری شرط مان لی تھی اور پہلی کو حالات اور خود زرتاشہ کے رویے سے مشروط کر دی تھی۔ البتہ دل میں وہ بے حد محظوظ ہوا تھا۔ زرتاشہ میں ویسے تو ہر بات زمر سے مختلف تھی' مگر ایک بات جو اس میں اور زمر میں زمین آسمان جتنا فرق کرتی تھی' وہ

سادگی تھی۔ زمر سادہ نہیں تھی' اور زرتاشہ کی اس معصومیت بھری سادگی (جو بہت سے لوگوں کو اس کا بچکانہ پن اور جذباتیت لگا کرتی تھی) نے فارس کے دل سے پہلی محبت کو قریباً" ختم کر دیا تھا۔ زمر یوسف کہیں بہت پیچھے رہ گئی تھی اور جس دن وہ زرتاشہ سلیم سے زرتاشہ غازی بن کر اس کی زندگی میں آئی تھی' پہلی

دفعہ یہ ہوا کہ فارس کے ذہن میں زمر کا خیال آنا بھی ختم ہو گیا۔
پہلی دفعہ وہ زمر کو بھولنے لگا تھا۔ عارضی طور پہ ہی سہی۔

☆ ☆ ☆

ہم کریں بات دلیلوں سے تو رد ہوتی ہے
اس کے ہونٹوں کی خموشی بھی سند ہوتی ہے

مگر اس وقت وہ لاؤنج میں خاموش بیٹھا' زرتاشہ کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا۔ نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمائے' وہ دور کہیں گم تھا۔ پریشان بھی تھا' اور فکر مند بھی۔ ذہن میں صرف سعدی کا خیال چکر کاٹ رہا تھا۔ یہ یقین تھا کہ وہ ہاشم کے پاس محفوظ ہے' ختم ہو چکا تھا اور پچھلے کچھ دنوں سے کوئی رات ایسی نہیں گزر رہی تھی جب سعدی کے زندہ بچ جانے کی امید نہ ٹوٹی ہو۔

فارس نے آنکھیں بند کر لیں اور سوچنے لگا۔ وہ شدید پریشانی کے باوجود گھر میں کسی سے یہ مسئلہ شیئر نہیں کر سکتا تھا۔ پچھلے دس ماہ سے وہ جس جنگ کی تیاری کر رہا تھا' وہ قریب آ پہنچی تھی' مگر اسے اس سے پہلے ایک کام کرنا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور ادھر ادھر دیکھا۔ ندرت استری والے کپڑے الگ رکھ رہی تھیں' ابا اخبار پڑھ رہے تھے۔ حنین خاموش سی کونے میں بیٹھی تھی۔ زمر کچن میں کھڑی چائے بنا رہی تھی۔ سیم ٹی وی کے آگے جم کر بیٹھا تھا۔

"ابا۔" اس نے سنجیدگی سے پکارا۔ آواز اتنی تھی کہ ہر کوئی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ "میں نے آپ کے ریسٹورنٹ سے پانچ منٹ کی ڈرائیو پہ ایک اچھا گھر ڈھونڈا ہے۔ کافی بڑا ہے اور قیمت بھی اچھی ہے۔"

سب ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔

"جمعے کو ہمیں وہاں شفٹ ہونا ہے۔ آپ لوگ پیکنگ کر لیں۔" وہ موبائل نکالتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک حیرت بھرے سناٹے میں سب نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ زمر بھی کچھ نہ بول سکی۔ حنین الگ شل۔ ندرت کو ہی ہوش آیا۔

"اور یہ گھر؟"

"میں اسے بیچ رہا ہوں۔"

"مگر کیوں؟" ابا نے اچنبھے سے پوچھا تھا۔

"کیونکہ یہ ضروری ہے۔" ہلکا سا مسکرا کر مگر اتنے حتمی لہجے میں بولا کہ کسی سوال کی گنجائش ہی نہ رہی۔ سب اسے ہی دیکھ رہے تھے اور وہ موبائل پہ نمبر ملاتا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ کمرے کے دروازے پیچھے گم ہونے سے پہلے انہوں نے اسے فون کان سے لگائے کہتے سنا۔

"یہ میرا نمبر ہے' اس کو آپ سیو (محفوظ) کر لیں ___" اور دروازہ بند ہو گیا۔ سب ابھی تک چپ بیٹھے تھے۔

پھر زمر نے مگ کاؤنٹر پہ رکھا تو کانچ کے پتھر سے ٹکرانے کی آواز پیدا ہوئی۔ حنین نے گم صم سی ہو کر اس کی طرف گردن موڑی۔

"ماموں کیا سوچ کر ایسا کہہ رہے ہیں؟"

زمر نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ "اس پہ بھروسہ کرو۔ وہ کہہ رہا ہے تو اس کے پاس کوئی حل ضرور ہو گا۔"

"آپ کو کب سے ان کے فیصلوں پہ بھروسا ہونے لگا؟" حنین نے کسی دوسرے کی پروا کیے بغیر اس کو مشکوک نظروں سے گھورا۔

"جب سے میں نے اس کو کورٹ میں اپنا دفاع کرتے دیکھا ہے۔ وہ معاملات کو سدھارنا اور سنوارنا جانتا ہے۔ اگر وہ کہہ رہا ہے کہ ہم گھر بدل لیں تو ہم بدل لیتے ہیں۔ اس کو نئی جاب کی تلاش ہے' وہ اسی لحاظ سے بہتر علاقے میں شفٹ ہونا چاہ رہا ہو گا۔" وہ رسان سے کہہ رہی تھی۔ ادھر ندرت کو اب نئی فکر نے آن گھیرا تھا۔ سامان' پیکنگ' شفٹنگ۔ کہاں سے کام شروع کریں؟ اس نے ابھی ایک گھونٹ ہی بھرا تھا

کہ موبائل تھرتھرایا۔

نیا پیغام۔ "میں اپنے برآمدے میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں' زمر!"

اس نے مگ وہیں دھرا اور.... تھوڑی دیر بعد وہ اٹھی گردن اور پرسکون چہرے کے ساتھ قصر کے برآمدے کے زینے چڑھ رہی تھی۔

"گڈ آفٹرنون مسز کاردار۔" مسکرا کر جواہرات کو سلام کیا۔ جو سینے پہ بازو لپیٹے وہاں کھڑی سلگتی آنکھیں اس پہ جمائے ہوئے تھی۔ نوشیرواں اور آئی والا معمہ حل نہیں کرسکی تو اب اصل مسئلے کی طرف آئی۔ زمر سے نپٹنا تھا اسے۔

"سو کل فارس رہا ہو کر آگیا۔ میں نے سوچا تمہیں چوبیس گھنٹے دے دوں کوئی وضاحت گھڑنے کے لیے۔" مسکراتے ہوئے ہونٹوں مگر انگارہ آنکھوں سے چبا چبا کر بولی۔ زمر نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ "آپ کل بھی پوچھ سکتی تھیں۔"

"تو پھر بتاؤ زمر۔ کہ فارس۔ کیسے رہا ہوا؟"

"وہ اس رات ایک ایسے مردوں کے لیے مخصوص کلب میں تھا جہاں بڑے خاندانوں کے بیس مرد بھی تھے۔ یونو۔ قوم لوط کے مرد۔ اپنی اینلی بائی ثابت کرنے کے لیے اگر ہم ان لوگوں کے نام عدالت کو دیتے تو عدالت ان کو "Subpheona" کرتی۔ (نوٹس بھیج کر حاضر ہونے کا حکم دیتی۔) ایسے میں وہ بیس عزت دار لوگ پوری دنیا کے سامنے آجاتے' اور بے شک وہ گواہی کے وقت مکر جاتے' کیونکہ کوئی بھی ایسی جگہ کے بارے میں گواہی نہ دیتا' مگر ایک نیا اسکینڈل کھڑا ہو جاتا' اور سب کی بدنامی ہوتی۔ ان میں سے ایک سابق پراسیکیوٹر جنرل کا بیٹا بھی تھا۔ جج صاحب نے اس کلب کا ذکر آنے پر سمجھا کہ موجودہ پراسیکوٹر جنرل' پچھلے پراسیکیوٹر جنرل سے انتقام لیتے ہوئے اس کے بیٹے کے خلاف اسکینڈل بنوانا چاہتا ہے' اس لیے اس کلب میں موجود ایک گواہ یعنی فارس کو پکڑ رکھا ہے سو جج صاحب نے فارس کو رہا کرنے کا حکم دے دیا۔

بے شک وہ جج آپ کے ہاتھ میں تھا مگر کالے کوٹ والے اپنے پٹی بھائیوں کے خلاف کم ہی کھڑے ہوتے ہیں۔"

"یہ مجھے بھی معلوم ہے زمر۔ میں پوچھ رہی ہوں کہ تمہارے ہوتے ہوئے وہ رہا کیسے ہوا؟"

"کیونکہ وہ بے گناہ تھا۔"

"تو تم نے مجھے استعمال کیوں کیا؟" وہ تڑخ کر بولی۔

"آپ کوئی چیز نہیں ہیں جس کو میں استعمال کرسکوں۔ مجھے کچھ عرصہ قبل تک اس کی بے گناہی کا علم نہیں تھا' جب ہوا تو میں نے اس کے کیس کو درست سمت میں چلایا۔ انسان کو غم اور خوشی' دونوں میں حق بات کہنی چاہیے۔" وہ پرسکون تھی۔

"ہاؤ سوئیٹ۔ اور مجھے بتانے کا ارادہ کب تھا تمہارا؟"

"جہاں تک مجھے یاد ہے' میں آپ کی ماتحت ہوں نہ ملازمہ' جو ہر بات کی رپورٹ آپ کو کروں۔"

جواہرات نے زخمی نظروں سے اسے دیکھتے نفی میں سرہلایا۔ "وہ برف سی عورت کہاں گئی جو انتقام کے لیے بے تاب تھی؟"

زمر چند لمحے آنکھیں سکوڑ کر اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

"شاید وہ پگھل گئی!"

"غلطی کر رہی ہو تم زمر! تم نے اسے جیل میں ڈالا تھا' وہ کبھی نہیں بھولے گا۔ اور اگر تم اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا سوچنے لگی ہو تو مجھے تمہارے ساتھ ہمدردی ہے۔ کیونکہ۔" وہ دو قدم قریب آئی' اور شیرنی سی چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ "کیونکہ تم اس کو کچھ بھی نہیں دے سکتیں۔ اولاد کتنی بڑی نعمت ہے' تم کبھی نہیں جان سکو گی۔ اور تمہارے ساتھ وہ ساری زندگی ایک محروم انسان کی طرح گزارے گا۔"

زمر کے چہرے پہ سایہ سا گزرا' پھر وہ ہلکا سا مسکرائی۔ "جیسے اورنگ زیب کاردار نے آپ کے ساتھ گزاری تھی۔؟"

جواہرات کا چہرہ سرخ ہوا۔ بے اختیار اس کا ہاتھ اٹھنے لگا مگر اس نے مٹھی بھینچ لی۔ "تم۔"

"میرے کمرے کی بالکونی کو دیکھیے وہاں فارس کھڑا ہے اور ادھر ہی دیکھ رہا ہے۔ شکر ہے کہ آپ نے ہاتھ نہیں اٹھایا ورنہ وہ آپ کا کیا حال کرتا مجھے یہ سوچ کر ہی آپ سے ہمدردی ہونے لگی ہے۔" سرخ بھبھوکا چہرے کے ساتھ جواہرات نے گردن موڑی۔ وہ بالکونی میں کھڑا آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کر سنجیدگی سے ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔

"امید ہے آپ آئندہ بھی میرے ساتھ ذرا احتیاط سے بات کریں گی ورنہ میری انگلیاں بیک وقت کتنی ڈوریاں کھینچ رہی ہیں آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا۔ گڈ آفٹر نون!" کہہ کر وہ مڑی اور تیز تیز زینے اتر گئی۔

جواہرات لمبے لمبے سانس لیتی غصے میں بل کھاتی وہیں کھڑی رہی۔

☆ ☆ ☆

منزل کو نہ پہچانے رہ عشق کا راہی

ناداں ہی سہی ایسا بھی سادہ تو نہ تھا

ہارون عبید کی رہائش گاہ پر سرشام ہی دھند اکٹھی ہونے لگی تھی۔ یخ بستہ ہڈیوں کے اندر تک گھس جانے والی ہوائیں ہر ایک کو جما رہی تھیں۔ ایسے میں داخلی دروازہ کھول کر ہارون اندر داخل ہوئے تو ہیٹر کی گرمائش سے بھرے لونگ روم میں آبی کو منتظر بیٹھے دیکھا۔

"ادھر کیوں بیٹھی ہو؟ کوئی بات کرنی ہے؟" وہ اس کا چہرہ پڑھ چکے تھے صوفے پہ آکر بیٹھے اور پوچھا۔

"بابا!" وہ جلدی سے قریب ہوئی۔ سرخ اسکارف سر پہ لپیٹ کر گردن کے پیچھے اکٹھا کر کے ڈالا تھا اور ملائی جیسے چہرے پہ تذبذب تھا۔

"آپ میرے لیے کچھ کر سکتے ہیں؟"

ہارون نے گہری سانس لی اور موبائل نکالتے ہوئے "بولو" کہا پھر عینک ناک پر جما کر اسکرین پہ انگلی پھیرتے مسڈ کالز دیکھنے لگے۔

"فارس غازی۔ میں نے اسے چائے پہ بلایا ہے۔ بیوی کے ساتھ۔ وہ میرا ممنون تھا کہ میں اس کے لیے ایک دفعہ تھانے گئی۔ میں نے سوچا اس بہانے آپ کی بھی اس سے ملاقات ہو جائے گی۔"

انہوں نے خفگی سے اسے دیکھا۔ "تم ہاشم اور فارس غازی کے سارے مسئلوں کو جانتی ہو۔ ایسے میں کیا ضرورت تھی اس سب کی؟"

"بابا! اس طرح زیادہ اچھا ہے نا اس کا شک کبھی بھی آپ پہ نہیں جائے گا۔"

"مجھے اس کے شک کی پروا ہے بھی نہیں۔ خیر تم کو جانا ہو تو چلی جانا۔ میں مصروف ہوں۔"

"آپ ایک دفعہ اس سے مل کر تو دیکھیں۔ میں اس جیسے کسی انسان سے آج تک نہیں ملی بابا۔" اس نے ملتجی انداز میں ان کے ہاتھ تھامے۔

"میں مصروف ہوں آبی! تم چلی جانا۔ اور اگر بلانا تھا تو ڈنر پہ بلا لیتیں۔ صرف چائے کیوں؟"

"نہیں بابا۔ وہ زبان کا پابند ہے۔ چائے کی بات ہوئی تھی سو چائے ہی پئے گا۔ خیر آپ سوچ لیں۔

میں اس کو جمعے کی شام کو مدعو کر رہی ہوں۔ وہ پورے چاند کی رات ہوگی۔ ایک بہت خوب صورت رات۔" جلدی جلدی جوش سے کہہ کر وہ اندر کو بھاگی۔

آج اس کے پاس توجہ بٹ جانے کے شکوے تھے، نہ وقت کی کمی کی شکایتیں۔ آج وہ خوش لگتی تھی۔ معصوم اور پُرجوش۔ ہارون نے بہت غور اور اچنبھے سے اسے اندر بھاگتے دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

کوئی ہم نفس نہیں ہے، کوئی رازداں نہیں ہے
فقط ایک دل تھا اب تک سو وہ مہرباں نہیں ہے

جواہرات جب لاؤنج میں واپس آئی تو غصے سے کانپ رہی تھی۔ سیدھی اوپر ہاشم کے کمرے میں آئی۔

وہ اسٹڈی ٹیبل پہ کہنیاں رکھے بیٹھا گردن ترچھی کیے کچھ لکھ رہا تھا۔ نظر کا چشمہ لگا رکھا تھا اور مصروف لگتا تھا۔

"اس دو ٹکے کی لڑکی نے میری اتنی بے عزتی کی کہ۔"

"دیکھ چکا ہوں۔ میری بالکونی سے آپ کا پچھلا برآمدہ نظر آتا ہے۔" وہ گردن کو جنبش دیے بغیر لکھتا رہا۔ جواہرات جل کر کوئلہ ہو گئی۔

"اور تم بیٹھے دیکھتے رہے؟ وہ مجھے فارس کے نام سے دھمکا رہی تھی اور تم!" وہ غصے سے لرز رہی تھی۔

"آپ کو اسے کنفرنٹ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ہم نے کبھی فارس سے دشمنی ظاہر نہیں کی۔ یوں وہ ہم پہ شک کرے گی اور میں یہ نہیں چاہتا۔"

"میرا دل چاہ رہا ہے میں اس کو شوٹ کر دوں اور تم کہتے ہو کہ۔"

"اُنف، ممی۔" اس نے اکتا کر گردن موڑی اور بے زاری سے لال بھبھوکا چہرے والی ماں کو دیکھا۔ "ہم مزید کوئی قتل نہیں کر سکتے۔ اب موو آن کرنے کا وقت ہے۔ وہ دفعہ جیل جا کر اسے بھی سبق مل چکا ہے،

اور میں بھی اب اپنی زندگی کو ایک مثبت رخ دینا چاہتا ہوں۔"

وہ مڑ کر واپس لکھنے لگا۔ جواہرات اب کے چونکی۔ پھر قریب آئی۔

"کیا کر رہے ہو تم؟" غصہ کم ہوا۔ تشویش سی در آئی۔ ہاشم کے کندھے کے پیچھے سے جھانکا تو وہ چیک بک پہ چیک سائن کر رہا تھا۔

"جمعہ کو ہم نے سری لنکا میں ہونا ہے پرا ہرا (ریڈ) کے لیے۔ میں اس سے پہلے ایک کینسر اسپتال کے نام کچھ چیکس لکھ رہا ہوں۔ اور کچھ اورنگزیب کاروار کے مدرسے کے لیے۔" وہ چیک لکھ لکھ کر الگ کر رہا تھا۔ جواہرات کی آنکھیں تعجب اور بے یقینی سے پھیلیں۔

"ایک دم سے اتنا سب کچھ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"مجھے یہ کر کے خوشی مل رہی ہے ممی۔ جب آپ نے مجھے لوگوں کو قتل کرنے سے نہیں روکا تو ان کو بچانے سے بھی نہ روکیے۔" وہ بالکل ماں کی طرف سے بے نیاز تھا۔

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم یہ کر کے ایک بڑے philanthropist (انسانیت کے ہمدرد) بن رہے ہو تو میرے نزدیک یہ گلٹی کانشس کے سوا کچھ نہیں ہے۔" وہ تلملا گئی تھی۔ پہلے نوشیرواں اور اب ہاشم۔ ہاشم نے ناگواری سے کچھ کہنے کے لیے نظریں اٹھائیں کہ اس کا موبائل تھرتھرانے لگا۔

"بات کراؤ۔" وہ اسی بے نیازی سے فون سننے لگا۔

"ہاں میری بولو۔"

جواہرات جو کلس کر جانے لگی تھی، بے اختیار ٹھہر گئی۔ پھر اسے اشارہ کیا۔ ہاشم نے اسپیکر آن کر کے فون سامنے کر دیا۔

ہزاروں میل دور کچن کا دروازہ بند کیے کھڑی میری انجیو آہستہ آہستہ سے فون میں کہہ رہی تھی۔ "وہ جمعرات کی رات کو بھاگنے کا پلان کر رہے ہیں۔ سعدی اور خاور۔ وہ مل کر گارڈز پر حملہ کریں گے، اور ان کو

پرغمال بنا کر وہاں سے بھاگیں گے۔ آپ نے مجھے نہیں بتایا کہ ہم سری لنکا میں ہیں، مگر میں آپ کو یہ سب بتا رہی ہوں۔ اس نے مجھے بھی چلنے کی پیشکش کی مگر میں۔ نہیں بھاگوں گی۔" ہاشم اور جواہرات نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر ہاشم مسکرایا۔

"تمہیں کیا چاہیے میری؟ بتاؤ۔"

"مجھے صرف اپنی جاب واپس چاہیے۔ اعتماد اور بھروسے کے ساتھ۔"

جواہرات نے موبائل ہاشم کے ہاتھ سے لیا اور جب اس میں بولی تو چہرے پہ ڈھیروں اطمینان تھا۔

"تم نے میرا اعتماد کما لیا ہے۔ میری! چند دن میں ہم تمہیں واپس لے آئیں گے۔" ذرا ٹھہری۔ "زہر کے انجکشن کا کچھ معلوم ہو سکا ہے؟"

"نہیں مسز کاردار! اس بارے میں میں کچھ نہیں جانتی۔" اور میری انجیو جتنی مجبور اور مضطرب سہی، وہ یہ بات ان کو نہیں بتا سکتی تھی، مگر جواہرات مطمئن ہو چکی تھی۔ سواسے شاباشی دے کر فون ہاشم کو تھما دیا۔

"تم خاموشی سے ان پہ نظر رکھو میری! باقی میں سنبھال لوں گا۔" کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جواہرات چونکی۔ "کدھر؟"

"ہارون عبید سے دو ٹوک بات کرنے۔" وہ سختی سے بولا تھا۔ جواہرات کا عارضی اطمینان عنقا ہونے لگا، مگر پھر جی کڑا کر بولی۔ "شیور۔ ہم ساتھ جائیں گے۔ میں تیار ہو لوں۔" اور باہر نکل گئی۔ اس کا ذہن تیزی سے جمع تفریق کرنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

کچھ نہ کہنے سے بھی چھن جاتا ہے اعزازِ سخن
ظلم سہنے سے بھی ظالم کی مدد ہوتی ہے

جواہرات کے پاس سے آنے کے بعد سے زمر ندرت کے کمرے میں کھڑکی کے پاس کرسی ڈالے چپ چاپ بیٹھی تھی۔ جو کہہ آئی وہ تو جواہرات نے سن لیا، مگر جو خود اس نے سنا، وہ الگ داستان ہوئی۔

حنہ اس کے ساتھ نیچے کارپٹ پہ بیٹھ گئی اور لیپ ٹاپ گود میں رکھے، اسی فلیش کو لگائے، پھر سے کوشش کرنے لگی۔ گاہے بگاہے نظر اٹھا کر اس کو بھی دیکھ لیتی۔

"آپ اپ سیٹ ہیں؟"

"پتا نہیں۔" وہ بے زار تھی۔ بیٹھی لب کاٹتی رہی۔

"کوئی مسئلہ ہے تو فارس غازی ساتھ والے کمرے میں ہیں۔ ان کے پاس یقیناً "حل موجود ہو گا۔"

"شٹ اپ!" خفگی سے رخ بھی موڑ لیا۔ حنہ مسکراہٹ دبائے اسکرین کو دیکھنے لگی۔

"دم چھاسنیں۔" تھوڑی دیر بعد اس نے پکارا۔ "یہ وہی فلیش ہے، جو بھائی نے سونیا کی برتھ ڈے نائٹ پر چرائی تھی۔ یعنی کہ اس میں ہاشم (اب نام لیتے ہوئے بھی عجیب محسوس ہوتا تھا) کے کمپیوٹر کا ڈیٹا کاپی تھا، مگر وہ ڈیٹا اب اس کے اندر کیوں نہیں ہے؟ اس کی جگہ بھائی نے اس کے اندر فروزن کیوں ڈال رکھی ہے؟ اگر ڈیٹا اندر نہیں ہے تو یہ وہ فلیش نہیں ہے اور اگر یہ وہ فلیش نہیں ہے تو خاور کے اسٹائل کی انکرپشن کیوں؟ اف۔"

مگر زمر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ کھڑکی کا پردہ ذرا سا سرکا کر وہ دور نیچے دیکھ رہی تھی۔ حنین بھی پیچھے گھومی۔ وہاں جواہرات اور ہاشم زینہ اتر کر سبزہ زار پہ کھڑی کار کی طرف بڑھتے دکھائی دے رہے تھے۔ (حنہ نے فوراً "رخ موڑ لیا)۔ وہ دونوں کہیں جانے کے لیے تیار لگتے تھے۔ دوسری طرف سے نوشیرواں آتا دکھائی دیا۔ ہاشم اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔ جبکہ جواہرات۔ اسے بے بسی سے دیکھ کر ہاشم کے ساتھ ہو لی۔ زمر کی آنکھیں سکڑیں۔

"جب علیشا نے نوشیرواں کو بتایا کہ ہاشم نے اسے پڑوایا تھا تو اس نے آگے سے کیا کہا؟"

"کچھ نہیں۔ تب سے علیشا کو میسج نہیں کیا اس نے۔ لوزر کے دل پہ بہت زور سے لگی ہے۔" وہ ہلکا سا ہنسی۔ اندر کچھ ٹوٹا تھا۔ وہ گفتگو صرف شیرو کے

دل پہ تو زور سے نہیں لگی تھی، مگر پھر ہر خیال ذہن سے جھٹک کر زمر کو دیکھا۔

"آپ اتنی زرد کیوں لگ رہی ہیں؟ مجھے کیوں لگتا ہے کہ دن بدن آپ کی صحت بگڑ رہی ہے۔" کوئی وہم سا تھا اسے۔ زمر سنجیدگی سے اس کے ساتھ کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ اسے کسی کو تو بتانا تھا، مگر حسب توقع اگلے دس منٹ اس کو شاکڈ اور پریشان سی حنہ کو یہ تسلی دینے میں لگے کہ وہ ٹھیک ہو جائے گی اور یہ کہ فارس نے ڈونر ڈھونڈ لیا ہے۔

"کون ہے ڈونر؟" حنہ نے بے تابی سے پوچھا۔

"اس نے نہیں بتایا۔ مجھے ڈونیٹ کرنے والے لوگ جانے کیوں خفیہ رہنا پسند کرتے ہیں۔" شانے اچکا کر رہ گئی۔

حنہ ایک دم چونکی۔ "کیا پتا ماموں خود... زمر..."

"اوہ پلیز، فضول باتیں نہ کرو۔" وہ بے زار ہوئی، مگر حنہ سارا غم بھول کر ایک دم پرجوش ہو گئی تھی۔

"ہو سکتا ہے وہ خود ڈونر ہوں۔ وہ آپ کو بہت پسند کرتے ہیں۔"

"ناممکن۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔" زمر نے ناک سے مکھی اڑائی تھی۔

"کیوں نہیں کر سکتے۔ وہ بہت اچھے ہیں اور ان کا دل اتنا بڑا ہے کہ..."

"اس کا بلڈ گروپ اے پازیٹو ہے، میں او نیگٹیو ہوں۔ وہ مجھے کبھی ڈونیٹ نہیں کر سکتا حنین۔"

اس نے بڑے رسان سے حنین کی بڑھتی جذباتیت کو روکا۔ وہ ایک دم جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ "اوہ۔"

زمر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں آتی ہوں۔" اور حنہ کو ایک دفعہ پھر زمر کی صحت کی فکر ہونے لگی، لیکن وہ ظاہر کرتی تو زمر اسے بتانے پہ پچھتاتی سو چپ بیٹھی رہی۔

زمر ہاشم کے کمرے کی پچھلی سیڑھیاں چڑھتی اوپر آئی تو جانتی تھی کہ ہاشم اور جواہرات گھر سے جا چکے ہیں۔ (اسے اپنی پشت پہ بالکونی میں بیٹھے فارس کی نگاہیں محسوس ہو رہی تھیں، مگر نظر انداز کیے رہی۔)

اس نے نوشیرواں کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ خلاف توقع وہ فوراً" کھل گیا۔ اسے چوکھٹ میں ایستادہ دیکھ کر شیرو کے ابرو اٹھے۔ "ڈی اے؟ ہیلو!"

"مجھے کچھ کام کرنا ہے۔" اپنی نوٹ بک اور فائلز دکھائیں۔ "ہاشم کی لائبریری سے پی ایل ڈی دیکھ سکتی ہوں؟"

"شیور۔" وہ پہلے اسے اسٹڈی کا رستہ بتانے لگا۔ پھر خود ہی باہر آیا اور ہاشم کے کمرے کے اس طرف اسٹڈی کا دروازہ کھولا۔ سامنے شیلف اور میز نظر آرہی تھیں۔ زمر اندر آئی، میز پہ اپنی چیزیں رکھیں، اور سامنے شیلف سے سیاہ جلدی والی کتابیں دیکھنے لگی۔

"مجھے صرف پندرہ منٹ لگیں گے۔ تم یہیں بیٹھ جاؤ۔" اسے جاتے دیکھ کر مصروف انداز میں پکارا۔ وہ ٹھٹک کر رکا۔

"آپ کرلیں آرام سے۔"

"یہ PLDs ہیں، قیمتی کتابیں ہیں، کل کو کوئی آگے پیچھے ہوئی تو میرا نام نہ آئے، اسی لیے کہہ رہی ہوں۔"

"آپ کا نام کیوں آئے گا؟"

"چند ماہ پہلے ہمیں روک کر تلاشی لینی چاہی تھی خاور نے کسی نیکلس کے لیے۔" وہ دو کتابیں لائی اور کرسی کھینچتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

"اوہ یس۔ ہم تو ہیں ہی برے لوگ۔" شیرو نے کندھے جھٹکے۔ بیٹھا نہیں۔ کھڑا رہا۔ پھر مڑ کر پوچھا۔

"آپ کو کچھ چاہیے؟"

"اوہ تھینک یو۔ کیا تم مجھے ان تمام سالوں کے کیسز اس کتاب میں سے ڈھونڈ دو گے؟ یہ لو۔" ایک کتاب اس کے سامنے دھری۔ وہ مصروف نظر آرہی تھی۔

"میرا مطلب تھا چائے یا کافی۔"

زمر قلم ہونٹوں میں دبائے نفی میں سر ہلا کر پڑھنے لگی۔ وہ گہری سانس لے کر کرسی کھینچ کر بیٹھا، کتاب

کھولی اور مطلوبہ کیسز کی لسٹ دیکھی۔

بالکونی میں بیٹھے فارس کو سامنے اسٹڈی کے کھلے شیشے کے دروازے سے دونوں میز کے گرد بیٹھے صاف نظر آرہے تھے۔ وہ خاموشی سے ان کو دیکھتا رہا۔ (یہ ادھر کیا کررہی ہے؟) وہ اس کا دماغ پڑھنا چاہتا تھا' مگر نہیں پڑھ پارہا تھا۔ جانتا تھا کہ زمر کاردار زکی حقیقت سے واقف ہے اور وہ اب بے چین ہے کیونکہ اس کے خیال میں فارس پچھلے کئی ماہ سے کچھ نہیں کررہا سعدی کے لیے۔ (ہاں' فارس غازی تو بے کار آدمی ہے نا!)

"سو... یہ کیا ہے؟" شیرو نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"میں اپنے کلائنٹ کو سزا سے بچانا چاہتی ہوں۔ مرڈر کیس ہے۔ قتل اس کے چھوٹے بھائی نے کیا ہے' مگر باپ اور بھائی نے بڑے کو آگے کردیا ہے۔" ایک فائل اسی مصروف انداز میں شیرو کے سامنے ڈالی۔ اس نے اچنبھے سے زمر کو دیکھا۔

"مگر وہ بھائی ناکردہ جرم کا اعتراف کیوں کررہا ہے؟"

"کیونکہ اس کے باپ اور بھائی کا اس پہ بہت زور چلتا ہے۔ انہوں نے ساری زندگی اس کو اپنی محبت کی تسلیاں دے کر کبھی بڑا ہی نہیں ہونے دیا۔ کچھ پیرنٹس ایسا بھی کرتے ہیں۔ ایک بچے کو فوقیت دیتے ہیں اور دوسرے کو لاڈ پیار دکھا کر سُلائے رکھتے ہیں۔ اس کے اوپر کوئی اہم ذمہ داری نہیں ڈالتے۔ اس پہ بھروسا نہیں کرتے۔ اس کو ہر وقت کنٹرول کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے زندگی تباہ ہوجاتی ہے اس بچے کی۔ وہ زندگی میں جو غلط فیصلے کرتا ہے' اس کی وجہ اس کے وہی ماں باپ اور بہن بھائی ہوتے ہیں۔" چند لمحے کے لیے شیرو کچھ بول نہ سکا۔

"ہوسکتا ہے وہ اس کو محفوظ رکھنے کے لیے ایسا کرتے ہوں۔" وہ کتاب پہ خالی خالی سی نظریں جمائے آہستہ سے بولا تھا' مگر زمر نے اسی مصروف انداز میں صفحے پلٹتے ہوئے کہا۔

"کسی کی حفاظت کرنے کے لیے اسے ہرٹ کیا جاتا ہے کیا؟ جھوٹ بولتے ہیں وہ لوگ' جو کہتے ہیں کہ وہ یہ سب اپنے پیاروں کے لیے کررہے ہیں۔ صرف اپنے مفاد کے لیے کیے جاتے ہیں برے کام۔ اپنے گناہ چھپانے کے لیے۔"

نوشیرواں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ تیز تیز نوٹ پیڈ پہ کتاب سے دیکھ کر کچھ لکھتی جارہی تھی۔

"تو آپ اپنے کلائنٹ کو... کیا کہتی ہیں؟"

"یہی کہ اسٹینڈ لے۔ اپنے لیے کھڑا ہو۔ وہ کرے جو اس کا دل چاہتا ہے۔ اور وہ کرے جو ان لوگوں کو نہیں پسند۔ پتا ہے نوشیرواں۔" سر اٹھا کر اس کو دیکھا اور سادگی سے بولی۔ "تم نے کہا' تم بُرے لوگ ہو۔ میں تمہیں بتاؤں' اب تو ہم بھی اچھے لوگ نہیں رہے۔ میں بھی وہ نہیں رہی۔ کیونکہ میں نے یہ سیکھا ہے کہ ٹیڑھے لوگوں کے ساتھ ٹیڑھے رستے اپنانے پڑتے ہیں۔ خیر اور شر کی درمیانی لکیر کو دھندلا کرنا پڑتا ہے۔"

شیرو نے خاموشی سے سر ہلایا' وہ الجھا الجھا سا تھا۔ اب وہ اس سے مطلوبہ کیسز کا پوچھ رہی تھی۔ وہ سر جھٹک کر صفحے پلٹنے لگا۔

فارس غازی ابھی تک انہیں دیکھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

عزم یہ شہر نہیں ہے نفسا نفسی کا صحرا ہے
یہاں نہ ڈھونڈو کسی مسافر کو ٹھہرانے والے

ہارون جب ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو جواہرات سامنے اونچے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھی تھی۔ نک سک سے تیار' چہرے پہ مسکراہٹ سجائے' وہ کان کے بندے پہ مسلسل انگلی پھیر رہی تھی۔ ہاشم کارنر ٹیبل کے ساتھ کھڑا تھا اور سر جھکائے' کانچ کی بوتل سے مشروب گلاس میں انڈیل رہا تھا۔ ان کی آہٹ پا کر اس نے سر اٹھایا اور مسکرا کر ہارون کو دیکھا۔ "شام بخیر..." اور پھر گلاس میں مائع انڈیلنے لگا۔

"بنا اطلاع کے دو کاردارز کی آمد انسان کی شام کو بخیر نہیں رہنے دیتی۔" مسکرا کر وہ ایک بازو صوفے کی پشت پہ پھیلا کر سامنے بیٹھے۔

"یہ محض لفاظی ہے ہارون' ورنہ تم سچ میں کارڈز کو ہلکا لے رہے ہو۔" وہ ہارون پہ نظر گاڑے نخوت سے بولی تھی۔

"تمہاری ایسی مجال کہاں۔ کہو ہاشم! تم یقیناً" اپنے مہمان کے متعلق بات کرنے آئے ہو!" انہوں نے اطمینان اسے دیکھا۔ وہ وہ گلاس اٹھائے چلتا ہوا آیا اور پھر کوٹ کا بٹن کھولتے' سامنے بیٹھ کر ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

"میں اپنے مہمان کے بارے میں بات کرنے نہیں آیا۔ میں تمہارے گارڈ کے بارے میں بات کرنے آیا ہوں۔"

جواہرات کسی پلاسٹک کی گڑیا کی طرح مسکراتے ہوئے ہارون پہ نظریں جمائے ہوئے تھی' البتہ انگلی مسلسل بُندے پہ پھیر رہی تھی۔

"میں نے جانچ پڑتال کی ہے۔ گارڈ سے سعدی کی پہلے بھی لگتی تھی۔ اس رات دونوں کا جھگڑا ہو گیا اور سعدی نے اس کو زہر دے دیا۔ زہر اس کے پاس کیسے آیا میں معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"میں نے بھی جانچ پڑتال کی ہے ہارون۔ اور چونکہ میں اندھا نہیں ہوں' اس لیے دیکھ سکتا ہوں کہ جو گارڈ مرا ہے' وہ دوپہر کی ڈیوٹی والا تھا۔ مجھے ایک ایک گارڈ کی شکل حفظ ہے۔ ان کا بائیو ڈیٹا ازبر ہے۔ دوپہر کی ڈیوٹی والا گارڈ رات کو ادھر کیا کر رہا تھا' یہ ایک معمہ ہے' اور اس معمے کے بارے میں دو ممکنہ باتیں ہو سکتی ہیں۔" وہ بہت سکون سے کہہ رہا تھا۔ ہارون لب بھینچے سنجیدگی سے اسے سن رہے تھے۔

"یا تو تم نہیں جانتے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا' کیسے ہوا۔ اگر ایسا ہے تو بے فکر ہو جاؤ کیونکہ میں نے اپنے آدمی لگا دیے ہیں' اور وہ اس معاملے کی کھال اور بال تک پہنچ جائیں گے اور میں تمہیں بروقت اطلاع کروں گا کہ تمہارے لوگوں میں کتنی کالی بھیڑیں ہیں۔ دوسری بات یہ ہو سکتی ہے کہ تم ہر بات سے واقف ہو' تم نے ہی میرے مہمان کو مارنے کی کوشش کی ہے اور اگر ایسا ہے تو تمہیں فکر کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ جس دن مجھے یہ علم ہوا کہ تم جانتے تھے اور تم نے مجھے دھوکا دیا ہے تو اس دن۔۔۔ میں تمہارے ہر معاملے کو "سنبھال" لوں گا۔" ایک ایک لفظ پہ زور دیا۔

"ایک دوست کے گھر جا کر اس کو دھمکانا بالکل بھی مہذب نہیں ہے ہاشم!"

"اوہ نہیں۔" اس نے مسکرا کر ناک سے مکھی اڑائی۔ "میں دھمکانے تو نہیں آیا۔ میں تو اطلاع دینے آیا تھا۔"

ہارون بھی چونکے اور جواہرات نے بھی بے اختیار گردن موڑ کر ہاشم کو دیکھا۔ "کیسی اطلاع؟"

"میں اپنے قیدیوں کو شفٹ کر رہا ہوں۔ تمہارا سیف ہاؤس اب مجھے نہیں چاہیے۔ وہ وہاں غیر محفوظ ہیں۔"

"اگر تمہیں مجھ پہ اتنا بھی اعتبار نہیں تھا تو تمہیں ان کو میرے پاس رکھنا ہی نہیں چاہیے تھا۔" وہ بھی ٹھنڈے لہجے میں بولے۔

"ہم اعتبار کی وجہ سے ایک ساتھ کبھی بھی نہیں تھے۔ مفاد کی وجہ سے تھے۔ جس دن وہ ختم ہوا' میں تمہیں پہچانوں گا بھی نہیں۔" کوٹ کا بٹن بند کرتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں جمعے کو کولمبو میں ہوں گا۔ اپنی نگرانی میں اپنے قیدیوں کو وہاں سے لے جاؤں گا۔ تم بھول جاؤ کہ میں نے کبھی ان کو تمہارے حوالے کیا بھی تھا۔"

"ہاشم درست کہہ رہا ہے۔" وہ بھی اس کے ساتھ اٹھتے ہوئے بولی۔ اس کا ذہن تیزی سے کڑیاں ملانے لگا تھا۔ "ہم اپنے قیدی لے جا رہے ہیں کیونکہ تم ان کی حفاظت نہیں کر سکے۔ تم اپنے عملے کی کالی بھیڑیں تلاش کرو ہارون! یا ہم خود تلاش کر کے تمہیں آگاہ کریں گے۔"

اور ہارون نے ہلکا سا مسکرا کر ان دونوں ماں بیٹے کو دیکھا جو مضبوطی سے ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے تھے۔ جواہرات کی آنکھوں میں صاف (میں تمہاری ناکامی کو "کور" کر رہی ہوں' ہارون) والے تاثرات

پنہاں تھے۔
ہارون ہلکا سا سر جھٹک کر اٹھے۔ "تم مجھ سے پہلے سارے جواب تلاش کرلو گے ہاشم۔ میں انتظار کروں گا۔" وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے تو ہارون نے جھک کر گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔
"افسوس کہ تم جمعے کو یہاں نہیں ہو گے۔ فارس غازی کی فیملی کو میں نے چائے پہ مدعو کیا ہے۔ میں بھی تو دیکھوں کون ہے یہ فارس غازی۔" مصروف سے انداز میں کہہ کر انہوں نے گلاس لبوں سے لگایا۔ وہ جو اتنی دیر ٹھنڈے مسکراتے چہرے کے ساتھ بیٹھا رہا تھا اس حلق کو کڑوا کر دینے والے ذکر پہ ابرو تن گئے۔ جواہرات بھی چونکی تھی، مگر ابھی کچھ پوچھنا بے کار تھا۔ وہ تیز تیز باہر نکل گئے۔

☆ ☆ ☆

ممکن نہیں ہے مجھ سے یہ طرز منافقت
دنیا تیرے مزاج کا بندہ نہیں ہوں میں

نیا گھر کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا، نہ فارس نے دکھانے کی پیش کش کی تھی۔ وہ بس یہی کہے جا رہا تھا کہ جمعے کو ہم نے شفٹ ہونا ہے۔ انیکسی گویا بکھری پڑی تھی۔ ہر طرف گتے، کارٹن، بیگز۔ سامان کے ڈھیر۔ ندرت، حنین، حسینہ، زمر سب کاموں میں لگے تھے۔ حنین نے پیکنگ سے پہلے اپنے دوست گوگل بھائی جان سے چپکے سے بات کرلی تھی اور اب بڑے ہی سیانے انداز میں، لاؤنج کے فرش پہ بیٹھی، گتے کے ڈبے کو چوڑے ٹیپ سے بند کرتی کہہ رہی تھی۔
"حسینہ، نازک کراکری کو بیڈ شیٹس میں لپیٹ کر کارٹن میں رکھو۔ کپس کو صاف جرابوں میں لپیٹو۔ ایک تیر سے دو شکار۔ اور ایک جیسی چیزیں اک ساتھ رکھو۔ ہر کارٹن کے اوپر اس کا ٹیگ لگا ہونا چاہیے کہ اس میں کیا ہے، اور سنو یہ ٹیگ ہم نے کارٹن کے اوپری طرف نہیں لگانے، سائیڈ پہ لگانے ہیں۔"
"وہ کیوں حنین باجی؟"
"کیونکہ جب شفٹنگ ہوتی ہے تو کارٹن ایک دوسرے کے اوپر رکھ کے ڈھیر لگا دیا جاتا ہے، اب ٹیگ پڑھنے کے لیے ہم کارٹن ہٹا ہٹا کر دیکھیں گے کیا؟ اس لیے سائیڈ پہ ٹیگ لگا ہو تو ہم آسانی سے پڑھ لیں گے اور صرف وہی کارٹن نکالیں گے۔" اور حسینہ واقعی اس سے متاثر ہو رہی تھی۔ حنہ کا خبرنامہ ابھی جاری تھا۔
"ہر شخص اپنا ایک چھوٹا بیگ بنائے گا، جس میں اس کا ٹوتھ برش، تولیہ، ایک جوڑا وغیرہ ہوں گے۔ وہاں جا کر اتنے تھکے ہوں گے ہم کہ کہاں پورا سامان کھول کر چیزیں ڈھونڈیں گے۔ سو پہلے دن رات کا الگ سامان سب کے پاس ہونا چاہیے۔" وہ اونچی آواز میں کہہ رہی تھی۔
ندرت برتن پیک کرتے ہوئے بار بار اسے ایک گھوری سے نوازتیں اور طنز کرتیں۔
"شکر ہے تمہیں بھی کچھ پتا چل گیا ہے۔" یہ الگ بات ہے کہ اندر سے وہ بہت خوش تھیں، لیکن ابھی ماؤں کی وہ قسم پیدا نہیں ہوئی جو غیر شادی شدہ بیٹیوں کی تعریف ہر وقت ان کے منہ پہ کرے۔
اور حنین نے پہلی دفعہ محسوس کیا تھا کہ اسے اس گھر کو چھوڑنے کا غم، ہاشم کی ہمسائیگی چھوڑنے سے زیادہ تھا۔ (اتنا دل لگا کر اس گھر کو صاف کیا تھا، اب چھوڑ دیں؟ ماموں بھی نا!) ایک شکوہ کناں نظر اوپر ڈالی جہاں سے فارس سیڑھیاں اترتا آرہا تھا۔ منہ میں کچھ چباتے ہوئے، وہ سویٹر اور جینز میں ملبوس، تیار لگ رہا تھا۔ زمر جو صوفے پہ بیٹھی ایک کارٹن پیک کر رہی تھی، نظر اٹھا کر پہلے اسے دیکھا اور پھر حسینہ کو ذرا سا اشارہ کیا۔ "چائے...."
"اونہوں۔ وہ میں اپنی ممانی کے ساتھ پیوں گا۔" مسکرا کر کہتا باہر نکل گیا۔
زمر ذرا سی چونکی۔ "یہ مسز کاردار کے پاس کیوں جا رہا ہے؟" شاید وہ با آواز بلند سوچ رہی تھی کہ اسی لیے ساتھ وہیل چیئر پہ بیٹھے بڑے ابا آہستہ سے بولے۔
"وہ ان کے ساتھ اس گھر کو بیچنے کی ڈیل کرنے جا رہا ہے۔"

زمر اور خود حنہ بھی بے اختیار مڑ کر انہیں دیکھنے لگی۔ "آپ کو کیسے پتا؟"
"تمہارے خیال میں وہ اور کس کو بیچے گا گھر؟ اور وہ مسز کاردار کے ساتھ صبح کی چائے کیوں پیئے گا۔" ان کے انداز میں خفگی تھی۔ زمر خاموشی سے اٹھی' اور ان کا کوٹ اور مفلر لائی۔ ٹوپی وہ اوڑھے ہوئے تھے۔ اس نے ان کو کوٹ پہنایا' مفلر لپیٹا اور وہیل چیئر باہر لے آئی۔
"ہمیں بات کرنی ہے ابا۔ سو واک پہ چلتے ہیں۔ میں واک کروں گی اور آپ بات۔"
جواہرات ڈائننگ ہال سے نکل ہی رہی تھی اور احمر کو ہدایات دے رہی تھی جب اس نے دیکھا' جیبوں میں ہاتھ ڈالے فارس' مسکراتا چلا آرہا ہے اور وہ ایسے کب مسکراتا تھا؟ (احمر کو اس نے دور سے ہی ہاتھ ہلا دیا' اس نے بھی سر کے خم سے جواب دیا اور اندر چلا گیا۔)
جواہرات آگے آئی اور بہت پیار سے "فارس" کہتے ہوئے اسے گلے سے لگایا اور پھر اس کی کہنی میں بازو ڈالے اسے لیے چلنے لگی۔
"مجھے دیکھ کر کتنی خوش ہوئی ہیں آپ۔ میری آنکھیں بھر آئیں۔" وہ ہلکا سا ہنس دی۔
جب دونوں کھڑکی کے ساتھ ترچھی رکھی دو کرسیوں پہ بیٹھ گئے تو جواہرات مسکرا کر مخاطب ہوئی۔
"اگر تو تم اپنی بیوی کے بارے میں مجھ سے باز پرس کرنے آئے ہو تو......"
"میں انیکسی بیچنا چاہتا ہوں۔ خریدیں گی؟"
جواہرات لمحے بھر کو بالکل ساکت ہوئی' پھر جلدی سے سیدھی ہوئی۔ "مگر کیوں؟"
"پیسے چاہیے ہیں۔ دو دفعہ نوکری سے نکالا گیا ہوں۔ اب کوئی تیار نہیں مجھے جاب دینے کے لیے۔ کاروبار شروع کرنا چاہتا ہوں۔ شاید کراچی چلا جاؤں۔ شاید ملک سے باہر۔ اب بتائیے' کتنے میں خریدیں گی؟"

اور جواہرات کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ ان کی زندگی سے جا رہا تھا' دور بہت دور۔ اور وہ گھر جو اس کی ضد تھا' وہ اب اس کو ملنے والا تھا۔
"مارکیٹ پرائس پہ!"
"نہیں آنٹی! مارکیٹ پرائس سے دس فیصد زیادہ۔"
"بالکل نہیں' فارس!" وہ نخوت سے پیچھے ہو کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "مارکیٹ پرائس پہلے ہی بہت زیادہ ہے۔ اس سے اوپر کوئی نہیں خریدے گا۔"
وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "اب مارکیٹ پرائس سے بیس فیصد زیادہ!"
جواہرات کے ابرو استعجاب سے اٹھے۔ "فارس' اتنی قیمت نہیں ہے اس جگہ کی کب......"
"تیس فیصد زیادہ!" وہ جتنا احتجاج کرتی' وہ اتنی قیمت بڑھاتا جاتا۔ جواہرات نے خفگی سے اسے دیکھا۔ ساری خوش خلقی عنقا ہوئی۔
"اور اگر میں خریدوں ہی نا؟ ہماری چار دیواری کے اندر کی عمارت تم کسی اور کو تو نہیں بیچ سکتے۔"
"میں جس کو بیچوں گا' وہ کوئی فقیر نہیں ہوگا' آپ جیسا دولت مند اور شان و شوکت رکھنے والا ہوگا۔ آپ کا کوئی دشمن بھی ہو سکتا ہے اور دشمنوں کو جائیداد کے تنازعات شروع کرنے میں بہت مزا آتا ہے۔ وہ مجھ سے دگنی قیمت پہ خریدنے کو تیار ہو جائیں گے۔ سو مارکیٹ پرائس سے تیس فیصد زیادہ' مسز کاردار!" اس کا انداز حتمی تھا۔
وہ چند لمحے چپ بیٹھی اسے گھورتی رہی۔ یہ گھر تو وہ دگنی قیمت پہ بھی خریدنے کو تیار تھی۔ سو ہاتھ مصافحہ کے لیے بڑھایا۔
"پچیس فیصد زیادہ' اور یہ فائنل بات ہے۔ اب بڑھا کر مجھے غصہ مت دلانا۔"
"کانٹریکٹ بنوائیں اور مجھے دیں اور آج رات تک میرے اکاؤنٹ میں ساری رقم ٹرانسفر کروا دیں۔ یہ گھر آپ کا ہے اب۔" ہاتھ ملائے بغیر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ نہ اس نے چائے مانگی' نہ

جواہرات نے پلائی۔

دور... دھند لکے میں... فارس نے دیکھا کہ زمر ابا کی وہیل چیئر دھکیلتی جاتی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ یہاں سے ان کی گفتگو نہیں سن سکتا تھا کہ زمر کے وہیل چیئر پکڑے ہاتھ جم رہے تھے۔ ناک بھی گلابی پڑ رہی تھی۔ ٹوپی سے نکل کر کندھوں پہ گرے گھنگھریالے بال ہواؤں میں اڑ رہے تھے۔

"واک کا آئیڈیا بہت برا تھا ابا! میں برف ہو رہی ہوں۔"

"تم عرصہ پہلے برف ہو گئی تھیں۔ شاید تمہیں خود بھی اندازہ نہیں ہے۔" وہ خفا تھے۔

وہ دونوں ہاتھ رگڑتی ان کے سامنے آبیٹھی، پنجوں کے بل، وہیں گھاس پہ۔ دھند میں ڈوبے اونچے درخت ارد گرد خاموشی سے اس کو دیکھ رہے تھے۔ اس کی بھوری آنکھوں میں خفگی مگر تکان تھی۔

"مجھے پتا ہے وہ بے گناہ ہے، یہ بھی کہ وہ اچھا ہے اور یہ بھی کہ میرا خیال رکھے گا، لیکن میں اس کو ڈیزرو نہیں کرتی۔ میرے پاس اس کو دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ میں اس کے لیے برف کی بن جاتی ہوں اور میں پگھلنا نہیں چاہتی۔"

"تو کیا تم اس کو بھی برف کا بنانا چاہتی ہو؟"

اور اس فقرے پہ تو وہ اس ٹھنڈ میں بھی اندر تک جل گئی۔ "ابا!" شکایت سی ابھری بھوری آنکھوں میں۔

"تم سعدی کے لیے بھی ایسی ہو گئی تھیں۔ تم ہر وقت جمع تفریق کرتی رہتی ہو۔ خود سے باتیں فرض کر کے ان کو ذہن میں بڑھا چڑھا دیتی ہو، لیکن سچی محبت سے کیے گئے کام جمے ہوئے دل کو پگھلا دیتے ہیں۔ اور کچھ لوگ اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے لیے پگھلا جائے۔"

(حنین کو اب بھی امید تھی کہ اس فلیش میں رکھی "فروزن" سے شاید ہاشم کی فائلز نکل آئیں، سو جس وقت وہ پیکنگ نہ کر رہی ہوتی، اونچی آواز میں اولف کے ساتھ گنگنا رہی ہوتی۔ ابا بھی سارا دن وہی سنتے تھے۔

اسی لیے "بگڑتے" جا رہے تھے۔)

"مگر کیسے پگھلوں میں؟" اس نے ہار مان لی تھی۔ نگاہیں دور اینکسی کی طرف جاتے فارس پہ جمی تھیں جو دھند میں دھندلا نظر آ رہا تھا۔

"یہ فریزر کیسے پگھلایا جاتا ہے؟ کیسے؟ اس کا سوئچ نکال دیا جاتا ہے، اس کا اس کی پرانی زندگی سے سارا رابطہ منقطع کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کو ماضی کی توانائی، پرانی یادیں، کچھ بھی نہ مل سکے۔ اور پھر اس کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ محبت کھلا دروازہ ہوتی ہے زمر۔ تازہ ہوا کو آنے دو۔ دروازہ کھول دو۔ اس نے یہ اور یہ کیا، میں نے یہ کیا، یہ سب کچھ بھول کر چند لمحوں کے لیے۔ پھر ساری برف خود بخود پگھل جائے گی۔"

وہ سنتی رہی۔ پھر تکان سے مسکرائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ ابا کی بات مکمل ہوئی اور اس کی واک۔ واپسی کا سفر خاموشی سے کٹا۔ ابا نے پھر کچھ نہیں کہا۔ وہ کہہ کر چھوڑ دیا کرتے تھے۔ پیچھے پڑ جانا اور بار بار دہرانا، اولاد کو ڈھیٹ بناتا ہے اور ابا ایسا نہیں چاہتے تھے۔

☆ ☆ ☆

ایک ضرب اور بھی اے زندگی تیشہ بدست
سانس لینے کی سکت اب بھی مری جان میں ہے

اگلی صبح فارس غازی نے کاردار انڈسٹریز کے ہیڈ آفس میں ہاشم اور جواہرات کی موجودگی میں دستخط کیے۔ اٹھ کر ان سے باری باری ہاتھ ملایا اور چند مصنوعی مبارک بادیں اور نیک تمنائیں سن کر وہاں سے چلا آیا۔ اس کے جانے کے بعد جواہرات نے ہاشم کو دیکھا۔

"وہ کراچی جانے کی بات کر رہا تھا۔ کیا واقعی وہ ہماری زندگیوں سے چلا جائے گا، ہاشم!"

"اب موو آن کرنے کا وقت ہے ممی۔ ماضی کو ماضی میں چھوڑ کر نئی زندگی شروع کرنے کا وقت ہے۔ اس کو اس کی زندگی شروع کرنے دیں۔ جیل نے اسے سارے سبق سکھا دیے ہیں۔ اب وہ انتقام اور انصاف کے چکروں سے دور رہے گا۔"

وہ کافی مطمئن لگ رہا تھا۔ میز پہ انیکسی کی چابی رکھی تھی۔ جو گنڈول جینیسچرے کے طور پہ فارس ادھر چھوڑ آیا تھا۔ یہ انیکسی ان کی ضد تھی' اور وہ اور تنگ ذہب کاروار کی وجہ سے اتنے سال خاموش رہے تھے۔ پھر برے بھی نہیں بننا چاہتے تھے۔ اور اب... وہ ان کی جھولی میں آگری تھی۔ کیا شاندار آغاز تھا نئی زندگی کا۔

"پراہرا پہ جانے کی تیاری کریں ممی!" وہ سکون سے بولا تھا۔ شیرو اور سعدی کے معاملے ذہن سے ہٹا کر وہ پراہرا سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔

سری لنکا میں تین بڑے پراہرا (پریڈ) ہوتے تھے۔ تینوں "پویا" یعنی ماہ کامل (پورے چاند) کی راتوں کو ہوتے تھے۔ پہلا جنوری میں ہوتا تھا۔ دوسرا فروری اور تیسرا جولائی میں۔ پجاری اور ہاتھیوں کا لشکر مندر سے شروع ہوتا اور شہر کی مختلف گلیوں کا چکر کاٹ کر اپنی منزل تک پہنچتا تھا۔ پورا شہر اور پوری دنیا سے لوگ آکر فٹ پاتھ پہ گھنٹوں کھڑے ہو کر پریڈ کے ان کی گلی تک پہنچنے کا انتظار کرتے تھے اور پھر اس کو گزرتے دیکھتے تھے۔ کاروارز کولمبو کا ایک پراہرا ہمیشہ دیکھنے جاتے تھے۔ شہرین پہلے ساتھ جاتی تھی' لیکن اب ہاشم اس کو نہیں لے کر جا رہا تھا۔ شیرو سے اس نے پوچھا تک نہیں۔ سونی کی جان تھی ان ہاتھیوں میں۔ وہ اس کو لے جا رہا تھا جو اہرلت کے ساتھ اور وہ مطمئن تھا۔

ماہ کامل کی رات سے دو روز پہلے گارڈز سعدی اور خاور کو ان کے کمروں سے نکال کر لائے اور ایک تیسرے کمرے کے دھاتی دروازے کھولے' جو صرف بجلی سے کھلتے تھے اور ان کو اندر دھکیلا۔ وہ اس کمپاؤنڈ کا تقریباً "تمام حفاظتی کمرہ تھا۔ اندر دو لوہے کے پلنگ رکھے تھے۔

"بہت جلد تم لوگوں کو اس جگہ سے منتقل کیا جا رہا ہے۔ تب تک تم ادھر ہو گے۔" حیران سے سعدی کو بتایا گیا تو وہ فوراً" خاموش کھڑی میری کو دیکھنے لگا' جیسے بے حد صدمہ ہوا ہو۔

"تم نے بتا دیا ان کو؟" میری نے نگاہیں جھکا لیں۔

خاور نے غصے سے سعدی کو دیکھا۔ "تم نے اسے کیوں بتایا؟"

"میں سمجھا وہ بھی جانا چاہے گی۔ میری! تم ایسا کیسے کر سکتی ہو؟" وہ بے حد دکھی لگا تھا۔ میری خاموشی سے باہر نکل گئی۔ اس نے اپنے کان گویا لپیٹ لیے تھے۔ جب دروازے قفل در قفل بند ہوتے گئے اور وہ دونوں تنہا رہ گئے تو سعدی اس کی طرف گھوما۔ "تمہیں یقین ہے ہماری باتیں ریکارڈ نہیں ہو رہیں؟"

"کوئی بھی اپنی ذاتی جیل میں کیمرے' ریکارڈ یا سرویلنس نہیں لگاتا سعدی! آپ کو کیا معلوم ڈی وی آر پہ بیٹھا گارڈ بک جائے اور وہ ویڈیوز جو آپ کے خلاف ثبوت ہوا رنٹ ہیں' جا کر پولیس کو دے دے۔ پھر بھی' مجھے چیک کرنے دو۔"

خاور کام پہ لگ گیا۔ دیواروں کو چھو کر... ٹٹول کر محسوس کیا۔ کونے چیک کیے۔ پھر پلنگ کھینچ کر چڑھا اور چھت کا معائنہ کرنے لگا۔

"سو میری انجیو نے وہی کیا جو میں نے کہا تھا۔" سعدی گہری سانس لے کر اپنے بیڈ کے کنارے بیٹھا۔ "تمہیں اتنا یقین کیسے تھا کہ میری ان کو بتا دے گی؟"

"وہ میرے لیے ہمدردی رکھتی ہے' مگر اسے اپنی جاب واپس چاہیے تھی۔ اسی لیے میں نے اس کو یہ موقع دیا تاکہ اس کی نوکری اسے واپس مل جائے اور ہمارے بھاگنے کے خوف سے ہمیں وہ اس میکسیکم سیکورٹی سیل میں شفٹ کر دیں۔" کہہ کر وہ چھت کو دیکھنے لگا۔ میری کو ان دونوں نے کیسے استعمال کیا تھا' میری کو کچھ علم نہ تھا۔

"سو یہ وہ سیل ہے جہاں ہارون عبید نے اپنی بیوی کو رکھا تھا؟ اور اس کو یہاں سے نکالنے کے لیے تم نے راستہ بنایا تھا۔ ویسے کیا تم اسے نکالنے میں کامیاب ہو گئے تھے؟ کیا بنا تھا اس کا؟"

"تم میرے بیسٹ فرینڈ نہیں ہو۔ ایسے سوال مت پوچھو۔ آج رات سے ہم کام شروع کریں گے۔"

اب وہ دبی آواز میں کہتا اس کو اس کے حصے کا کام سمجھا رہا تھا' اور سعدی یوسف جانتا تھا کہ یہاں سے نکل کر بھی وہ خاور مظاہر حیات کا قیدی ہوگا۔

☆ ☆ ☆

درپیش صبح و شام یہی کشمکش ہے اب
اس کا بنوں میں کیسے کہ اپنا نہیں ہوں میں

فارس غازی اس رات جس وقت انیکسی پہنچا' پورا گھر خالی خالی سا لگ رہا تھا۔ خالی دیواریں۔ سامان کے پیک شدہ ڈھیر۔ کارٹن۔ زمر کے (اسٹڈی کم نئے کمرے) کے دروازے پہ رک کر اس نے دستک دی۔ پھر اسے دھکیلا۔

وہ اپنے صوفہ کم بیڈ پہ بیٹھی (جو زمین سے دو بالشت ہی اونچا تھا) فائلز سامنے پھیلائے' نوٹ بک پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے' اور ایک لٹ جھک کر کاغذ کو چھو رہی تھی۔ آہٹ پہ بھوری آنکھیں اٹھائیں تو اسے چوکھٹ میں کھڑے دیکھا۔

"آجاؤں؟" جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا' وہ سنہری آنکھیں اس پہ جمائے ذرا سا مسکرایا تھا۔

"تمہارا گھر ہے' آ جاؤ۔" وہ دوبارہ سر جھکا کر کام کرنے لگی۔ فارس دروازہ بند کر کے اندر آیا اور اس کے ساتھ بیٹھا۔

"اب یہ میرا نہیں رہا۔ میں نے بیچ دیا۔"

"تمہارے اپنے فیصلے ہیں فارس۔ کسی کو کیا اعتراض ہوگا۔"

فارس خاموش رہا۔ یہ اس کی ماں کا گھر تھا' اس کی عمر گزری تھی اس میں۔ زرتاشہ کے ساتھ گزرا وقت۔ اچھی بری یادیں۔ وہ لمحے بھر کے لیے وہ سب سوچنے لگا' پھر سر جھٹک کر زمر کو دیکھا۔

"کافی پیو گی؟"

وہ سر جھکائے ذرا سا مسکرائی۔ (واہ فارس غازی! آج آپ میرے لیے کافی بنائیں گے!) اور چہرہ اٹھایا۔

"شیور۔"

"تھینکس۔ میری کافی میں چینی مت ڈالنا اور کافی زیادہ ہو۔" اب وہ ٹیک لگا کر بیٹھ چکا تھا۔ زمر کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔

"ایک منٹ۔ ہم میں سے کون کافی بنا رہا ہے؟"

"زمر بی بی! ابھی میں اتنا زن مرید نہیں ہوا کہ رات کے ساڑھے گیارہ بجے' اپنی بیوی کے لیے کافی بناؤں۔" وہ کبھی نہ اٹھتی' مگر اس نے اسے آپ کہا تھا۔ عرصے بعد۔ اچھا لگا تھا۔ بظاہر کاغذ پٹخ کر اٹھی۔

"صرف اس لیے بنا رہی ہوں کیونکہ میرا اپنا دل چاہ رہا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ دو بھاپ اڑاتے کپ لیے اندر داخل ہوئی' ایک اسے تھمایا اور دوسرا خود لے کر ساتھ بیٹھی۔ فارس اکڑوں انداز میں بیٹھا تھا اور وہ پیر اوپر سمیٹ کر' دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے تھی۔ دونوں اپنی سوچوں میں گم گھونٹ گھونٹ کافی پینے لگے۔

"کل ہارون عبید کی جائے پہ مدعو ہیں ہم۔"

"یہ دعوت تمہاری گرل فرینڈ نے دی ہے یا اس کے باپ نے؟"

وہ ہلکا سا ہنس دیا اور کافی کا گھونٹ بھرا۔ "وہ میری گرل فرینڈ نہیں ہے!"

"او سوری میں بھول گئی' تمہاری کوئی گرل فرینڈ کیسے ہو سکتی ہے۔ تمہارے تو بخشیں ایلی بائی تھے نا۔"

"استغفراللہ!" اس نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"میں صرف کافی پینے گیا تھا۔ صرف ایلی بائی بنانے۔ فومیج نکالی' پکچرز لیں اور آگیا۔ ایسی جگہوں پہ نہیں جاتا میں۔"

"مجھے کیا معلوم۔ رات گئے تک گھر سے باہر ہوتے ہو۔ کہاں جاتے ہو' کیا کرتے ہو۔" شانے اچکا کر وہ گھونٹ گھونٹ کافی پینے لگی۔

وہ مسکرا کر رہ گیا۔ "نارمل کپلز ایسی باتیں پوچھتے ہیں۔ ہم نارمل نہیں ہیں۔"

"سعدی کی غیر موجودگی میں ہم میں سے کسی کی زندگی نارمل نہیں ہو سکے گی۔ فارس!" اس نے کپ پرے رکھا اور سنجیدگی سے اس کی طرف مڑی۔ "ہم اسے کیسے ڈھونڈیں گے اب؟ مجھے تو کوئی راستہ نظر

نہیں آتا۔"

"میں ڈھونڈ رہا ہوں' وہ مل جائے گا۔" اس نے تسلی دی۔ اور زمر نے اس پہ اعتبار کرلیا۔ وہ کرنا بھی چاہتی تھی۔ پچھلے چند ماہ فارس کو جیل سے نکالنا ان کی بقا کا مسئلہ بن چکا تھا اور سعدی کی تلاش پس منظر میں چلی گئی تھی۔ کوئی اور چارہ بھی تو نہ تھا' مگر فارس کو رہا ہوئے تین دن بیت چکے تھے اور تین دن سے وہ یہی سوچ رہی تھی۔ کیا کرے؟ کیسے کرے؟

"ہارون عبید کی چائے تمہارے حلق سے اُتر جائے گی' یہ جانتے ہوئے کہ اس کا ہاتھ ہے اس سب میں؟" وہ کئی دفعہ یہ بات اس سے کہہ چکی تھی اور فارس کبھی اس پہ تبصرہ نہیں کرتا تھا۔ (ہاشم کا نام وہ نہیں لیتی تھی' وہ اُسے گولی ہی نہ مار آئے!)

"تیرے حلق سے بہت کچھ اُتر جاتا ہے۔" کپ اٹھائے وہ کھڑا ہو گیا۔

"کل ہم موو کر جائیں گے۔ مجھے پتا ہے' تم تھکی ہوئی ہو گی' مگر جانے پہ جانا ضروری ہے۔ تیار رہنا۔" زمر نے صرف سر ہلا دیا۔ وہ اب سوچ میں گم گھونٹ بھرتا باہر جا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

میرے شوق کی یہیں لاج رکھ!

وہ جو طور ہے' بہت دور ہے!

وہ ایک ساکن سی شام تھی۔ سردی گویا قلفی جماتی تھی اور ہڈیوں کے اندر تک درد کر دیتی تھی۔ آسمان پہ پورا چاند چمک رہا تھا۔ ماہ کامل۔ پوپا۔ بدر۔

چینی پورے چاند کو "فیملی ری یونین" کی علامت سمجھتے ہیں۔ ماہ کامل کی رات چینی خاندان کے دور مقیم بیٹے بیٹیاں لوٹ کر اپنے گھروں کو آتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "گاؤں کے (خاندانی گھر) کے آسمان کا چاند زیادہ چمکیلا ہوتا ہے۔" ساری دنیا کہتی ہے کہ جوڑے آسمانوں پہ بنتے ہیں مگر چینی کہتے ہیں کہ جوڑے بنتے آسمانوں پہ ہیں مگر ان کی تیاری چاند پہ ہوتی ہے۔ ان کی لوک کہانیوں میں آتا ہے کہ چاند پہ چانگ ای نام کی پری اپنے لکڑہارے کے ساتھ رہتی ہے اور اس نے آب حیات پی رکھا ہے۔

بدھ مت لوگ ماہ کامل کو مبارک جانتے ہیں' کیونکہ بدھا کی زندگی میں سارے اہم واقعات ماہ کامل کی رات کو پیش آئے تھے۔ وہ اس رات کو انسان کی روحانی اور مذہبی زندگی کے لیے اہم سمجھتے ہیں' ان کا عقیدہ ہے کہ اس رات انسان اپنے دین کی طرف پلٹتا ہے۔

ہندوؤں کا ماننا ہے کہ چاند پانی کو چونکہ کنٹرول کرتا ہے اس لیے ساری دنیا کو کنٹرول کرتا ہے اور وہ اس کا تعلق مقدس گائے سے جوڑتے ہیں۔ چند ادیان اس بات پہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ ماہ کامل کی رات عہد لینے یا وعدے کرنے کے لیے اچھی نہیں ہے۔ طبی ماہرین کہتے ہیں کہ چاند انسانی جسم کے اندرونی پانی پہ بھی ایسے ہی اثرانداز ہوتا ہے جیسا کہ سمندر کی لہروں پہ۔ دماغی امراض یا دے اور جلد کی بیماریوں میں مبتلا لوگوں کی حالت اس رات زیادہ خراب ہو جاتی ہے۔ Yale میں ہونے والی ایک تحقیق یہ بھی کہتی ہے کہ پورے چاند کی رات اگر کسی کا خون بہے تو وہ عام دنوں سے زیادہ بہتا ہے۔

کہتے ہیں کہ چاند کی چند مخصوص تاریخیں کھنگ (حجامہ) کے لیے زیادہ شفا بخش ہیں اور قدیم داستانیں یہ کہتی ہیں کہ اس رات کچھ (ویئرولف) انسان بھیڑیے بن جاتے ہیں اور صبح ہوتے ہی ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ امریکی کہتے ہیں کہ انہوں نے چاند پہ قدم رکھا تھا اور دنیا میں بہت سے کانسپریسی تھیورسٹ اس بات کو ایک ڈرامے کے سوا کچھ نہیں مانتے اور وہ ٹھوس دلائل سے ثابت کرتے ہیں کہ آج تک کسی انسان نے چاند پہ قدم نہیں رکھا۔ نیل آرم اسٹرانگ کی موت کے ساتھ ہی یہ راز کہ انسان نے چاند تسخیر کیا تھا یا نہیں' بھی دفن ہو گیا ہے۔

اور دنیا والوں سے بے نیاز' وہ چاندی کا تھال اس رات سردسے آسمان پہ چمک رہا تھا۔ پورا' مکمل' پوپا۔

فارس غازی کا خاندان ایک پوش علاقے کے اس بنگلے میں آبسا تھا۔ بنگلہ سبز بیلوں سے ڈھکا تھا اور کافی خوب صورت تھا۔ انیکسی سے کئی گنا کم قیمت' مگر اس سے کہیں زیادہ کھلا اور بڑا۔ ہر کسی کو اس کا اپنا کمرا ملے گا' سیم اس بات پہ خوش تھا اور اب ندرت' حسینہ اور صداقت کے ساتھ مل کر سامان رکھوا رہا تھا۔ سب تھک بھی گئے تھے اور اس وقت وہ حال تھا کہ ندرت کچھ مانگتیں تو حنہ اور سیم ایک دوسرے کو اشارہ کرتے۔ "تم قریب ہو' تم اٹھاؤ گے۔" اور یہ تو بہن بھائیوں کا پرانا اصول ہے کہ "قریب" والا ہی کام کرے گا' سو زیادہ شامت سیم کی آرہی تھی۔

گھر کسی حد تک سیٹ ہوچکا تھا' زمر اور فارس جائے پہ جاچکے تھے۔ حنین اب صرف خالی خالی سی تھی۔ قصر کو گردن اونچی کرکے دیکھنے کی اتنی عادت ہوگئی تھی کہ اب گردن اور دل دونوں درد کرنے لگے تھے۔ اتنے دن سے نماز نہیں پڑھ رہی تھی۔ نہ ادا' نہ قضا' دل ویران تھا۔ سوامی کی ڈانٹ ڈپٹ کو ان سنی کرکے وہ اپنی ٹیچر کے پاس چلی آئی تھی ان کا گھر چند منٹ کے فاصلے پہ تھا ______ (وہ اپنے پرانے علاقے میں ریسٹورنٹ کے قریب ہی آبسے تھے۔)

اب ان کے ڈرائنگ روم میں ان کے سامنے سر جھکائے بیٹھی' وہ ایک دفعہ پھر اپنی کمزوریوں کا اقرار کررہی تھی۔

"نماز کی عادت نہیں بنتی' وہ کیا کرے؟" وہ عینک اتار کر اسے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"ظہر اور مغرب تو سب پڑھ ہی لیتے ہیں' لیکن عصر کس کی قضا ہوتی ہے اور فجر اور عشا کون چھوڑ دیتا ہے؟ کیا آتا ہے حدیث میں ...؟"

"منافق!" وہ جھٹ بولی۔

"اور منافق کون ہوتا ہے؟ کافر؟ مشرک؟ ہندو؟ یہودی ...؟"

حنین نے نفی میں سر ہلایا۔

"چوری کرنے والا منافق نہیں ہوتا' حتیٰ کہ بدکار بھی منافق نہیں ہوتا' پھر منافق کون ہوتا ہے بھلا؟"

"جو بات کرے تو جھوٹ بولے' امانت رکھے تو اس میں خیانت کرے' لڑے تو گالی دے' وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے۔"

"جھوٹا' خائن' وعدہ خلاف اور بدزبان۔" ٹیچر نے انگلیوں پہ گنوایا۔ "یہ چاروں یا ان میں سے ایک چیز بھی کسی میں ہو تو وہ منافق ہوتا ہے۔ جھوٹ زبان سے بولا جاتا ہے گالی زبان سے دی جاتی ہے' وعدہ زبان سے کیا جاتا ہے' امانت کی ذمہ داری زبان سے لی جاتی ہے۔"

حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو کیا چیز منافق کو نماز سے دور کرتی ہے؟"

"اس کی زبان!" وہ چونکی۔

"جھوٹ' خیانت' بدزبانی' غلط الفاظ بولنا' بات سے پھر جانا' حیلے بہانے کرنا' غیبت کرنا کہ مسلمان کی عزت بھی ہمارے پاس امانت ہوتی ہے' یہ سارے گناہ انسان کو وہ غلا بنادیتے ہیں۔ گندا کردیتے ہیں۔ ان سے دور رہوگی تو نماز کے قریب آؤ گی۔ اب یہ مت کہنا کہ فلاں تو اتنا جھوٹا اور بدزبان ہے مگر فجر پڑھتا ہے۔ ہمیں کچھ نہیں پتا کون کیسی نماز پڑھتا ہے۔ نہ کسی کو یوں جج کرنا چاہیے۔ صرف اپنا معاملہ دیکھو۔"

حنین کے اندر باہر کچھ ہل کر رہ گیا تھا' مگر وہ بولے جارہی تھیں۔

"یہ تو ہوگیا کہ نماز سے کیا روکتا ہے۔ اب بتاؤ' نماز خود کیا ہے؟" پچھلی دفعہ کا سوال دہرایا۔ وہ اب بھی چپ رہی۔

"بات کرنا" ہے۔ یہ اللہ سے معراج پہ عطا کی گئی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ معراج پہ وہ اللہ سے ہم کلام ہونے گئے تھے۔ ہم تو نہیں جاسکتے آسمانوں پہ' ہم تو طور پہ بھی نہیں جاسکتے' تو ہمارے شوق کلام کی لاج اللہ نے نماز کے ذریعے رکھ لی' ہمارا طور' ہماری معراج' ہماری نماز ہے۔ اس کی عادت پکی ہونی چاہیے' کیونکہ اگر ہم اپنے بچوں کو نماز کے لیے ویسے نہیں اٹھاتے جیسے

☆ ☆ ☆

لفظ نشتر کی طرح دل میں اُتر جاتے ہیں
خط محبت کا بھی وہ لکھتا ہے تلوار کے ساتھ

اسلام آباد میں اس چھ ستارہ ہوٹل کے زرد روشنیوں سے جگمگاتے شاہانہ طرز کے ڈائننگ ایریا میں ایک میز پہ وہ چاروں براجمان تھے اور بیرے ادب سے اشیائے طعام پیش کررہے تھے۔ وہ یوں بیٹھے تھے کہ میز کے ایک طرف آبی اور ہارون تھے اور دوسری جانب وہ دونوں۔۔۔ ہارون شلوار سوٹ کے اوپر کوٹ میں ملبوس مسکرا کر آب دار سے پوچھ رہے تھے کہ اس نے اپنے مہمانوں کے سامنے اپنے والد کی شکایتیں کی ہیں یا نہیں۔ آبی بھی مسکرا کر کہہ رہی تھی کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اس نے سرخ اسکارف کشمیری لڑکیوں کے انداز میں چہرے کے گرد لپیٹ کر پیچھے ڈال رکھا تھا۔ کانوں میں زمرد اور ڈائمنڈ ٹاپس دمک رہے تھے۔ نیچے سفید ملائم سا سوئیٹر تھا جس کی ہائی نیک کے اوپر زمرد کا نیکلس جگمگا رہا تھا۔ وہ خوش اور آسودہ لگ رہی تھی۔ بولنے کے ساتھ ساتھ مسلسل کھا رہی تھی۔

فارس ابھی تک خاموش تھا۔ چہرے پہ رسمی مسکراہٹ سجائے وہ گرے شرٹ پہ سیاہ کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ کبھی کبھی وہ سنہری آنکھیں اٹھا کر ہارون کو دیکھ کر مسکرا کر ان کی بات کا جواب دے دیتا، پھر سر جھکا کر پلیٹ کی طرف مصروف ہو جاتا، گو کہ وہ زیادہ کھا نہیں رہا تھا۔

زمر آج دل سے تیار ہوئی تھی۔ آبی کے کورے سفید رنگ کے برعکس اس نے سلک کی سیاہ لمبی قمیص پہن رکھی تھی۔ گھنگریالے بھورے بال سامنے سے ذرا سا پیچھے کر کے پن لگا کر کھلے چھوڑ دیے تھے اور بھوری آنکھوں میں گہرا کاجل تھا۔ جب کوئی اسے مخاطب کرتا تو وہ آنکھیں اس پہ جما کر جواب دیتی اور پھر ادھر ادھر دیکھنے لگ جاتی۔

مصنوعی باتیں، مصنوعی روشنیاں۔

"سو فارس غازی۔۔۔ آپ کتنا عرصہ جیل میں رہے ہیں؟" پران کا ٹکڑا کانٹے میں پھنساتے ہارون نے سرسری انداز میں سوال کیا۔

آبی ذرا غیر آرام دہ ہوئی، مگر فارس نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔ "آپ سے تین سال کم۔۔۔"

ہارون کو اس کے جواب نے چونکایا بھی اور محظوظ بھی کیا۔ لقمہ چباتے ہوئے مسکرا دیے۔

"میں نے ساڑھے سات سال کی قید کاٹی ہے۔ کُل ملا کر تین دفعہ جیل جا چکا ہوں۔ تم ابھی مجھ سے بہت پیچھے ہو۔" طرز تخاطب بدل دیا۔ آب دار نے آسودہ سی سانس لی۔ زمر خاموش نظر گاہے بگاہے فارس اور ہارون پہ ڈال لیتی تھی۔

"آپ جہاں بھی رہے ہیں، آپ اے کلاس قیدی تھے۔ میں سی کلاس قیدی تھا۔ آپ میرا مقابلہ نہیں کرسکتے سر!"

آبی کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ "آپ تو انٹیلی جنس آفیسر تھے، پڑھے لکھے تھے، اچھے خاندان سے تھے، آپ کو تو عدالت کو اے کلاس الاٹ کرنی چاہیے تھی۔ تعلیمی، خاندانی پس منظر اور جاب وغیرہ کی بنیاد پہ ہی قیدیوں کی کلاس کا تعین کرتی ہے نا عدالت۔" اور تائیدی نظروں سے زمر کی طرف دیکھا، جس نے محض سر ہلا دیا۔ (پتا ہے تو مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہے؟)

"عدالت نے میری کلاس "بی" مقرر کی تھی، مگر چونکہ میں ہارون عبید نہیں تھا، اس لیے جیل کے اندر مجھے وارڈن کی مرضی کے بلاک میں پٹخا گیا تھا۔" وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر بتا رہا تھا۔

"اور اس دفعہ؟" ہارون نے تشویش سے پوچھا۔

"اس دفعہ میں اپنی مرضی سے سی بلاک میں گیا تھا۔" اور مسکرا کر سر جھکائے کانٹے سے کھانے کا ٹکڑا توڑنے لگا۔

"جیل کیسی ہوتی ہے؟" آبی اب کھا نہیں رہی تھی۔ کہنیاں میز پہ رکھے، آگے ہو کر بیٹھی، پورے دھیان سے اس کی طرف متوجہ تھی۔

"جیل۔۔۔" فارس نے رک کر سوچا۔ اس کے چہرے پہ تکلیف سی ابھری۔ پھر اس نے نگاہیں اٹھا کر آب دار کو دیکھا تو سنہری آنکھوں میں کرچیاں سی تھیں۔

"جیل میں آپ اکیلے ہوتے ہیں۔ کوئی آپ کا دوست نہیں ہوتا۔ کوئی آپ کا خیال نہیں کرتا۔" اسے بہت کچھ یاد آیا۔ "جب میں جیل میں گیا تو سب سے پہلے۔۔۔ مجھے ایک کمرے میں جانا تھا۔ قراطین سے ملنے۔"

"قراطین۔۔۔؟" آبی اور ہارون دونوں نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"ان کا مطلب ہے کورنٹائین" زمر نے سنجیدگی سے وضاحت کی۔ وہ بالکل چُپ سی ہو گئی تھی۔ یہ سب اس کے لیے بھی تکلیف دہ تھا۔

"مگر پاکستان میں "کورنٹائین" نہیں ہوتا۔ قراطین ہوتا ہے۔ جیل کی اپنی زبان ہوتی ہے۔ اپنے لہجے ہوتے ہیں۔" پھر آبی کے ہنوز الجھے چہرے کو دیکھ کر کہنے لگا۔

"قراطین وہ شخص ہوتا ہے جو نئے قیدی۔۔۔ جس کو آپ امریکی فلموں میں "نیو فش" کہہ کر پکارتے سنتی ہوں گی۔۔۔ اس نئی مچھلی کو قراطین کے پاس سے گزرنا پڑتا ہے۔ وہ اس کو اس کی کلاس، اس کا بلاک، اس کی بیرک، اس کے ذمے کی مشقت، سب کچھ الاٹ کرتا ہے۔ قراطین جیل کا بادشاہ ہوتا ہے۔ وہ قیدی کو پہلی ملاقات میں اسے نہ مارنے کے پچیس ہزار لیتا ہے، وہ قیدی کو ہاتھ تک نہ لگانے کے چالیس ہزار لیتا ہے، وہ ہلکا کام دینے کے پینسٹھ ہزار لیتا ہے اور یہ رقم وہ ہر مہینے قیدیوں سے ملنے آنے والوں سے لیا کرتا ہے۔ وہ طے کرتا ہے کہ آپ کی جیل میں قسمت اور زندگی کیسی ہونے جارہی ہے۔ اگر آپ اس کو ذرا سا بھی خفا کریں تو قراطین بادشاہ آپ کو بدنام زمانہ مجرموں میں ڈال دیتا ہے اور آپ پوری پوری رات اس خوف سے سو نہیں سکتے کہ آدھی رات کو کوئی آپ کو صرف تکلیف پہنچانے کے لیے چھرا مار جائے گا اور آپ نہ بھی مریں، تو وہ تکلیف۔۔۔ وہ آپ کے اندر بہت کچھ مار دیتی ہے اور دن کی روشنی میں تو ویسے بھی مارنے والے بہت ہوتے تھے۔"

اپنی پلیٹ کو دیکھتے ہوئے وہ کہے جارہا تھا۔

"ہر روز شام پانچ بجے قیدیوں کی چیکنگ ہوتی تھی۔ قطار میں جانوروں کی طرح کھڑا کرکے ان کا معائنہ کیا جاتا تھا۔ صرف مارنے، پیٹنے کا بہانا تھا اور کھانا۔۔۔" میز پہ سجی انواع و اقسام کی ڈشز کو دیکھ کر وہ مسکرایا۔ زخمی مسکراہٹ۔

"قانون کے مطابق ہر ہفتے میں تین دن چکن اور بیف لازمی ہے، بریانی بھی بنے گی اور دو وقت کی چائے بھی۔۔۔ صبح ناشتے میں سبزی کی بھجیا بھی ملے گی، مگر سی کلاس قیدی اگر گوشت کی شکل دیکھتے بھی تھے تو وہ برڈ فلو سے مری ہوئی مرغیوں کا ہوتا تھا یا پھر ہوتا ہی نہیں تھا۔ دال اور سبزی کی بھی سب سے سستی قسم ملتی تھی کھانے میں۔ ایک احسان حکومت کرتی ہے کہ گھر کا کھانا الاوڈ (اجازت) ہے، مگر میری بہن جو حلوے، میوے اور کھانے میرے لیے بھیجا کرتی تھیں، وہ بہت کم مجھ تک پہنچتا تھا۔ راستے میں ختم ہو جاتا تھا۔ میں ان کو منع کرتا تھا کہ وہ محنت نہ کیا کریں۔ میں نے زندگی میں اس سے پہلے کبھی رشوت نہ دی، نہ لی، لیکن یہ کام بھی جیل میں شروع کیا۔ وارڈن کو پانچ سو روپیہ فی بندہ ماہوار دو، تو چار پانچ لوگ مل کر اپنا چولہا لگا سکتے ہیں اور اپنا کھانا پکا سکتے ہیں۔ جگہ جگہ پانچ پانچ لوگوں نے گروپ بنا کر یہ کام شروع کیا ہوا تھا۔ اسے "ہانڈی وال" کہتے تھے۔ میں بھی اس "غیر قانونی" اور "رشوت انگیز" کام میں چار سال شامل رہا، کیونکہ میں لنگروں والی دال اور مری ہوئی مرغی نہیں کھا سکتا تھا۔ ہمارے جیسے معاشروں میں۔۔۔ جہاں قانون نام کی کوئی چیز نہیں ہے، اپنی بقا کے لیے انسان قوانین توڑنے پہ مجبور ہو جائے اور اس کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہ ہو تو کیا یہ کرنا غلط ہوگا؟ اسی لیے اسپھٹنی۔۔۔ احمر شفیع جب کہتا ہے کہ پرزن رائٹس ملنے چاہییں تو وہ ٹھیک کہتا ہے۔"

وہ ٹھہرا اور سر جھکائے کانٹے کو پلیٹ میں پھیرا۔ میز پر عجیب سا سناٹا تھا۔ آبی کا گلا رندھ چکا تھا اور آنکھوں میں پانی تھا۔ زمر بالکل خاموش اور سپاٹ تھی۔ ہارون نے گہری سانس لی۔

"تمہارا واقعی مجھ سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔" وہ جیسے پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھے۔

"مگر تم نے قراطین والی بات پوری نہیں بتائی۔ رشوت تو تم نے ہانڈی وال کو پہلی دفعہ دی تھی۔۔۔ تو قراطین کو کیا دیا؟"

فارس ان کو دیکھتے ہوئے زخمی سا مسکرایا۔ "اس سے پہلے ملاقات کرنے والے خوف سے کانپ رہے ہوتے تھے، وہ بادشاہ تھا ان کو کچھ بھی کہہ سکتا تھا ان کی عزت کا جنازہ نکال سکتا تھا۔ میرے ساتھ اس نے گفتگو میری بیوی کے نام سے شروع کی تھی۔"

آبی کا سانس رک گیا۔ "اور آپ نے کیا کیا؟"

"میں نے اسے مارا۔۔۔" اپنی ابرو کی طرف اشارہ کیا۔ "تو ادھر سے خون نکلنے لگا تھا اس کا۔ بارہ ٹانکے آنکھ کے قریب لگے تھے۔ اس نے مجھے سی کلاس میں بدنام زمانہ مجرموں کے ساتھ شفٹ کروایا۔ تب وہ جیل میں ایک "اعلا عہدے" پہ فائز سرکاری ملازم تھا۔ آج وہ اسی جیل میں قید ہے۔"

"اور اس کو قید کس نے کروایا؟" آب دار نے سانس روکے پوچھا۔ وہ زخمی سا مسکرایا۔

"شاید کسی نے اپنی بیوی کے کردار پہ حملہ کرنے کا انتقام لیا ہو اور صرف مارنے سے اس کا دل نہ بھرا ہو۔" اور کندھے اچکا کر پوری توجہ سے کھانے لگا۔ آبی بے اختیار مسکرا دی۔ اسے اس لمحے فارس پہ فخر ہوا تھا۔ نگاہیں موڑ کر ہارون کو دیکھا۔ وہ بھی اس کی کمپنی سے لطف اندوز ہوتے دکھائی دیتے تھے۔ آب دار کی گردن مزید اکڑ گئی۔ اس نے زمر کی طرف چہرہ گھمایا۔

"اور آپ نے ڈلوایا تھا فارس کو قید میں، ہے نا؟" بہت سادگی اور معصومیت سے اس نے زمر کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا تھا۔

لمحے بھر کے لیے اس میز پہ شدید تناؤ در آیا۔ فارس نے چونک کر پہلے آبی کو دیکھا، پھر زمر کو۔ اسے برا لگا تھا اور وہ ناگواری سے ٹوکنے لگا تھا جب۔۔۔

"آف کورس۔ میں نے فارس کو گرفتار کروایا تھا۔" وہ آبی کی آنکھوں پہ نظریں جمائے مسکرا کر بولی تھی۔ "کیونکہ مس عبید! میں نے ساری زندگی لوگوں کو انصاف دلوانے کے لیے جدوجہد کی ہے۔ اگر میرے اپنے خاندان میں، میرے وژن آف ٹروتھ کے مطابق کوئی شخص مجرم ہے تو میں انصاف کے حصول کے لیے اس کے خلاف بھی کھڑی ہوں گی اور قانون کی پوری مدد کروں گی۔ کیا آپ ایسا کر سکتی ہیں؟"

گردن اٹھا کر وہ ہموار مگر فخریہ لہجے میں بولی تھی۔

(دل پہ جو گزری سو گزری۔)

آب دار کا چہرہ پھیکا پڑ گیا اس نے بمشکل تھوک نگلا۔ ہارون نے بھی تنبیہی نظروں سے اسے گھورا۔

"شاید میں ایسا نہ کر سکتی۔ آئی ایم سوری۔ میں نے سنا تھا، آپ نے سعدی یوسف کے میموریل ڈنر پہ کہا تھا۔ (ہارون نے غیر آرام دہ پہلو بدلا۔) کہ آپ کے بھتیجے نے آپ کو اپنا گروہ ڈونیٹ کیا تھا۔ یہ سب بہت مشکل ہو گا آپ کے لیے۔۔۔ اس کا کھو جانا۔۔۔" وہ اب سخت الفاظ کا اثر زائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

زمر نے گہری سانس لی۔ "مجھے نہیں پتا وہ کہاں ہے، مگر مجھے امید ہے کہ وہ زندہ ہے۔ ان آٹھ ماہ میں، میں چند لمحوں کے لیے بھی اپنا فون آف نہیں کرتی، اس ڈر سے کہ وہ کال کرے گا اور اگر میں نے نہ اٹھایا تو کیا ہو گا؟ کیونکہ مجھے پتا ہے، وہ سب سے پہلے مجھے کال کرے گا۔"

میز پہ خاموشی کا دورانیہ بڑھ گیا، پھر ہارون نے ہمدردی اور اپنائیت سے پوچھا۔ "وہ کس طرح کا انسان تھا؟"

"مہربان، نرم دل اور۔۔۔" زمر کہنے لگی، مگر فارس نے چہرہ اٹھا کر اطمینان سے کہا۔ "فریب کار۔۔۔"

سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ اب وہ سر جھکا کر پلیٹ میں چھری کانٹا چلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اس نے اپنے خاندان کے ہر فرد کو یہ یقین دلا رکھا تھا کہ

سب سے زیادہ محبت وہ اسی سے تو کرتا ہے' رازدار بھی وہ اسی کا ہے' اور سب سے بڑی قربانی وہ اسی کے لیے دے گا۔ جب وہ نہیں رہا تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہم میں ہر شخص ہی خود کو سعدی کا سب سے اچھا دوست سمجھتا ہے۔ ایسے شخص کو آپ فریب کار نہیں کہیں گے تو کیا کہیں گے۔"

زمر کی آنکھوں میں آنسو آگئے' مگر اس نے کمال ضبط سے ان کو اندر اتار لیا۔ اس نے فارس سے سعدی کا ذکر بہت کم سنا تھا اور اس طرح تو شاید پہلی دفعہ' مگر پہلے کب وہ اسے بولنے کا موقع دیتی تھی؟

"فارس غازی!" ہارون نے بہت امید سے اسے دیکھ کر کہا۔ "میرے لیے کام کرو۔"

"میں جاب انٹرویو چائے پہ نہیں دیا کرتا اور آپ سے اتنے اچھے دوستانہ ماحول میں ملاقات کرنے کے بعد میں آپ کے لیے کام کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا' کیونکہ دوستوں کے ساتھ کاروبار نہیں کیا جاتا۔"

"اگر تم سیاست دان ہوتے تو اتنی جیل کاٹ کر ووٹ ملتے۔ سیاست دان نہیں ہو اس لیے اب نوکری تک ملنا مشکل ہوگی۔ نوکری کے بغیر تمہارا کیا بنے گا؟" وہ سمجھانے والے انداز میں کہہ رہے تھے۔

فارس بند ہونٹوں سے لقمہ چباتے ہوئے مسکرایا اور ذرا آگے کو جھک کر ہارون کی آنکھوں میں دیکھا۔

"آپ ایک بے گناہ آدمی کو ایک بدنام زمانہ جیل کے سی بلاک میں بے رحم اور خطرناک دہشت گردوں' اسمگلرز اور قاتلوں کے ساتھ چار سال کے لیے بند کردیں اور اگر وہ سروائیو کر جائے تو کیا اس کے کچھ بن جانے میں آپ کو شک ہونا چاہیے؟"

بہت عرصے بعد ہارون کو کسی نے اتنا محظوظ کیا تھا۔ مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ "میری پیش کش تمہاری میز پہ دھری ہے۔ مجھے جواب کا انتظار رہے گا۔" آپی بھی تائیدی انداز میں مسکرائی اور زمر کو پتا نہیں کیا' مگر کچھ بہت برا لگ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

تم بڑے لوگ ہو' سیدھے ہی گزر جاتے ہو
ورنہ کچھ تنگ سی گلیاں بھی ہیں بازار کے ساتھ

کولمبو۔ شام کی تاریکی پوری طرح چھا چکی تھی۔ شہر کی چمچماتی بتیاں روشن ہوگئی تھیں۔ اسٹریٹ پہ منتظر کھڑے تماش بینوں کا رش بڑھتا جارہا تھا۔ ایسے میں تاریک ایلی ویٹر شافٹ ـــ میں وہ کلائی اوپر چڑھ آئے تھے اور نیچے لوہے کی چادر کو مسلسل توڑنے' کاٹنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ چند گارڈز اوپر بھی دوڑے تھے' کہیں تو کھلتی ہوگی وہ شافٹ' مگر ہوٹل کے نقشوں پہ وہ بنی ہی نہیں تھی۔

تیسری منزل پہ رک کر خاور نے دیوار پہ دستک دی۔ ردھم میں ـــ تین دفعہ ـــ وہاں چوکور سا کارڈ بورڈ لگا تھا۔ اگلے ہی لمحے کارڈ بورڈ اندر سلائیڈ ہوا اور روشنی نظر آئی۔ آگے ایک کھلی ہوئی الماری تھی۔ وہ دونوں یکے بعد دیگرے الماری کے اندر سے ہو کر اس کمرے میں آکھڑے ہوئے۔ اتنے عرصے بعد ـــ سعدی یوسف نے کوئی اور کمرا دیکھا تھا۔ روشن اور ہوا دار ـــ مگر اس نے ضبط نہیں کھویا۔ سنبھلا ہوا محتاط کھڑا رہا۔

سامنے کچن کا ہیڈ شیف کھڑا تھا۔ ان کو اندر لا کر اس نے جلدی سے کارڈ بورڈ برابر کیا اور الماری سے ایک بیگ نکال کر خاور کو تھمایا اور الماری کو لاک کیا۔

"سو تمہیں ہمارے ـــ مطلب کرنل خاور کے پیغامات ملتے رہے تھے؟" سعدی نے خاور کو بیگ کی زپ کھول کر اندر تمام چیزوں کی تسلی کرتے دیکھا تو شیف کو مخاطب کیا۔

خاور سینڈوچ کے ریپر پہ کونے میں الفاظ لکھتا تھا اور توڑ مروڑ کر پلیٹ میں رکھ دیتا۔ سارا کوڑا میری ٹمن میں پھینک دیتی۔ روز شام کو گارڈز کوڑا اوپر کچن میں جاکر ڈال دیتے۔ شیف ایک ایک ریپر چیک کرتا تھا۔ یقیناً" اس کو پیغام ملتے تھے۔

"کرنل خاور کے مجھ پہ احسان ہیں ـــ میں ان کے لیے کچھ بھی کرسکتا ہوں۔ تمہارے لیے نہیں۔" وزدیدہ نظروں سے سعدی سے خشک لہجے میں کہا اور کپڑوں کا پیکٹ تھمایا۔ وہ بھی بس اسی کو گھورتا ہوا

آگے بڑھ گیا۔ خاور اب اس کے شانے کو تھپک کر اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

نیچے لابی میں ہاشم کاردار ہنوز صوفے پہ بیٹھا میلز کا جواب دے رہا تھا۔ گاہے بگاہے وہ گھڑی پہ بھی نظر ڈال لیتا۔ پراہرا (پریڈ) کے اس اسٹریٹ تک پہنچنے میں کم وقت رہ گیا تھا۔

اوپر تیسری منزل کی لفٹ کے دروازے کھلے اور اندر خاور اور سعدی کھڑے نظر آئے۔ سیاہ پینٹ، سفید شرٹ اور سیاہ کوٹ پہنے ساتھ پہ ویٹرز کی مخصوص ٹوپی سجائے وہ دونوں باہر نکلے۔

"سی سی ٹی وی ری وائنڈ ہو چکے ہیں۔ کنٹرول میں کوئی ہمیں نہیں دیکھ سکتا، بس کسی شناسا گارڈ سے نہ ٹکرانا۔" خاور اس کو ہدایت دے کر راہداری میں ایک طرف کو چلا گیا اور سعدی سر ہلا کر ٹرالی دھکیلتا ہوا دوسری طرف چلتا گیا۔

نیچے بیٹھے مصروف سے ہاشم کی طرف دو گارڈز تیز تیز چلتے آئے اور "ریس الرٹ سا ہو۔" ہاشم کو پکارا۔ اس نے چہرہ اٹھایا اور ان دونوں کے چہروں پہ اڑتی ہوائیاں دیکھ کر وہ بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ جلدی جلدی گھبراہٹ میں اسے کچھ بتا رہے تھے اور ہاشم کے چہرے کی رنگت متغیر ہو رہی تھی۔ پھر وہ بے اختیار آگے کو بھاگا۔

سعدی یوسف سر جھکائے ٹرالی دھکیلتے... راہداری کے موڑ پہ آ ٹھہرا۔ گردن نکال کر اگلی راہداری میں جھانکا۔ ایک کمرے کے بند دروازے کے باہر دو مستعد گارڈز کھڑے نظر آئے۔ سعدی نے جیب سے شو پالش کی ڈبی جتنی شے نکالی، پھر سانس روک کر اس کا ڈھکن گھمایا اور جھک کر زمین پہ آگے کو لڑھکا دیا۔ وہ گارڈز کے قریب ہلکا آواز کے لڑھک کے ٹھہر گئی۔ اس میں سے بغیر رنگ کی گیس نکلنے لگی۔ اوٹ میں کھڑا ناک پہ رومال رکھا سعدی دھڑکتے دل سے گھڑی دیکھنے لگا۔ ایک منٹ... دو... ساڑھے تین منٹ بعد اس نے گردن نکال کر جھانکا۔

گارڈز زمین پہ لڑھک چکے تھے۔ بے حس اور بے سدھ... وہ ٹرالی دھکیلتا تیزی سے آگے آیا اور مخالف دروازے کے سامنے ٹھہرا۔ دوسری جیب سے ماسٹر کی کارڈ نکال کر دروازے میں لگایا۔ دروازہ کھولا اور ان دونوں کو گھسیٹ کر دوسرے کمرے میں ڈالا۔ پھر ان کو وہاں لاک کر کے اس کمرے تک پہنچا جہاں وہ سو رہے تھے۔ ابھی وہ دروازے کے قریب کارڈ لے کر گیا تھا کہ...

"Savan" مخالف سمت سے ایک اسی حلیے والا ویٹر آتا دکھائی دیا اور قدرے خفگی سے سنہالی زبان میں اسے مخاطب کیا۔ سعدی بالکل منجمد ہو گیا۔ پھر ہلکا سا چہرہ موڑا۔

"Savanir! ehidi tuva ve" پھر ذرا اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"oba alut" (کیا تم نئے ہو؟) وہ ایک انجان زبان میں سعدی یوسف سے بات کر رہا تھا اور جواب مانگ رہا تھا۔ سعدی نے گہرا سانس لیا۔

"danne nae oba ahanna Mama" (مجھے نہیں معلوم۔ نیچے جا کر خود معلوم کر لو۔) اور رخ موڑ کر ٹرالی میں چیزیں درست کرنے لگا۔ ویٹر بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا اور سعدی یوسف نے دل میں اس دن کے لیے شکر ادا کیا جب اس نے فارس غازی کے پیغام پہ عمل کر کے خاور کو اپنا صاحب السجن بنایا تھا۔ گزارے لائق سنہالی صرف وہی اس کو سکھا سکتا تھا۔

"وہ تمہیں نیچے بلا رہے ہیں، کب سے کال کر رہا ہوں۔ جلدی جاؤ، سر غصے میں ہیں۔" وہ کوئی انجان مگر غیر ملکی لڑکی تھی، اس کو انگریزی میں ڈپٹا تو قدرے پریشان ہو گئی اور جلدی سے باہر کو بھاگی۔ سونیا نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ سعدی فوراً پلٹ گیا۔ جب لڑکی باہر نکل گئی تو اس نے دروازہ بند کیا اور ٹوپی اتارتے ہوئے آہستہ سے سونی کی طرف گھوما۔

"ہیلو پرنسس...!" مسکرا کر کہتے ہوئے وہ قریب آیا۔ سونیا کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ معصوم چہرے پہ حیرانی اور الجھن ابھری۔ خوب صورت آنکھیں

سیکڑیں۔

"سعدی!" وہ پہچان کر اسٹول سے اٹھی۔ سرخ لمبی میکسی میں وہ بالوں کی چوٹی بنائے بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔

"تم تو چلے گئے تھے۔" اپنی عمر کے لحاظ سے وہ صرف اتنی حیران ہو سکتی تھی۔ سو وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آبیٹھا اور نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ تھامے۔

"مگر میں واپس آگیا ہوں' سونی کے ساتھ ایک گیم کھیلنے۔ یاد ہے' جب میں تمہاری ممی سے ملنے آیا تھا' جب تم دونوں فلم دیکھ رہی تھیں۔ ہال میں اور پھر میں نے تمہارے ساتھ ایک گیم کھیلا تھا؟" سونیا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ شرارت سے مسکرائی۔

"آئی نو۔"

"سو۔ سونیا۔" مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ بولا۔

"Wanna build a snowman
Do You "

اور سونیا کھلکھلا کر ہنس دی۔ گردن پیچھے پھینک کر۔ دل کھول کر۔ اس کو یہ فقرہ جیسے گدگدا دیتا تھا۔

نیچے تہ خانے کے دروازے کھلے پڑے تھے اور ہاشم وسط میں کھڑا سرخ چہرے کے ساتھ گارڈز پہ غرا رہا تھا' چیخ رہا تھا۔ "وہ کہاں جا سکتے ہیں۔ ڈھونڈو ان کو۔ وہ ہوٹل میں ہوں گے' ٹریکر سے ڈھونڈو۔" ارد گرد افراتفری مچی تھی۔ گارڈز آگے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ رئیس کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا کھٹ کھٹ ٹائپ کر رہا تھا۔

تب ہی ہاشم کے موبائل کی بیپ بجی۔ اس نے جھلا کر دیکھا۔ ایک نئی ویڈیو موصول ہوئی تھی۔ سونی کے ٹیبلیٹ سے۔ وہ ٹھہر گیا اور جب اس پہ کلک کی تو۔

منظر سونی کے کمرے کا تھا۔ وہ وسط کمرے میں تیار کھڑی تھی' دونوں ہاتھ مخصوص رخ پہ اٹھائے منہ ذرا کھولے' آنکھیں بند کیے' وہ ساکت کھڑی تھی۔ جیسے برف کا مجسمہ ہو۔ (ہاشم گویا خود برف بنا گیا۔) کیمرا ایک طرف کو پین ہوا اور سعدی کا چہرہ۔ صرف چہرہ دکھائی دیا۔

گڈ ایوننگ ہاشم کاردار! سونیا اور میں بہت انجوائے کر رہے ہیں۔ سونیا اس وقت سونیا نہیں ہے۔ وہ "اولف" ہے اور فریز ہو چکی ہے اور بابا کو اتنا تو معلوم ہوگا کہ صرف سچی محبت سے کیا گیا عمل ایک جمے دل کو پگھلا سکتا ہے۔" ہے نا اولف"

وہ بند آنکھوں سے مسکراہٹ دبائے سر کو ذرا سا خم دے کر رہ گئی۔ اس سے زیادہ وہ ہل نہیں سکتی تھی۔ کیمرہ واپس سعدی کے اوپر ہوا۔ وہ اب اٹھ کر سونی کے عقب میں آکھڑا ہوا۔

"میں سونی کے روم میں ہوں اور میرے پاس باہر کھڑے گارڈز کے ٹوائز بھی ہیں۔" ہاتھ لہرا کر بریٹا پستول دکھایا۔ "اور میں پہلے بھی ایک گارڈ کو اس کے گرینڈ پیرنٹس تک پہنچا چکا ہوں۔ سو میری صلاحیتوں پہ تمہیں شک تو نہیں ہونا چاہیے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سونی کے بابا سونی کے۔ سوری "اولف" کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ میرے سارے لیگل ڈاکومنٹس لے کر اس کمرے میں آجائیں اور مجھے یہاں سے بخیریت نکلنے دیں تو میں سونی کو پگھلا دوں گا' ورنہ سونی ہار جائے گی۔" اور ویڈیو بند ہو گئی۔

زندگی میں پہلی بار۔ ہاشم کاردار کو اپنا سر' اپنا دل۔ اپنی ساری دنیا گھومتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اس کی رنگت پہلے سفید پڑی اور پھر سرخ۔ بوکھلا کر اس نے چہرہ اٹھایا۔ "وہ میری بیٹی کے کمرے میں ہے۔"

تب تک کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا رئیس بھی بول اٹھا تھا۔ "وہ واقعی اسی فلور پہ ہے۔ وسط میں۔ یقیناً مس سونیا کے کمرے میں۔ اس کے کندھے کے اندر لگا ٹریکر میں نے ایکٹی ویٹ کر دیا ہے۔ وہ اب بچ کر نہیں جا سکتا۔"

"اور خاور۔ وہ کہاں ہے؟" وہ زور سے چلایا تھا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اس نے آستین سے تر

پیشانی پونچھی۔ دماغ ابھی تک گھوم رہا تھا۔
"وہ بھی وہیں ہے۔"
"اس نے اپنے پیپرز مانگے ہیں۔ میں ادھر جا رہا ہوں۔ میرے پیچھے پانچ آدمی میری بیٹی کے کمرے کی طرف بھیجو۔ تم دونوں کمرے کی پچھلی طرف سے آؤ اور رئیس۔۔۔"
وہ تیزی سے ہدایات دے رہا تھا۔ "اسنائپرز کو بلواؤ' وہ چھت پہ بیٹھ کر بیرونی دروازے کو تاک میں رکھیں گے۔ سادہ کپڑوں میں گارڈز کو ہوٹل کے چاروں طرف بکھیر دو۔ وہ دونوں زندہ یہاں سے نہیں نکلیں گے۔" دانت پیس کر غصے سے کہتا وہ باہر کی طرف بھاگا۔ وہ گارڈز اس کے ساتھ دوڑے تھے۔
وہ لفٹ میں تھا جب فون بجا۔ سونیا کے نمبر سے کال آرہی تھی۔ اس نے تیزی سے فون کان سے لگایا۔
"اگر تم نے میری بیٹی کو چھوا بھی تو میں تمہارے ٹکڑے کردوں گا۔" لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ وہ چیخا۔
"گڈ ایوننگ ہاشم' کیسے ہو۔ مجھے بھی تم سے بات کرکے اچھا لگا موسم کیسا ہے؟"
"سونیا سے بات کرواؤ' تم سن نہیں رہے میں کیا کہہ رہا ہوں؟" تیز تیز تنفس کے ساتھ ہانپتا کانپتا وہ پھر غرایا تھا۔
"وہ تو بات نہیں کرسکتی۔ وہ فروزن ہے۔ کیا فلم ہے ویسے۔ کبھی ہمیں دوبارہ اکٹھے بیٹھ کر دیکھنی چاہیے۔"
"سعدی!" لفٹ کے دروازے کھلے تو وہ باہر نکلا۔ چند گہرے سانس لے کر خود پہ قابو پایا۔ "میں تمہارے ڈاکومنٹس لے آؤں گا' تمہیں جانے دوں گا' تم میری بیٹی کو کمرے سے باہر نکالو' خود بے شک کمرا بند کرکے بیٹھے رہو' میں تمہارے ساتھ پورا تعاون کروں گا' مگر اسے جانے دو۔"
"ع خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا۔" وہ گنگنایا تھا۔
"تم اتنا نیچے کیسے گرسکتے ہو؟ وہ ایک معصوم بچی ہے۔ کوئی انسانیت' کوئی اخلاقیات باقی ہیں تمہارے اندر یا ایک قتل ــــ کرنے کے بعد تم ان سے بھی گزر چکے ہو؟" وہ افسوس اور بے یقینی سے کہہ رہا تھا۔
"کوئی گھنٹی بجی ہاشم کاردار؟ یاد ہے وہ دن جب مجھے بے بس کرکے تم میری بہن کے بارے میں بات کررہے تھے؟ میری بھی یہی حالت ہوئی تھی۔" الفاظ کے برعکس اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ہاشم نے پیشانی کو مسلتے ہوئے بمشکل خود پہ قابو پایا۔
"اچھا میں کمرے کے باہر ہوں۔ بتاؤ' کیا چاہتے ہو؟" دروازے کے سامنے کھڑے' اس نے فکرمندی سے ادھر ادھر دیکھا۔ مستعد گارڈز' اپنی گن نکالے چوکس کھڑے تھے۔
"میرے تمام لیگل ڈاکومنٹس جن کی مدد سے میں واپس جاسکوں۔"
"میں نے منگوائے ہیں' چند منٹ لگیں گے۔ تم مجھے اندر آنے دو۔" کہہ کر اس نے دروازہ بجایا۔ لاک گھمایا۔ وہ بند تھا۔ میجک آئی بھی بند تھی۔ وہ اندر جھانک بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ پاگل ہو رہا تھا۔ "سعدی' دروازہ کھولو۔" اس نے زور سے بجایا۔
"اگر تم نے ایک دفعہ پھر دروازے کو ہاتھ بھی لگایا تو میں اس کی جان لے لوں گا۔ دروازہ صرف تب کھلے گا جب تم ڈاکومنٹس لاؤ گے اور سنو تم اکیلے آؤ گے۔"
"ہاں۔۔۔ میں اکیلا آؤں گا۔ مجھے پانچ منٹ دو۔" وہ بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا تھا۔ دوسری طرف سے فون بند ہوگیا۔ ہاشم اب رئیس کو کال کرکے اسے جلدی وہ کاغذات اوپر بھیجنے کو کہہ رہا تھا۔ ایک خاکی لفافے میں چند ردی کاغذ۔ وہ یہ دکھا کر سعدی کو کم از کم دروازہ کھولنے پہ مجبور کرسکتے تھے۔ ایک دفعہ دروازہ کھل گیا تو اس کے بہترین مارکس مین ان دونوں مفرورں کو سنبھال لیں گے۔
جب تک ایک گارڈ اوپر آیا وہ لفافہ لے کر' جس میں رئیس کا پاسپورٹ اور چند ردی کاغذ تھے۔ اس کمرے کو دونوں اطراف سے گھیرا جاچکا تھا۔ ہاشم کاردار کی آدھی نفری وہاں موجود تھی۔ کچھ لوگ بالکونی

میں اتر آئے تھے۔ کچھ بندوقیں سنبھالے راہ داری میں کھڑے تھے۔ ہاشم نے لفافہ پکڑا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ جواب ندارد۔ اس نے گارڈ سے ماسٹر کی کارڈ لیا اور دروازے میں لگایا۔ دروازہ کھل گیا۔

"سعدی! میں تمہارے پیپرز لے آیا ہوں۔" اس نے احتیاط سے کہتے ہوئے دروازہ دھکیلا۔

کمرا روشن تھا اور وسط میں سونیا کھڑی تھی اور پھر وہ ہنسی۔۔۔ وہ اس کو منع کرتا تھا' زیادہ میٹھا کھانے سے۔ دانتوں کو نقصان نہ ہو' مگر وہ اس کیک کو آدھے سے زیادہ کھا چکی تھی۔ آج ہاشم نے کچھ نہیں کہا۔ وہ شل' ۔۔۔ سا چلتا آگے آیا۔

سونی کمرے میں اکیلی تھی' تنہا۔

"سعدی۔۔۔ کہاں ہے؟" اسے کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا تھا۔

"سعدی میرے لیے کیک لایا ہے' بابا۔۔۔ اس نے کہا میں نے آپ کے آنے تک اس کو ختم کرنا ہے' ورنہ میں لولف بن جاؤں گی۔"

ہاشم بے اختیار اس کے قریب آیا اور اس کو اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا۔

"بابا! میرے کپڑے۔" وہ کسمسائی' مگر وہ دیوانہ وار اس کا چہرہ اور سر چوم رہا تھا۔

"سعدی کہاں گیا سونی؟" پھر اس نے پوچھا۔ "اس نے ویڈیو کب بنائی؟"

"وہ تو کب کا چلا گیا بابا۔۔۔" سونی نے جواباً" ۔۔۔ حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ اس کے منہ پہ ذرا سی کریم لگی تھی اور وہ ایک دفعہ پھر سے کیک منہ میں ڈالتی گنگنانے لگی تھی۔

"I Wanna stuff some chocolate in my face."

ہاشم نے دھیرے سے اسے نیچے اتارا۔ ششدر چہرے اور شل اعصاب کے ساتھ وہ آہستہ سے مڑا۔ کسی نے جواہرات کو بھی بتا دیا تھا اور وہ حواس باختہ سی اندر داخل ہوئی تھی۔

"سونی' تم ٹھیک ہو؟" فکرمندی سے کہتی' وہ اس کے قریب بیڈ کے کنارے آبیٹھی اور اسے خود سے لگا لیا۔ جو سنا تھا اس نے اسے ہلا دیا تھا۔

"کہاں ہیں وہ دونوں؟ کیسے بھاگے وہ؟" وہ تشویش سے ہاشم سے پوچھ رہی تھی۔

ہاشم جواب دیے بنا موبائل پہ نمبر ملانے لگا۔ گارڈز بھی کمرے میں داخل ہو کر ادھر ادھر پھیل گئے تھے اور گویا ہر کونا چھان رہے تھے۔ کچن کا ہیڈ شیف بھی ہاتھ باندھے ساتھ آ کھڑا ہوا تھا اور اب وہ جواہرات سے کہہ رہا تھا۔

"کوئی اندر سے ان کی مدد کر رہا ہے ورنہ۔۔۔ ان کے پاس ماسٹر کی کارڈ کیسے آسکتا تھا؟ یہ کیک بھی وہ کچن سے کیسے اٹھا کر لا سکتے ہیں بغیر مددگار کے؟" ہاشم فون کان سے لگائے تیزی سے بولا۔ "رئیس وہ جا چکے ہیں۔

ٹریکر سے ٹریس کرو' وہ کدھر ہیں؟"

اسکرین پہ نگاہیں جمائے بیٹھے رئیس نے الجھن سے ابرو سکیڑے۔ "نو سر۔ وہ دونوں اسی کمرے میں ہیں۔ سگنل ابھی تک ایکٹو ہے۔" "اور اگر وہ نہ کہتا تب بھی ہاشم کی نظر ٹرالی کے نچلے خانے میں پڑ چکی تھی جہاں ٹشو میں وہ ننھے بٹن جتنے ٹریکرز رکھے تھے۔ ہاشم تلخی سے مسکرایا اور ٹشو اٹھا کر دیکھا خون جما ہوا تھا۔ وہ بہت پہلے اپنے کندھوں سے ٹریکرز کاٹ کر نوچ چکے تھے۔ "ڈیم اٹ۔"

"سونی کا فون ٹریس کرو' وہ اسی کے پاس تھا۔ جلدی رئیس۔" وہ چلایا اور پھر برہمی سے راہداری میں کھڑکی کے ساتھ پڑی میز کو ٹھوکر ماری۔ میز لڑھک گئی۔ کانچ کا پھول دان نیچے جا گرا۔ ہاشم نے سرخ آنکھیں اٹھائیں۔ کھڑکی سے نیچے کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ پراہرا اسٹریٹ میں پہنچ چکا تھا۔ ہوٹل کی کوئی چار دیواری نہ تھی۔ وہ تکون صورت اونچی عمارت اس مصروف شاہراہ کے موڑ پہ کھڑی تھی۔ مین ریسپشن سے نکلو تو سامنے سڑک تھی' جو اس وقت لوگوں سے بھری تھی۔ ان کے جھرمٹ میں پراہرا کے روایتی ملبوسات اوڑھے پجاری چلتے جا رہے تھے۔ سوہا تھیوں کا قافلہ اس وقت سڑک سے گزرتا تھا۔

ہاشم نے ایک دم چونک کر سر اٹھایا۔ اس کے اوپر جیسے کوئی انکشاف ہوا تھا۔

"پراہرا۔ وہ پراہرا کے ہجوم میں گم ہونے والے ہیں۔" پھر تیزی سے مڑا۔ "سڑک پہ جاؤ۔ اسٹریٹ میں پھیل جاؤ۔ وہ نظر آجائیں گے۔" موبائل بجا تو

اس نے تیزی سے کال اٹھائی۔ دوسری طرف رئیس تھا۔

"سر۔ سونی کا فون باہر کی طرف جارہا ہے۔ باہر پراہرا کی طرف۔ میں بھی ادھر جارہا ہوں۔" رئیس دوسرے ہاتھ میں ٹیب پکڑے' ان کی لوکیشن کو سامنے رکھے بھاگتا ہوا کچن سے نکل رہا تھا۔

ہاشم اب اوپر کھڑا اپنے گارڈز کو چلا چلا کر ہدایات دے رہا تھا۔ چھت پہ موجود اسنائپر تیار تھے کہ جیسے ہی ان کو سعدی یا خاور دکھائی دے وہ ان کو گولی مار دیں گے۔

چند ہی منٹوں میں گارڈز پوری اسٹریٹ پہ پھیل گئے تھے۔ ایک ایک کو دیکھتے وہ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔

ایسے میں رئیس ٹیب پہ لوکیشن کو سامنے رکھے دوڑتا ہوا باہر آیا تھا۔ دائیں بائیں گردن گھماتا وہ سیاحوں کے ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھنے لگا' مگر راستہ نہیں مل رہا تھا۔ بمشکل لوگوں کو پرے ہٹاتا' دھکے دیتا' معذرتیں کرتا' وہ آگے آیا۔ موبائل ٹریکر کا سرخ نشان ایک جگہ رک گیا تھا۔

وہ بدقت اس جگہ پہنچ پایا۔ سیاحوں کی خفگی اور ڈانٹ پھٹکار کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے ٹیب کو دیکھا۔ سرخ دائرہ (سونی کا فون) سبز دائرے (خود رئیس) کے ساتھ کھڑا تھا۔ پھر وہ دائیں طرف مڑنے لگا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ سامنے ایک یورپین خدوخال کی سنہرے بالوں والی بچی دائیں طرف جا رہی تھی۔ وہ آندھی طوفان کی طرح اس کے سر پہ پہنچا۔ اس کے ہڈ والی سوئیٹر کا ہڈ پیچھے کو گرا ہوا تھا اور کمر پہ پہنے بیک پیک میں ٹیب رکھا تھا۔

"لعنت ہے۔" اس نے ٹیب اٹھا کر بدحواسی سے ادھر ادھر دیکھا۔ ہر طرف انسانوں کا سمندر بکھرا تھا اور اس سب میں ان دونوں کا کوئی نام و نشان تک نہ تھا۔

وہ دوڑتے قدموں سے اوپر ہاشم کے پاس آیا تھا۔ وہ وہیں کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔

"سر۔" پھولے تنفس کے دوران اس نے کہا۔ "وہ نہیں ہیں۔ یہ فون انہوں نے پراہرا دیکھنے والی ایک بچی کے اوپر پلانٹ کر دیا اور خود رش میں آگے نکل گئے۔"

"دسیوں لوگ سڑک پہ پھیلے ہو اور کسی سے وہ دو بندے نہیں پکڑے گئے۔" وہ دھاڑا تھا۔ بار بار آستین سے پیشانی پونچھتا۔ دل چاہ رہا تھا اس کو شوٹ کر دے۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اتنی جلدی نکل گئے ہوں

اور تمہیں نظر ہی نہ آئے ہوں؟ سلیمانی چغے پہن رکھے تھے انہوں نے یا۔۔۔" ہاشم رکا۔ ایک دم سے اس کے اوپر ڈھیر ساری ٹھنڈی برف گر گئی تھی۔ آہستہ سے اس نے گردن موڑی اور نیچے سڑک پہ بہتے پراہرا کو دیکھا۔ سیاحوں کے رش کو دیکھا۔ ہاتھیوں کو دیکھا۔

"نہیں۔۔۔ ہم غلط ہیں۔۔۔ پراہرا۔۔۔ پریڈ صرف ڈسٹریکشن ہے۔ ہمارا دھیان ہٹانے کے لیے۔۔۔ وہ پراہرا کے ہجوم میں گم ہو کر نہیں نکلنے والے تھے۔" چونک کر ان لوگوں کو باری باری دیکھا۔ "کیا اس ہوٹل سے نکلنے کا کوئی اور راستہ بھی ہے؟"

رئیس نے سوالیہ نظروں سے گرے کوٹ والے گارڈ کو دیکھا جو ہوٹل کی سیکورٹی میں سے تھا۔ اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں سر۔۔۔ دروازوں کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔" پیچھے کھڑا شیف خاموشی سے ان کو دیکھتا رہا۔

"کارا!" ہاشم شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتا دو قدم آگے آیا۔ "میں ابھی تک ایسے کرمنل سے نہیں ملا جو ایک عظیم الشان ہوٹل بنائے، اس کے تہ خانے میں اپنی ذاتی جیل رکھے اور پھر پولیس کے اچانک ریڈ سے بچنے کے لیے کوئی خفیہ راستہ نہ رکھے۔ مجھے بتاؤ۔ کوئی۔۔۔ اور۔۔۔ راستہ ہے یا نہیں؟"

"سر! آپ میرا یقین کریں، یہاں پہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ ہوتا تو میں آپ کو پہلے بتاتا۔ پہلے یہاں مین ہولز تھے، مگر بعد میں ان کے اوپر سرونٹس باتھ رومز بن گئے تو وہ بھی بند ہو گئے اور۔۔۔"

ہاشم نے پوری قوت سے اس کے جبڑے پہ مکا دے مارا۔۔۔ وہ پیچھے کو لڑھک گیا۔ دیوار کا سہارا لیا اور گرتے گرتے بچا۔

"ان کے پاس کمروں کے ماسٹر کی کارڈز ہیں، بے ہوش کرنے والی گیس ہے، اسلحہ ہے، ہوٹل کی وردی ہے، کوئی اندر سے ان کی مدد کر رہا ہے اور تمہارے جیسے گدھے کا خیال ہے کہ ان کے مددگار فرش کی چند اینٹیں اکھاڑ کر ان کے لیے مین ہول کھول کر نہیں رکھیں گے؟" وہ چیخا تھا۔ جس کے منہ پہ لگی تھی، وہ خون آلود منہ پہ ہاتھ رکھے سر جھکائے سیدھا اٹھ کھڑا ہوا۔

"کدھر ہیں مین ہولز؟ لے کر چلو مجھے ادھر۔۔۔" ایک دفعہ پھر گارڈز کی دوڑیں لگ گئی تھیں۔

باتھ روم زیادہ میں اسے مین ہول کی جگہ کا پتا لگانے کے لیے کسی راکٹ سائنس کی ضرورت نہیں تھی۔ کونے والا باتھ روم بند تھا اور اس کے اوپر "خراب ہے" کا سائن صاف نظر آ رہا تھا۔

"سر یہ کل سے لیک ہو رہا تھا، آج بھی ٹھیک نہیں ہو سکا۔۔۔" ہیڈ آف سیکورٹی اس کا دروازہ کھولنے لگا تو وہ اندر سے لاکڈ تھا۔ ہاشم نے اسے پرے دھکیلا اور بوٹ سے دروازے پہ ٹھوکر ماری۔ ایک، دو۔۔۔ اور دروازہ اڑتا ہوا دوسری طرف جا لگا۔

اندر فرش کے کونے میں اتنی جگہ اکھڑی ہوئی تھی کہ ایک آدمی نیچے اتر سکے۔ نیچے تیس فٹ کی گہرائی تھی اور اس کے نیچے لمبی سرنگ۔ ہاشم آگے آیا اور اس مین ہول کے دہانے پر کھڑے ہو کر، گردن جھکائے، اندر کو جھانکا۔ اوپر ایک ٹائل تلے ایک کاغذ رکھا تھا۔ ہاشم نے جھپٹ کر اسے اٹھایا اور چہرے کے قریب لایا۔

abit of a foxel upper!
'Everyones

وہ سعدی کی لکھائی لاکھوں میں پہچانتا تھا۔ غصے سے موڑ کر کاغذ پرے پھینکا۔ گارڈ اور رئیس باہر کو بھاگے تھے۔ کچھ لوگ اندر اتر رہے تھے۔ کچھ باہر سے اس کے دوسرے دہانے تک جا رہے تھے، مگر ہاشم کاردار جانتا تھا کہ وہ لوگ اب تک بہت دور جا چکے ہوں گے۔

☆ ☆ ☆

زہر کے پیالے کا گھونٹ گھونٹ پی لینا
آگ میں اتر جانا، سر کو آسمان رکھنا

کافی دیر پہلے جس وقت ہاشم کاردار سعدی سے فون

یہ اس کے ڈاکومنٹس لانے کی بات کررہا تھا‘اس سے کچھ دیر بعد وہ سڑک کے کنارے بنے اس مین ہول کے اوپر رکھی لوہے کی پلیٹ اٹھاکر باہر نکل رہے تھے۔ سونی کا ٹیمب وہ سروس باتھ روم تک جاتے ہوئے راستے میں ایک سیاح بچی کے بیک پیک میں گراکر آگے بڑھ گیا تھا۔

اندھیری سڑک پہ وہ تیزی سے باہر نکلے اور لوہے کی پلیٹ برابر کرکے اسی طرح آگے بڑھتے گئے۔ سڑک قریباً" سنسان تھی۔ عموماً" وہ پررونق ہوتی تھی‘مگر چونکہ یہ پراہرا کا روٹ نہیں تھا سو سارے لوگ گویا یہاں سے سمٹ کر ادھر جاچکے تھے۔ جو پھر رہے تھے‘ انہوں نے بیک پیک اور ٹارچز پکڑے وہ آدمیوں کو مین ہول سے نکلتے دیکھ کر ان کو صفائی یا پلمبنگ کا عملہ خیال کیا اور نظرانداز کیا۔

"ان کو تیس منٹ لگیں گے کم ازکم اس مین ہول کا پتا چلانے میں۔" خاور نے تیز تیز چلتے‘گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ سعدی خاموشی سے چلتا رہا۔ وہ اتنے دنوں۔۔۔ ہفتوں۔۔۔ مہینوں بعد۔۔۔ تازہ ہوا میں آیا تھا۔ سر اٹھاکر پورے چاند کو دیکھا جو سیاہ آسمان پہ دمک رہا تھا۔ پورا۔۔۔ ماہ کامل! اور اس کی چاندنی میں نیچے بہتے پراہرا کی موسیقی اور شور یہاں تک سنائی دے رہا تھا۔

ایک موڑ مڑکر خاور نے منہ میں انگلی ڈال کر سیٹی بجائی۔ تین دفعہ۔۔۔ فوراً" اسے ایک ٹک ٹک (سری لنکن رکشا) تیزی سے چلتا ان کے قریب آرکا۔ وہ دونوں جلدی سے اس میں بیٹھے اور ٹک ٹک سڑک پہ گویا اڑتا ہوا دور چلا گیا۔

"اور یقیناً" یہ ٹک ٹک ڈرائیور بھی تمہارا جاننے والا ہوگا؟" سعدی نے تیز ہوا کے شور میں اونچی آواز سے ساتھ بیٹھے خاور سے پوچھا۔

"میں نے اس شہر میں ہاشم کاردار کے لیے برسوں کام کیا ہے۔ کیا میرے چند وفادار کانٹیکٹس بھی نہیں ہوں گے یہاں؟" وہ بگڑ کر بولا۔

سعدی مسکرا کر رہ گیا۔ مگر وہ جانتا تھا‘ابھی وہ آزاد نہیں ہے۔ جب تک ہاشم کاردار کے آدمی اس مین ہول تک پہنچے‘وہ دونوں مفرور قیدی وہاں سے بہت دور جاچکے تھے۔

✡ ✡ ✡

اب یہ داغ بھی سورج بن کر چمکے گا
جس کو ہم نے دامن دل میں اتنی عمر چھپایا ہے

ہارون اور آبدار کے جانے کے بعد وہ دونوں اس ارادے سے اٹھے تھے کہ اب ہوٹل سے باہر نکلیں مگر باہر جانے کے بجائے لان میں چلے آئے اور قدم خود بخود پول کے قریب اٹھتے گئے۔ ندرت کا فون آیا تو فارس نے کہہ دیا کہ وہ دیر سے واپس آئیں گے۔

"تم واپس نہیں جانا چاہتے؟" اس کے ساتھ چلتے ہوئے زمر نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے‘سر جھکائے قدم اٹھا رہا تھا۔ کسی سوچ میں گم تھا۔

"کیا اپنی گرل فرینڈ کو مس کررہے ہو؟ اسے کال کرلو‘شاید کوئی بات رہ گئی ہو جو اس نے تم سے نہ پوچھی ہو۔" ہمدردی سے مشورہ دیا۔ فارس نے سنہری آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور ذرا سا مسکرایا۔

"تمہیں اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ معصوم سی لڑکی ہے۔ سادہ اور مذہبی سی۔ وہ مجھ میں بالکل بھی انٹرسٹڈ نہیں ہے۔" پول کے کنارے وہ دونوں آمنے سامنے آکھڑے ہوئے تھے اور تاریک رات میں چمکتا پورا چاند پول کے نیلے پانی پہ جھلملا رہا تھا اور پانیوں کی روشنی زمر کے چہرے پہ پڑ رہی تھی جو سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"نہ وہ معصوم ہے نا مذہبی۔ اس کا اسکارف ایرانی کلچر کا حصہ ہے یا اس کو اپنے بال نہیں پسند۔ مذہبی اسکارف ایسا نہیں ہوتا۔ مجھے تو وہ ایک بگڑی بچی کے سوا کچھ نہیں لگی۔ خیر وہ اتنی اہم نہیں ہے کہ ہم اس کو ڈسکس کریں۔ تم بتاؤ گھر کیوں نہیں جانا چاہتے؟" سینے پہ بازو لپیٹے وہ پوچھ رہی تھی۔ گھوگھریالے

بھورے بال سمیٹ کر چہرے کے بائیں طرف ڈال رکھے تھے اور بھوری کلائی میں مرجن آنکھیں سکیٹر کراس پہ جمار کھی تھیں۔ ناک میں پڑی سونے کی بالی ماہ کامل کی چاندنی میں دمک رہی تھی۔

"مجھے ڈپریشن ہو گا' زمر! میرے لیے پہلی رات ہمیشہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ تھانے کی پہلی رات' جیل کی پہلی رات' دوبارہ گرفتاری پہ جیل کی پہلی رات اور اب۔۔۔" سر جھکائے جوتے کی نوک سے گھاس کو مسلتے وہ کہہ رہا تھا۔ "وہ گھر میرے لیے بہت اہمیت کا حامل تھا۔ مجھے بہت پیارا تھا۔ اس کو بیچ کر میں خوش نہیں ہوں۔"

"اب کیا کرو گے؟ جاب کب ڈھونڈو گے؟" وہ فکر مند تھی۔ وہ باپ بیٹی ذہن سے محو ہونے لگے۔

"مل جائے گی جاب۔ نہیں تو پیسے ہیں میرے پاس۔ چھوٹا موٹا کاروبار تو کر ہی سکتا ہوں۔" کندھے جھٹک کر لاپروائی سے بولا۔

"ندرت بھابھی چاہتی ہیں کہ تم ریسٹورنٹ میں ان کے ساتھ شراکت داری کر لو۔ یا اوپر والے پورشن میں کچھ بنوالو۔"

اس نے استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا۔ "وہاں سارے رشتے دار آتے ہیں ہمارے' میں ان سے ملنا نہیں چاہتا۔"

"فارس تم بے گناہ ہو' عدالت نے تمہیں بری کیا ہے' تو کیوں بھاگتے ہو اپنے رشتے داروں سے؟"

"زمر بی بی! لوگوں کو اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ یہ آدمی بے گناہ تھا یا گناہ گار۔۔۔ جیلوں میں جانے والے نوے فی صد لوگ مجرم ہوتے ہیں مگر لوگ سمجھتے ہیں سب مجرم ہیں۔ جن نظروں سے میرے رشتے دار مجھے دیکھتے ہیں' میرے قریب آنے پہ میرے بارے میں سرگوشیاں کرتے ہیں' ان پہ خون جلانے کے لیے میرے پاس نہ وقت ہے نہ توانائی۔" کہتے ہوئے وہ آگے بڑھا اور پول کے کنارے بیٹھ گیا۔ زمر بھی گہری سانس لے کر ساتھ آ بیٹھی۔ ڈنر کے دوران کی گئی جیل کی باتوں نے اسے ڈسٹرب کر دیا تھا۔

"میں چاہوں بھی تو تیرے قتل کے الزام سے کبھی پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ میں کبھی بھی نارمل نہیں ہو سکتا۔" وہ سنجیدگی سے سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

"مگر میں ہونا چاہتی ہوں۔" وہ گھٹنوں پہ ٹھوڑی ٹکائے' پورے چاند کو پانی میں تیرتے دیکھ کر گویا خود سے بولی تھی۔ "میں بھی اس برف کو پگھلانا چاہتی ہوں۔ مگر مجھے نہیں پتا میں کیا کروں۔ تمہارے بارے میں سوچوں یا نہیں؟"

فارس نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ اداس نظر آ رہی تھی۔

"تمہارا اور میرا ایک ساتھ کوئی مستقبل نہیں ہے۔ اس رات جو میں نے اس ریسٹورنٹ میں کہا تھا' میں اس کے لیے شرمندہ ہوں' مگر وہ سچ تھا۔ جلد یا بدیر ہم الگ ہو جائیں گے۔" مگر زمر نے اس دفعہ برا نہیں مانا۔ وہ نارمل رہی۔

"تو پھر کب دے رہے ہو تم مجھے طلاق؟" پول میں جیسے چاند سے کوئی چیز آن گری تھی۔ کچھ چٹخنے کی آواز سی آئی۔

"طلاق' الگ ہونے کا واحد راستہ نہیں ہوتی۔ گو کہ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی عناد نہیں ہے۔ صرف محبت ہے۔ عزت ہے۔ مگر میں ایک Cursed (منحوس) آدمی ہوں۔ میرے ساتھ بہت سے مسئلے ہیں۔ میرے دشمن ہیں۔ میری دشمنیاں ہیں۔ میں بہت جلد خود کو تم سے الگ کر لوں گا' تاکہ میری curse (نحوست) تمہیں مزید نقصان نہ دے۔ پہلے ہی تمہارا بہت نقصان ہو چکا ہے۔"

"وہ میری قسمت تھی' فارس!" زندگی میں پہلی دفعہ اس نے تسلیم کیا۔

"وہ میرا قصور تھا۔ میں خود سے وابستہ کسی عورت کی حفاظت نہیں کر سکتا۔" وہ پول کے پانی کو دیکھتے ہوئے یاسیت سے کہہ رہا تھا۔

"مگر۔۔۔" اس نے گہری سانس لی۔ "جب تک ہم ساتھ ہیں' ہم خوش تو رہ سکتے ہیں نا' زمر! ایک اچھے کپل کی طرح اور۔۔۔" زمر سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تھا جب فارس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے ایک نظر دیکھا۔ "آپا کالنگ۔" اس نے کال کاٹ کر فون آف کر دیا۔

"ہماری کریزی فیملی ہمیں خوش نہیں رہنے دے گی۔" وہ جل کر بولا تھا۔ "جب بتا دیا ہے کہ ہم نہیں آ رہے ہم گھر تو بار بار کال کر کے بلائیں گے کہ بھنڈی گوشت بنا ہے' آ کر کھالو۔" وہ ایک دم زور سے ہنسی۔ دفعتاً" اس کا اپنا موبائل بھی تھرتھرانے لگا۔ زمر نے ہنسی روک کر اسکرین فارس کے سامنے لہرائی۔

"حنین کالنگ۔" اور کال کاٹ دی۔ وہ سلسلۂ کلام جوڑنے ہی لگا تھا کہ گھر کے پی ٹی سی ایل سے کال آنے لگی۔ اسے یاد تھا کہ نئے گھر میں صبح ہی حنہ نے فون کے تار وغیرہ جوڑ دیے تھے۔ وہ پھر سے کال کاٹ کر فارس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تم کیا کہہ رہے تھے؟" انجان بن کر پوچھا۔ بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ کر وہ بیٹھی تھی اور سیل ابھی تک ہاتھ میں تھا۔

"یہی کہ کل کی کل دیکھیں گے۔ کیا پتا ہم کبھی الگ نہ ہوں۔ کیا پتا سب ٹھیک ہو جائے۔ تو پھر۔۔۔" بیٹھے بیٹھے وہ اس کی طرف گھوما اور نرمی سے مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ "زمر یوسف خان! کیا تم فارس غازی کی بیوی کی حیثیت سے ایک نارمل زندگی گزارنا چاہو گی؟"

زمر نے بے اختیار امڈ کر آتی مسکراہٹ دبائی۔

"پہلے مجھے آپ کہو۔"

فارس نے سر کو اثبات میں خم دیا' اور ذرا سا کھنکھارا۔ "زمر یوسف خان۔۔۔" اس کی آنکھوں میں دیکھ کر آہستہ آہستہ سے دہرایا۔ "کیا تم فارس غازی کی بیوی کی حیثیت سے زندگی گزارنا چاہو گی؟"

اور فارس غازی کو کون کسی بات کے لیے مجبور کر سکتا تھا؟ ہاں' صرف وہی مجبور کر دیتا تھا۔

زمر نے گہری سانس اندر کو کھینچی۔ "نمبر ایک' میں تمہاری ریسٹورنٹ والی کوئی بات نہیں بھولی' نمبر دو۔۔۔"

"میں تمہارے چودہ نکات سن چکا ہوں' اب تم۔۔۔"

فون ایک دفعہ پھر زوں زوں کرنے لگا۔ غیر شناسا نمبر تھا۔ فارس کے ابرو تنے۔

"مجھے سننے دو' کوئی ضروری کال نہ ہو۔" اس نے موبائل فون کان سے لگایا۔ "ہیلو؟" فارس غور سے اس کے تاثرات دیکھنے لگا۔

"کون؟ حسینہ؟ اچھا یہ تمہارا نمبر ہے۔" اور اس سے زیادہ فارس غازی کے لیے برداشت کرنا مشکل تھا۔ فون زمر کے کان سے نوچا اور اپنے کان سے لگایا۔

"حسینہ! تم اسی وقت اپنی نوکری سے فارغ ہو۔ سامان سمیٹو' اور اپنی شکل گم کرو۔ میرے واپس آنے تک اگر تم مجھے نظر آئیں تو اچھا نہیں ہو گا۔" غصیلے اور اکھڑ لہجے میں ڈپٹ کر اس نے فون بند کیا۔

"سائیلنٹ کر رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں اس وقت تم صرف مجھے سنو۔" موبائل اس نے اپنی جیب میں ڈال لیا۔ (زمر سمجھی اس نے واقعی سائیلنٹ کیا ہے' مگر اس نے خاموشی سے فون آف کر دیا تھا۔)

"کیا سنوں؟" وہ ٹھوڑی گھٹنے پہ رکھے دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی۔ نیلے پول کے اوپر جھلملاتی چاندنی منعکس ہو کر فارس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ ارد گرد ٹہلتے لوگوں سے بے نیاز' وہ بس اسی کو دیکھے گئی۔ سوئیٹر کی آستینیں ذرا پیچھے چڑھائے' منہ میں کچھ چباتے ہوئے وہ پانی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے سوال پہ سنہری آنکھوں کا رخ اس کی طرف موڑا۔

"مجھے نوٹس ملے تھے۔"

"سوری؟"

"تمہاری کلاس میں جو نوٹس تم نے کاپی کروا کر دیے تھے' وہ مجھے ملے تھے۔ میں نے پھینک دیے تھے۔ مجھے تم سے ریمیڈیل کلاس لینے کا بہانہ درکار تھا۔"

زمر کے ابرو استعجاب سے اٹھے۔ چہرہ گھٹنے سے اٹھا

لیا۔ "تمہیں وہ سب لیکچرز' وہ ٹاپکس سمجھ میں آتے تھے؟ پھر میں کیوں گھنٹوں گھنٹہ تمہارے ساتھ سر کھپاتی تھی؟" وہ برا نہیں مانی تھی۔ اسے دھچکا سا لگا تھا۔ اس نے فارس غازی کو کبھی ذہین نہیں سمجھا تھا اور اس کی بڑی وجہ وہ ٹیوشن تھی جو وہ اسے دیتی تھی۔ ایک ہی ٹاپک بار بار اس کو پڑھانا پڑتا تھا۔

"مجھے ہر چیز سمجھ میں آتی تھی زمر بی بی! صرف آپ نہیں سمجھتی تھیں۔" اب کے وہ مسکرایا تھا۔ وہ خفا سی چپ ہو رہی۔

"اور وہ لڑکا جمشید... جس کو آپ میرے ساتھ ٹاپک سمجھانے لے آئی تھیں لائبریری... بہت برا لگا مجھے۔ اس کا سیل فون میں نے غائب کیا تھا اور اس کو ڈھونڈنے وہ بے چارہ اٹھ کر گیا تھا۔ مگر آپ سمجھیں' وہ لاپروا ہے' اس لیے دوبارہ آپ نے اس کو نہیں پڑھایا۔"

"تم ہمیشہ سے ایک دو نمبری انسان تھے۔"

"اور وہ بندہ جو آپ کو ہراساں کر رہا تھا... اور آپ میرے پاس آئی تھیں۔" وہ محظوظ سا اسے بتا رہا تھا۔

"اور میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ اس سے بات کروں گا۔ جانتی ہیں میں نے کیا کیا؟"

"جانتی ہوں۔" سابقہ ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر نے چہرہ آگے جھکا کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ فارس بالکل ٹھہر گیا۔

"تم اسے اپنے کسی ٹارچر سیل لے کر گئے اور اسے مارا پیٹا۔ ہے نا؟"

وہ لمحے بھر کے لیے لاجواب ہوا۔ "اس نے آپ سے کچھ کہا تھا بعد میں؟"

"فارس... تمہارے پاس کیوں آئی تھی میں؟ اگر اس سے صرف بات کرنی ہوتی تو میں خود کر لیتی۔ مجھ سے بہتر manipulative talk (جوڑ توڑ والی گفتگو) کون کر سکتا ہے بھلا؟ تم سے اس لیے کہا تھا کیونکہ تمہاری جاب... اور تمہاری شہرت کہتی تھی کہ تم اس کی طبیعت اس طریقے سے صاف کر دو گے جس طریقے سے میں کروانا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی تھی کہ تم اس کو مارو۔ وہ باتوں کا بھوت نہیں تھا۔" اور ابرو اٹھا کر فاتحانہ تائید چاہی۔ وہ چند ثانیے چپ رہا۔ پھر سر جھٹکا۔

"تم میں اور مسز کاردار میں کبھی کبھی مجھے زیادہ فرق نہیں لگتا۔" پھر جیسے کچھ پوچھنا چاہا مگر ارادہ بدل دیا۔ "کم از کم آج کی رات نہیں۔"

"اور بتاؤ۔ اور کیا کچھ کر چکے ہو تم میرے علم میں لائے بغیر؟" مسکرا کر پوچھنے لگی۔ فارس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔

"پہلے چل کر کھانا کھاتے ہیں۔ ہارون عبید کا حرام کا مال تھوڑا بہت زہر مار کیا تھا۔" اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"ویسے بھی ہمارے پاس ابھی بہت وقت ہے۔ کم از کم آج کی رات، ہم واپس نہیں جا رہے۔ یہیں رہتے ہیں۔"

"اتنے مہنگے ہوٹل میں؟" اس نے گردن اٹھا کر استعجاب سے اسے دیکھا۔

"روز روز تھوڑا ہی کرتا ہوں آپ پہ اتنا خرچا؟" مسکرا کر اس نے ہاتھ بڑھایا۔ اور پھیلنے والے انکار نہیں کیا کرتے۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب پول کے کنارے وہ دونوں ایک دوسرے کے مد مقابل کھڑے تھے۔ ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے۔

"تم ہمیشہ میرے سامنے ایک مختلف روپ میں آتے ہو۔ پہلے تم میرے رشتے دار تھے۔ پھر اسٹوڈنٹ بنے۔ پھر میرے مجرم۔ پھر ایک کاغذی انتقامی رشتے کا ایک پرزہ۔ پھر سعدی کے لیے میرے پارٹنر بنے۔ پھر ایک بے گناہ انسان کی حیثیت سے میرے سامنے کھلے۔ پھر میرے کلائنٹ بنے۔ اب شوہر بن جاؤ گے۔ پتا نہیں پھر کس روپ میں سامنے آؤ گے؟ کیا ابھی بھی کچھ ایسا ہے جو میں نہیں جانتی تمہارے بارے میں؟"

"ہاں۔ یہی کہ تمہارے کلائنٹ کا تمہاری فیس ادا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے" وہ اس سوال سے بچتا تھا سو مسکراہٹ دبا کر بولا تو وہ ہنس دی' پھر مصنوعی خفگی سے بولی۔

"نمبر ایک' اب مجھے اس بات سے فرق نہیں پڑتا

کہ تم اور میں مستقبل میں ساتھ رہیں گے یا نہیں، میں مزید کوئی پلاننگ کیے بغیر، نفع نقصان سوچے بغیر اس شادی کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ مگر نمبر دو، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی فیلنگز ہیں، کیونکہ نمبر تین، میں تمہاری ریسٹورنٹ والی کوئی بات نہیں بھولی اور نمبر چار، ابھی تک ..." اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اعتماد سے بولی۔ "آئی ہیٹ یو۔"

وہ مسکرا کر اس کی طرف جھکا۔ "آئی ہیٹ یو ٹو۔"

اور اس نے بہت وقت سے مسکراہٹ لبوں پہ روکی تھی۔ چاندنی میں نہائے جھلملاتے پانی کے ساتھ سبزہ زار پہ وہ دونوں ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے اور اولف صحیح کہتا تھا۔ کچھ لوگ واقعی اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے لیے پگھلا جائے۔

✡ ✡ ✡

کھانے کے بعد حنین اپنے کمرے میں آئی تو اس نے فوراً" سے پہلے میمونہ کو کال ملائی۔ میمونہ اس سے دو سال سینئر تھی۔ کالج میں دونوں ساتھ تھیں۔ کسی کام کے سلسلے میں تعارف ہوا اور پھر دوستی ہو گئی۔ وہ حافظ قرآن تھی اور شادی شدہ تھی۔ ایک بیٹا بھی تھا۔

"میمونہ باجی! آپ میری نماز کی نگہبان بنیں گی کچھ دن کے لیے؟" مہذب انداز میں مدعا بیان کر کے اس نے پوچھا۔

"حنین، دیکھو میں اول تو کسی کی ذمہ داری لیتی نہیں لیکن اگر لوں تو اسے آخری سانس تک نبھاتی ہوں۔ میں ہر روز فجر کی اذان کے پینتالیس منٹ بعد تمہیں کال کر کے پوچھوں گی کہ تم نے نماز پڑھی یا نہیں اور روز رات کو تمہیں مجھے ٹیکسٹ کر کے بتانا ہو گا کہ آج تم نے پانچ میں سے کتنی نمازیں پڑھی ہیں۔ جس دن تم کوتاہی کرو گی، میں تم سے وضاحت مانگوں گی اور مجھے امید ہے کہ تم خود کو اور مجھے شرمندہ نہیں کرو گی۔"

میمونہ سے ویسے ہی ایک ریزروڈ سا رشتہ تھا اب تو مزید لحاظ آ گیا۔ وہ جلدی سے بولی۔ "ان شاء اللہ میں صبح اٹھ جاؤں گی۔"

اور زندگی میں پہلی دفعہ حنین یوسف کی سمجھ میں آیا تھا کہ بچے کو نماز پڑھانے کے لیے ماں باپ کو ان پہ سختی کیوں کرنی چاہیے۔ عادتیں ڈالنے کے لیے سختی کرنی پڑتی ہے۔ اس نے فون بند کر کے اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔

"اللہ تعالیٰ ہمیشہ میں نے الارم کلاک پہ بھروسا کیا ہے مگر آج نہیں۔ کل صبح آپ مجھے اٹھائیں گے۔ مجھے نہیں پتا کیسے، یہ میرا مسئلہ نہیں ہے، لیکن آپ مجھے اٹھائیں گے۔ ہر حال میں۔"

✡ ✡ ✡

برا نہ مان ... مرے حرف زہر سہی
میں کیا کروں کہ یہی ذائقہ زبان کا ہے

کولمبو کی اس برف رات میں تیزی سے بھاگتا ٹک ٹک ایک جگہ رکا۔ وہ دونوں بنا کچھ کہے اترے اور پھر جہاں خاور چلتا گیا، وہ اس کے ساتھ کھنچا چلا آیا۔ سڑک پار کرتے ہوئے وہ دفعتاً" رکا۔ سر کو جھٹکا۔ گلے پہ ہاتھ رکھا۔ خاور نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

"یونہی ... منہ کا ذائقہ عجیب سا ہو رہا ہے۔ شاید گلا خراب ہے۔" الجھن سے سر جھٹکتا وہ آگے بڑھ گیا۔ سڑک کے کنارے سے انہوں نے ایک اور ٹک ٹک روکا اور یوں، تقریباً" تین سواریاں بدل کر وہ دونوں اس اپارٹمنٹ بلڈنگ کے سامنے رکے۔ اندر سیڑھیاں چڑھتے سعدی نے پوچھا تھا۔ "تو اس عمارت میں ہے تمہارا خفیہ فلیٹ جس کے بارے میں کاردارز نہیں جانتے؟"

"میرے پاس ایسی کئی خفیہ جگہیں ہیں۔" وہ ماتھے پہ بل لیے کھردرے لہجے میں بتاتا زینے چڑھتا گیا۔

فلیٹ معمولی اور سستا سا تھا۔ سعدی گردن ادھر ادھر گھماتا، طائرانہ نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ بیگ صوفے پہ دھرا۔ خاور سیدھا اندرونی کمرے میں چلا گیا۔ سعدی چوکھٹ پہ آیا تو دیکھا۔

خاور کارپٹ ہٹا کر نیچے زمین پہ جھکا ہوا تھا' اور فرش کے اندر بنے ٹریپ ڈور سے ایک باکس نکال رہا تھا۔ سعدی آگے آیا۔ وہ ایک دھاتی باکس تھا۔ (ایسے باکس کو Go باکس کہتے ہیں۔) اس میں خاور کے نام کے تین پاسپورٹ تھے' پستول تھا' اور نوٹوں کی گڈیاں تھیں۔ ایمرجنسی میں بھاگتے وقت کا سارا سامان گو باکس میں موجود تھا۔

"اب ہمارے پاس پیسے بھی ہیں اور پلان بھی۔ اب سعدی' ہمیں فیز ٹو پہ عمل کرنا ہے۔" وہ نوٹ نکال نکال کر باہر رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"یعنی کہ ہم نے تمہارا نام کلیئر کروانا ہے' ہاشم کے سامنے تمہیں بے گناہ ثابت کرنا ہے' جانتا ہوں۔" وہ کندھے اچکا کر مڑا' پھر دروازے کی چوکھٹ پکڑ کر رکا' ہلکا سا دُہرا ہوا۔ خاور نے پھر سے چونک کر اسے دیکھا۔ "مسئلہ کیا ہے؟"

"میں ٹھیک ہوں' شاید کچھ غلط کھا لیا تھا۔" وہ سر کو پھر سے نفی میں جھٹکتا باہر لاؤنج میں چلا گیا۔ ذرا دیر گزری تو خاور کو اس کے کھانسنے کی آواز آئی۔ وہ تیزی سے اٹھا اور باہر کو لپکا۔

کچن سنک پہ جھکا وہ کراہتا ہوا قے کر رہا تھا۔

"کیا کھایا تھا تم نے؟" خاور تشویش سے کہتا اس کے سر پہ آپہنچا۔ وہ دہرا ہوا' نڈھال سا چہرہ جھکائے' مزید قے کے لیے منہ کھولے ہوئے تھا۔ نقاہت سے کراہ بھی رہا تھا۔

"میری نے۔۔۔ شاید کھانے میں کچھ ملایا تھا۔"

"ٹھہرو! شاید کوئی دوا رکھی ہو' تمہاری جان میرے لیے بہت قیمتی ہے۔" کہہ کر وہ دوسری طرف لپکا اور کیبنٹ کھولی۔ دفعتاً" خاور ٹھہرا۔ "مگر۔۔۔ ایک منٹ۔۔۔ ہم نے تو اس کھانے کو چکھا ہی نہیں تھا۔" وہ چونک کر پلٹنے لگا تھا کہ۔۔۔

اس کے سر کی پشت پہ زور سے کوئی بھاری چیز آکر لگی۔ خاور بے اختیار آگے کو لڑھکا' مگر پھر ہاتھ سلیب پہ رکھے' سنبھلنا چاہا' لیکن سعدی نے پیچھے سے اس کی گردن دبوچی اور مخصوص رگ کو دبا تا گیا۔ خاور نے پوری قوت سے مزاحمت کرنی چاہی' ہاتھ پیر مارے۔ سلیب سے شیشے کے گلاس گر کر ٹوٹ گئے' اس کی مزاحمت دم توڑتی گئی اور گردن ڈھلک گئی۔

"آف کورس! ہم نے وہ کھانا نہیں کھایا تھا۔" اس کو کندھے سے تھامے زمین پہ احتیاط سے لٹاتے ہوئے' ہشاش بشاش سا سعدی بولا تھا۔

"تمہیں بروقت یاد آگیا' مگر بہت سی باتیں تم بھول گئے کرنل خاور۔" اس کے سر پہ کھڑے' وہ پُرتپش نگاہوں سے اس کے بے ہوش وجود کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ "یہی کہ اپنے دشمن کو درخت پہ چڑھنا نہیں سکھاتے۔ تم اور میں دشمن تھے' ہیں اور رہیں گے۔ تم نے میرے وعدے پہ اعتبار کیا۔ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں وہ سچا' ایمان دار سعدی یوسف نہیں رہا جو وعدے سے نہیں پھرے گا۔ گارڈ کی موت کے ساتھ وہ کھو گیا ہے۔ تمہارا نام کلیئر کروانے کا ارادہ نہ میرا کل تھا نہ آج ہے۔ میں نے تمہیں صرف استعمال کیا ہے کیونکہ صرف تم اس جیل کو توڑنے میں میری مدد کر سکتے تھے۔ اور وہ تم نے کر دی۔ تھینکس' بٹ نو تھینکس۔"

کہہ کر وہ اندرونی کمرے کی طرف چلا گیا۔ اور جب باہر آیا تو کندھے پہ بیگ میں خاور کی تمام رقم اور اسلحہ رکھا تھا۔ اس کا ایک پاسپورٹ بھی وہ لے آیا تھا۔ باقی چھوڑ آیا تھا۔ ایک نظر اس نے کچن میں بے سدھ گرے خاور پہ ڈالی' اور پھر وہ پی کیپ اٹھائی جو کارنس پہ دھری تھی' اور اسے پہنتے ہوئے وہ باہر نکل گیا۔

دروازہ باہر سے بند کرنا وہ بالکل نہیں بھولا تھا۔ تیزی سے زینے اتر کر وہ عمارت سے باہر نکل آیا۔ اور اب' پورے چاند کی اس یخ بستہ رات میں' اندھیری سڑک پہ اپنا پی کیپ والا سر جھکائے' جیبوں میں ہاتھ ڈالے' کندھے پہ بیگ لٹکائے' وہ دور چلتا جا رہا تھا۔

بالآخر اب وہ آزاد تھا۔

☆ ☆ ☆

زخم جتنے بھی تھے سب منسوب قاتل سے ہوئے

تیرے ہاتھوں کے نشاں اے چارہ گر دیکھے گا کون؟

ہوٹل کے شاہانہ سوئیٹ میں بیڈ پہ سونی، کمبل میں دبکی بے خبر سو رہی تھی، اور وہ بھی سونی کی طرح مطمئن سا ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا جواہرات کو دیکھ رہا تھا جو بے چینی سے ادھر اُدھر چکر کاٹ رہی تھی۔ جب تک وہ ان کا پیچھا کر سکتا تھا اس نے کیا، لیکن جب یہ یقین ہو گیا کہ وہ ان کی پہنچ سے نکل چکے ہیں تو ہاشم اطمینان سے اس صوفے پہ آکر بیٹھ گیا تھا۔

"اب کیا ہو گا ہاشم؟ وہ دونوں نکل گئے۔"

"سعدی کی تصویر سے ملتا جلتا اسکیچ، اور خاور کی اصلی تصویر پولیس کو دے دی ہے۔ اور ان مسنگ لوگوں کی تلاش شروع کر چکی ہے۔ ہمارے آدمی بھی لگے ہیں۔ جیل کو ہم نے صاف کر کے اس میں فالتو سامان بھر دیا ہے، اور اب وہ بیسمنٹ اسٹور سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اگر ہم ان کو نہ بھی پکڑ سکے، تب بھی کوئی ثبوت نہیں ہے کہ سعدی کو ہم نے قید کر کے رکھا تھا۔"

"ثبوت!" اس نے بے یقینی سے ہاشم کو دیکھا۔ "ثبوت کی پروا کسے ہے؟ سعدی چھوٹتے کے ساتھ ہی گھر کال کرے گا اور سب کو بتا دے گا۔"

"ان کے تمام نمبرز ہم ٹیپ کر رہے ہیں، سری لنکا سے آنے والی کال پکڑی جائے گی۔ ہمیں علم ہو جائے گا۔"

"وہ ای میل کر سکتا ہے، اور چلو کال تم پکڑ بھی لو تو وہ تو ان کو سب بتا چکا ہو گا۔ اتنا عرصہ اس کو اس لیے قید میں رکھا تھا کہ وہ ہمارے راز نہ کھولے، اور اب...." وہ شدید پریشان تھی۔ ہاشم نے اچنبھے سے ابرو اٹھائی۔

"آپ کے خیال میں اسے اتنا عرصہ اس لیے مقید رکھا کیونکہ میں اس کے منہ کھولنے سے ڈرتا تھا؟ میں .... "اپنے" .... لیے ڈرتا تھا؟"

"ظاہر ہے، ہمیں ہی نقصان ہو گا اس کا منہ کھلنے سے۔"

"ممی، اگر میں اس سے ڈرتا ہوتا تو شیرو کے بجائے میں نے اس کو گولیاں ماری ہوتیں، مگر میں نے تب بھی بار بار شیرو سے کہا تھا کہ میں سعدی کو سنبھال لوں گا۔ ممی! اس کے منہ کھولنے میں ہمارا کوئی نقصان نہیں ہے۔" صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے، وہ مطمئن سا بیٹھا تھا۔

"تو پھر؟ ہم نے کیوں اسے اتنا عرصہ خاموش کرائے رکھا؟"

"کیونکہ بول کر وہ اپنی فیملی کو خطرے میں ڈالے گا۔ مجھے اس کی فیملی کی فکر تھی۔ میں نہیں چاہتا کہ ان لوگوں کے ساتھ مزید کچھ برا ہو۔ لیکن اگر وہ بولے گا تو ظاہر ہے مجھے ان سب کو "فکس" کرنا پڑے گا۔ جتنے لوگوں کو بتائے گا، اتنے لوگ ہمارے نشانے پہ آجائیں گے۔ "ہمیں" کوئی نقصان نہیں ہو سکتا ممی۔" وہ اس وقت Vulnerable ہے۔"

جواہرات بالکل ساکت سی ہو کر اسے دیکھے گئی۔

"ایک قاتل ہونے کی حیثیت سے تمہیں یہ ڈر نہیں ہے کہ اگر وہ تمہارے قتل کے راز کھول دے تو تم دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے؟" اس کی آواز میں اس کا اپنا اندرونی ڈر غالب تھا۔

"ممی....!" اس نے حیرت بھری مسکراہٹ سے ماں کو دیکھا۔ "وہ مجھ پہ الزام لگائے گا تو کیا دنیا اس پہ یقین کر لے گی؟

"It would be his word against mine!"

وہ کون ہے؟ جج کو بلیک میل کرنے والا، ایک گارڈ کو قتل کرنے والا، اور اس کے اپنے مبینہ قاتل نے اس کے بارے میں اعتراف جرم میں کہا تھا کہ وہ منشیات کی خرید و فروخت میں ملوث تھا۔ ایسے شخص کی کیا کریڈیبلٹی ہوتی ہے؟ اور میں کیا ہوں؟ شہر کے باثر وکلاء میں سے ایک .... آئل لابی کا کنٹرولر .... Philanthropist .... جس کو کبھی کسی کرمنل کیس میں مطلوب نہیں قرار دیا گیا.... میں وائٹ کالر، باعزت آدمی ہوں، میری ایک کریڈیبلٹی ہے۔ میرے مقابلے پہ اس کی بات کا کون یقین کرے گا؟ فرق اس سے نہیں پڑتا کہ کیا کہا جا رہا ہے، فرق اس سے پڑتا ہے

کہ کون کہہ رہا ہے۔" کوٹ سے نادیدہ گرد جھاڑتے ہوئے اس نے بے نیازی سے کہا تھا۔ جواہرات ڈھیرے سے کرسی پہ بیٹھی۔ اس کا دماغ ہنوز سُن تھا۔
"فرق اس سے نہیں پڑتا کہ آپ کے کون سے راز کس کے پاس ہیں۔ فرق اس سے پڑتا ہے کہ آپ کے محرم راز کی کریڈیبلٹی کیا ہے۔" وہ خود سے بولی تھی۔ ایک سکون سا تھا جو اس کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لیتا گیا۔
"لیکن اس کی فیملی تو اس کا یقین کرے گی' ہاشم! پھر کیا ہوگا؟"
"پھر؟" وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھا اور سنجیدگی سے ماں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "پھر ہاشم سب سنبھال لے گا۔" اور ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ جواہرات بھی اپنے کمرے میں جانے کے لیے اٹھ گئی۔ ایک طویل' سرد اور سنسنی خیز رات اپنے اختتام کو پہنچی تھی۔

☆ ☆ ☆

صرف احساس ندامت' اک سجدہ اور چشم تر
اے خدا کتنا آسان ہے منانا تجھ کو

اگلی فجر پہ دھند غائب تھی۔ بالکل ندارد۔ ہمسفر بادل بھی عنقا تھے اور آسمان بالکل صاف تھا۔ ابھی فجر میں چند ساعتیں باقی تھیں۔ ایسے میں نئے گھر میں حنین رضائی میں لپٹی' آنکھیں موندے بے خبر سو رہی تھی۔ ماتھے پہ کٹے بال بکھرے تھے اور باقی تکیے پر پھیلے تھے۔ ایک مینڈک کی ہیئت کی مخلوق اس کے کندھے پہ چپکے سے آبیٹھی اور اس نے اپنی لمبی سونڈ کے ذریعے حنہ کے دل کو پکڑا' اور پھر اس پہ گرہ لگائی۔ ایک' دو' تین۔ حنہ بے خبر سوتی رہی۔ ساری دنیا سوتی رہی۔
"اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے۔ اٹھو اور خبردار کرو۔"
دفعتاً" ایک جھٹکے سے حنہ کی آنکھیں کھلیں۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر آس پاس ہاتھ مارا۔ موبائل اٹھا کر روشن کیا۔ کیا وہ الارم سے اٹھی تھی؟

پانچ الارم لگائے تھے اس نے مگر۔ پہلے الارم کے بجنے میں ابھی چار منٹ رہتے تھے۔ پھر وہ کس چیز سے اٹھی؟ اذان کی آواز سے؟ مگر اذان میں ابھی دس منٹ تھے۔ پہلی اذان تو ابھی ہوئی ہی نہیں تھی۔
"اور اپنے رب کی ہی بڑائی بیان کرو۔"
حنین سُن رہ گئی۔ کوئی آواز اس کو سنائی دی تھی۔ بھولی ہوئی سورۃ المدثر جو اس کو جاگتے میں بھی یاد نہ آئی' آج سوتے میں یاد آئی تھی۔ وہ مخلوق بھی خاموشی سے اس کے دل کو جکڑے بیٹھی رہی۔
"سب تعریف اس اللہ کی جس نے ہمیں مار دینے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا۔ اور اسی کی طرف ہم نے پلٹنا ہے۔" وہ اللہ کا نام لیتے ہوئے ایک دم اٹھ بیٹھی۔ دل کو باندھے ہوئے تین گرہوں میں سے ایک چھناکے سے ٹوٹی۔
حنہ کچھ دیر وہیں بیٹھی رہی۔ وہ کیسے اٹھ گئی؟ آج آنکھیں کھولتے اسے موت کیوں نہیں پڑی؟ احساس ذمہ داری تھا یا کیا؟
"اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھو اور ہر قسم کی گندگی سے اپنے آپ کو دور رکھو۔"
وہ سر جھٹک کر بستر سے نکلی اور جب وہ سنک کے اوپر کھڑی ٹونٹی کھول کر وضو کرنے لگی تو دل پہ دوسری گرہ بھی جھٹکے سے ٹوٹ گئی۔ آدھی بھیگ کر وہ باہر نکلی اور جائے نماز اٹھانے لگی۔ پھر رکی۔ اوں! جلدی سے الماری کی طرف بڑھی۔ اس دن درزی سے دو نئے سردیوں کے جوڑے سل کر آئے تھے۔ اب وہ ان لوگوں میں سے نہیں رہی تھی جو نیا جوڑا "کسی کے گھر جاتے ہوئے پہلی دفعہ پہنیں گے" کہہ کر الماری میں سنبھال کر رکھ لیتے ہیں۔ نیا جوڑا سب سے پہلے نماز میں پہننا ہوتا ہے۔ اس نے بال برش کیے' چوٹی گوندھی۔ نیا لباس پہنا۔ سلیقے سے دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹا۔ اور جائے نماز پہ آکھڑی ہوئی۔ اللہ اکبر کہہ کر جیسے ہی رفع یدین کیا' دل پہ لگی تیسری گرہ بھی ٹوٹ گئی۔ مگر وہ مخلوق ہار ماننے کو تیار نہ تھی۔ وہ اس کے کان میں بولنے لگی۔ اس کو پچھلے دن کے کام یاد

کروانے لگی۔ ذہن میں شک ڈالا کہ یہ دوسری رکعت ہے یا پہلی؟ اس میں بیٹھنا ہے یا نہیں بیٹھنا؟ پھر ہاشم کا چہرہ دکھانے لگی مگر اسے علاج مل چکا تھا۔

اعوذ پڑھی لوگ آزماتے نہیں ورنہ اس سے بڑی دوا کیا ہوگی کوئی؟ اعوذ باللہ معجزے کر دیتا ہے۔

باقی کی نماز سکون سے پڑھی گئی۔

سلام پھیر کر جب اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا مانگے۔ دل میں کوئی عجیب سی خوشی بھری تھی۔ بار بار ادھر ادھر دیکھتی۔ وہ کیسے اٹھ گئی؟ اور اف... یہ اٹھ جانے میں کتنا مزا تھا۔ کتنا سکون تھا۔ اس اندھیرے میں اپنی اندھیر زندگی کے بارے میں اس نور والے سے باتیں کرنا کتنا اچھا لگ رہا تھا۔

(اوہ اللہ... اوہ اللہ... سب تعریف آپ کے لیے ہی ہے... آپ نے مجھے فجر دے دی... برسوں بعد میں فجر پہ اٹھی... اوہ اللہ...) زندگی میں پہلی دفعہ حنین یوسف کی سمجھ میں آیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم... ہمارے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں ان کو فجر کی دو رکعتیں دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھیں۔ کیوں رحلت فرمانے سے پہلے... آخری سانسوں میں... وہ فرماتے رہے تھے۔ نماز نماز نماز... اور یہ کیفیت... یہ وہی "چکھ" سکتا ہے جو فجر اور تہجد پہ اٹھتا ہے۔

"ہر شخص اپنے کمائے ہوئے اعمال کے بدلے میں رہن ہے۔

سوائے دائیں بازو والوں کے
جو جنتوں میں ہوں گے
اور پوچھیں گے مجرموں سے
کہ کیا چیز لے گئی تمہیں جہنم میں...
(جہنم والے) کہیں گے...
نہ تھے ہم نماز پڑھنے والے۔" (سورۃ المدثر)

جائے نماز تہہ کر کے وہ اٹھی اور کھڑکی میں آکھڑی ہوئی۔ پٹ کھول کر سرد ہوا کو اس نے اندر آنے دیا۔ وہاں ایک خوب صورت کالونی نظر آرہی تھی۔ نئے گھر سے قصر کاردار جیسا منظر نہیں نظر آتا تھا مگر اسے وہ منظر دیکھنا بھی نہیں تھا۔

(کیا چیز لے کر گئی تمہیں جہنم میں؟ وہ کہیں گے... نہ تھے ہم نماز پڑھنے والے... نہ تھے ہم نماز پڑھنے والے...)

اس نے آنکھیں بند کر کے سرد ہوا کو محسوس کرنا چاہا۔ آج... اسے کچھ بہتر مل گیا تھا۔ حنین کے خیال میں وہ اب بھی اللہ سے ویسی محبت نہیں کرتی تھی جیسے کرنی چاہیے مگر وہ اب اللہ تعالیٰ سے ایک تعلق... ضرور بنانا چاہتی تھی۔ اللہ کے سامنے اس کا امپریشن ٹھیک ہو جائے... اللہ اس کی تعریف کرے... اس کے دل میں... سب سے بڑی تمنا یہی رہ گئی تھی۔ اور وہ جو اللہ کو پسند ہے... فجر کی نماز... اس کو اس نماز سے محبت ہو گئی تھی۔ آج اسے اعلا محبت اور ادنیٰ محبت میں فرق سمجھ میں آگیا تھا۔

ٹھنڈی ہوا میں کھڑی حنین نے آج... ہاں آج اس نے ہاشم کاردار کو دل سے جانے دیا تھا۔ مرض عشق کی جس برف نے اس کے دل کو جما دیا تھا' فجر کی پہلی کرن نے اسے پگھلا دیا تھا۔ آج حنین یوسف آزاد ہو گئی تھی۔ وہ اپنے دل کی مالک بنی تھی یا نہیں مگر اس نے اس ساحر کے قبضے سے اپنا دل ضرور چھڑا لیا تھا۔

ماہ کامل ابھی تک جامنی آسمان پہ دمک رہا تھا اور زمین پہ بہتے بڑے بڑے سمندروں کو اپنے اشاروں پہ چلا رہا تھا۔ اوپر... نیچے... آگے... پیچھے...

✿ ✿ ✿

کچھ اب سنبھلنے لگی ہے جاں بھی' بدل چلا رنگ آسماں بھی
جو رات بھاری تھی ٹل گئی ہے' جو دن کڑا تھا گزر گیا وہ

صبح ایسا سنہرا سونے کے تھال سا جھلملاتا سورج آسمان پہ چمکتا تھا کہ سارے شہر نے پگھل کر انگڑائی لی۔ کوئی جمود سا ٹوٹا۔ دھند سی چھٹی۔

اس اونچے ہوٹل کا وسیع و کشادہ مرکزی بیڈ روم سنہرے رنگ میں آراستہ دکھائی دیتا تھا۔ قیمتی دیوار گیر پردے کھڑکی کے آگے سے ہٹے تھے اور دھوپ پورے

کمرے کو روشن کر رہی تھی۔ سنہری ڈریسنگ ٹیبل کے کنارے فارس بیٹھا تھا اور سامنے اسٹول پہ بیٹھی، خود کو آئینے میں دیکھ کر بال برش کرتی زمر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ چہرہ بائیں طرف جھکائے، بالوں کے سروں میں برش چلاتے ہوئے بولی۔

"اب گھر چلتے ہیں اس سے پہلے کہ سب سمجھیں، ہم واقعی بھاگ چکے ہیں۔"

فارس نے بے اختیار سر جھٹکا۔ "فی الحال وہ مجھے اپنے گھر والے کم اور سسرال والے زیادہ لگ رہے ہیں۔"

وہ ہلکا سا ہنس دی اور چہرہ جھکائے بال برش کرتی رہی۔

"پتا ہے مجھے تمہاری سب سے خوب صورت بات کیا لگتی ہے۔"

"نہیں پتا۔"

"تمہارے بال۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے اس کی چند گھنگھریالی لٹیں انگلیوں میں اٹھائیں۔ زمر نے بھوری آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور مسکرائی۔

"ہاں میرے بالوں کے کرلز ہمیشہ سب کو پسند رہے ہیں۔"

"نہیں، ان کے کرلز نہیں، مجھے ان کا رنگ پسند ہے۔"

"رنگ؟" زمر نے ایک دم چونک کر برش رکھ دیا۔

"ہاں۔ ان کا براؤن کلر۔" (زمر نے بے اختیار تھوک نگلا مگر وہ اپنی دھن میں کہہ رہا تھا۔) "سعدی اور سیم کے بال بھی براؤن ہیں مگر تمہارا کلر بہت مختلف، بہت خوب صورت ہے۔" وہ نرمی سے اس کے بالوں کو چھو کر کہہ رہا تھا۔ زمر نے ذرا مضطرب ہو کر برش رکھا۔

"میرے بالوں کا رنگ بھی سعدی کی طرح ہے... مطلب میرا اصل کلر۔ یہ چاکلیٹ براؤن تو میں... ڈائی کرتی ہوں۔" اور اپنے بال نرمی سے چھڑا لیے۔

فارس کو چند لمحے اس کی بات کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ بس سنہری آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ "کیا مطلب؟"

"فارس! میرے بال سعدی جیسے ہی ہیں، یہ ذرا زیادہ براؤن میں نے خود کیے ہوئے ہیں۔ مجھے ایسے اچھے لگتے ہیں۔ میرا فون کیا تم نے آف کر دیا تھا؟" اس نے اپنا فون اٹھاتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔

"ایک منٹ۔ یہ... اصلی کلر نہیں ہے؟ مگر جب میں نے تمہاری یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا، تب بھی تمہارے بالوں کا یہی کلر تھا۔"

"میں بائیس سال کی عمر سے بال ڈائی کر رہی ہوں فارس! پاکستان کی ہر تیسری لڑکی بال ڈائی کرتی ہے۔ اف اتنے معصوم..." وہ اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ جب وہ کچھ نہ بولا تو سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ ابھی تک اچنبھے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہارا مطلب ہے تم سات... آٹھ سال سے مجھے دھوکا دے رہی ہو؟ قانونا" اس کی کیا سزا ہوتی ہے؟"

"میں نے کوئی دھوکا نہیں دیا۔ تم نے پہلے کبھی اس بارے میں بات ہی نہیں کی تو میں کیا بتاتی۔" وہ خفا ہوئی۔

"یہ تمہارے کرلز بھی نقلی ہیں پھر؟" وہ مشکوک ہو چکا تھا۔

"اف فارس! میرا کچھ بھی نقلی نہیں ہے، صرف ذرا سا کلر ہے یہ۔" مگر وہ نفی میں سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"نہیں زمر بی بی... آپ نے مجھے اتنے سال دھوکے میں رکھا... میں آپ کا ہر ظلم معاف کر سکتا ہوں، مگر یہ نہیں۔ آپ نے تو میرا دل توڑا ہے۔ کیسے لوٹائیں گی آپ مجھے میرے آٹھ سال؟ کیونکہ آج مجھے لگ رہا ہے کہ مجھے آپ سے بالکل بھی محبت نہیں رہی۔" وہ نفی میں گردن ہلاتا ابھی تک تعجب سے کہہ رہا تھا۔ زمر نے گردن موڑ کر تیزی سے اسے دیکھا۔

"کتنا بولنا آ گیا ہے تمہیں۔" وہ ابھی جواب میں کچھ تیکھا سا کہنے لگا تھا کہ اس کا اپنا موبائل جیب میں تھرتھرانے لگا۔ اس نے نکال کر دیکھا۔ "آبدار...!" اس نے کال کاٹی۔

"میں اس معاملے کو اتنی جلدی نہیں ختم کرنے والا' واپس آکر اس بارے میں بات کرتا ہوں۔" اس کا تو واقعی دل ٹوٹ گیا تھا۔ خفا سے لہجے میں کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ اور پھر اپنے دوسرے چھوٹے موبائل سے کال بیک کی۔ آپی نے فوراً" اٹھا لیا تھا اور اس کی آواز سن کر چپکی تھی۔

"تو فارس غازی کا "بلاکڈ نمبر" بھی ہے۔ امید ہے یہ بگ نہیں ہو رہا ہو گا' کیونکہ مجھے آپ سے بہت خاص بات کرنی ہے۔"

"آئندہ میری بیوی سے اس ٹون میں بات مت کیجئے گا۔" وہ اندر زمر سے خفا لہجے میں شکایت کرنے والے فارس غازی سے بالکل مختلف اور سنجیدہ لگ رہا تھا۔ آبدار لمحے بھر کے لیے سمجھ نہیں سکی' پھر رات والا اپنا رویہ یاد آیا تو دانتوں تلے زبان دی۔

"میرے منہ سے نکل گیا تھا میں تو..."

"وہ مجھے بہت عزیز ہے' اور جتنی عزت میں اس کی کرتا ہوں' آپ سے توقع کرتا ہوں کہ آپ بھی کریں گی۔ اب بتائیے' کیا بات تھی؟" ہموار مگر بے لچک انداز میں رات والا ادھار چکا کر وہ بولا تھا۔ وہ چند لمحے خاموش رہی۔

"سعدی اور خاور کل جیل توڑ کر فرار ہو گئے ہیں۔ میں نے رات میں آپ کو بہت کالز کیں۔ مگر آپ کا فون آف تھا۔" وہ بجھے بجھے لہجے میں بولی۔

"کیا؟" وہ ایک دم ششدر رہ گیا۔ پھر بے اختیار پیشانی مسلی۔ ہونٹوں پہ بند مٹھی رکھی۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ جذبات کو کیسے قابو کرے۔

"ہاشم نے بابا کو بتایا ہے کہ وہ انہیں اب تک نہیں ڈھونڈ پائے۔ اب معلوم نہیں ڈھونڈ کر چھپا لیا ہے' یا واقعی وہ دونوں لاپتا ہو چکے ہیں۔"

فارس نے کچھ کہنے بنا فون رکھ دیا اور جب وہ واپس کمرے میں گیا تو بالکل خاموش تھا۔

☆ ☆ ☆

گھر واپس آکر اس نے زمر کو سب کے سوالوں کے جوابات دینے کے لیے چھوڑ دیا اور خود اس اوپری منزل کے بیڈ روم میں آگیا جو زمر اور اس کے لیے ندرت نے سیٹ کیا تھا۔ اس نے لیپ ٹاپ نکالا اور اس پہ ایک محفوظ شدہ لنک کھولا۔

جو چپن... زہریلا چپن اس نے سعدی کو بھیجا تھا۔ اس میں جی پی ایس ٹریسر لگا تھا۔ اسکرین پہ وہ جی پی ایس ایکٹو سگنل دے رہا تھا۔ کل رات سے پہلے تک وہ اس علاقے میں تھا جہاں ہارون عبید کا ہوٹل تھا۔ مگر آج صبح... وہ اس ہوٹل سے کئی کوس دور... ایک پارک میں آکر رک گیا تھا اور ابھی تک ایکٹو تھا۔

سعدی کے پاس اگر وہ چپن تھا تو وہ اتنے گھنٹوں سے اس پارک میں کیوں بیٹھا تھا؟ یا پھر وہ چپن کس کے پاس تھا؟ وہ ایک دم بہت پریشان ہو گیا تھا۔ پچھلے آٹھ ماہ سے اس کو معلوم تھا کہ سعدی یوسف کہاں ہے۔ مگر پہلی دفعہ اس نے سعدی کی لوکیشن کھو دی تھی۔ شاید اس نے صبح میں زمر کو کال کی ہو' مگر... فارس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

پچھلے آٹھ ماہ کی ان تھک محنت کے بعد... پہلی دفعہ وہ صرف اپنے اور زمر کے بارے میں سوچنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا تھا' زندگی پہ اس کا بھی حق ہے۔ اور کم از کم کچھ دیر کے لیے زمر ساری دنیا سے کٹ کر' صرف اس کی باتیں سنے' اس کو وقت دے۔ مگر وہ غلط تھا۔ اس کا زندگی پہ کوئی حق نہیں تھا۔ اس کو صرف اپنا کام کرنا چاہیے تھا۔ اسے اپنے بھائی اور بیوی کا انتقام لینا تھا اور سعدی یوسف کو واپس اپنے خاندان تک پہنچانا تھا۔ اسے اپنا نہیں سوچنا تھا۔ وہ تو منحوس تھا۔ اسے زمر کا فون نہیں آف کرنا چاہیے تھا۔

اب وہ پھر سے اپنے سنجیدہ اور سپاٹ خول میں سمٹ آیا تھا اور کمرے میں ادھر ادھر ٹہلتے ایک نمبر ملا رہا تھا۔

"ہاں' فرحان! ٹھیک ہو؟ اچھا یہ بتاؤ' کل شام ہوٹل میں سب خیریت رہی؟"

"میں نے آپ کو کال کی تھی' نمبر بند تھا۔ خیریت تھی مگر ہاشم کا دردار کل ادھر آیا ہوا تھا۔ وہ اور اس کے

آدمی پراہرا کے وقت پاگلوں کی طرح ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ کچھ معلوم نہیں ہو سکا' مگر وہ کسی کو ڈھونڈ رہے تھے جیسے۔"

"ٹھیک ہے' آنکھیں کھلی رکھو اور مجھے رپورٹ دیتے رہنا۔" اس نے اسی اضطراب سے فون بند کیا۔ فرمان تھائی لینڈ میں سیٹل ہونے کا خواہش مند ایک بری ہو جانے والا اس کا جیل کا ساتھی تھا۔ اس نے اسے سری لنکا میں سیٹل ہونے کی پیشکش کی تھی۔ (احمر شفیع سے ہارون عبید تک سفارش کروانا' اپنا نام آئے بغیر اور احمر کو مشکوک کیے بغیر' بہت آسان تھا۔) اور بدلے میں "رپورٹ" مانگی تھی۔ اب وہ کچھ عرصے سے اسی ہوٹل میں کام کر رہا تھا۔ اس کی رسائی کچن کے نیچے بنی جیل تک تو نہ تھی' مگر جہاں تک اس کی آنکھیں جاتی تھیں' وہ غازی کو خبر دے دیا کرتا تھا۔

اب اس نے ایک اور نمبر ملایا۔ "عنایت! تم ہسپتال میں نائٹ ڈیوٹی پہ تھے کل رات؟ اوکے گڈ۔ تمہارے سامنے والی بلڈنگ میں رات کو یا صبح میں کوئی آیا ہے؟ اچھا... اگر کوئی حرکت نظر آئے' کوئی آمد رفت ہو تو مجھے خبر کرنا۔"

وہ ایک ایک کر کے ہاشم کاردار کی ملکی و غیر ملکی جیلوں کے قریب موجود اپنے دوستوں کو فون کر رہا تھا۔ وہ اس کی چاروں خفیہ جیلوں کے بارے میں جانتا تھا۔ اگر وہ دونوں مفرور قیدی ان جیلوں میں سے کسی میں نہیں لائے گئے تھے تو یقیناً" ہاشم ان کو ابھی تک نہیں پکڑ سکا تھا۔ لیکن اگر وہ آزاد تھے تو سعدی نے فون کیوں نہیں کیا تھا؟ زمر کے علاوہ کسی اور کو بھی تو فون کر سکتا تھا۔ وہ یقیناً" کسی مشکل میں تھا۔

آٹھ ماہ پہلے یوسف خاندان نے سعدی یوسف کو کھویا تھا' مگر فارس غازی نے اسے کل رات کھویا تھا۔

اور اب اس کو ڈھونڈنے کا ایک ہی طریقہ تھا۔

مگر اس سے پہلے اسے ایک کام اور کرنا تھا۔

اپنے چہرے پہ پرانے برف تاثرات سجائے' کچھ ڈاکومنٹس لے کر' کسی سے بات کیے بنا وہ گھر سے باہر آ گیا۔ جب وہ گاڑی کو ان لاک کر رہا تھا تو زمر اس کے پیچھے باہر آئی۔

"کوئی مسئلہ ہے فارس؟ تم پریشان لگ رہے ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ تمہارے ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہوں۔ ڈونر کے ڈاکومنٹس لے کر۔" بدقت ذرا سا مسکرا کر فائل اوپر اٹھا کر دکھائی اور گاڑی کے اندر بیٹھا۔ یہ وہ پہلے ہی طے کر چکے تھے زمر کی ضرورت نہیں تو صرف وہی جائے گا۔ مگر اتنی جلدی کیا تھی اسے؟ اسے گاڑی باہر نکالتے دیکھ کر زمر نے سوچا۔ مگر خیر... اسے فارس پہ بھروسا تھا۔ وہ سنبھال لے گا۔

☆ ☆ ☆

اس لمحہ' خیر و شر میں کہیں اک ساعت ایسی ہے
جس میں ہر بات گناہ نہیں ہوتی' سب کار ثواب نہیں ہوتا

ڈاکٹر قاسم نے اپنی کرسی سے اٹھ کر خوش دلی سے اس کا استقبال کیا۔ جینز پہ بھورا سویٹر پہنے' چہرے پہ سنجیدہ اور برف تاثرات سجائے' وہ سنہری گہری آنکھوں کو ڈاکٹر قاسم پہ جمائے سامنے کرسی پہ بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ فائل اپنے سامنے رکھ لی۔

"مجھے خوشی ہے کہ آپ سے بالآخر ملاقات ہو رہی ہے۔ بہت سنا تھا آپ کے بارے میں۔" وہ خوش دلی سے بولے تھے۔ اس کے لیے کافی آرڈر کرنی چاہی مگر اس نے انکار کر دیا۔

"جو بھی بری باتیں سنی ہیں۔ آپ نے' وہ سب درست ہیں۔" وہ سر کو خم دے کر بولا تھا۔

"نہیں اچھی بھی سنی ہیں۔ خیر۔" وہ جلد مدعا پہ آ گئے۔ "زمر اپنے بارے میں بہت لاپروائی برتتی ہیں۔ انہیں بہت پہلے ٹرانسپلانٹ کروالینا چاہیے تھا۔ خیر وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ کے پاس کسی ڈونر کی رپورٹس ہیں' کہاں سے کروائے ہیں ٹیسٹس؟" عینک لگاتے ہوئے انہوں نے رپورٹس کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر فارس نے کاغذ ان کی طرف نہیں بڑھائے۔

"میں اپنے تجربات خود کیا کرتا ہوں۔ کیا آپ کو گرمی نہیں لگ رہی؟" کہتے ہوئے وہ تعجب سے بولا اور کھڑکی کھول دی' پھر واپس آ کر بیٹھا۔ ڈاکٹر قاسم نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔ پھر سر جھٹک کر عینک اتار کے رکھی۔

"تو کون ہے یہ ڈونر؟"

"کوئی ڈونر نہیں ہے۔ میں نے زمر سے جھوٹ بولا تھا کہ میرے پاس ڈونر ہے۔"

کمرے میں ایک ششدر سا سناٹا چھا گیا۔ پھر وہ اسی بے مہری سے بولا۔

"میں نہیں چاہتا کہ وہ سرجری کروائے۔ آپ ڈاکٹر قاسم اس کی سرجری نہیں کریں گے۔"

ڈاکٹر قاسم کے چہرے پہ بے پناہ شاک سا ابھرا۔

"غازی صاحب! ان کی جان کو خطرہ ہے' انہوں نے سرجری نہ کروائی تو وہ جان سے جائیں گی۔" ان کو بے حد افسوس ہوا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرا لیا۔

"آپ کی شرٹ بہت نفیس ہے۔"

ڈاکٹر قاسم نے اس کو یوں دیکھا گویا اس کا دماغ چل گیا ہو' پھر گردن جھکا کر اپنی شرٹ کو دیکھا تو لمحے بھر کو وہ برف کا مجسمہ بن گئے۔

ان کی شرٹ پہ... عین دل کے مقام پہ... سرخ نقطہ تھا۔ روشنی کا نقطہ۔ سرخ لیزر جو کھڑکی سے ہوتا ہوا ان کے دل پہ نشانہ لیے ہوئے تھا۔

"اپنے دشمنوں کو جیل نہیں بھیجنا چاہیے' مار دینا چاہیے' کیونکہ جیل جانے کے بعد وہ خطرناک لوگوں سے دوستی کر لیتے ہیں' جیسے میرا یہ دوست جو برابر کی عمارت میں اسنائپر گن لیے بیٹھا ہے' اور اس کی گن کا نشانہ عین آپ کے اوپر ہے... نہ... نہ... فون کی طرف ہاتھ مت بڑھانا' ورنہ وہ گولی چلا دے گا۔"

ڈاکٹر قاسم نے گردن اٹھا کر بے یقینی سے اس کو دیکھا۔ وہ ٹیک لگا کر بیٹھا' پرسکون سا بولے جا رہا تھا۔ ساتھ ہی منہ میں کچھ چبا رہا تھا۔

"اس فریم کو دیکھیں۔" اس کے اشارے پہ ڈاکٹر قاسم نے نظر اٹھا کر دیوار پہ لگے فریم کو دیکھا جس میں ان کا کوئی سرٹیفکیٹ آویزاں تھا۔ ایک سرخ لیزر اسپاٹ وہاں بھی نظر آ رہا تھا' کہ لمحے ہی لمحے بنا آواز کے ایک گولی فضا کو چیرتی ہوئی آئی اور اسی نقطے کی جگہ پہ پیوست ہوئی۔ فریم کا شیشہ چکنا چور ہو گیا۔ ڈاکٹر قاسم کا رنگ سفید پڑنے لگا۔

"یہ کیا مذاق ہے فارس غازی؟"

"اوہ سوری' یہ ریہرسل تھی۔ اگر تم ہلے تو وہ اگلی گولی تمہارے اوپر چلائے گا' اس لیے میں نے کھڑکی کھول دی' تاکہ اگر وہ تمہیں مارے تو کم از کم یہ معصوم شیشہ نہ ٹوٹے۔ خیر ہم زمر کی بات کر رہے تھے۔" ذرا مسکرا کر ان کے چہرے پہ اپنی پرتپش نظریں جمائے وہ چبا چبا کر کہنے لگا۔ "کتنے پیسے دیے کاردارز نے میری بیوی کو یہ یقین دلانے کے لیے وہ مرنے والی ہے؟ اس کا گردہ ضائع ہو چکا ہے۔ وغیرہ وغیرہ؟"

"دیکھو' مجھے نہیں پتا تم کس ڈاکٹر کے پاس گئے ہو' مگر...." وہ محتاط انداز میں بولنے لگے تھے مگر وہ ایک دم آگے کو جھکا اور زور سے ہاتھ مار کر میز کی ساری چیزیں پرے دھکیل دیں۔ سب کچھ زمین بوس ہو گیا۔

"انسان ایک شخص پہ کبھی شک نہیں کرتا' اور وہ ہوتا ہے اس کا ڈاکٹر!" میز پہ دونوں ہاتھ رکھے جھک کر وہ غرایا تھا۔ "تم نے اتنے ماہ میری بیوی کو ٹارچر کیا' اس کو پل پل مارتے رہے' صرف اس لیے کہ تمہارے بیٹے کی پوری فیملی کو انہوں نے باہر سیٹل کرا دیا؟ تمہاری بیٹی کا پارٹ ٹو ایگزام کلیئر کروا دیا؟ تمہیں کیا لگتا ہے' عین میری گرفتاری سے کچھ روز پہلے تم اس کو اچانک سے بلا کر اچانک سے چند ٹیسٹ کروا کے کہو گے کہ اس کا کڈنی فیل ہو چکا ہے' اور پھر میرے کیس کے دوران وہ مجھ سے کہے گی کہ اسے میرے کیس اور اپنے ڈونر کے درمیان کسی کو چننا ہے اور میں اتنا گدھا ہوں جو یہ نہیں سمجھوں گا کہ یہ سارا ڈراما تم لوگ مجھے جیل میں رکھنے کے لیے رچا رہے ہو' تاکہ وہ میرا کیس نہ لڑے؟" ساتھ ہی زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔

ڈاکٹر قاسم نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ ان کے ماتھے پہ پسینے کی بوندیں تھیں اور وہ بار بار اضطراب سے سر جھٹکتے تھے۔

"ایک منٹ بھی نہیں لگا مجھے سمجھنے میں کہ اس کے ڈاکٹر کو کاردارز خرید چکے ہیں' آخر چار سال سے وہی اس کے میڈیکل بلز پے کرتے ہیں تاکہ ان کی کمپنی کا تو بالواسطہ رابطہ رہتا ہے تمہارے ساتھ۔" واپس کرسی پہ بیٹھا' ٹیک لگائی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور پھر اسی برہم انداز میں بولا۔ "میرے دوست کی گن

تمہارے اوپر تنی ہے۔ مجھ سے جھوٹ مت بولنا۔ سچ سچ بتاؤ۔ کاردارز نے کیا کرنے کے لیے کہا تھا تم سے؟"

ڈاکٹر قاسم نے چند گہرے سانس لیے۔ روشنی کا سرخ دھبہ ابھی تک شرٹ پہ پڑا ہوا تھا۔ بدقت وہ کہنے لگے۔

"مسز کاردار نے کہا تھا کہ میں اس کی دوا بدل دوں' کسی طرح اس کا گردہ ضائع ہو جائے' اور اس کو دوبارہ سرجری کروانی پڑے گی' اس سب میں لگ کر وہ تمہارے کیس کو وقت نہیں دے پائے گی اور وہ اپنی مرضی کے وکیل کو تمہارے ساتھ جوڑ دیں گے۔ مگر میں نے.... دیکھو.... میں برا آدمی نہیں ہوں.... میں نے ایسا نہیں کیا۔"

"مجھے پتا ہے تم نے ایسا نہیں کیا۔" وہ درشتی سے اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "حالانکہ دوسرے ڈاکٹرز نے بھی اس سے یہی کہا کہ گردہ ضائع ہو گیا ہے' مگر چونکہ وہ جس پہ اعتبار کرتی ہے' اس پہ مکمل اعتبار کرتی ہے' سو یقیناً" وہ صرف ان ہی ڈاکٹرز کے پاس گئی ہو گی جن کے پاس تم نے اسے بھیجا ہو گا۔"

"تمہیں کیسے پتا اس کا گردہ ضائع نہیں ہوا؟"

"کیونکہ جس ڈونر کو میں جانتا ہوں.... اس کا عضو کبھی ریجیکٹ نہیں ہو سکتا۔ اسے زمر بہت عزیز تھی' اس کی قربانی ایسے ضائع نہیں ہو سکتی۔"

ڈاکٹر قاسم نے گہری سانس لے کر اثبات میں سر کو خم دیا۔ "سعدی یوسف۔ آف کورس۔ اس کا گردہ ٹھیک ہے۔ وہ پرفیکٹ میچ تھا۔ وہ چند سال اور چل جائے گا اچھے سے۔"

"اور یقیناً" تم نے زمر کی دوا ابھی بدلی ہے' کیونکہ وہ زرد اور بیمار لگنے لگی ہے۔"

"مجھے چند جھوٹی علامتیں ڈالنی تھیں' تاکہ اسے محسوس ہو کہ وہ بیمار ہے۔ دیکھو' مجھے اپنی پوشنٹ بہت عزیز ہے۔ میں نے بہت وقتوں سے مسز کاردار کو ٹالے رکھا ہے۔"

"ظاہر ہے' تم ایسا نہ کرتے تو تمہیں تمہارے وہ کروڑوں روپے کیسے ملتے؟ تمہیں اپنی نظر میں اچھا بھی تو بننا تھا' اس لیے تم نے زمر کو نقصان نہیں پہنچایا۔"

"آئی ایم سوری۔ پلیز اس گن کو میرے اوپر سے ہٹاؤ۔ میں زمر سے معافی مانگ لوں گا' میں اسے سب سچ بتادوں گا۔"

فارس نے کھڑکی کی طرف رخ کر کے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اگلے ہی لمحے سرخ لیزر لائٹ ڈاکٹر قاسم کی شرٹ سے غائب ہو گئی۔ انہوں نے سکون کا سانس لیا۔ ٹشو نکال کر ماتھے پہ آیا پسینہ پونچھا۔

"تم زمر کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔ ابھی کچھ عرصہ نہیں۔ صرف اتنا کہو گے کہ تم کوئی نئی دوا استعمال کرنا چاہتے ہو جس سے شاید اس کا تقریباً" ناکارہ گردہ کام کرنے لگے۔ کوئی بھی وجہ گھڑ لینا۔ تم ان کاموں میں ماہر ہو۔" ڈاکٹر قاسم کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"مجھے اسے بتانا ہے۔ اب میں اس سے مزید نہیں چھپا سکتا۔ میں برا آدمی نہیں ہوں۔ میں نے ہمیشہ زمر کو نقصان سے بچایا ہے۔"

"نہیں' تم اسے کچھ نہیں بتاؤ گے۔ جس چیز کا میں انتظار کر رہا ہوں' اس میں ابھی ذرا وقت ہے' تب تک زمر کو نہیں معلوم ہونا چاہیے۔"

"فارس غازی! تم مجھے قتل نہیں کرنے والے' بھلے تم مجھے اپنے اسنائپرز سے کتنا ہی ڈرا لو۔" وہ بھی تندی سے کہتے آگے کو جھکے۔ "تم مجھے اب اپنے اشاروں پہ نہیں چلا سکتے۔" لیزر لائٹ ہٹ چکی تھی اور ان کا کھویا اعتماد بحال ہو رہا تھا۔

فارس نے اپنے مخصوص انداز میں سر کو خم دیا اور فائل کھولی۔ ایک کاغذ نکال کر ان کے سامنے رکھا۔

"مجھے تمہیں اپنے اشاروں پہ چلانے کے لیے اسنائپر گن کی ضرورت ہے بھی نہیں۔ یہ دیکھو۔ یہ پچھلے ماہ کا ریکارڈ ہے۔ تم نے ایک افغان نوجوان کا علاج کیا تھا جس کا نام ابو فرید حسان تھا۔" ڈاکٹر قاسم نے عینک لگاتے ہوئے الجھن سے اس لسٹ کو دیکھا۔

"ہاں' میں نے کیا تھا۔ وہ روٹین چیک اپ کے لیے آیا تھا۔"

"اور یہ تمہاری چند تصاویر ہیں' اس مریض کے ساتھ۔" اس نے ایک پرنٹ آؤٹ نکال کر ڈاکٹر کے

سامنے رکھے۔ وہ ان میں اس مریض کا معائنہ کرتے نظر آرہے تھے۔ مریض کا نیم رخ دکھائی دیتا تھا۔ لمبی داڑھی، سر پہ ٹوپی اور چہرہ ذرا جلا ہوا۔ ہاتھ پہ بھی جلنے کا نشان تھا۔

"ہاں تو؟"

"تو یہ کہ یہ افغان باشندہ اب تک طور خم کا بارڈر کراس کر کے واپس جا چکا ہے۔ اور اس کا نام ابو فرید نہیں ہے۔ یہ ایک اداکار ہے، میں نے اس کو یہ حلیہ اپنانے کے لیے کہا تھا تاکہ یہ سائیڈ پوز سے لی گئی تصاویر میں ابو فرید کی طرح لگے۔ یہ ہے اصلی فرید۔" اس نے ایک اور تصویر نکال کر ڈاکٹر کے سامنے ڈالی۔ وہ ایک ذرا جلے ہوئے چہرے والے نوجوان کی تھی۔

"تو پھر؟"

"پھر یہ ڈاکٹر قاسم! کہ ابو فرید حسان ایک افغانی باشندہ ہے اور یونیورسٹی حملے میں حکومت کو مطلوب ہے۔ دہشت گرد ہے وہ۔ وہ تمہارے پاس کبھی نہیں آیا، لیکن اگر کوئی تمہارے ریکارڈ کی یہ لسٹ دیکھے" فہرست لہرائی۔ "اور یہ تصاویر دیکھے" فوٹو سامنے کیا۔ "تو اسے لگے گا کہ تم نے ایک افغان عسکریت پسند کا علاج کیا ہے۔"

"ایک منٹ.... میں نے کسی دہشت گرد کا علاج نہیں کیا۔" ڈاکٹر قاسم کا سر گھومنے لگا۔

"تم یہ ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اگر میں ایکس کمیٹی کے کسی رکن یا کسی جرنلسٹ کو یہ تصاویر اور یہ ریکارڈ بھیج دوں تو تم دہشت گردوں کے سہولت کار ثابت ہو جاؤ گے، دو گھنٹے کے اندر وہ تمہیں گھر سے اٹھائیں گے اور فوجی عدالت میں مقدمہ چلا کر تین ماہ میں پھانسی چڑھا دیں گے۔ تم سابق صدر کے بی ایف ایف (بہترین دوست) تو ہو نہیں کہ تمہیں کوئی رعایت ملے۔ ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے، تم زمر کو حقیقت بتانا چاہتے ہو؟"

ڈاکٹر قاسم نے بے اختیار سر کرسی کی پشت پہ گرا دیا اور بس بے بسی سے اس کو دیکھے گئے.... فارس غازی کی سرد نظریں اب بھی ان پہ جمی تھیں۔ گھڑی کی سوئی ٹک ٹک کرتی رہی۔

"نہ کاردارز کو بتاؤں گا نہ زمر کو۔ میں وہی کروں گا جو تم کہو گے۔ لیکن.... اس سے پہلے.... میں چاہتا ہوں کہ تم میری بات کا یقین کرو کیونکہ جب میں کہتا ہوں کہ میں نے زمر کو نقصان نہیں پہنچایا کبھی تو میں غلط نہیں کہہ رہا۔ فارس غازی.... میں برا آدمی نہیں ہوں۔" اس کی آنکھوں میں جھانک کر وہ کہہ رہے تھے۔

"شاید!" فارس آہستہ سے سیدھا ہو کر بیٹھا.... بہت آہستہ سے.... ایک دم سے آسمان پہ کوئی تارا ٹوٹا تھا۔ یا شاید وہ چاند تھا۔ بہت سے چکر الٹے ہوئے تھے۔ مدار بدل گئے تھے۔

جب وہ گاڑی میں آکر بیٹھا تو اگنیشن میں چابی گھمانے میں اسے کافی دیر لگی۔ اس کے ہاتھ کے اوپر سوئیٹر کی آستین پہ تازہ خون کے چند دھبے لگے تھے۔ لمحے بھر کے لیے اس نے سوچا کہ زمر کو بتا دے، مگر نہیں۔ اسے اپنا نہیں سوچنا تھا۔ ابھی نہیں۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے خود کو ٹھنڈا کرنا چاہا، پھر گاڑی چلا دی۔

سڑک پہ نگاہیں مرکوز کیے، ہر شے کو ذہن سے جھٹکا اور اپنے پرائیویٹ نمبر سے آبدار کو کال ملاتے ہوئے کار ایک طرف روکی۔

"ایک دن میں دوسری دفعہ فارس غازی کی کال۔ مانا کہ میں بہت اچھی ہوں اور کیوٹ بھی مگر...."

"آپ کے پاس پرائیویٹ جیٹ ہے نا؟"

وہ چونکی تھی۔ "ہمارے پاس دو پرائیویٹ جیٹس ہیں۔ مگر کیوں؟"

"گڈ۔ میرے پاس بلیو پاسپورٹ ہے۔ اور آپ کے پاس پرائیویٹ جیٹ۔ ایک سوال پوچھوں آپ سے؟" وہ ذرا ٹھہر کر بولا۔

"آپ میرے ساتھ کولمبو چلیں گی؟"

اور آبدار عبید کا سارا وجود لمحے میں برف کا ہوا اور لمحے میں پگھل گیا۔ زندگی اسے اتنا خوب صورت سرپرائز دے گی اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عمیرہ احمد

آب حیات کی کہانی تاش کے تیرہ پتوں میں چھپی ہوئی ہے۔

2۔ ایک خوب صورت اتفاق نے امامہ اور سالار کو یکجا کردیا ہے۔ سالار نے امامہ کو ایر رنگز دیے ہیں۔ وہ بالکل ویسے ہی ہیں' جیسے امامہ شادی سے قبل پہنتی تھی اور جو اسے اس کے والد ہاشم نے دیے تھے۔ سکندر عثمان نے اس شادی کو کھلے دل سے قبول کیا۔

9۔ سی آئی اے ہیڈ کوارٹر کے ایک کمرے میں چار اشخاص گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے ایک پروجیکٹ پر کام کررہے ہیں۔ انہیں ایک شخص بلکہ اس کی پوری فیملی کے تمام بیرونی معاملات اور ذاتی زندگی کی تمام تر مکمل معلومات حاصل ہیں اور انہیں اس میں سے کسی ایسے پوائنٹ کی ضرورت ہے۔ جس کی بنیاد پر وہ اس شخص پر ہاتھ ڈال سکیں۔ لیکن اس شخص سمیت اس کی فیملی کے نہایت شفاف ریکارڈ سے اب تک کوئی مشکوک بات نہیں نکال سکے مگر آخری پندرہ منٹ میں انہیں اس فیملی کی کسی لڑکی کی تاریخ پیدائش کے حوالے سے کوئی سراغ جاتا ہے۔

J۔ وہ کئی راتوں سے تکلیف میں تھی۔ سکون آور ادویات کے بغیر سو نہیں پارہی تھی۔ وہ اپنے باپ سے بس ایک سوال

کرنے آئی تھی کہ اس نے اس کی فیملی کو کیوں مار ڈالا۔

6۔ اسپیلنگ بی کے بانوے مقابلے کے فائنل میں تیرہ سالہ اور نو سالہ دو بچے چودھویں راؤنڈ میں ہیں۔ تیرہ سالہ بچی نے نو حرفوں کے لفظ کا ایک صرف غلط بتایا۔ اس کے بعد نو سالہ ایک خود اعتماد بچے نے گیارہ حرفوں کے لفظ کی درست اسپیلنگ بتادیں۔ ایک اضافی لفظ کے درست ہجے بتانے پر وہ مقابلہ جیت سکتا تھا۔ جسے غلط بتانے کی صورت میں تیرہ سالہ بچی دوبارہ فائنل میں آجاتی۔ وہ اضافی لفظ سن کر اس خود اعتماد مطمئن اور ذہین بچے کے چہرے پر پریشانی پھیلی، جسے دیکھ کر اس کے والدین اور ہال کے دیگر مہمان بے چین ہوئے مگر اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اس کی سات سالہ بہن مسکرادی۔

A۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بد دیانتی کررہی ہے مگر پھر بھی اس نے اس کتاب کے پہلے باب میں تبدیلی کردی اور ترمیم شدہ باب کا پرنٹ نکال کر دیگر ابواب کے ساتھ فائل میں رکھ دیا۔

7۔ وہ دونوں ایک ہوٹل کے بار میں تھے۔ لڑکی نے اسے ڈرنک کی آفر کی مگر مرد نے انکار کردیا اور سگریٹ پینے لگا۔ لڑکی نے پھر ڈانس کی آفر کی اس نے اس بھی انکار کردیا۔ وہ لڑکی اس مرد سے متاثر ہورہی تھی۔ وہ اسے رات ساتھ گزارنے کے بارے میں کہتی ہے۔ اب کے وہ انکار نہیں کرتا۔

4۔ وہ اپنے شوہر سے ناراض ہو کر اسے چھوڑ آئی ہے۔ ایک بوڑھی عورت کے سوال و جواب نے اسے سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔ اب وہ خود اپنے اس اقدام سے غیر مطمئن اور ملول نظر آتی ہے۔

ابدا "ابدا"

"w-e-i-s-s-n-i-c-h-t-w-o" حمین سکندر نے ایک ہی سانس میں رکے بغیر Championship word کے ہجے کیے ... کسی روبوٹ کی طرح بنا رکے۔ خلا میں دیکھتے ہوئے۔ یوں جیسے وہ ان حروف کو خلا میں کہیں لکھا دیکھتے ہوئے، پڑھ رہا تھا۔ وہ اس مقابلے کا پہلا لفظ تھا جسے اس نے بنا رکے اس طرح ادا کیا تھا ورنہ وہ ہر لفظ کو سوچ سوچ کر ہجے کرتا تھا یوں جیسے ناپ تول رہا ہو۔

"An unknown place" "(ایک نامعلوم مقام)" اس نے لفظ کے ہجے کرتے ہی اسی رفتار سے اس کا مطلب بتایا۔ پھر اس کی نظریں pronouncer پر ٹکیں۔ pronouncer کے منہ سے نکلی "درست" کی آواز ہال میں گونج اٹھنے والی تالیوں کی آواز میں گم ہو گئی تھی۔ ہال میں اب حاضرین، والدین اور بچے اپنی اپنی سیٹوں سے تالیاں بجاتے ہوئے کھڑے ہو رہے تھے۔ وہ 92nd اسپیلنگ بی کے نئے فاتح کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے جو اسٹیج پر فلیش لائٹس اور ٹی وی کیمروں کی چکاچوند کر دینے والی روشنیوں میں ساکت کھڑا تھا۔ دم سادھے۔ گنگ۔ اس کی گول آنکھیں گھومنا تک بھول گئی تھیں۔ یوں جیسے وہ ابھی تک اس شاک سے نکل نہ پایا ہو کہ وہ جیت چکا ہے۔ یہ حمین سکندر تھا اور یہ حمین سکندر ہی ہو سکتا تھا۔

تالیوں کی بہرا کر دینے والی گونج اور کیمروں کی خیرہ کر دینے والی روشنیوں میں اس نو سالہ بچے نے خود کو سنبھالا۔ اپنے اعصاب اور حواس پر ایک ہی وقت میں قابو پانے کی کوشش کی اور پھر جو پہلا جملہ اس کے سامنے لگے مائیک نے حاضرین تک پہنچایا تھا اس نے ان تالیوں کی گونج میں ایک بلند شگاف قہقہے کی آواز کو بھی شامل کیا تھا۔

"اوہ! مائی گاڈ۔" وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں بول سکا۔ حاضرین کی ہنسی نے جیسے اسے کچھ اور نروس کیا۔ پھر نادم۔ پھر پرجوش اور پھر اس نے سر جھکا کر حاضرین کی تالیوں کا جواب دیا۔ پھر ایک قدم آگے بڑھا کر ججز کی اس قطار کا، جو حاضرین سے کچھ آگے بیٹھے ہوئے تھے لیکن اب کھڑے تالیاں بجا رہے تھے، پھر اس نے پلٹ کر اس طرف دیکھا تھا جہاں اس کے ماں باپ اور رئیسہ بیٹھے تھے۔ وہ بھی اب سب کے ساتھ کھڑے اس کے لیے تالیاں بجا رہے تھے۔

حمین سکندر تقریباً "بھاگتا ہوا ان کی طرف گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ سپاٹ لائٹ بھی گئی جو اس سے پہلے اسٹیج پر اس کو فوکس کیے ہوئے تھی۔ وہ ———— تالیاں بجاتی اور آنسو بہاتی امامہ سے آکر لپٹا تھا۔ پھر اس سے الگ ہوتے ہوئے اس نے اسی تیزی سے امامہ کے گالوں پر بہتے ہوئے آنسو دونوں ہاتھوں سے رگڑے پھر ان ہاتھوں کو اپنی شرٹ پر رگڑتے ہوئے وہ سالار سے لپٹ گیا۔ "Did I make you proud" "(کیا آپ کو مجھ پر فخر ہوا۔)" اس نے ہمیشہ کی طرح باپ سے پوچھا۔

"Very proud" "(بہت فخر)" اس نے اسے تھپکتے ہوئے کہا۔

اس کی آنکھیں چمکیں۔ مسکراہٹ گہری ہوئی۔ پھر وہ رئیسہ کی طرف گیا۔ دونوں ہتھیلیاں پھیلاتے ہوئے اس نے بازو ہوا میں بلند کرتے ہوئے رئیسہ کے پھیلائے ہوئے ہاتھوں پر ہائی فائی کیا۔ اپنے گلے میں لٹکا نمبر کارڈ اتار کر اس نے رئیسہ کے گلے میں ڈالا۔ پھر جھک کر اسے تھوڑا سا اٹھایا۔ وہ کھلکھلائی۔ حمین نے اسے نیچے اتارا اور اسی طرح بھاگتا ہوا واپس اسٹیج کے درمیان چلا گیا جہاں میزبان اب اس سے پھر بات چیت کرنے کے لیے منتظر کھڑا تھا۔

"آخری لفظ کتنا مشکل تھا؟" ابتدائی کلمات کے بعد میزبان نے چھوٹتے ہی اس سے پوچھا۔ وہ چند سیکنڈز پہلے سب فائنلسٹ سے ہاتھ ملاتے، ان کی مبارک بادیں وصول کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچا تھا۔ ہال میں موجود

سب لوگ اب دوبارہ نشستیں سنبھال چکے تھے اور تقسیم انعامات کی تقریب دیکھنے کے منتظر تھے۔
"آخری لفظ تو بے حد آسان تھا۔" حمین نے بڑے اطمینان سے کندھے اچکا کر کہا۔ ہال میں قہقہہ گونجا۔
"تو پھر مشکل کیا تھا؟" میزبان نے چھیڑ چھاڑ والے انداز میں کہا۔
"اس سے پہلے پوچھے جانے والے سارے الفاظ۔" حمین نے بے حد سنجیدگی سے ترکی بہ ترکی کہا۔ ہال میں پہلے سے زیادہ اونچا قہقہہ بلند ہوا۔
"کیوں؟"
"کیوں کہ میں ہر لفظ بھول گیا تھا۔ بس تکے لگا تا رہا' ہر لفظ کے ہجے کرنے کے لیے۔۔۔ بس آخری لفظ تھا جو میں آنکھیں' کان' ناک سب بند کر کے بھی ہجے کر سکتا تھا۔"
وہ روانی سے کہتا گیا ہال میں تالیاں اور قہقہے لگتے رہے۔۔۔ وہ اس بچے کی حاضر جوابی' خوش مزاجی اور بذلہ سنجی کی داد دیتے ہوئے محظوظ ہو رہے تھے' لیکن اس کی بات پر یقین نہیں کر رہے تھے۔۔۔ ہال میں بیٹھی ہوئی صرف رئیسہ تھی جو یہ جانتی تھی کہ وہ حرف بہ حرف ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اسے آخری لفظ کے علاوہ واقعی سارے لفظ بھولے تھے اور وہ اس کے تاثرات دیکھ کر ہی یہ جان جاتی تھی کہ وہ ایک بار پھر اپنا لفظ ہجے کرنا بھول گیا تھا اور پھر اپنی کرسی پر بیٹھی وہ اپنی انگلیوں کی پوروں پر اس کے لیے دل ہی دل میں دعا کرنا شروع کر دیتی۔
"اور آخری لفظ اتنا آسان کیوں لگا تھا آپ کو۔" میزبان نے پھر پوچھا۔
ایک ہاتھ اپنے سینے پر رکھے دوسرے ہاتھ سے رئیسہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حمین نے بڑے فخریہ انداز میں کہا۔ "کیونکہ میں اور میری بہن weissnichtwo (نامعلوم مقام) سے آئے ہیں۔" ہال ایک بار پھر تالیوں اور قہقہوں سے گونج اٹھا تھا۔ ہال میں لگی اسکرین پر گلاسز لگائے شرماتی ہوئی رئیسہ ابھری تھی' جس کے اطراف میں بیٹھے امامہ اور سالار بھی اس کی بات پر ہنس پڑے تھے۔
حمین نے جو کہا تھا' وہ بالکل ٹھیک تھا۔ وہ دونوں پچھلے کئی ہفتوں سے اس ایک لفظ کا استعمال اپنے لیے اتنا باقاعدگی سے کر رہے تھے کہ یہ ان کی روزمرہ کی گفتگو کا حصہ بن گیا تھا۔
رئیسہ اور حمین یہ سمجھتے تھے کہ وہ دونوں کسی نامعلوم تصوراتی دنیا سے آئے تھے۔ جو صرف ان دونوں کو پتا تھی' ان دونوں کو نظر آتی تھی' کسی دوسرے کو نہیں۔ وہ دونوں (انوکھے) ـــــ تھے اور یہ ان دونوں کا ذاتی خیال تھا۔ یہ پچھلے کچھ ہفتوں میں پائی جانے والی ان دونوں کی نئی فینٹسی کا نام تھا اور یہ کیسے ممکن تھا کہ حمین سکندر اپنی اس فینٹسی کا نام بھول جاتا جو یک دم اس کے سامنے حقیقت بن کر آگئی تھی۔
رئیسہ فخریہ انداز میں اپنے اس پارٹنر کو دیکھ رہی تھی جو اس کی طرح weissnichtwo سے آیا تھا اور اس لفظ کو واقعی آنکھیں' کان ناک بند کیے بھی دہرا سکتا تھا۔ pronouncer کے منہ سے اس ایک لفظ کو سنتے ہی وہ جان گئی تھی کہ وہ چیمپئن شپ اس سال حمین سکندر کے نام ہونے والی ہے بالکل اس طرح جس طرح وہ پچھلے دو سال عنایہ اور جبریل کے نام رہی تھی ۔ ان دونوں نے بھی حمین کی طرح پہلی بار شریک ہو کر اس چیمپئن شپ کو اپنے نام کر لیا تھا۔
spelling Bee کی وہ ایکٹوٹی امامہ نے اپنے گھر میں رئیسہ کے لیے اسٹارٹ کی تھی۔۔۔ اس کی زبان سیکھنے کی صلاحیت (linguistic skcills) کو بہتر کرنے کے لیے۔۔۔ نئے لفظ سیکھنا۔۔۔ ان کے ہجے کرنا۔۔۔ انہیں درست تلفظ کے ساتھ بولنا سکھانا۔۔۔ ان کا مفہوم اور پھر روزمرہ کی گفتگو میں ان کا استعمال۔۔۔ وہ ایکٹوٹی بڑھتے بڑھتے ان کے لیے ایکٹوٹی نہیں' روٹین کا ایک حصہ بن گئی تھی اور اس روٹین کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ ان چاروں بچوں کا (ذخیرہ الفاظ) vocabulary اپنی عمر کے بچوں سے بہت زیادہ اور بہت اچھا تھا۔۔۔ مقابلوں میں حصہ لینے کا

خیال بھی انہیں کبھی نہ آتا اگر وہ اپنی vocabulary کی وجہ سے پہلے ہی اپنے اسکول میں نمایاں نہ ہوتے۔

حمین کی گفتگو کے دوران جو وہ اپنی تیاری' پریکٹس کی روٹین کے حوالے سے کررہا تھا' کیمرہ بار بار امامہ اور سالار کو ہال میں لگی بڑی اسکرین پر دکھا رہا تھا۔ کیونکہ وہ اس چیمپئن کے والدین تھے جو اس وقت سینٹر اسٹیج پر تھا۔۔۔ ان کے آس پاس بیٹھے دوسرے مقابلے میں حصہ لینے والے بچوں کے والدین وقتاً"فوقتاً" ان سے آکر مل رہے تھے۔۔۔ وہ مبارک بادیں وصول کررہے تھے۔۔۔ بے حد پرسکون انداز میں' دھیمی مسکراہٹوں کے ساتھ۔۔۔ یوں جیسے یہ سب کچھ معمول کی بات ہو' عام بات ہو۔۔۔ اور واقعی یہ سب ان کے لیے عام سی بات تھی۔۔۔ ان کی لائق اولاد نے ان کے لیے یہ سب "عام سی بات" ہی کردیا تھا۔

زندگی میں اب تک ان سب کی وجہ سے ان دونوں کی زندگی میں ایسے بہت سے فخر کے لمحات آئے تھے۔۔۔ ایسے لمحات جن کی یادوں کو وہ ساری عمر عزیز رکھ سکتے تھے۔

"ممی اگلے سال میں حصہ لوں گی۔۔۔" ان کے درمیان بیٹھی ہوئی رئیسہ نے اپنے گلے میں لٹکے' حمین کے کارڈ کو ہلاتے ہوئے سرگوشیوں میں امامہ کو اطلاع دی۔۔۔ امامہ نے اسے تھپکا جیسے تسلی دے کر ہامی بھررہی ہو۔

اسٹیج پر اب حمین کو ٹرافی دی جارہی تھی۔۔۔ تالیوں' سیٹیوں' فلیش لائٹس کی چکاچوند اور میوزک کی گونج میں۔۔۔ حاضرین ایک بار پھر کھڑے ہو کر تالیاں بجاتے ہوئے داد دے رہے تھے اور وہاں سے کئی کلومیٹر دور واشنگٹن کے ایک قدرے نواحی علاقے کے ایک گھر میں بیٹھے جبریل اور عنایہ ٹی وی پر اس پروگرام کی لائیو کوریج دیکھتے ہوئے اسی خوشی اور جوش کا حصہ بنے ہوئے تھے جو اسکرین پر انہیں اس ہال میں نظر آرہا تھا۔ عنایہ تھوڑی دیر پہلے اپنے ٹیسٹ کی تیاری ختم کرکے بیٹھی تھی' جس کی وجہ سے وہ امامہ اور سالار کے ساتھ نہیں جاسکی تھی اور جبریل اس کے لیے پیچھے رک گیا تھا۔۔۔ وہ ٹیسٹ کی تیاری کرتے ہوئے بھی بار بار اپنے کمرے سے نکل کرٹی وی لاؤنج میں آکرٹی وی پر صرف حمین سے پوچھا جانے والا لفظ سنتی۔۔۔ وہ اور جبریل میکانیکی انداز میں بیک وقت اس لفظ کے ہجے کرتے اس سے پہلے کہ حمین اس کے ہجے کرتا پھر وہ بے یقینی سے اپنے چھوٹے بھائی کی وہ ہنسی دیکھتے جو اس لفظ کے ردعمل میں آتی اور پھر وہ اسے کوشش کرتے ہوئے دیکھتے' اس لفظ کو spell کرنے کے لیے اور ہر صحیح آخری حرف پر ان دونوں کے سینوں سے بیک وقت سانس خارج ہوتا یوں جیسے جان میں جان آگئی ہو اور اس کے بعد عنایہ ایک بار پھر ٹی وی لاؤنج سے غائب ہوجاتی۔

اور اب جبکہ اس تیسری ٹرافی کا ان کے گھر ہی آنے کا فیصلہ ہو گیا تھا تو وہ دونوں بے حد خوش تھے۔۔۔ ان سب کے درمیان مقابلہ ہوتا تھا۔ حسد اور رقابت نہیں' یہ خاصیت ان چاروں میں ہی نہیں تھی۔

ٹی وی دیکھتے ہوئے گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ جبریل اس وقت اپنے لیے ملک شیک بنانے میں مصروف تھا۔۔۔ عنایہ اس کے دروازے کی طرف جانے کے بجائے خود دروازے پر چلی گئی۔ کی ہول سے اس نے باہر جھانکا۔۔۔ وہاں گیارہ سالہ ایرک کھڑا تھا۔۔۔ عنایہ چند لمحوں کے لیے وہیں کھڑی رہی۔۔۔ الجھن کا شکار۔۔۔ وہ اس کا کلاس فیلو تھا۔ ان کا ہمسایہ تھا۔۔۔ اس کے والدین ان کے فیملی فرینڈز تھے۔۔۔ جبریل گھر پر نہ ہوتا تو وہ دروازہ کبھی نہ کھولتی۔ یہ اس کے ماں باپ کی ان سب کے لیے' اکیلے گھر پر ہونے کی صورت میں ہدایات تھیں' مگر اس وقت اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ دروازہ کھولے یا نہ کھولے۔۔۔ وہ باہر کی ہول پر نظریں جمائے یوں کھڑا تھا جیسے اس سوراخ میں سے یہ دیکھ پارہا ہو کہ اسے اندر سے دیکھا جارہا تھا اور دیکھنے والا کون تھا' یہ بھی۔

"باہر کون ہے؟" وہ جبریل تھا جو اچانک ہی وہاں آگیا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر پلٹی پھر اس نے کہا۔

"ایرک۔" دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔۔۔ بے مقصد اور کسی بھی وقت دوستوں یا جاننے والوں کو گھر نہیں بلاسکتے تھے' لیکن۔۔۔ ایرک کے لیے ان سب کے دل میں ہمدردی تھی۔

"اچھا آنے دو' شاید اسے بھی ٹیسٹ کا کچھ پوچھنا ہو۔" جبریل نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ دونوں ہاتھ اپنی جینز کی جیبوں میں ڈالے ایرک نے دروازہ کھلنے پر اپنے امریکن لب و لہجے میں ہمیشہ کی طرح بمشکل انہیں السلام علیکم کہا جسے وہ ہمیشہ ہی کی طرح بمشکل سمجھے۔

"مبارک ہو۔" ایرک نے وہیں کھڑے کھڑے جبریل کے پیچھے جھانکتی عنایہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو۔" جبریل نے بھی اتنا ہی مختصر جواب دیا۔ وہ بات کرتے ہوئے دروازے کے سامنے سے ہٹ گئے۔ ایرک اسی طرح جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اندر آگیا۔

"تم نے ٹیسٹ کی تیاری کرلی؟" عنایہ اس سے پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔

"نہیں۔" وہ چلتے ہوئے لاؤنج میں آگیا۔ ٹی وی پر وہ اب ایک بار پھر اسی پروگرام کی لائیو کوریج دیکھ رہا تھا۔ "کیوں؟"

"بس ایسے ہی۔ ؟" اس نے عنایہ کی طرف دیکھے بغیر ٹی وی اسکرین کو دیکھتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" عنایہ نے اسے اسی طرح کھڑے دیکھ کر کہا۔ جبریل تب تک لاؤنج کے ایک طرف موجود کچن ایریا میں دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

"ایرک! تمہاری ممی کو پتا ہے کہ تم یہاں ہو؟" جبریل کو فریج میں سے دودھ نکالتے ہوئے اچانک خیال آیا۔

"میرا خیال ہے۔" ایرک نے جواباً "کان سے مکھی اڑانے والے انداز میں کہا۔ "نہیں نہیں پتا؟"

جبریل دودھ کی بوتل کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے ٹھٹکا۔ اسے پچھلے ہفتے کا خیال آیا تھا جب ایرک کی ممی اسے ڈھونڈتے ہوئے وہاں آئی تھیں اور انہوں نے شکایت کی تھی کہ وہ بتائے بغیر گھر سے نکلا تھا اور وہ اتفاقاً "اسے ڈھونڈنے لگیں تو انہیں پتا چلا وہ گھر پر تھا ہی نہیں۔ تب ہی وہ ان لوگوں کے گھر آگئی تھیں کیونکہ انہیں پتا تھا وہ انہیں کہیں اور نہیں تو وہاں مل جائے گا۔

"ممی گھر پر نہیں ہیں۔" ایرک نے جبریل کے تنبیہی انداز کو بھانپ لیا تھا۔

"کہاں گئی ہیں؟" جبریل کبھی اتنی پوچھ گچھ نہ کرتا اگر یہ ایرک نہ ہوتا تو... کہیں نہ کہیں ان سب کو پتا تھا کہ وہ بعض دفعہ ان سے جھوٹ بولتا تھا اور بڑے اطمینان سے بولتا تھا اور یہ عادت اسے پہلے نہیں تھی... ایک سال پہلے جب اس کا باپ زندہ تھا۔

"کسی دوست کے پاس گئی ہیں... سبل اور مارک بھی ان کے ساتھ ہیں۔" اس نے جبریل کو بتایا۔ ٹی وی پر اب کوریج ختم ہو کر کریڈٹس چل رہے تھے۔

"تم ساتھ نہیں گئے؟" عنایہ نے اس سے پوچھا۔

"مجھے ٹیسٹ کی تیاری کرنی تھی۔" اس نے ترکی بہ ترکی کہا۔ عنایہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ اب ریموٹ ہاتھ میں لیے اس کا معائنہ اس طرح کرنے اور اس کے بٹنوں کو چھونے میں مصروف تھا جیسے زندگی میں پہلی بار ریموٹ دیکھا ہو... عنایہ کی طرف متوجہ نہ ہوتے ہوئے بھی اسے اندازہ تھا وہ اس کی بات پر اسے دیکھ رہی ہوگی۔

"چلو پھر ٹیسٹ کی تیاری کرتے ہیں۔" عنایہ نے جواباً "اسے کہا۔ اسے واقعی تشویش ہوئی تھی کہ ایرک نے ٹیسٹ کی تیاری نہیں کی تھی... اس کا مطلب تھا وہ ایک بار پھر ٹیسٹ میں برا اسکور لینے والا تھا۔

"یہ سب واپس کب آئیں گے؟" ایرک نے اس کی آفر کو مکمل طور پر نظرانداز کرتے ہوئے بات بدلنے کی کوشش کی... ٹیسٹ کی تیاری اس کی زندگی کا مسئلہ نہیں تھا۔ اس کی زندگی کے مسائل کچھ اور تھے۔

"واپس آرہے ہوں گے۔" عنایہ نے اسے بتایا اور اسے دیکھنے لگی۔ اسے پتا تھا اب وہ بے مقصد' بے معنی سوال کرتا رہے گا تاکہ وہاں بیٹھا رہے تب تک' جب تک وہ وہاں سے بھی بے زار نہیں ہو جاتا... اسے ایرک پر ترس آیا تھا... پچھلے ایک سال سے ہمیشہ ہی آتا تھا... وہ پہلے ایسا نہیں تھا... اس کی کلاس کے سب سے بہترین

اسٹوڈنٹس میں سے ایک تھا۔۔۔ ایک سال میں وہ اوسط سے بھی کم ہو گیا تھا۔

"تم اپنی ممی کے ساتھ نہیں گئے؟" عنایہ نے اس سے کہا۔۔۔ اس نے ایک لمحہ قبل جبریل کی ملک شیک کی آفر رد کی تھی۔

"ہاں میں جا سکتا تھا' لیکن میں نہیں گیا۔۔۔ میں کوئی گیم کھیل سکتا ہوں۔۔۔؟" اس نے ایک ہی جملے میں جواب اور سوال کیا۔ عنایہ ہچکچائی۔

"نہیں۔" عنایہ کے بجائے جبریل نے جواب دیتے ہوئے اس کے ہاتھ سے ریموٹ لے لیا تھا۔

"اس وقت ہمارے گھر میں کوئی گیمز نہیں کھیلتا۔۔۔ کافی دیر ہو چکی ہے۔"

جبریل نے اس کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے اسے اپنے گھر کے قوانین نرمی سے بتائے۔ وہ روز گیمز نہیں کھیل سکتے تھے۔۔۔ وہ رات کو بھی گیمز نہیں کھیل سکتے تھے۔۔۔ عام طور پر وہ اس وقت تک ڈنر کر چکے ہوتے' لیکن آج حمین کے اس مقابلے میں شرکت کی وجہ سے ڈنر لیٹ ہو گیا تھا۔

"لیکن میں تو ایک آؤٹ سائڈر ہوں۔۔۔ اور مہمان بھی۔" ایرک نے چند لمحے سوچنے کے بعد جبریل سے کہا' جو اب ٹی وی پر سی این این لگا کر بیٹھا تھا۔

"نہیں تم باہر کے نہیں ہو۔" جبریل نے جواباً" اسے کہا۔ ایرک بول نہیں سکا۔ وہ جیسے ان سے یہی سننا چاہتا تھا۔

"میں ڈنر ٹیبل سیٹ کر دوں۔۔۔ سب آنے والے ہوں گے۔" عنایہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اب لاؤنج میں ہی ایک حصے میں لگی ہوئی ڈائننگ ٹیبل پر میٹس اور پلیٹیں رکھنے لگی۔۔۔ ایرک کچھ دیر وقفے وقفے سے اسے اور جبریل کو دیکھتا رہا پھر جیسے اسے وہاں اپنی موجودگی بے مقصد نظر آئی تھی۔ جبریل نیوز بلیٹن میں محو تھا۔ عنایہ ٹیبل سیٹ کرنے میں۔۔۔ ایرک پھر بھی وہاں سے جانے پر تیار نہیں تھا۔ اس گھر میں زندگی تھی۔۔۔ سکون۔۔۔ جو اب اس کے گھر میں نہیں تھا۔

کچھ دیر بے مقصد ہی این این دیکھتے ہوئے وہ اٹھ کر عنایہ کے پاس آگیا اور کچھ کہے بغیر خود ہی ٹیبل سیٹ کرنے میں اس کی مدد کرنے لگا۔۔۔ آٹھ کرسیوں والی ٹیبل پر عنایہ نے سات میٹس لگائے تھے اور ایرک نے یہ نوٹس کیا تھا۔ اس نے جیسے کہے بغیر یہ جان لیا تھا کہ وہ وہاں سے کھانا کھا کر جائے گا۔ وہ اکثر ان کے گھر کھانا کھا لیتا تھا۔۔۔ پاکستانی کھانا بھی۔۔۔ صرف تازہ کھانے کی خواہش میں۔۔۔ کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے کی ضرورت کے تحت۔۔۔ اس کے اپنے گھر میں کیرولین کھانا ویک اینڈ پر بنا کر فریز کیا کرتی تھی۔ پھر وہ پورا ویک وہی کھانا بار بار گرم ہو کر کھایا جاتا۔۔۔ ایسا ہمیشہ سے نہیں تھا۔ ایک سال سے ہو گیا تھا' جب سے اس کا باپ ایک حادثے میں ہلاک ہوا تھا۔

کیرولین وکیل تھی' ایک نامور اور بے حد مصروف وکیل۔ تین بچوں کی باپ کے بغیر اکیلے دیکھ بھال کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ کیریئر کو بھی سنبھالنا اسے بہت مشکل لگنے لگا تھا۔ وہ نہ جاب بدل سکتی تھی نہ ہی اپنے کیریئر کے اس اسٹیج پر اپنا پروفیشن۔۔۔ گھر میں رہنے والی ماں بننا اس کی خواہشات میں سے تھا بھی نہیں۔ شوہر کی حادثاتی موت ایک صدمہ تھی۔۔۔ وہ اور جیمز پندرہ سال سے اکٹھے تھے اور ایک مثالی جوڑا تھے۔۔۔ پندرہ سال کی رفاقت کے بعد اچانک ایک دن پھر اکیلے ہو جانا تکلیف دہ تھا' لیکن مستقبل کا عدم تحفظ ایک اور مسئلہ تھا۔ وہ مشرقی عورت نہیں تھی کہ صرف بچوں کو اپنا ساتھی اور زندگی کا مقصد سمجھتے ہوئے صرف انہیں کافی سمجھتی اور ان ہی کے سہارے اپنی زندگی گزار دیتی۔ اسے اپنی زندگی میں کسی ساتھی کی تلاش اور ضرورت بھی تھی' جو جیمز کے کار کریش کے چھ ماہ بعد ایک کولیگ کی شکل میں مل گیا تھا۔

زندگی بالکل نارمل نہیں ہوئی، لیکن کچھ بہتر ہونے لگی تھی۔۔۔ کم از کم کیرولین کے لیے۔۔۔ اس کے دونوں جڑواں بچے چھ سال کے تھے۔۔۔ اور ایرک دس سال کا تھا جب کار کے حادثے میں جیمز کی موت واقع ہوئی تھی۔۔۔ سبل اور پارک سنبھل گئے تھے۔۔۔ وہ ابھی چھوٹے تھے اور جیمز کے ساتھ ان کی وابستگی ویسی نہیں تھی جیسی ایرک کی تھی۔۔۔ وہ باپ کے ساتھ حد سے زیادہ اٹیچڈ تھا۔

وہ لوگ جس suburb میں رہ رہے تھے وہاں پندرہ بیس گھروں میں رہنے والے سارے ہی لوگ پروفیشنلز اور اعلا قابلیت کے حامل تھے۔ کچھ دوسری قومیت سے تعلق رکھتے تھے جیسے سالار اور امامہ کا خاندان جو ایرک کے بالکل ساتھ والے گھر میں تھے۔ ان کالان مشترکہ تھا۔ ایرک کی پیدائش سے بھی پہلے سے جیمز نے وہ گھر قسطوں پر ——— لیا تھا لیکن سالار اور اس کا خاندان تقریباً" ڈھائی سال پہلے وہاں آکر رہنا شروع ہوا تھا۔ سالار اور جیمز کسی فنانشل فرم میں کچھ عرصہ کام کرچکے تھے اور ایک دوسرے کو بہت عرصے سے جانتے تھے۔ دونوں خاندانوں میں میل ملاپ بڑھنے کی وجہ، سالار کے بچوں کا اسی اسکول ایڈمیشن بھی، جہاں ایرک تھا۔ عنایہ، ایرک کی کلاس میں تھی۔ یہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی دوستی کا آغاز تھا۔ اگر اسے دوستی کہا جاسکتا تو۔۔۔ عنایہ بہت الگ تھلگ رہنے والی بچی تھی۔ وہ بہت نرم خو اور شائستہ تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ بہت سوچ سنبھل کر بات کرنے والی۔۔۔

ایرک بھی بے حد باتونی نہیں تھا لیکن لاابالی تھا۔ شرارتی۔۔۔ خوش مزاج۔۔۔ دوستانہ عادات رکھنے والا ایک امریکن بچہ۔۔۔ وہ عنایہ کی طرف اس کی غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے متوجہ ہوا تھا۔ اس نے دنوں میں اس کلاس میں آکر دھاک بٹھائی تھی۔۔۔ وہ ان کی کلاس کی پہلی سیاہ بالوں اور سیاہ آنکھوں والی دودھیا رنگت کی لڑکی تھی اور اپنی لمبی خم دار پلکوں کی وجہ سے پہچانی جاسکتی تھی۔ ایرک کو وہ "کیوٹ" لگتی تھی۔ اس لیے بھی کیونکہ وہ کلاس کی دوسری لڑکیوں کی طرح ہر وقت پٹر پٹر بولتی نظر نہیں آتی تھی نہ ہی ہر ایک سے بحث کرتی نظر آتی تھی۔

اس کو اپنا دوست بنانے کی کوشش ایرک کی طرف سے ہوئی تھی اور ایک سال تک جاری رہی تھی۔ وہ عنایہ کے گھر بھی آتا جاتا تھا لیکن یہ سب کچھ رسمی تھا۔ اس کی فیملی کے لوگ دوسرے ہمسایوں کے بچوں کی طرح اس سے بھی اچھے طریقے سے ملتے تھے لیکن یہاں وہ بے تکلفی اسے کبھی محسوس نہیں ہوئی کہ وہ عنایہ کو اپنی گرل فرینڈ کہہ سکتا۔۔۔

"وہ لوگ مسلم ہیں اور مسلم ایسے ہی ریزرو ہوتے ہیں۔" اس نے ایک بار اپنے باپ سے عنایہ اور اس کے والدین کے حوالے سے لمبے چوڑے سوالات کیے تھے اور اس کے باپ نے بڑے اچھے طریقے سے اسے سمجھایا تھا۔

ڈیڑھ سال گزرنے کے بعد سب کچھ ڈرامائی انداز میں بدلا تھا۔ اس کے باپ کی موت کے بعد عنایہ نے پہلی بار خود اس سے بات چیت کرنے کی کوشش کی تھی۔ جب وہ تقریباً" دو ہفتے کے بعد پہلی بار اسکول گیا تھا اور اسکول جانے کے باوجود وہ ہر کلاس میں کچھ بھی کام کیے بغیر خالی ذہن کے ساتھ بیٹھا رہا تھا۔ اس کے تمام فرینڈز اور کلاس فیلوز نے باری باری آکر اس کو تسلی دینے کی کوشش کی تھی اور پھر اپنے روزمرہ کے معاملات میں مصروف ہوگئے تھے لیکن ایرک اگلے کئی دن اسکول جاتے ہوئے بھی دوسرے بچوں کی طرح معمول کی سرگرمیوں میں خود کو مصروف نہیں رکھ سکا تھا اور یہ ہی وہ وقت تھا جب عنایہ اور اس کی دوستی شروع ہوئی تھی۔ وہ کلاس ورک میں اس کی مدد کرنے لگی تھی۔ وہ جانتا تھا اور محسوس کرسکتا تھا کہ وہ ہمدردی تھی جو عنایہ اور اس کی فیملی کو یکدم اسے اتنی توجہ دینے پر مجبور کررہی تھی اور اس ہمدردی نے بڑے عجیب انداز میں اسے ان لوگوں کا محتاج کیا تھا۔

سالار کا خاندان وہ واحد خاندان اور گھر نہیں تھا جہاں ایرک کا آنا جانا تھا۔ وہ اپنے آس پاس کے ان تمام گھروں

میں ہی جاتا تھا جہاں اس کے ہم عمر بچے تھے۔ جس جگہ وہ رہتا تھا' وہاں مختلف مذاہب اور مختلف قومیتوں کے لوگ رہتے تھے۔ ایک آدھ انڈین۔۔۔ چند چائنیز۔۔۔ اکا دکا عرب۔۔۔ یہودی۔۔۔ اور پھر سالار اور امامہ کا گھر۔۔۔ اور ان سب گھروں میں وہ اگر کسی گھر کی طرف کھنچتا تھا تو وہ یہ ہی آخری گھر تھا۔

ان کا گھر ویسا ہی گھر تھا جیسا کبھی اس کے باپ کی زندگی میں اس کا اپنا گھر تھا۔ اس کے ماں باپ بے حد مصروف ہونے کے باوجود ایرک پر توجہ دیتے تھے۔ خاص طور پر اس کا باپ، جو خود اکلوتا تھا۔۔۔ اور اب کیرولین پوری کوشش کے باوجود ایرک کو اتنی توجہ نہیں دے سکتی تھی۔ وہ سبل اور مارک کو زیادہ توجہ کا مستحق سمجھتی تھی کیونکہ وہ بہت چھوٹے تھے اور اگر وہ ایسا سمجھتی تھی تو یہ غلط بھی نہیں تھا۔۔۔ اور ایرک جیسے اپنے محور سے بھٹکے ہوئے ایک سیارے کی طرح اس خاندان کے سیارے میں آیا تھا۔ ان سے متاثر۔۔۔ ان کا حصہ بن جانے کی خواہش میں۔۔۔

حمین اور رئیسہ کے ساتھ امامہ اور سالار کی آمد پر ان کا بے حد پرجوش طریقے سے استقبال کیا گیا تھا اور استقبال کرنے والوں میں ایرک بھی تھا۔ کچھ دیر کے لیے وہاں ان کے ساتھ حمین سے خوش گپیاں کرتے وہ یہ بھول گیا تھا کہ وہ کہاں موجود ہے۔

کھانے کی میز پر ان کے ساتھ کھانا کھاتے اور خوش گپیاں کرتے ہوئے' ڈور بیل بجنے پر بھی ایرک کو یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ کیرولین ہوگی۔ وہ بے حد ناخوش تھی اور ہمیشہ کی طرح ان کے گھر آنے پر اس نے معمول کے انداز میں خوش گوار رسمی جملوں کا تبادلہ بھی نہیں کیا تھا۔ اس نے اندر آتے ہی ایرک کا پوچھا تھا اور ایرک کے وہاں ہونے کی تصدیق ہونے پر وہ اندر آئی تھی اور اس نے لاؤنج میں کھڑے کھڑے ایرک کو ڈانٹنا شروع کر دیا تھا۔

وہ سبل اور مارک کو اس کے پاس چھوڑ کر کسی دوست کے ساتھ ڈنر پر گئی تھی اور وہ سبل اور مارک کے سوتے ہی گھر سے نکل آیا تھا اور اب جب کیرولین واپس آئی تو اس نے سبل اور مارک دونوں کو گھر میں روتے ہوئے پریشان اور ایرک کو وہاں سے غائب پایا تھا۔

ایرک نے ماں کی ڈانٹ پھٹکار خاموشی سے سُنی تھی۔ شرمندگی اگر اسے ہوئی تھی تو صرف اس بات کی کہ اس کا جھوٹ ان سب کے سامنے کھلا تھا' جو اس نے مارک اور سبل کے حوالے سے بولا تھا۔ کیرولین سخت مزاج نہیں تھی لیکن پچھلے کچھ عرصہ سے اس کے اور ایرک کے درمیان عجیب سی سرد مہری آگئی تھی وہ جانتی تھی۔ ایرک' جیمز کی موت کی وجہ سے اپ سیٹ تھا لیکن وہ اس بات سے بے زار ہو چکی تھی۔

وہ گیارہ سال کا لڑکا تھا' وہ چاہتی تھی وہ اپنی ذمہ داریاں محسوس کرے اور اگر کچھ ذمہ داریاں اپنے سر نہیں لے سکتا تو کم از کم مزید کوئی مسئلہ بھی پیدا نہ کرے۔ ایرک کو ماں سے تب تک ہمدردی رہی تھی جب تک اس نے کیرولین کے نئے پارٹنر کو نہیں دیکھا تھا۔ باپ کی موت سے بڑا صدمہ یہ تھا کہ کوئی اور اس کے باپ کی جگہ لینے والا تھا۔ اس کے اور کیرولین کے درمیان سرد مہری اور کشیدگی کی بنیادی وجہ یہی تھی جسے کیرولین بوجھ نہیں پائی تھی۔

ایرک کے جانے کے کچھ دیر بعد بھی وہاں خاموشی ہی رہی تھی' یہ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ اس ساری صورت حال پر کس ردِّعمل کا اظہار کرے۔ ایرک کے ساتھ سب کو ہمدردی تھی لیکن اب ان کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے اپنے گھر سے دور کیسے رکھیں۔ خاص طور پر ایسی صورت حال میں جب کیرولین کو اس میل جول پر اعتراض بھی نہیں تھا اور وہ خود بھی کئی بار ایمرجنسی کی صورت میں سبل اور مارک کو ان کے پاس چھوڑ جاتی تھی۔

"اتنا اچھا بچہ تھا۔۔۔ پہلے کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا میں نے اسے۔۔۔ پتا نہیں اب کیا ہو گیا ہے اسے۔"
ٹیبل سے برتن اٹھاتے ہوئے امامہ نے جیسے تبصرہ کیا تھا۔

"جیمز کی موت نے ایسا کردیا ہے اسے۔" سالار نے میز سے اٹھتے ہوئے اس کے تبصرے کے جواب میں کہا۔
برتن سنک میں رکھتے ہوئے امامہ عجیب انداز میں ٹھنڈی پڑی تھی۔ دو دن بعد سالار کا طبی معائنہ ہونا تھا۔ پہلے ہر تین ماہ کے بعد اس کا طبی معائنہ ہوتا تھا' اب اس بار چھ ماہ کے بعد... یہ دیکھا جاتا تھا کہ اس کے دماغ میں موجود ٹیومر کس حالت میں تھا۔ بڑھنے لگا تھا؟ گھٹنے لگا تھا؟ اس کے دماغ میں کوئی اور ٹیومر تو نہیں بن گیا تھا۔ ٹیومرز نے کچھ اور سیلز کو تو متاثر کرنا نہیں شروع کردیا تھا۔ CTS' TMT' BPT' LP CBC, MRI پتا نہیں کتنے ٹیسٹس تھے جن کی رپورٹس وہ دم سادھے دیکھتی رہتی تھی۔ ہر کلیئر رپورٹ اس کا سانس بحال کردیتی۔ کوئی معمولی سی بھی خراب رپورٹ اسے بے حال کردیتی۔ زندگی جیسے پھر تین ماہ کے دائرے میں سمٹ کر آگئی تھی۔ تین ماہ کے بعد وہ میڈیکل چیک اپ ہوتا۔ اور پھر وہ تین ماہ کے لیے جینے لگی اور جب جب میڈیکل چیک اپ کی تاریخیں قریب آنے لگتیں امامہ کی بدحواسی میں بھی اضافہ ہونے لگتا۔
اور یہ سب کچھ تین سال سے ہو رہا تھا اور تین سال سے ۔ ٹھیک تھا... اس کا آپریشن کامیاب رہا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس کی ذہنی صلاحیتوں پر بھی کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ چھوٹے موٹے اثرات آئے تھے لیکن وہ ایسے نہیں تھے کہ انہیں تشویش لاحق ہوتی لیکن اس کے باوجود امامہ ہاشم کو لگتا تھا' زندگی بدل گئی ہے۔
اور اب سالار کی زبان سے جیمز کی موت کا ذکر سن کر اور اس موت نے اس کے بیٹے کو کیسے متاثر کیا تھا۔ وہ ایک بار پھر اسی طرح منجمد ہو گئی تھی۔ چند گھنٹے پہلے ہونے والی تقریب یک دم جیسے اس کے دماغ سے محو ہو گئی تھی۔ وہ چیک اپ جو دو دن بعد ہونے والا تھا' اگر وہ ٹھیک رہتا تو پھر اس کا چیک اپ تین کے بجائے چھ ماہ کے بعد ہوتا۔ سالار کی نہیں جیسے اس کی اپنی زندگی کی معیاد تین سے چھ ماہ بڑھنے والی تھی۔
کچن میں سنک کے سامنے کھڑے اس نے لاؤنج میں بیٹھے سالار کو دیکھا۔ اس کے گرد بیٹھے اس سے خوش گپیوں میں مصروف اپنے بچوں کو دیکھا۔
وہ خوش قسمت تھی کہ وہ اب بھی ان کی زندگیوں میں تھا... جیتا جاگتا... ہنستا مسکراتا... خوش باش' صحت مند... کم از کم کوئی اب اسے دیکھ کر یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اسے کوئی بیماری تھی اور ایسی بیماری تھی۔ وہ صرف اپنی سرجری کے بعد صحت یابی اور علاج کے دوران ہی بیمار لگتا تھا۔ سرجری کے لیے سر کے بال صاف کرا دینے کی وجہ سے بھی اور اس کے بعد ہونے والے علاج کی وجہ سے بھی...
تب اس کے چہرے پر یک دم جھریاں سی آگئی تھیں۔ بہت کم وقت میں اس کا وزن بہت زیادہ کم ہوا تھا۔ وہ شاید اس کا نتیجہ تھیں۔ چھ سات ماہ وہ ایک کے بعد ایک چھوٹے بڑے انفیکشنز کا شکار ہوتا رہا تھا۔
وہ سرجری کے بعد واپس پاکستان آنا چاہتی تھی لیکن آنہیں سکی... وہ اسے وہاں اس طرح اکیلے یہ جنگ لڑنے کے لیے چھوڑ نہیں سکتی تھی... وہ کام چھوڑ کر گھر بیٹھ کر آرام کرنے کے لیے تیار نہیں تھا اور یہ آپشن اس کے پاس تھا بھی نہیں... سرجری کے ایک ہفتے بعد وہ دوبارہ STI کے پروجیکٹس لیے بیٹھا تھا... اور وہ صرف بیٹھ کر اسے دیکھتی رہی تھی۔
تیمارداری... عیادت... دیکھ بھال... ان لفظوں کو سالار سکندر نے بے معنی کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ حتی المقدور اپنی ذمہ داری خود اٹھا رہا تھا۔ جیسے ساری عمر اٹھانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ وہ پھر بھی اسے تنہا چھوڑ دینے پر تیار نہیں تھی۔ چھ سات ماہ کے بعد وہ بالآخر صحت مند ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اس کے نئے بال اگ آئے تھے۔ اس کا وزن بڑھ گیا تھا۔ اس کے چہرے سے وہ جھریاں غائب ہو گئی تھیں جو راتوں رات آئی تھیں۔ آنکھوں کے گرد حلقے اور چہرے کی پیلاہٹ بھی چلی گئی تھی۔ وہ اب ویسا ہی سالار نظر آتا تھا جیسا اس بیماری کی تشخیص سے پہلے تھا۔ وہ

گھنٹے ٹریڈمل پر جاگنگ کرنے والا۔۔۔ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے لگاتار کام کرنے کی صلاحیت رکھنے والا۔۔۔ ہار نہ ماننے والا۔۔۔ چھوٹی موٹی تکلیف کو بتائے بغیر سہہ جانے والا۔۔۔ لیکن وہ ٹیومر اس کے اندر موجود تھا۔۔۔ ایک خاموش آتش فشاں کی طرح۔۔۔ اثرات کے بغیر۔۔۔ حرکت کے بغیر۔۔۔ لیکن اپنا بھیانک وجود برقرار رکھتے ہوئے۔۔۔ جیسے موت جو نظر نہ آتے ہوئے بھی ہوتی ہے۔ کبھی بھی آسکتی ہے اور کہیں بھی آجاتی ہے۔

ڈاکٹرز کہتے تھے اس کی صحت کی بحالی ناقابل یقین اور قابل رشک ہے امامہ ہاشم پھر بھی مطمئن ہونے سے قاصر تھی۔۔۔ وہ اپنے کسی خدشے کو ختم نہیں کر سکتی تھی۔۔۔ اپنے کسی خوف کا گلا نہیں گھونٹ سکتی تھی۔۔۔ تین سال خیر خیریت سے گزر جانے کے باوجود وہ آج بھی اسی ذہنی کیفیت میں تھی۔۔۔ سالار نہیں تھا۔ اس نے اپنی زندگی اور بیماری دونوں کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کے پاس سوچنے کے لیے وقت ہی نہیں تھا۔ وہ اس زندگی سے خوش اور مطمئن تھا جو وہ گزار رہا تھا۔ وہ خوش اور مطمئن نہیں تھی۔ اس کے پاس سوچنے کے لیے بہت وقت تھا۔ اس کا دن مصروفیات میں گزر جاتا تھا۔۔۔ مگر اس کی راتیں اب بھی سوچوں میں گزرتی تھیں۔۔۔ اور وہ بے خواب راتیں تب تب بڑھنے لگتی تھیں جب اس کے میڈیکل چیک اپ کی تاریخیں قریب آنے لگتی تھیں۔۔۔ وہ لاکھ کوشش کے باوجود اپنے دماغ سے وہ تاریخیں جھٹک نہیں پاتی تھی۔۔۔ جیسے وقت یک دم الٹی گنتی بن کر چلنے لگتا تھا۔ اسے یاد نہیں تھا کہ زندگی کے یہ تین سال اس نے سالار کی زندگی اور صحت کے علاوہ کسی اور چیز کے بارے میں اس قدر سوچتے ہوئے گزارے تھے۔ ساری ضروریات، خواہشات یک دم کہیں غائب ہو گئی تھیں۔ وہ جیسے یہ بھول ہی گئی تھی کہ اس کو کیا پسند تھا کیا نہیں۔۔۔ سالار کے ساتھ گزارے ہوئے شادی کے شروع کے دس سالوں میں اس نے دنیا کی ہر نعمت چکھ لی تھی۔ ہر آسائش دیکھ لی تھی۔۔۔ لگژری کارز سے پرائیویٹ جہازوں کے سفر تک۔۔۔ سونے کے زیورات سے لے کر ہیروں تک۔۔۔ سب۔۔۔ وہ آدھی دنیا اس کے ساتھ گھومی تھی۔۔۔ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس کی تمنا اس نے کی ہو اور سالار نے اسے تمنا رہنے دیا ہو۔۔۔ وہ اپنی زندگی کے ان دس سالوں پر پریوں کی کہانی لکھ سکتی تھی۔ لیکن ایسی زندگی گزارنے کے بعد بھی امامہ ہاشم کو زندگی کی سب سے بڑی نعمت زندگی ہی لگی تھی۔

"اس شخص۔۔۔" کی زندگی۔۔۔ وہ اس کے پاس تھا تو دنیا کی کوئی اور چیز نہ ہونے کے باوجود بھی وہ خوش رہ سکتی تھی۔ ہنس سکتی تھی۔۔۔ جی سکتی تھی۔۔۔ باقی اور کچھ بھی نہ ہوتا۔۔۔ مہنگے کپڑے، زیورات، آسائشات، گھر، کچھ بھی نہ ہوتا، صرف اس کا ساتھ اس کے ساتھ رہتا تو وہ خوش رہ سکتی تھی۔ جینے کے لیے بس اتنا کافی تھا اور اب ایک بار پھر اس کے میڈیکل چیک اپ کی تاریخ قریب تھی، ایک بار پھر اس کی نیندیں غائب ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

لاؤنج میں حمین کی کسی بات پر ہنستے ہوئے سالار کا چہرہ دیکھتے ہوئے اسے اس کی سرجری کے بعد پہلی بار اسے دیکھنا یاد آیا تھا۔ آٹھ گھنٹے کی سرجری کے بعد پہلی بار اسے دیکھنا۔۔۔ پھر اگلی صبح اسپتال جا کر اسے دوبارہ دیکھنا۔۔۔ وہ یاد نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن وہ بھول نہیں پاتی تھی۔۔۔ وہ تب بھی اس کے چہرے پر نظریں جمائے اسے دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے بیٹھی تھی، جب وہ ہوش میں آیا تھا۔۔۔ اس کے متورم پپوٹے ہلنے لگے تھے۔ وہ آنکھیں کھولنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔

"سالار۔۔۔ سالار۔۔۔!" وہ بے اختیار اسے پکارنے لگی تھی۔۔۔ ایک بار۔۔۔ دو بار۔۔۔ کئی بار۔۔۔ اس نے بالآخر آنکھیں کھول دی تھیں۔۔۔ سوجی ہوئی سرخ آنکھیں۔۔۔ وہ غنودگی میں تھا اور اس کیفیت سے لڑ رہا تھا۔ اس نے سالار کا چہرہ چھوا، ایک بار پھر اس کا نام پکارتے ہوئے۔۔۔

اس بار سالار نے اسے دیکھا تھا۔ گردن ذرا سی موڑتے ہوئے لیکن ان آنکھوں میں اس کے لیے کوئی پہچان، کوئی تاثر نہیں تھا۔ وہ صرف اسے دیکھ رہا تھا۔ پہچاننے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔

امامہ کو جیسے دھچکا لگا تھا۔ کیا وہ واقعی اسے پہچان نہیں پا رہا تھا۔ ڈاکٹرز نے اس خدشے کا اظہار آپریشن سے پہلے کیا تھا کہ اس کی یادداشت جا سکتی ہے۔ آپریشن کے مضمرات میں سے یہ ایک تھا۔۔۔ اس کے باوجود وہ شدید صدمے کا شکار ہوئی تھی۔ گنگ۔۔۔ دم بخود۔۔۔ وہ سرد ہاتھ پیروں کے ساتھ ان آنکھوں کو دیکھتی رہی تھی جو اسے ایک اجنبی کی طرح دیکھ رہی تھیں۔ پھر جیسے ان آنکھوں میں چمک آنی شروع ہوئی۔ جیسے اس کا عکس ابھرنا شروع ہوا۔ اس کی پلکیں اب ساکت نہیں تھیں۔ وہ جھپکنے لگی تھیں۔ مانوسیت کا احساس دیتے ہوئے۔۔۔ بیڈ پر اس کے ہاتھ کے نیچے موجود سالار کے ہاتھ میں حرکت ہوئی تھی۔ وہ اس کا نام اب بھی نہیں لے پا رہا تھا لیکن اس کے ہاتھ کا لمس شناخت کر رہا تھا۔ ردِعمل ظاہر کر رہا تھا۔ تین سال گزرنے کے بعد بھی امامہ اس سرجری سے پہلے اور اس سرجری کے بعد کا ایک ایک لمحہ گنوا سکتی تھی۔ وہ سب کچھ جیسے اس کے ذہن پر انمٹ نقوش کی طرح نقش تھا۔

سالار کی زبان سے جو پہلا لفظ نکلا تھا وہ اس کا نام نہیں تھا۔ وہ "الحمدللہ" تھا۔ اور امامہ کو پہلی بار الحمدللہ کا مطلب سمجھ میں آیا تھا۔ اس نے امامہ کا نام اگلے جملے میں لیا تھا اور امامہ کو لگا اس نے زندگی میں پہلی بار اپنا نام سنا ہو۔ زندگی میں پہلی بار اسے اپنا نام خوب صورت لگا تھا۔ اس نے پہلی چیز پانی مانگی تھی اور امامہ کو لگا دنیا میں سب سے قیمتی چیز پانی ہی تو ہے اور اس نے کلمہ پڑھا تھا۔ کوئی مرتے ہوئے تو کلمہ پڑھتا ہے۔ پھر زندہ ہو جانے پر اس نے کلمہ پڑھتے ہوئے کسی کو پہلی بار دیکھا تھا اور اس سب کے دوران سالار نے امامہ کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ وہ لمس۔۔۔ لمس نہیں تھا۔ جنت تھی جو ہاتھ میں تھی۔

"تمہیں نہیں آنا یہاں؟" سالار نے یک دم اسے مخاطب کیا۔ وہ ابھی بھی کچن کے سنک سے ٹیک لگائے وہیں کھڑی تھی۔ دور تھی اس لیے خود پر قابو بھی پا گئی تھی۔ آنسو بھی چھپا گئی تھی۔

"ہاں۔۔۔ میں آتی ہوں۔" اس نے پلٹ کر سنک میں باقی برتن بھی رکھے "میں سب باتیں تو "یہاں" سے بھی سن رہی ہوں۔" اس نے کہا تھا۔

"ممی! اگلے سال رئیسہ جائے گی "اسپیلنگ بی" میں۔" حمین نے وہاں بیٹھے۔۔۔ وہ اعلان کیا تھا جو رئیسہ اس سے پہلے ہی اس تک پہنچا چکی تھی۔ امامہ نے ٹونٹی بند کرتے ہوئے پلٹ کر دیکھا۔ وہ خود کو سنبھال چکی تھی لیکن حمین کی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"رئیسہ کیا کرے گی؟" اس نے صرف رئیسہ کا نام سنا تھا۔

"ممی! میں بھی یہ ٹرافی جیت کر لاؤں گی۔" رئیسہ نے اس بار خود امامہ کو منصوبے کے بجائے مقصد بتایا۔

☼ ☼ ☼

عائشہ عابدین اپنے باپ کے انتقال کے سات ماہ بعد پیدا ہوئی تھی۔ تین بہنوں میں سب سے چھوٹی تھی اور تینوں بہنوں کی عمر میں زیادہ وقفہ نہیں تھا۔ اس کے والدین نہ صرف خود ڈاکٹرز تھے' بلکہ ڈاکٹرز کے ایک نامور خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ عائشہ کی ماں نورین الٰہی نے اپنی بیٹی کو تھوڑے عرصے کے لیے پاکستان میں اپنی ماں کے پاس بھیج دیا تھا۔ وہ امریکہ میں میڈیسن جیسے پروفیشن سے منسلک ہوئے تھے۔ دو بیٹیوں کے ساتھ اس نوزائیدہ بچی کو شوہر کی اچانک موت کے بعد پیدا ہونے والے حالات میں سنبھال نہیں سکتی تھیں۔ عائشہ اگلے پانچ سال پاکستان ہی میں رہی۔ حالانکہ نورین الٰہی ۔۔۔ اس کو سال چھ مہینے وہاں رکھنا چاہتی تھیں لیکن عائشہ کی نانی اور نانا کو اس سے اتنی انسیت ہو گئی تھی۔ اور وہ بھی ان کے ساتھ اتنی خوش اور مطمئن تھی کہ نورین خیال آنے پر بھی اسے واپس نہیں لے جا سکیں۔ دو چھوٹی بچیوں کے ساتھ امریکہ میں زندگی ایک آرتھوپیڈک سرجن کے طور پر ویسے ہی اتنی مشینی تھی۔ شوہر کی موت کے بعد۔ کہ وہ چاہتیں بھی تو عائشہ کو اپنے ساتھ لے جانے پر

بھی وہ اس کی پرورش کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتی تھیں۔

پانچ سال کے بعد بالآخر وہ عائشہ کو امریکہ اپنے پاس لے آئیں لیکن عائشہ کا وہاں دل نہ لگا۔ وہ اپنی دونوں بڑی بہنوں سے مانوس نہیں تھی۔ نورین الٰہی بہت مصروف تھیں اور عائشہ کے لیے کسی کے پاس وقت نہیں تھا۔ وہ دو سال کسی نہ کسی طرح وہاں گزارتی رہی لیکن سات سال کی عمر میں نورین کو ایک بار پھر۔ اس کی ضد پر اسے واپس پاکستان بھیجنا پڑا لیکن اس بار نورین کو اس کے رہن سہن کے حوالے سے فکر ہونے لگی تھی۔ وہ اور ان کی دونوں بیٹیاں اور آدھے سے زیادہ سسرال اور میکہ امریکہ میں مقیم تھے اور وہ عائشہ کو بھی مستقل طور پر امریکہ میں ہی رکھنا کرنا چاہتی تھیں کیونکہ پاکستان میں اب ان کے صرف والدین رہ گئے تھے جو پاکستان چھوڑ کر اپنے بیٹوں یا بیٹیوں کے پاس امریکہ آنے پر تیار نہیں تھے۔

سات سال کی عمر میں اسے واپس پاکستان بھیجنے کے باوجود اس بار نورین اسے سال میں دوبار امریکہ بلاتی رہیں۔ ان کی کوشش تھی عائشہ اور اس کی بہنوں نریمان اور رائمہ میں لگاؤ پیدا ہو جائے۔ ان کی کوشش کامیاب ثابت ہوئی تھی۔ عائشہ اور اس کی دونوں بہنیں اب ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہونے لگی تھیں اور عائشہ کو اب امریکہ اتنا اجنبی نہیں لگتا تھا جتنا اس کو شروع میں لگتا تھا۔

دس سال کی عمر میں عائشہ ایک بار پھر امریکہ آئی تھی اور اس بار اسے وہاں رہنے میں پہلے جیسے مسئلے پیش نہیں آئے تھے لیکن اب ایک نیا مسئلہ پیش تھا۔ وہ اسکول میں جا کر پریشان ہونے لگی تھی۔ وہ پاکستان میں بھی کوایجوکیشن میں پڑھتی رہی تھی مگر وہاں اور یہاں کے ماحول میں فرق تھا۔ نورین اسکول کے حوالے سے کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ یہ مسئلہ ان کی بڑی دونوں بیٹیوں کو پیش نہیں آیا تھا۔ وہ عائشہ کی طرح کلاس میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان نہیں ہوتی تھیں۔ نہ ہی برہم ہوتی تھیں۔ عائشہ کو اسکول اچھا نہیں لگتا تھا۔ نورین کے پاس ایک راستہ یہ تھا کہ وہ اسے وہاں کسی اسلامک اسکول بھیجیں، وہ اس راستے کو استعمال نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ وہ اس عمر میں اسے اتنی بامنظم زندگی دینا نہیں چاہتی تھیں۔ ان کا خیال تھا وہ کچھ عرصہ یہاں رہنے کے بعد خود ہی ٹھیک ہونا شروع ہو جائے گی۔ ایک سال بعد بھی جب عائشہ بہتر ہونے کے بجائے زیادہ پریشان ہونا شروع ہوئی اور اس کے گریڈز اور خراب ہونے لگے تو نورین کو اسے ایک بار پھر پاکستان بھیجنا پڑا تھا۔ وہ اب اسے اولیولز کے بعد وہاں بلوانا چاہتی تھیں کیونکہ ان کا خیال تھا وہ اس وقت تک کچھ سمجھ دار ہو جائے گی اور وہاں چیزوں کو آسانی سے سمجھ سکے گی۔

تیرہ سال کی عمر میں عائشہ عابدین ایک بار پھر امریکہ رہنے ہونے کے لیے آئی تھی لیکن اس بار وہ وہاں اپنے لیے ایک نیا مسئلہ دیکھ رہی تھی، امریکہ اسے اسلامی ملک نہیں لگ رہا تھا۔ وہاں کی شخصی آزادی اس کے لیے پریشان کن تھی۔ وہاں لباس اور زبان کے معاملے میں روا رکھنے والی آزادی اسے ہولانے لگی تھی لیکن ان میں سب سے بڑا چیلنج اس کے لیے یہ تھا کہ وہ وہاں حجاب میں بھی اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتی تھی جو اس نے پاکستان میں لینا شروع کیا تھا اور جس سے نورین خوش نہیں تھیں۔

اس بار نورین نے بالآخر گھٹنے ٹیک دیے تھے۔ یہ مان لیا تھا کہ عائشہ کا امریکہ میں اب کوئی مستقبل نہیں تھا۔ وہ پاکستان میں ہی رہنا چاہتی تھی اور وہاں پیش آنے والے تمام چھوٹے بڑے مسائل کے ساتھ خوش تھی۔ انہوں نے عائشہ کو ایک بار پھر امریکہ سے واپس پاکستان بھیج دیا تھا۔ یہ عائشہ عابدین کا انتخاب تھا کہ اسے اپنی زندگی نانا، نانی کے طریقے سے ایک اسلامی ملک میں گزارنی ہے۔ ایک نو عمر کے طور پر امریکہ کی ترقی سے متاثر ہونے اور وہاں رہائش کا اختیار رکھنے کے باوجود عائشہ عابدین ایک پرسکون اچھی زندگی کا خواب لے کر ایک بار پھر پاکستان لوٹی تھی، جہاں وہ اپنے جیسے لوگوں کے درمیان زندگی گزارتی۔

عائشہ کے نانا' نانی نے اسے کانونٹ میں پڑھانے کے باوجود زیادہ بے باک انداز میں اس کی پرورش نہیں کی تھی۔ عائشہ کو انہوں نے گھر میں ایک ایسے مولوی سے قرآن پاک پڑھایا تھا جو کسی کم فہم رکھنے والا کوئی روایتی مولوی نہیں تھا۔ وہ ایک اچھے ادارے کے طلبا کو قرآن اور حدیث کی تربیت دیتا تھا۔ خود عائشہ کے نانا' نانی بھی دین اور دنیا کی بہت سمجھ رکھتے تھے۔ وہ اعلا تعلیم یافتہ تھے۔ ملنے جلنے کے شوقین اعلا طبقے سے تعلق رکھنے کے باوجود وہ دینی اور اخلاقی قدروں کے حساب سے قدامت پسند تھے لیکن یہ قدامت پرستی دین کے ان معنوں میں نہیں تھی جو انہوں نے عائشہ کو دیا تھا۔

عائشہ عابدین ایک ایسے ماحول میں جہاں دین کی سمجھ بوجھ اور اس میں گہری دلچسپی کے ساتھ پیدا ہوئی تھی جہاں پر حرام اور حلال کی تلواروں سے ڈرانے کے بجائے دلیل اور منطق سے اچھائی اور برائی سمجھائی جاتی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ عائشہ اپنے مذہب سے بے حد جذباتی لگاؤ رکھتی تھی۔

وہ پانچ وقت نماز باقاعدگی سے پڑھتی تھی۔ حجاب بھی اوڑھتی تھی۔ روزے بھی رکھتی تھی۔ اپنے نانا' نانی کے ساتھ حج بھی کر چکی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ فنون لطیفہ کی ہر صنف میں بھی دلچسپی رکھتی تھی۔ پینٹنگز بنا لیتی تھی۔ اسکول میں پورے لباس کے ساتھ پیراکی کے مقابلوں میں بھی حصہ لیتی تھی۔ ہر وہ کام کرلیتی تھی جس میں اسے دلچسپی ہوتی اور جس کی اسے اپنے نانا' نانی سے اجازت ملتی تھی۔

امریکی معاشرے کا حصہ نہ بننے کے باوجود نورین کو یہ تسلیم کرنے میں عار نہیں تھا کہ ان کی بیٹی کی تربیت بہت اچھی ہوئی تھی اور اس کا سہرا اپنے والدین کو صرف وہ ہی نہیں دیتی تھیں۔ ان کے خاندان اور سسرال کے وہ سب لوگ دیتے تھے جو عائشہ سے کبھی مل چکے تھے۔

نورین نے اپنی بڑی دونوں بیٹیوں کو بھی بڑی توجہ اور محنت سے پالا تھا۔ انہوں نے انہیں امریکہ میں رہتے ہوئے اپنے کلچر اور مذہب سے جتنا قریب رکھنے کی کوشش کرسکتی تھیں اتنا رکھا تھا۔ مگر ان کا زندگی گزارنے کا انداز بہت آزاد تھا۔ اور نورین کو یہ اس لیے کبھی قابل اعتراض نہیں لگا تھا' کیونکہ ان کی بیٹیاں حدود و قیود سے کبھی آگے نہیں بڑھیں جو ان کے لیے کبھی پریشانی کا باعث بنتی' سوان کے اطمینان کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ نہ صرف تعلیمی لحاظ سے بہت اچھی تھیں بلکہ امریکہ میں پلنے بڑھنے والی دوسری پاکستانی لڑکیوں کی نسبت ان کی زیادہ فرماں بردار اور پروا کرنے والی تھیں۔

لیکن انہیں ان دونوں میں اور عائشہ کی تربیت میں تب فرق سمجھ میں آتا جب عائشہ امریکا ان کے پاس رہنے کے لیے آتی یا وہ پاکستان رہنے آتیں۔

انہیں یہ احساس ہوتا کہ وہ "بیٹی" کی ماں ہیں۔ عائشہ ان کے آگے پیچھے پھرتی تھی۔ ان کے پاس بیٹھی رہتی۔ ان کی باتیں توجہ سے سنتی۔ ان کے لیے کھانے بناتی اور اس سب کے بدلے میں اسے نورین سے کچھ بھی نہیں چاہیے ہوتا تھا۔ وہ یہ سب عادتاً" کرتی تھی اور یہ سب اس نے ان ہی والدین سے سیکھا تھا جو نورین کے ماں باپ تھے۔

نورین اپنے ماں' باپ کی اس حوالے سے بے حد احسان مند اور ممنون تھیں کہ انہوں نے اس کی بیٹی کی صرف تربیت ہی اچھی نہیں کی تھی' بلکہ اسے بہت اچھے اداروں سے تعلیم دلوا رہے تھے کہ نورین کی خواہش تھی کہ عائشہ ڈاکٹر بنتی' کیونکہ ان کی بڑی دونوں بیٹیوں میں سے کسی کو میڈیسن میں دلچسپی نہیں تھی اور نہ ہی وہ ڈاکٹر بننا چاہتی تھیں۔ عائشہ کو بھی میڈیسن میں بہت زیادہ دلچسپی نہیں تھی اور شاید ماں کی خواہش نہ ہوتی تو وہ میڈیسن کے بجائے آرکیٹکٹ بننا چاہتی لیکن نورین کی خواہش کو مقدم سمجھتے ہوئے اس نے زندگی کے بہت سارے مقاصد بدل دیے تھے۔ شاید کہیں وہ اپنی ماں کی وہ خفگی بھی دور کرنا چاہتی تھی جو بار بار امریکہ جاکر بھی وہاں ایڈجسٹ نہ

ہونے اور پھر واپس آنے پر' وہ اپنی ماں کے دل میں پیدا کرتی رہی تھی۔
نورین اس لیے بھی اسے میڈیسن پڑھانا چاہتی تھیں' کیونکہ ان کا خیال تھا اگر عائشہ کو دوبارہ کبھی امریکہ آنا پڑا تو اس کے پاس ایک اچھی پروفیشنل ڈگری ہوگی تو اسے نوکری کے مسئلے نہیں ہوں گے۔ میڈیکل پڑھانے کا وہ خواب جو نورین نے اس کے لیے دیکھا تھا وہ عائشہ عابدین کی زندگی کا سب سے بھیانک خواب ثابت ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ اگلی صبح پھر ان کے دروازے پر کھڑا تھا۔ بچوں کو اسکول گئے ابھی صرف گھنٹہ ہی ہوا تھا اور امامہ نے لانڈری سے کپڑے نکال کر چند منٹ پہلے ڈرائیو میں ڈالے تھے۔ اسے آج گیراج صاف کرنا تھا اور بیل بجنے پر اس کے بارے میں سوچتے ہوئے نکلی تھی تو اس نے ایرک کو سامنے کھڑا پایا تھا۔
امامہ نے دروازہ کھول دیا تھا لیکن وہ دروازے سے ہٹی نہیں تھی۔ ایرک نے ہمیشہ کی طرح اپنے مخصوص انداز میں سلام کیا تھا جو اس نے ان ہی سے سیکھا تھا۔ امامہ نے سلام کا جواب دیا لیکن وہ پھر بھی وہیں کھڑی رہی تھی۔ راستہ روکے اور اس پر نظریں جمائے۔
"آپ اندر آنے کو نہیں کہیں گی؟" ایرک نے بالآخر کہا۔
"تم اسکول نہیں گئے؟" امامہ نے اس کا سوال گول کرتے ہوئے جواباً" اس سے پوچھا۔
"تو۔۔۔ دراصل۔" ایرک نے چند لمحے کوئی جواب ڈھونڈنے کی کوشش کی پھر وہی جواب دیا جو وہ سمجھ رہی تھی۔
"کیوں؟"
"میری طبیعت خراب ہے۔" ایرک نے نظریں ملائے بغیر کہا۔
"طبیعت کو کیا ہوا؟" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی یک دم نرم پڑی۔
"مجھے لگتا ہے مجھے کینسر ہے۔" ایرک نے بے حد اطمینان کے ساتھ کہا۔
وہ کچھ لمحوں کے لیے ہکا بکا رہ گئی تھی۔
"فار گاڈ سیک۔" اس نے بالآخر اپنے حواس پر قابو پایا۔ "جو بھی منہ میں آئے بول دیتے ہو۔ سوچتے نہیں کیا کہنا ہے اور کیا نہیں۔ ایسے ہوتا ہے کینسر۔"
وہ اسے ڈانٹتی ہی چلی گئی۔ ایرک کو مایوسی ہوئی۔ اسے امامہ سے ہمدردی کی توقع تھی جو پہلے ملتی رہی تھی۔
"آپ کو کیسے پتا مجھے کینسر نہیں ہے؟" اس نے بالآخر امامہ سے کہا۔
وہ اس کی شکل دیکھ کر رہ گئی۔ اس کی شکل بے حد معصوم تھی۔ چاکلیٹ براؤن چمک دار ریشمی بال جو کنگھی کیے بغیر بکھرے ہوئے تھے اور اسی رنگ کی آنکھیں جو پہلے شرارت سے چمکتی رہتی تھیں۔ اب ان میں ایک الجھن بھری اداسی تھی۔
امامہ سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تھا۔ جواب دے سکتی تھی لیکن گیارہ سال کے اس بچے کو کیا جواب دیتی جو پہلے ہی زندگی کے سبق سیکھ نہیں پا رہا تھا۔
خاموشی سے اس نے راستہ چھوڑا اور ایپرن کی ڈوریاں کمر کے گرد کستے ہوئے دروازہ کھلا چھوڑ کر اندر چلی گئی۔ ایرک نے اندر آتے ہوئے دروازہ بند کیا۔ کنڈی لگائی۔ یوں جیسے وہ اس کا اپنا گھر تھا پھر وہ بھی لاؤنج میں آگیا تھا۔
امامہ کچن کاؤنٹر پر بیکنگ کا بہت سا سامان پھیلائے کھڑی تھی' وہ اپنے کام میں مصروف رہی' کاؤنٹر پر پڑے سیل فون سے کسی سورت کی تلاوت ہو رہی تھی جو وہ کام کرتے ہوئے سن رہی تھی۔ ایرک نے بھی لاؤنج میں آکر کمرے میں بلند ہونے والی آیات کی آواز سنی۔ چند لمحوں کے لیے اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ کھڑا رہے۔ بیٹھ

جائے۔بات کرے۔نہ کرے۔
اس نے جبریل کو کئی بار تلاوت کرتے سنا تھا اور وہ جب بھی تلاوت کر رہا ہوتا کوئی اور بات نہیں کرتا تھا اس کے آس پاس کوئی اور اونچی آواز میں بات بھی نہیں کرتا تھا ایرک فیصلہ نہیں کرپایا کہ سیل فون پر چلنے والی تلاوت کے دوران اسے کیا کرنا چاہیے۔اس کی یہ مشکل امامہ نے آسان کی۔اس نے سیل فون پر وہ تلاوت بند کردی۔
"جبریل کی آواز ہے؟" ایرک نے جیسے تصدیق والے انداز میں پوچھا۔
"ہاں۔"
"بہت پیاری ہے۔"
امامہ اس بار مسکرائی۔
"میں بھی سیکھنا چاہتا ہوں یہ۔ قرآن۔" ایرک نے جیسے اس سنائی دینے والی چیز کے لیے بالآخر موزوں لفظ تلاش کیا۔امامہ خاموش رہی۔
"میں سیکھ سکتا ہوں کیا؟"
اس نے امامہ کو خاموش پاکر سوال کیا۔ایک اور عجیب سوال۔امامہ نے سوچا کبھی کبھی اس کے سوال بھی مشکل میں ڈال دیتے ہیں۔اسے غلط فہمی تھی کہ اسے مشکل میں ڈالنے والے سارے سوال صرف حمین کے پاس ہی تھے۔
"دلچسپی ہو تو سب کچھ سیکھا جاسکتا ہے۔" اس نے اپنے جواب کو حتی المقدور مناسب کرکے پیش کیا۔
"آپ سکھا سکتی ہیں؟" اس کا اگلا سوال اس سے بھی زیادہ گھما دینے والا تھا۔
"نہیں۔میں نہیں سکھا سکتی۔" امامہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔وہ مطلب سمجھا تھا نیت نہیں۔
"جبریل سکھا سکتا ہے؟" اس نے متبادل حل پیش کیا۔
"وہ بہت مصروف ہے اسے ہائی اسکول ختم کرنا ہے اس سال۔" امامہ نے جیسے بہانا پیش کیا۔
"میں انتظار کرسکتا ہوں۔" ایرک کے پاس بھی متبادل حل تھا۔
امامہ نے اس بار اس گفتگو ______ سے بچنے کے لیے ایک کیبنٹ کھول کر کچھ ڈھونڈنا شروع کیا ایرک نے اس موضوع گفتگو میں اس کی عدم دلچسپی محسوس کرتے ہوئے موضوع بدلنے کی کوشش کا آغاز کیا۔
"حمین اپنے بیڈ روم میں کیوں نہیں لے گیا اسے؟" وہ اب لاؤنج کے درمیان رکھی میز پر پڑی حمین کی اسپیلنگ بی ٹرافی کی طرف متوجہ تھا۔امامہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔
"آج اس کے کچھ دوست مدعو ہیں یہاں گھر پر۔ان ہی کو دکھانے کے لیے رکھی ہے۔" اس نے انڈوں کی ٹوکری سے ایک انڈا نکالتے ہوئے جواب دیا۔
"او پارٹی ہے۔" ایرک نے خوشی کا اظہار کیا۔یا کم از کم خوش دکھائی دینے کی کوشش کی۔"میں انوائیٹڈ ہوں کیا؟ اس نے اگلے جملے کو پھر سوال میں بدلا۔
وہ ایک پیالے میں انڈے توڑ کر ڈالتے ڈالتے رکی۔"تم پہلے ہی یہاں ہو۔" خوش مزاجی سے کہے گئے اس جملے میں ایسا کچھ نہیں تھا جو ایرک کو برا لگتا لیکن اسے برا لگا تھا۔
"آپ کو میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگتا؟" لاؤنج کے درمیان میں کھڑے کھڑے اس نے امامہ سے پوچھا۔
"جھوٹ بول کر آنا اچھا نہیں لگتا۔" اس بار اس کے جواب نے چند لمحوں کے لیے ایرک کو لاجواب کیا۔اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے امامہ کو دیکھا پھر اس ٹرافی کو جو درمیانی سینٹر پر پڑی تھی۔
اسے اندازہ تھا کہ وہ کس جھوٹ کا ذکر کر رہی تھی اور اسے یہ بھی پتا تھا کل رات ہونے والے واقعہ کے بعد

امامہ اس سے یہ ضرور کہتی۔ وہ اسے اچھی طرح جانتا تھا کم از کم اتنا تو۔ انڈے پھینٹتے ہوئے امامہ نے ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالی' ریڈٹی شرٹ اور نیلی جینز کے ساتھ جوگرز پہنے بکھرے بالوں کے ساتھ سر جھکائے دونوں ہاتھ جینز کی جیبوں میں ڈالے ایک جوگر کی نوک سے فرش کو رگڑتے ہوئے' وہ پتا نہیں گہری سوچ میں تھا یا شرمندگی میں۔ امامہ کو بے اختیار اس پر ترس آیا۔

"ناشتا کیا ہے؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ ایرک نے نفی میں سرہلایا۔ امامہ نے اس سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ ناشتا کرے گا یا نہیں۔ وہ اس کے لیے ناشتا بنانے لگی تھی۔ ایرک کو بھی پتا تھا وہ کیا کر رہی ہے۔

"آپ مجھے پیٹی بنادیں۔" وہ جانتی تھی' وہ پراٹھا کھانا چاہتا تھا وہ ان کے گھر کئی بار پراٹھا کھا چکا تھا۔

"میں اسے وہاں لگا دیتا ہوں۔" ایرک نے درمیانی سینٹر پر ٹرافی کے برابر میں پڑے سرٹیفکیٹ کو اٹھاتے ہوئے اسے دیوار پر لگانے کی پیش کش کی' وہ جیسے اپنے اور امامہ کے درمیان ملاقات کے شروع میں ہی آنے والی تلخی کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"وہ نہیں مت لگاؤ۔" امامہ نے اسے روکا۔

"کیوں؟" اس نے الجھ کر پوچھا۔ "آپ کو فخر نہیں ہے حمین پر؟"

وہ اس کی بات پر کچن میں کام کرتے کرتے ہنسی۔ وہ اس سے یہ نہیں کہہ سکی کہ اگر وہ اپنے بچوں کے سرٹیفکیٹس' ٹرافیاں اور اعزازات کو اپنے گھر کی دیواروں پر لگاتی تو اس کے گھر میں کوئی جگہ خالی نہ بچتی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ایسی ہی قابل اولاد دی تھی۔

"حمین کے پاپا کو پسند نہیں ہے یہ۔" اس نے پراٹھے کے لیے پیڑا بناتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" وہ متجسس ہوا۔

"یہ اپنے کارناموں کی نشانیوں کو ہر وقت دیواروں پر لٹکا دیکھیں گے آتے جاتے ہوئے تو ان کے دماغوں کو ساتویں آسمان سے کیسے نیچے اتاریں گے ہم۔" اسے سالار کی بات یاد آئی تھی۔ جو اس نے پہلی بار جبریل کے کسی سرٹیفکیٹ کو دیوار پر لگانے کی اس کی کوشش کے جواب میں کہی تھی۔

"کوئی کتنی بھی بڑی اچیومنٹ والا دن ہو۔ چوبیس گھنٹے کے بعد ماضی بن جاتا ہے اور ماضی کے ڈھنڈورے پیٹنے والے لوگ کبھی مستقبل کے بارے میں نہیں سوچتے۔" اس نے سالار کی بات من و عن دہرائی تھی' پتا نہیں ایرک کی سمجھ میں آئی یا نہیں ۔ لیکن اس نے مزید کسی سوال کے بغیر وہ سرٹیفکیٹ اسی میز پر رکھ دیا تھا۔

"مسز سالار آپ مجھے پسند نہیں کرتیں؟" وہ اس کے اگلے سوال پر بری طرح چونکی۔

"سب تمہیں بہت پسند کرتے ہیں پھر میں تمہیں پسند کیوں نہیں کروں گی۔" اس نے بڑے تحمل سے جیسے اسے سمجھایا۔

"آپ مجھے ایڈاپٹ کر سکتی ہیں؟" اگلا سوال اتنا اچانک تھا کہ وہ پراٹھا بھول کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ چند لمحوں کے لیے اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ کہ وہ کیا کہے پھر وہ ہنس پڑی تھی۔ ایرک کو اس کی ہنسی اچھی نہیں لگی۔

"ایرک تمہاری ممی ہیں۔ وہ بہن بھائی ہیں۔ ایک فیملی ہے۔"

"پلیز۔" ایرک نے کچھ بے تابی سے اس کی بات کاٹ کر جیسے پلیز کہہ کر اس کی منت کی تھی۔

"تمہاری ممی تم سے بہت پیار کرتی ہیں ایرک! وہ کبھی بھی تمہیں کسی دوسرے کو نہیں دیں گی اور تمہیں ان کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کے پاس جانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" امامہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"ممی کے پاس ایک بوائے فرینڈ ہے۔وہ جلد ہی ان سے شادی بھی کرلیں گی۔کیا آپ تب مجھے ایڈاپٹ کرسکتی ہیں؟" اس نے جیسے اس مسئلے کا بھی حل نکالا تھا۔
"تم کیوں چاہتے ہو ہمارے پاس آنا؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔
"کیونکہ یہ مجھے گھر لگتا ہے۔"

بہت مختصر جملے میں اس بچے کا ہر نفسیاتی مسئلہ چھپا تھا۔۔۔وہ کس تلاش میں کہاں کہاں پھر رہا تھا۔امامہ کا دل اور پگھلا مگر کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا کوئی حل نہیں ہوتا۔۔۔چاہے عقل کی ہر کنجی لگالیں 'کچھ تالے نہیں کھلتے۔
"تم اپنی ممی کو چھوڑ کر ہمارے پاس آنا چاہتے ہو۔۔۔یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔" امامہ نے جیسے جذباتی بلیک میلنگ کی کوشش کی تھی۔
"ممی مجھے چھوڑ دیں گی۔۔۔میں نے آپ کو بتایا ہے نا۔ان کا بوائے فرینڈ ہے۔۔۔" ایرک کے پاس اس جذباتی حربہ کا جواب تھا۔
"وہ شادی کرلیں۔۔۔بوائے فرینڈ کے ساتھ رہنے لگیں۔کچھ بھی ہو۔تم ان کے بیٹے ہی رہو گے۔۔۔تم سے ان کی محبت کم نہیں ہوگی۔۔۔وہ تمہیں اور تمہارے دونوں بہن بھائیوں کو اپنی زندگی سے نکال نہیں سکتیں۔" اس نے کیرولین کی وکالت کرکے ایرک کی مایوسی کو جیسے اور بڑھایا۔
"میں عنایہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اس کے اگلے جملے نے امامہ کا دماغ جیسے گھما دیا تھا۔۔۔وہ اگلے کئی لمحے بول ہی نہیں سکی تھی۔وہ ان لوگوں سے اٹیچڈ تھا'ان لوگوں کو پسند کرتا تھا لیکن وہ اس طرح اس انداز میں ان کے خاندان کا حصہ بننے کا سوچ سکتا تھا۔اس کا اندازہ اسے نہیں تھا۔
"یہ بھی نہیں ہوسکتا۔" اس نے بالآخر اس سے کہا۔
"کیوں؟" وہ بے تاب ہوا۔
"تم ابھی اس طرح کی باتیں کرنے کے لیے بہت چھوٹے ہو۔" اسے اس سے زیادہ مناسب جواب نہیں سوجھا تھا۔"جب میں بڑا ہوجاؤں گا'تب شادی کرسکتا ہوں اس سے؟"
"نہیں۔" اس بار اس نے صاف گوئی سے کہا۔
"کیوں؟" وہ اتنی آسانی سے ہار ماننے والا نہیں تھا۔
"اس سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو تم؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔
"کیونکہ میں اسے پسند کرتا ہوں۔"
"لیکن ہوسکتا ہے'وہ تمہیں اتنا پسند نہ کرتی ہو کہ تم سے شادی کرنے پر تیار ہوجائے۔" ایرک کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔
"کیا اس نے آپ سے ایسا کہا؟" اس نے ایک بچکانہ سوال کیا تھا۔
"نہیں'اس نے مجھ سے نہیں کہا۔وہ بہت چھوٹی ہے۔تمہیں پسند یا ناپسند کرنے کے بارے میں وہ ابھی سوچ بھی نہیں سکتی۔۔۔لیکن یہ میں تم سے کہہ رہی ہوں ایرک!کہ اس طرح کی باتیں کرنا اور سوچنا چھوڑ دو۔۔۔ورنہ شاید ہمارے لیے تم سے ملنا جلنا ممکن نہیں رہے گا۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ ترش ہوئی تھی اور یہ ضروری تھا' وہ نہیں چاہتی تھی'وہ ایسی کوئی بات عنایہ سے بھی کرے۔
"آپ مجھ سے خفا نہ ہوں۔۔۔اگر آپ ایسا نہیں چاہتیں تو میں عنایہ سے شادی نہیں کروں گا لیکن میں اس سے پیار کرتا ہوں۔" ایرک اس کی خفگی سے کچھ پریشان ہوا لیکن پھر بھی اسے اپنے دل کی کیفیت بتائے بغیر نہیں رہ سکا۔وہ بے اختیار لمبی سانس لے کر رہ گئی۔۔۔وہ اس معاشرے کے وہ چیلنجز تھے جو اس سمیت ہر مسلمان ماں

کو ڈراتے تھے۔
"تم کیا کرسکتے ہو عنایہ کے لیے؟" اس نے بے حد سنجیدگی سے ایرک سے پوچھا۔
"سب کچھ۔" اسے وہی جواب ملا جس کی اسے توقع تھی۔

"او کے پھر اسکول جاؤ باقاعدگی سے۔۔۔ دل لگا کر پڑھو۔۔۔ اپنا کوئی کیریئر بناؤ۔۔۔ عنایہ کسی ایسے لڑکے کو تو کبھی پسند کرسکتی جو باقاعدگی سے اسکول نہ جاتا ہو۔۔۔ اپنی ماں کی بات نہ مانتا ہو۔۔۔ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی پروا نہ کرتا ہو۔۔۔ جو اسٹڈیز کو سنجیدگی سے لیتا ہی نہ ہو۔۔۔ اور پھر جھوٹ بولتا ہو۔"
ایرک کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ امامہ نے جیسے دو سیکنڈز میں اس کی زندگی کی پہلی محبت کا تیا پانچہ کردیا تھا۔
وہاں یک دم خاموشی چھائی تھی۔ امامہ اب بھی کچن میں کام میں مصروف تھی۔ ایرک کا ناشتہ تیار کرکے اس نے ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ وہ بہت دیر خاموش رہا پھر اس نے امامہ سے کہا۔
"میں اپنے آپ کو ٹھیک کرلوں گا۔"
"یہ بہت اچھا ہوگا ایرک۔۔۔ لیکن اس کے ساتھ تمہیں ایک اور وعدہ بھی کرنا ہے، مجھ سے۔"
"کیا؟" وہ الجھا۔
"جب تک تم ہائی اسکول پاس کرکے یونیورسٹی میں نہیں چلے جاتے ہم عنایہ سے اس طرح کی کوئی بات نہیں کروگے۔۔۔ میں نہیں چاہتی' وہ تم سے مکمل طور پر خفا ہوجائے۔"
"میں وعدہ کرتا ہوں۔ میں ایسا ہی کروں گا۔"
ایرک نے بھی اسی سنجیدگی سے امامہ سے کہا تھا جس سنجیدگی سے وہ اس سے بات کررہی تھی۔ وہ اپنا چھری اور کانٹا پکڑے کرسی پر بیٹھا پراٹھا کھانے کی تیاری میں تھا۔
"اور جب تک تم یونیورسٹی نہیں پہنچ جاتے ہم دوبارہ اس ایشو پر بات نہیں کریں گے۔۔۔ محبت۔۔۔ شادی۔۔۔ عنایہ۔" امامہ نے جیسے ان تین چیزوں کے گرد ریڈ زون لگاتے ہوئے اس سے کہا تھا۔ وہ معمول کی طرح یہ بات بھی مان گیا تھا۔
امامہ کا خیال تھا۔ اس نے حفاظتی بند باندھ دیا تھا۔ تھوڑا عرصہ مزید گزر جانے پر وہ اپنے باپ کی موت کو بھول جانے کے بعد ٹھیک ہوجاتا۔ اس سے عنایہ اور اس سے متعلقہ ہونے والی ساری گفتگو بھول جاتا۔۔۔ اس نے ایرک کی اس بات چیت کو ایک امریکن بچے کی بچکانہ گفتگو سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔۔۔ اسے اندازہ نہیں تھا ایرک ایک عام امریکن بچہ نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

احسن سعد کا باپ اس بات پر ہمیشہ فخر کرتا تھا کہ اس کا بیٹا آج کے زمانے میں پاکستان کے بہترین انگلش میڈیم اور کو ایجوکیشن اداروں میں پڑھنے کے باوجود ایک سچا اور پکا مسلمان تھا۔۔۔ داڑھی رکھتا تھا۔۔۔ پانچ وقت کی نماز مسجد میں پڑھتا تھا۔۔۔ حج اور عمرے کی سعادت اپنے شوق سے حاصل کرچکا تھا۔۔۔ لڑکیوں سے کوسوں دور بھاگتا تھا۔ کسی ایسی سرگرمی میں ملوث نہیں تھا جو "حرام" تھی اور ماں باپ کا فرماں بردار تھا۔۔۔ دن کو دن اور رات کو رات کہنے والی سعادت مندی اور اس کے ساتھ ساتھ پڑھائی میں شروع سے اب تک اس نے اسکالرشپ حاصل کی تھی۔۔۔ صرف وہی نہیں ان کی دونوں چھوٹی بیٹیاں بھی جو بڑے بھائی ہی کی طرح دینی طور پر باعمل ہونے کے ساتھ ساتھ پوزیشن ہولڈرز تھیں۔
سعد اور اس کی بیوی اس بات پر جتنا فخر کرتے' وہ کم تھا اور یہ فخر وہ برملا لوگوں تک پہنچاتے بھی تھے۔۔۔ ان کے حلقہ احباب میں زیادہ تر لوگ ان ہی کی طرح کنزرویٹو اور مذہبی تھے لیکن کم لوگ ایسے تھے جن کے بچے ان کے بچوں کی طرح لائق فائق ہوتے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ والدین کے اتنے فرماں بردار ہوتے۔

باندھتا تھا۔ ان کا گھران کے سوشل سرکل میں ایک آئیڈیل گھر سمجھا جاتا تھا ایسا آئیڈیل گھر جیسا گھر اور فیملی سب بنانا چاہتے۔۔۔ لیکن یہ صرف اس کی ماں کا خاندان تھا جو اس آئیڈیل گھر کی کھوکھلی بنیادوں سے واقف تھا اور احسن سعد کے باپ کو پسند نہیں کرتا تھا۔
سعد نے ایک بہت امیر اور اچھے خاندان میں شادی کی تھی لیکن اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کو ایک اچھی اور نیک مسلمان عورت بنانے کے لیے جو کچھ کیا تھا۔ وہ اس کے خاندان سے پوشیدہ نہیں تھا۔۔۔ اگر شادی کے پہلے ہی سال احسن پیدا نہ ہو گیا ہوتا تو اس کی بیوی کے ماں باپ اپنی بیٹی کی علیحدگی کروا چکے ہوتے۔۔۔ کئی بار احسن کی پیدائش کے بعد بھی معاملات اس حد تک جاتے رہے کہ طلاق ہو جاتی لیکن سعد اور اس کے گھر والوں کا شور شرابا ہمیشہ انہیں کمزور کر دیتا۔۔۔ سعد اپنی بیوی کو ایک باحجاب 'فرماں بردار' دین سے قریب اور دنیا سے دور رہنے والی بیوی بنانا چاہتا تھا اور یہ وہ مطالبہ تھا جو وہ مذہب کا نام استعمال کرتے ہوئے کرتا تھا۔
سعد میں اس کے علاوہ کوئی خرابی نہیں تھی کہ وہ اپنی بیوی کو اس سانچے میں ڈھالنے کے لیے ہر حربہ استعمال کر سکتا تھا۔ گالم گلوچ سے لے کر مار کٹائی تک اور ماں باپ کے گھر جانے پر پابندی لگانے سے گھر میں قید کر دینے تک ۔۔۔ اور خاندانوں کے بڑے جب بھی ان مسائل پر اکٹھے ہوئے سعد اپنے ہر رویے کا جواز اسلام سے لے کر آتا۔۔۔ وہ شوہر تھا۔ بیوی کو اپنے طریقے اختیار کروانا نہیں چاہتا تھا۔ اسلامی طریقے پر رکھنا چاہتا تھا۔ کیا بیوی کا خاندان اپنی بیٹی کو بے راہ رو دیکھنا چاہتا تھا۔۔۔ اس کی بیوی کے میکے والوں کے پاس ہزار دلیلوں کے باوجود سعد کے قرآن و حدیث اور مذہبی حوالوں کا جواب نہیں تھا۔۔۔ وہ روشن خیال پڑھے لکھے تھے مگر ان کے پاس صرف دنیاوی تعلیم تھی۔ ان کے پاس دین کا علم ہوتا تو وہ سعد کے قرآن و حدیث کے حوالوں کا سیاق و سباق بھی اسے بتا دیتے۔
سعد کی بیوی اس سے عمر میں چھوٹی تھی اور ہر بار اس کے گھر والے اسے کچھ اور وقت صبر اور برداشت کے ساتھ گزارنے کا کہتے اور سعد کی کچھ اور فرماں برداری اختیار کرنے کی نصیحت کرتے۔۔۔ ان سب کا خیال تھا' وقت گزرنے اور بچے ہونے کے ساتھ ساتھ سعد بدلتا جائے گا۔۔۔
وقت بدلنے کے ساتھ سعد نہیں بدلا تھا۔ اس کی بیوی بدلتی چلی گئی تھی۔ اس نے ذہنی طور پر یہ مان لیا تھا کہ وہ شادی سے پہلے واقعی اسلام سے دور تھی اور دین کی تعلیمات وہی تھیں جو سعد اس کے کانوں میں ڈالتا تھا اور اسے واقعی وہی کرنا چاہیے جو اس کا شوہر کہتا تھا۔ ویسا پردہ۔۔۔ ویسی خدمت۔۔۔ ویسی فرماں برداری۔ ایک اسٹیج وہ آ گیا تھا جب دونوں میاں بیوی سوچ کے حساب سے ایک جیسے ہو گئے تھے۔۔۔ اس کی بیوی بھی سعد کی طرح لوگوں پر اپنے فتوے نافذ کرنے لگی تھی' وہ دوسروں کے بارے میں اپنے فتوؤں کا کھلا اظہار کرتی تھی۔ وہ کسی کی ذرا بھی ایسی چیز کو برداشت نہیں کر پاتی تھی جو اسے غیر اسلامی لگتی۔ ان کا خیال تھا' اسلام انہیں اس کا حکم دیتا تھا کہ جو علم ان کے پاس ہے' وہ دوسروں تک پہنچائیں۔ جو خلاف اسلام کام وہ روک سکتے ہیں۔ اسے روک دیں جسے برا کہہ سکتے ہیں۔ اسے برا نہ کہیں بلکہ سب کے سامنے اس طرح مطعون کریں کہ اگلا شرم سے پانی پانی ہو جائے۔
اسلام میں "حکم" کے علاوہ "حکمت" نام کی بھی ایک چیز۔۔۔ ہے' وہ اس سے ناواقف تھے۔۔۔ وہ میاں بیوی اس بات پر شکر ادا کرتے تھے کہ اللہ نے انہیں یہ توفیق عطا کی کہ وہ لوگوں کو کھینچ کھینچ کر مذہب کی طرف لا رہے تھے۔ راہ ہدایت کی طرف راغب کر رہے تھے۔
ان دونوں کی ازدواجی زندگی میں اگر کسی بات پر ان کا کبھی اتفاق ہوا تھا تو وہ صرف یہی ایک بات تھی۔ ان دونوں میاں بیوی کے درمیان کسی اور چیز پر زندگی میں کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا مگر سعد کی بیوی ہر اس چیز پر جو اس کے شوہر کو ناگوار گزرتی تھی' صرف خاموش رہنا سیکھ گئی تھی۔۔۔ خاموشی اختیار نہ کرنے اور اختلاف رائے کرنے کا نتیجہ وہ شادی کے ابتدائی سالوں میں بہت بری طرح بھگت چکی تھی۔ اس نئے اور سعد کے درمیان اتنے سال گزر جانے

کے باوجود اس قدر مذہبی ہم آہنگی کے باوجود محبت نہیں تھی لیکن اسّی فیصد پاکستانی جوڑوں کی طرح وہ اس کے بغیر بھی رشتہ تو چلاتے ہی آرہے تھے۔ اگر ایک دوسرے سے محبت نہ ہونے نے ان کے لیے ساتھ رہنا مشکل بنایا تھا تو اس مشکل کو آسان اس مشترکہ نفرت نے کردیا تھا جو وہ میاں بیوی ہر اس شخص سے کرتے تھے جو ان کی زندگیوں اور ذہنوں میں موجود اسلام کے تصور پر پورا نہیں اترتا تھا۔

وہ دونوں میاں بیوی اپنے خاندان اور حلقہ احباب میں پسند نہیں کیے جاتے تھے حالانکہ ان دونوں کا خیال تھا کہ وہ دونوں بے حد خوش اخلاق اور سب کی ضرورت میں ان کی کام آنے والے تھے لیکن کہیں نہ کہیں اسلام کے اس کٹر تصور نے جو وہ دوسروں پر ٹھونسنا چاہتے تھے لوگوں کے لیے ان کو کسی نہ کسی حد تک ناقابل برداشت بنادیا تھا اور وہ اس ناپسندیدگی سے ناواقف نہیں تھے۔ لیکن ان کا خیال تھا بلکہ انہیں یقین تھا وہ نیکی کی بات پھیلانے والے ہیں اور اگر اس کی وجہ سے لوگ ان سے کٹتے ہیں تو اللہ انہیں اس کا اجر دے گا۔

احسن سعد نے ایک ایسے گھر میں پرورش پائی تھی جہاں پر اس کے ماں باپ نے اسے لوگوں کو اسی کسوٹی پر پرکھنا سکھایا تھا جن پر وہ خود دوسروں کو پرکھتے تھے۔ اس نے ماں باپ کے درمیان ہر طرح کا جھگڑا بچپن میں ہی دیکھ لیا تھا اور اس نے سیکھا تھا کہ شوہر اور بیوی کا تعلق ایسا ہی ہوتا ہے اور ہونا چاہیے... حاکم اور محکوم کا... برتر اور کمتر کا... کفیل اور مکفول کا... عزت اور احترام کا نہیں... پیار اور محبت کا بھی نہیں۔

مرد کی ساری عزت اور غیرت اس کے گھر کی عورت کے کردار اور عمل سے ڈوبتی ہے اس کے اپنے عمل اور کردار سے نہیں... ایک امریکن نیشنل اور وہاں سے اعلا تعلیم یافتہ باپ نے احسن سعد کو جو پہلا سبق پڑھایا تھا' وہ یہی تھا۔

احسن سعد کو کچھ چیزیں شدید ناپسند تھیں... ناپسندیدگی ایک چھوٹا لفظ تھا یہ کہنا زیادہ مناسب تھا کہ اسے کچھ چیزوں سے نفرت تھی اور ان چیزوں کی فہرست میں ماڈرن عورت اور امریکہ سرفہرست تھے۔ باپ کی طرح وہ دنیا میں تمام انتشار اور گناہ کی وجہ ان ہی دو کو قرار دیتا تھا۔

وہ ایک بے حد لبرل اسکول میں کو ایجوکیشن میں اے لیولز کررہا تھا لیکن وہ وہاں اپنے ساتھ پڑھنے والی ہر اس لڑکی کو "آوارہ" سمجھتا تھا جو حجاب میں نہیں تھی۔ ماں باپ کی طرح وہ بھی یہی سمجھتا تھا کہ وہ سب لڑکیاں لڑکوں کو دعوت گناہ دیتی ہیں۔ جان بوجھ کر اپنی طرف راغب کرتی ہیں۔

اس کی اپنی دونوں بہنیں اس کے برعکس ــــــــــــ کو ایجوکیشن سے نہیں پڑھیں تھیں مگر احسن سعد کو شروع سے ہی ایسے اسکولز میں پڑھایا جاتا رہا جہاں کو ایجوکیشن تھی جہاں اس کا واسطہ ہر قسم کی لڑکیوں سے پڑتا تھا اور باپ کو اسے مثالی بنا کر پیش کرنے کے لیے یہ ایک اور مثال مل گئی تھی... اس کا بیٹا کو ایجوکیشن میں پڑھنے کے باوجود گرل فرینڈ کے مفہوم سے بھی واقف نہیں تھا... یہ اس منافقت کی ایک اور جھلک تھی جو سعد کے اپنے اندر مذہب اور مذہب کی حدود کو نافذ کرنے کے حوالے سے تھی۔

احسن سعد اور اس کی دونوں بہنوں کی زندگی سماجی طور پر جتنی محدود کی جاسکتی تھی' سعد اور اس کی بیوی نے کر رکھی تھی... ان کی زندگی کی واحد "تفریح" پڑھنا تھا... واحد "خوشی" اچھے گریڈز لینا تھا۔ واحد "دلچسپی" مذہبی کتابیں پڑھنا تھا۔ واحد مقصد "آخرت میں سرخروئی" تھی... واحد "ہابی" "والدین کی خدمت تھا"... اور اس سب میں وہ "دنیا" کو ایک لعنت کے طور پر سمجھتی تھیں اور ہر وہ چیز جو دنیا کی طرف کھینچتی تھی' وہ شیطانی تھی۔

وہ ایک پرفیکٹ dysfunational فیملی تھی جس میں ماں باپ نے اپنے خراب ازدواجی تعلق سے پیدا ہونے والے نقائص اور خامیوں کو مذہب کے کمبل سے اسے ڈھک کر اپنے آپ کو پاک کرلیا تھا... تاکہ کوئی ان کی عبادتوں یا علم سے آگے بڑھ کر ان سے بات نہ کرسکے۔ ان کی ساری بشری کمزوریاں اور خامیاں نماز' روزوں اور

دوسری عبادتوں میں چھپ جائیں۔۔۔ سب سے خوف ناک بات یہ تھی کہ اس گھر میں رہنے والے کسی فرد کو یہ احساس ہی نہیں تھا کہ ان میں بہت سے نقائص تھے' ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو پرفیکٹ سمجھ رہا تھا۔۔۔ دوسروں کے لیے ایک رول ماڈل۔۔۔ اللہ سے قریب۔۔۔

احسن سعد بھی اپنے آپ کو کامل سمجھتا تھا۔ سب برائیوں سے مبرا۔۔۔ سب اچھائیوں کا منبع۔۔۔ اس پر اپنے باپ کی سوچ اور کردار کی گہری چھاپ تھی جو اس سے عشق کرتا تھا کیونکہ وہ اس کی واحد نرینہ اولاد تھی۔۔۔ احسن سعد نے باپ سے بہت کچھ وراثت میں لیا تھا۔ شکل و صورت' ذہانت' مزاج' عادات۔۔۔ لیکن جو سب سے بڑی چیز احسن سعد نے باپ سے لی تھی وہ منافقت تھی۔۔۔ اس کی پہچان نہ رکھتے ہوئے بھی۔۔۔ اسے ماڈرن عورت اور امریکہ سے نفرت تھی۔۔۔ وہ انہیں گناہ اور برائی کی جڑ سمجھتا تھا۔۔۔ اور وہ ایک ماڈرن عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا جس کے پاس امریکن شہریت بھی ہو۔۔۔ اور وہ امریکہ میں اعلا تعلیم بھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔۔۔ اس کا باپ ٹھیک کہتا تھا' احسن جس چیز کی بھی تمنا کرتا تھا۔ وہ اسے مل جاتی تھی۔۔۔ یہ دونوں چیزیں بھی اسے ملنے والی تھیں۔۔۔ اس کی خوش قسمتی ایک اور خاندان کی بد قسمتی میں بدلنے والی تھی۔

"تمہیں پتا ہے JB لڑکیاں تمہیں ہاٹ سمجھتی ہیں۔"

ایک لمحہ کے لیے ڈنر ٹیبل پر خاموشی چھا گئی تھی' وہ ایسا ہی غیر متوقع جملہ تھا جو حمین نے پاستا کھاتے ہوئے اپنے تیرہ سالہ بڑے بھائی کے گوش گزار کیا تھا۔۔۔ امامہ' سالار' عنایہ' رئیسہ نے بیک وقت حمین کو دیکھا پھر جبریل کو جو سرخ ہوا تھا۔۔۔ وہ شرمندگی نہیں غصہ تھا جو حمین کے ان بے لاگ تبصروں پر اکثر آجاتا تھا۔

"وہ مجھے بھی کول کہتی ہیں لیکن تمہیں تو ہاٹ سمجھتی ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے نا۔۔۔"

اس نے ماں باپ کی نظروں کی پروا کی تھی نہ ہی جبریل کے سرخ ہوتے چہرے کی۔۔۔ اس نے اپنے تبصرے کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے لڑکیوں کی نظر میں اپنے اسٹیٹس پر افسوس کا اظہار بھی اسی سانس میں کیا تھا۔

"Will you please shut up"

("تم خاموش نہیں رہ سکتے؟") جبریل نے اس دفعہ کچھ سخت لہجے میں اسے روکنے کی کوشش کی۔ ماں باپ کی موجودگی کا لحاظ کرتے ہوئے اس نے اسے شٹ اپ کہنے کے بجائے ان دو لفظوں کو توڑ کر کے بلاواسطہ اسے ٹوکا۔

"Oh one more twister۔"

حمین نے یوں ظاہر کیا جیسے اس نے اسے کوئی بڑا ہی مشکل لفظ کہہ دیا تھا جس سے وہ واقف ہی نہیں تھا۔

"حمین۔" اس بار امامہ نے اسے تنبیہہ کی' وہ سمجھ رہی ہوتے والی اس پارٹی کو بھگتا کے بیٹھی تھی۔ جو حمین نے اپنے کلاس فیلوز۔۔۔ کو دی تھی۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا ممی۔۔۔" حمین نے اس کی تنبیہہ کو جیسے ہوا میں اڑایا اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میری جاننے والی ہر لڑکی کا جبریل پر کرش ہے۔"

جبریل نے اس بار ہاتھ میں پکڑا ہوا کانٹا پلیٹ میں رکھ دیا پر یہ جیسے اس کے صبر کے پیمانے کے لبریز ہو جانے کی نشانی تھی۔

"یہاں تک میری گرل فرینڈز بھی۔۔۔"

"فرینڈز!" سالار نے ٹوکا۔

"جو بھی ہو۔۔۔" اس نے اسی انداز میں بات جاری رکھی۔ "مین! یو آر سو لکی۔۔۔"

حمین نے اس بار جبریل کو رشک بھری نظروں سے دیکھا۔ امامہ اپنی بے انتہا کوشش کے باوجود اپنی ہنسی پر قابو نہیں پا سکی۔ اسے حمین کی گفتگو سے زیادہ جبریل کے ردعمل پر ہنسی آرہی تھی جس کی اب کان کی لوئیں تک سرخ ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ وہ ماں کے ہنسنے پر کچھ اور جز بز ہوا تھا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے کون سی چیز ہے جو اسے لڑکیوں میں پاپولر کرتی ہے؟" سالار نے صورت حال کو سنبھالنے کی کوشش کی اس نے بڑی سنجیدگی سے حمین سے یوں سوال کیا جیسے یہ کوئی بڑا فلسفیانہ سوال تھا۔

"میں اس بارے میں پہلے ہی سوچ چکا ہوں۔" حمین نے اپنے کانٹے کی نوک پاستا کے درمیان پھیرتے ہوئے سالار کے فلسفیانہ سوال کا اسی فلسفیانہ انداز میں جواب دینے کی کوشش کی۔

"اس کی بہت سی ریزنز ہیں۔ لڑکیاں ان لڑکوں کو پسند نہیں کرتیں جو بہت بولتے ہیں اور JB بالکل بات نہیں کرتا۔

"اور۔۔" سالار نے سلاد کا ایک ٹکڑا کھاتے ہوئے آگے بولنے کی ترغیب دی۔

"اور لڑکیاں ان لڑکوں کو پسند کرتی ہیں جو لیے دیے رہتے ہیں اور JB میں یہ بات بھی ہے۔"

اس نے اپنے بھائی کا تجزیہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

"اور لڑکیوں کو وہ لڑکے اچھے لگتے ہیں جو ان کی کبھی نہ ختم ہونے والی باتیں سن سکتے ہوں اور JB سب کی باتیں سنتا ہے خواہ وہ کتنی ہی احمق ہوں۔۔۔"

اس بار سالار کو بھی ہنسی آئی جو اس نے گلا صاف کر کے چھپائی۔ عنایہ اور رئیسہ چپ چاپ کھانا کھاتے ہوئے حمین کے جملے سنتیں پھر جبریل کے تاثرات دیکھتیں' وہ بڑا بھائی تھا۔۔۔ یہ چھوٹا بھائی تھا اور وہ سمجھ نہیں پا رہی تھیں کہ وہ اس قابل اعتراض گفتگو میں حصہ کیسے لیں۔

"اور لڑکیاں ان لڑکوں کو پسند کرتی ہیں جو گڈ لکنگ ہوں۔" حمین اسی طرح روانی سے کہتے ہوئے اس بار اٹکا۔ "اور یہاں میرے اور JB کے درمیان موازنہ کیا جائے تو ہم دونوں ہر لحاظ سے یکساں گڈ لکنگ ہیں۔"

اس نے بات پھر گھمائی اس بار بالآخر جبریل نے اسے ٹوکا۔
"و تمہیں پتا ہے حمین! لڑکیاں ان لڑکوں کو پسند کرتی ہیں جو ایڈیٹ نہیں ہوتے۔" اس کا اشارہ حمین کی سمجھ گیا تھا۔
"ہاں' یہ اسی صورت ممکن ہے اگر لڑکیاں خود احمق نہ ہوں۔"
"بابا!" اس بار عنایہ نے سالار کو پکارا تھا۔ اور اس نے حمین کے تبصرے پر احتجاج کیا تھا۔
"تم ان دونوں لڑکیوں کے بارے میں کیا کہو گے؟" سالار نے بے حد سنجیدگی سے اس سے پوچھا۔
"تین کہیں بابا! آپ ممی کو لڑکیوں کی صف سے کیوں نکال رہے ہیں۔" حمین نے سوال کا جواب گول کیا اور بے حد معصومیت سے سالار سے پوچھا' وہ اسمارٹ نہیں تھا سپر اسمارٹ تھا... ہوشیار اور موقع شناس تھا... بات کہنا' بدلنا' سنبھالنا اس عمر میں بھی جانتا تھا۔
"حمین! بس کردو۔" امامہ نے اس بار اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے اس سے کہا۔ اس کی واقعی سمجھ میں نہیں آیا تھا' وہ اسے ڈانٹے یا اس کی باتوں پر ہنسے۔
وہ جو بھی کہہ رہا تھا۔ غلط نہیں تھا۔ جبریل تیرہ سال کی عمر میں بھی اپنے قد کاٹھ کی وجہ سے بڑا لگتا تھا۔ وہ حمین کی طرح زیادہ دبلا پتلا نہیں تھا۔ حمین ٹھیک کہہ رہا تھا کہ لڑکیاں اسے ہاٹ سمجھتی تھیں... جو ایک بات حمین نے لڑکیوں کے اسے پسند کرنے کی وجوہات میں نہیں گنوائی تھی۔ وہ اس کی خوب صورت آواز تھی۔ جو اب آہستہ آہستہ بھاری' مردانہ ہونے لگی تھی۔ اس کی آنکھیں سالار کی آنکھیں تھیں۔ بڑی' سیاہ اور بے حد گہری... وہ اسی کی طرح بے حد متحمل مزاج تھا... حمین کی طرح بے مقصد بولنے کی عادت نہیں تھی اسے... اور وہ اگر لڑکیوں میں مقبول تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سب کے لیے ایک "پہیلی" تھا۔ حمین کی شخصیت "مقناطیسی" تھی۔ حمین کو اپنے چارم کا پتا تھا اور وہ اس کا صحیح وقت پر استعمال کرنا جانتا تھا جبریل اپنی کشش سے بے خبر تھا اور اسے اس کشش کو استعمال کرنے میں دلچسپی تھی بھی نہیں... لیکن دنیا میں اگر کوئی خاموشی اور متحمل مزاجی کے اس پہاڑ میں شگاف ڈال کر اسے برہم کر سکتا تھا تو وہ حمین تھا... JB کو تنگ کرنا اس کی زندگی کا دلچسپ اور پسندیدہ ترین کام تھا... وہ اسے بھائی کہنا ایک سال پہلے چھوڑ چکا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا JB کہنا کول تھا بھائی کہنا کول نہیں تھا اور حمین کی زندگی کی ترجیحات میں سے ایک یہ تھی کہ وہ ہر چیز میں سے کول نیس نکالتا تھا۔
"بابا! جب میں اسپیلنگ بی جیت کر آؤں گی تو میں بھی اپنے سارے کلاس فیلوز کو بلاؤں گی۔"
رئیسہ نے اس گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے سالار کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس کا ذہن پچھلی شام سے اس ایک ٹرافی کے حصول میں اٹکا ہوا تھا جو اس گھر میں تین بار آچکی تھی اور اب اصولی طور پر اسے چوتھی بار لانے کی ذمہ داری اس کے کندھے پر خود بخود آتی تھی۔ وہ جبریل کے بعد اس گھر کی سب سے ذمہ دار اور بلکہ ضرورت سے زیادہ ذمہ دار بچی تھی۔ وہ جبریل کی طرح خود ہر کام کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لینے کی کوشش کرتی تھی... اور پھر پوری لگن اور تن دہی سے اس کام کو کرنے میں مصروف ہو جاتی تھی... وہ ان تینوں کی طرح غیر معمولی ذہین نہیں تھی لیکن اب وہ ڈیڑھ سالہ چنی بھی نہیں رہی تھی جو گونگی نہ ہوتے ہوئے بھی بول ہی نہ پاتی۔
امامہ کے ساتھ ساتھ ان تینوں نے بھی کم ذہانت رکھنے والی رئیسہ کو ذہین بنانے کے لیے بہت محنت کی تھی... اور اب وہ وہ کارنامہ انجام دینے کے لیے بے تاب تھی جو ان تینوں نے کیا تھا... نیشنل لیول کے اس مقابلے کو جیت کر چوتھی بار ٹرافی اس گھر میں لانے کا... اس ساری لائم لائٹ کا فوکس بننے کا جو اس نے اپنے بہن بھائیوں کو ان فتوحات کے بعد ملتے دیکھی تھی۔
رئیسہ سالار زندگی میں کوئی بڑا کام کرنا چاہتی تھی... اس بات سے بے خبر کہ اس کی قسمت میں "صرف" بڑے کام لکھے ہیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

مسرت سلیم

"یا اللہ تو بڑا رحیم و کریم ہے۔ ہم پر رحم فرما!" بلو نہایت خشوع و خضوع سے بہ آواز بلند دعائیں کر رہا تھا۔

"یا اللہ! ہمیں ایسی بھابھی عطا فرما جو بڑے بھاجی کو ہم سے علیحدہ کردے" (آمین)۔" پیچھے کورس میں ٹیپو اور موبی باجماعت بولے۔

"یا اللہ! ہماری بھابھی بھائی کو ہم سے جدا کردے۔" اب پیچھے سے آمین کے بجائے موبی کی جھنجلائی ہوئی آواز آئی۔

"اوئے خبیث! تو بھابھی کی فرمائش کر رہا ہے یا فرعون کے دور کے جادوگروں کی جو بھائیوں میں فتنہ ڈال دے؟"

"یا اللہ! تو بھائی کی ٹکر کی بھابھی بھیج۔" بلو دوبارہ شروع ہوگیا۔

"بھائی! بھائی جان کی شادی پر میں شہہ بالا بنوں گا۔" ٹیپو دعا بھول بھال کر پھر چہکا۔ بلو کو یہ دخل اندازی ایک آنکھ نہ بھائی۔ اس نے بھی دعا چھوڑ چھاڑ اپنا رخ مبارک پیچھے موڑا اور موبی سے کہنے لگا۔

"یار موبی! پہلے اس لاڑے کے سہرے کے پھول جا کے ساڑ نہ آئیں۔" اور لاڑا صاحب (ٹیپو) خطرہ بھانپتے ہی کمرہ پار کر کے جا چکے تھے۔

☼ ☼ ☼

اندرون شہر لاہور کے رہنے والے فاروق بٹ صاحب کے چار ہی بیٹے تھے۔ سب سے بڑے جلال بٹ جنہیں وہ تینوں مشترکہ طور پر جلاد بٹ کہتے تھے کیونکہ ایک تو وہ ان سے تقریباً" بارہ سال بڑے تھے دوسرا خاصے سنجیدہ اور رعب دار بھی تھے۔ تینوں کی ان سے جان جاتی تھی۔ ان سے چھوٹے نٹ کھٹ سے بلال عرف بلو اور منیب عرف موبی جڑواں تھے۔ جو عقل کے گھوڑے زیادہ تر کھانے پینے کے لیے دوڑاتے تھے۔ بی اے فائنل ایئر میں بس قابل قبول نمبر لے کر پہنچ چکے تھے۔ بٹ صاحب کا آخری نمونہ ٹیپو عرف فتنہ تھا۔ وہ ان دونوں سے چار سال چھوٹا تھا۔ میٹرک کا اسٹوڈنٹ تھا۔ گول گول آنکھیں اوپر سے گول گول چشمہ لگائے زیادہ تر پڑھائی یا فتنہ انگیزیوں میں مصروف پایا جاتا' ذہین ہونے کی وجہ سے بڑے بھائی کا منظور نظر بھی تھا۔ بلو اور موبی جی بھر کر اس سے خار کھاتے تھے کیونکہ ان دونوں کو جلال بھائی سے زیادہ ڈانٹ اسی کی وجہ سے پڑتی تھی۔ لیکن یہ بھی سچ تھا کہ بعض اوقات ان کے عتاب سے بچاتا بھی وہی تھا اس لیے اس کے ساتھ بنائے رکھنے میں ہی عافیت تھی۔

جلال بھائی پندرہ سال کے تھے جب اچانک دل کا دورہ پڑنے سے والد کا انتقال ہوگیا۔ ان کے انتقال کے بعد وہی اپنی اماں اور بھائیوں کا سہارا بنے۔ میٹرک کا امتحان جیسے تیسے دیا اور پھر اپنے والد کی کپڑے کی دکان سنبھال لی۔ گھریلو حالات بڑی مشکل سے گزارہ کرنے والے تھے۔ اماں نے ان کو گھر داری میں بھی تقریباً" ماہر کردیا تھا۔ جلال بھائی خود تو زیادہ نہ پڑھ سکے لیکن بھائیوں کو پڑھانے کا جنون تھا ان کا خیال تھا کہ یہ دونوں پڑھ لکھ کر کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹائیں گے مگر یہی چیز ان کو بھائی سے خار دلاتی تھی۔ جس کی وجہ سے اکثر ڈانٹ بھی پڑتی تھی۔ لیکن بھائی بھی اپنے نام کے ایک ہی تھے۔ جس دن فارغ نظر آتے ان دونوں کو

دکان پر گھسیٹ لیتے تھے۔ دو سال پہلے اماں کی وفات کے بعد اب اس گھر میں عورت نامی چیز ناپید تھی۔ ایسے میں ان سب کو اس کا حل بھائی کی شادی میں نظر آتا جس کے فی الحال دور دور تک کوئی امکانات نہیں تھے۔

☆ ☆ ☆

اتوار کا دن تھا اور ان سب کی شامت کا بھی' اتوار کو اکثر جلاد بھائی سارے کام ان سے کرواتے اور کچن میں کوئی نہ کوئی خاص کھانا بناتے عام دنوں میں تو کام والی سے رو دھو کر کام کروالیا جاتا کیونکہ وہ بھی چھڑوں کے گھر روزانہ نہیں آتی تھی۔ کپڑے آٹومیٹک مشین میں اتوار کے اتوار دھو لیے جاتے۔ کھانا کبھی کام والی کی منتیں کر کے اور کبھی بازار سے آجاتا۔ لیکن چھٹی والے دن بھائی خود تو کام کرتے ہی ساتھ ان تینوں کو

بھی گھسیٹ۔ لیتے اور نکمے پن میں تو ان تینوں میں زبردست اتفاق تھا۔

موبی اور ٹیپو دن کے بارے بجے بڑی مشکل سے فرش دھو کر (بلکہ خود نہا کر) کمر پکڑے دہرے ہو رہے تھے 'بلو وانپو لگاتا الگ سڑ سڑ کر رہا تھا تقریباً" دو بجے طوعاً" و کرہاً" گھر کی صفائیوں سے نجات ملی تو کچن کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔ جلال بھائی جو بھی تھا کھانا بہرحال بہت اچھا بناتے تھے اب چکن کڑاہی بنانے کے بعد کف موڑے سلاد بنانے میں مصروف تھے اور ان کی بڑبڑاہٹیں جاری تھیں۔

"مجال ہے جو کوئی کام انسانوں کی طرح کرلیں۔"

"بھائی اصل میں انسانوں کے بجائے باجیوں کی طرح کسنا چاہ رہے ہیں۔" موبی ٹیپو کے کان میں گھسا۔ ٹیپو کی کھی کھی شروع ہو گئی۔ بھائی نے جلالی نظروں سے ٹیپو کو دیکھا تو فوراً" دانت اندر ہو گئے۔

"اب اگر ڈسٹنگ ہو گئی ہو تو ٹیبل پر برتن لگاؤ یا وہ بھی میں لگاؤں۔" بھائی کی دھاڑ سنائی دی۔ دونوں نے فوراً" برتن ٹیبل پر رکھے۔ ٹیپو نے گندے ڈسٹر سے ہاتھ صاف کیے اور اسی لمحے بھائی کی نظر اس پر پڑی۔

"ماشاء اللہ! او گندگی کے سردار تجھے کوئی صاف کپڑا نہیں ملا اپنے گندے ہاتھ صاف کرنے کے لیے یا پانی سے دھونے سے ہاتھوں میں خارش ہو جائے گی۔" اور اس انتہائی درجے کی بے عزتی پر ٹیپو کا منہ لٹک کر زمین سے لگ گیا۔ جبکہ بلو اور موبی اسے ملنے والے خطابات پر باغ باغ ہو گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

رات ان تینوں کو بھائی نے سخت الفاظ میں تنبیہہ کی تھی کہ وہ پڑھائی پر توجہ دیں ورنہ پڑھائی چھڑوا کر دوکان پر بٹھا دوں گا اور نتیجتاً" وہ سر جوڑے بیٹھے تھے کہ اب کیا کیا جائے۔

"ارے یہ اپنا فتنہ ٹیپو کس دن کام آئے گا۔ اس کا دماغ ویسے بھی بڑا چلتا ہے ان فتنہ انگیزیوں میں۔" اس بات پر ٹیپو نے تلملا کر دونوں کو گھورا اور احتجاجاً" واک آؤٹ کرنے لگا۔ لیکن موبی نے اسے زبردستی بلو کی گود میں ہی گرا دیا۔

"ابے یار مجھے اتنا بڑا کاکا نہیں چاہیے۔" بلو نے اسے پیچھے دھکیلا۔

"مجھے بھی آپ کی گود میں آنے کا کوئی شوق نہیں۔" وہ جھٹ نیچے اترا۔

"ارے! تم بعد میں لڑنا مرنا پہلے بھائی جان کا کوئی حل سوچو، قسم سے زندگی عذاب ہو گئی ہے لڑکیوں والے کام کرتے کرتے۔ میرا تو اب باقاعدہ دوپٹہ لینے کو دل کرتا ہے یار۔" بلو کے اپنے ہی رونے تھے۔

"تو اور کیا بھائی جان خود تو شادی کرنے کے لیے تیار نہیں اور ہماری بھری جوانی کو روگ لگائیں گے۔ پلیز ٹیپو کچھ ایسا سوچو کہ وہ شادی کرکے الگ ہو جائیں اور پھر ہم زندگی انجوائے کریں۔" ٹھنڈی ٹھار سانسیں موبی بھر رہا تھا۔

"ڈینگی برادران آپ کی ان ہی شرانگیزیوں کی وجہ سے آپ کو ڈانٹ پڑتی ہے اور اس مرتبہ میں آپ کی کسی سازش کا حصہ نہیں بنوں گا۔" ٹیپو نے کڑوے بادام جیسی بات شہد میں ڈوبے لہجے میں کی۔

"جتنا دماغ آپ کا سازشوں میں چلتا ہے اتنا پڑھائی میں چلاتے تو آج فرسٹ آتے۔" منہ پھٹ ٹیپو سے انہیں اسی بات کی توقع تھی لہٰذا دونوں بغیر کوئی لحاظ کیے کشنوں سمیت ٹیپو پر حملہ آور ہو چکے تھے۔

"او کے اب اگر مجھے مزید مارا تو میں بھائی جان کے پاس جا کر آپ کی شکایت کردوں گا۔" ٹیپو اپنا بچاؤ کرتا ہوا وارننگ دے رہا تھا۔ جس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ کشن اپنی اپنی جگہ رکھے اور چوکڑیاں مار کر بیٹھ گئے۔ ٹیپو نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"اب یہ ڈیڑھ من کا سر ہلانا بند کرو اور اپنی گز بھر کی زبان کو زحمت دو۔" جواباً" ٹیپو نے پہلے ایک بڑا سا 'دو سموسے' فروٹ چاٹ اور رول کی فرمائش کردی۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہتھیار

پھینک دیے۔

☆ ☆ ☆

نانی فاطمہ رشتے میں ان کی دور پرے کی نانی تھیں۔ وہ بیوہ تھیں اور باجی مریم ان کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ اندرون شہر میں ذاتی گھر تھا۔ انہوں نے شوہر کی وفات کے بعد نیچے والا پورشن کرائے پر اٹھا دیا اور خود اوپر والے پورشن میں شفٹ ہو گئیں اس طرح ان کی گزر بسر ہو رہی تھی۔ ٹیپو کی مہربانی سے نظر انتخاب باجی مریم پر پڑی تھی۔ والدین کی وفات کے بعد بھی کبھی کبھار نانی ان کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لاتی تھیں۔ کیونکہ اماں تو اکلوتی تھیں' ابا کی طرف سے ایک چچا تھے اور وہ بھی دیار غیر میں کئی سالوں سے تھے' نانی جب تشریف لاتیں ان چھٹروں میں اچھے خاصے کیڑے نکال کر جاتی تھیں۔ بہرحال اب وہی ان کے مسئلے کا حل نکال سکتی تھیں۔ چنانچہ بقر عید پر ان کے گھر جانا طے پایا تاکہ گوشت دینے کے بہانے باجی مریم اور ان کے متعلق دیگر معلومات اکٹھی کی جا سکیں۔ چنانچہ ان کی خفیہ تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ قربانی کا گوشت بڑے اہتمام سے فروٹ باسکٹ میں سجایا گیا تھا۔ اس کے اوپر پھولوں کی دو چار پتیاں بھی بکھیری گئی تھیں اور اب بلو اور موبی پوری تیاری کے ساتھ ان کے گھر کے سامنے کھڑے تھے۔ سیڑھیوں کا دروازہ کھلا تھا۔ اوپر کا دروازہ بند تھا۔ سیڑھیاں پھلانگتے ہی زور زور سے دروازہ دھڑ دھڑایا۔ دروازہ پیٹتے ہی دروازہ کھل گیا نتیجتاً بلو گرتے گرتے بچا۔

"السلام علیکم نانی جان!" زور و شور سے سلام جھاڑا گیا۔

"وعلیکم اسلام! جیتے رہو۔ جیتے رہو۔" سر پر ہاتھ پھیر کر ہیئر اسٹائل جو گھنٹے بھر کی محنت سے بنایا گیا تھا تباہ کیا گیا۔ اف یہ بڑے بھی نا! بلو کراہ کر رہ گیا۔

"ہو ڑ فیٹ پتڑ! آج ادھر کا ڑستہ کیسے بھول گئے؟" نانی اندرون لاہوریوں کی خاص زبان "ر" کی جگہ "ڑ" بولتی تھیں۔

"وہ جی یہ بھائی جان نے قربانی کا گوشت بھیجا ہے۔" صوفے پر بیٹھتے ہوئے باسکٹ ان کے ہاتھ میں تھما دی۔ گوشت کی سجاوٹ دیکھ کر نانی کی رگ ظرافت پھڑک اٹھی۔

"نا! تم یہ گوشت باغ سے توڑ کر لائے ہو جو ٹوکری میں سجایا ہے۔ دو چار چاندی کے ورق بھی لگا دیتے۔" دونوں پر گھڑوں پانی پڑا تھا مگر وہ دونوں بھی ڈھیٹ تھے۔ دانت نکال کر خوامخواہ ہنسنے لگے۔

اتنے میں مریم باجی کولڈ ڈرنک لیے اندر آ گئیں اور ان دونوں کی باچھیں مزید چرنے لگیں۔ "ہونے والی بھابھی" کے احترام میں فوراً کھڑے ہو گئے۔

"جی السلام علیکم۔" کورس میں سلام کیا گیا۔

"وعلیکم السلام' آپ کھڑے کیوں ہیں؟"

"جی۔۔۔!" حیرانگی سے کہا گیا۔ پھر سمجھ میں آئی تو بلو اپنی ہانکنے لگا۔

"بس جی ہم تو واقعی "کھرے بندے" ہیں بس کبھی غرور نہیں کیا۔"

"ہیں بیا غرور کرنے والی کوئی بات بھی نہیں' میرا مطلب ہے کہ آپ کھڑے کیوں ہیں' بیٹھ جائیں۔" باجی مریم فوراً بولیں۔ (اوہ تیری خیر! اب سمجھ آیا نانی کی بیٹی "ڑے" کی جگہ "رے" بولتی تھیں)۔

حال احوال کے بعد نانی مریم باجی کو ان کے بارے میں بتانے لگیں۔

"اڑے مڑیم پتڑ! یہ دونوں اپنے فاڑوق کے "کاکے" ہیں وہی جوڑے (جڑواں)۔ "کاکے" خاصے جزبز ہوئے اس تعارف پر۔

"ہاں مجھے پتا ہے جب ہم ان کی شاپ پر گئے تھے تو آپ نے بتایا تھا اور پھر یہ بلو بھائی تو ہمیں اپنی گاڑی پر گھر بھی چھوڑنے آئے تھے۔"

اور پھر جو باتیں شروع ہوئیں تو نانی نے کھانا کھلا کر ہی جانے کی اجازت دی۔

پھر ہوا یوں کہ دو چار بار نانی کے گھر جا کر ان کے کام

کرنے پڑے۔ کچن کا پائپ ٹھیک کیا۔ سیڑھیوں کی ریلنگ کو رنگ کیا' باتھ روم کا نل ٹھیک کیا اور اسی طرح (اور خدا جھوٹ نہ بلوائے تو گھر میں یہی کام کرتے غش پر غش آتے تھے) اور اسی طرح کے چھوٹے موٹے کاموں نے نانی کو ان کا گرویدہ کردیا۔ (اگر بھائی جان اتنی پھرتی سے کام کرتے دیکھ لیتے تو مارے صدمے کے بے ہوش ہو جاتے) ابھی وہ اگلا قدم اٹھانے کا سوچ ہی رہے تھے کہ بھائی جان کے ایکسیڈنٹ نے ان سب کے ہوش اڑادیے۔

بھائی جان کو اچھی خاصی چوٹیں آئی تھیں۔ بازو فریکچر ہو گیا تھا۔ ان تینوں کی تو مانو نیندیں حرام ہو گئیں۔ وہ تینوں ان کی پٹی سے لگ کر بیٹھ گئے تھے۔ گھر کا نظام الگ درہم برہم ہو گیا۔ اب ان تینوں کو بھائی جان کی شدت سے قدر ہوئی تھی۔ تینوں لڑنا جھگڑنا ہنسنا مسکرانا تک بھول چکے تھے۔ اس مشکل وقت میں نانی گھر آگئیں اور گھر کا نظام باجی مریم کی مدد سے سنبھالا تو انہیں کچھ حوصلہ ملا' ادھر بلو نے دکان سنبھالی تو عقل ٹھکانے آگئی کہ یہ سب بھائی جان نے کس قدر اچھے طریقے سے سنبھال رکھا تھا۔ تقریباً" پندرہ دن بعد طبیعت سنبھل چکی تھی۔ اس تمام عرصے میں مریم باجی نے گھر بڑے اچھے طریقے سے سنبھالا تھا۔

اس وقت وہ تینوں اور نانی ہسپتال میں بھائی جان کے کمرے میں تھے جب نرس نے اطلاع دی کہ آج شام تک انہیں ڈسچارج کردیا جائے گا۔

"مجھے تو اب احساس ہوا ہے کہ ہمارے بھائی ہماری باجی ہی نہیں ماں بھی ہیں۔" (سوئے ہوئے بھائی جان نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔) مگر اس کی گوہر افشانیاں رکنے میں ہی نہیں آرہی تھیں۔

"بے شک جلاد بھائی نے ہم سے ماسیوں کی طرح کام کروایا اور خود نائیوں کی طرح ہمارے لیے کھانے پکائے' دھوبیوں کی طرح کپڑے دھوئے اور استری ہم سے کروائی مگر ہمیشہ ہمارا خیال رکھا' ہماری کوئی آپا نہیں تھیں مگر انہوں نے آپا بن کر دکھایا (لاحول ولا قوۃ)

بلو نے زور سے پیر پر پیر مارا تو ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں تو۔ زبان کو بریک لگی بھائی مسکراتے ہوئے انہیں دیکھ رہے تھے۔ ٹیپو کو موقع مل گیا۔

"بھائی پلیز آپ اب بھابھی لے آئیں ورنہ یہ تو مجھے سڑے توس اور گندے انڈے کھلا کھلا کر مار دیں گے۔" ان دونوں کی تو آنکھیں ابل پڑیں اس کی لن ترانیاں سن کر۔

"اور نانو پلیز آپ باجی مریم کو ہماری بھابھی بنا دیں۔ ہم ان کو بہت خوش رکھیں گے آپ کو بھی کہیں نہیں جانے دیں گے۔" ٹیپو نانی کے گھٹنے کو زور زور سے ہلاتے ہوئے ملکہ' جذبات کو بھی مات دے رہا تھا۔

"آئے ہائے کم بخت مارے! میرا گھٹنا چھوڑے گا تو کچھ کہوں گی نا! بھلا پہلے نہیں جاتا اب توڑے گا کیا؟" ٹیپو نے فٹ سے گھٹنا چھوڑ دیا۔

اب تینوں بھائی باجماعت ہاتھ جوڑے بھائی جان کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ بھائی جان نے نانی کی طرف دیکھا تو انہوں نے سر ہلا کر تائید کی۔ بھائی جان کے ہاں کرنے کی دیر تھی کہ تینوں نے کمرہ بند کرکے باجماعت بھنگڑا ڈالا۔

نانی کو اس بات کی خوشی تھی کہ "منڈے" نے ان کی لاج رکھ لی ہے۔ ٹیپو کو اس بات کی خوشی تھی کہ اب اسے گھر کا کام نہیں کرنا پڑے گا جبکہ بلو اور مولی اس بات پر خوش تھے کہ وہ اب عمر بھر کنوارے نہیں مریں گے۔ جلال بھائی کی ایک "نکی جئی ہاں" نے ان کے گھر میں خوشیاں بکھیر دی تھیں۔

سرورق کی شخصیت

ماڈل	فرینا اعجاز
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی	موسیٰ رضا

فرحین اظفر

اس کا نام نین تارا تھا۔
اور شاید اس کی زندگی کی مختصر ترین کہانی یہی تھی کہ وہ صرف نام کی نین تارا تھی۔ باقی وہ سچ مچ کسی کی آنکھوں کا تارا نہ تھی نہ بن سکی تھی۔ ہاں البتہ اور بہت کچھ تھی یعنی کسی کی آنکھ کا بال تو کسی کی آنکھ کا کنکر، کسی کے نینوں کا تنکا تھی تو کسی کی کچھ اور......
خود اس کے ذہن میں کبھی کبھار کہیں بھولے بھٹکے

خیال آجاتا کہ اس کا نام نین تارا کے بجائے نین جلی ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ یا پھر آشوب چشم۔ اس نے اتنے آنسو بہائے تھے کہ اب اگر کسی روز بنا روئے اس کا دن گزر جاتا تو رات تک خوشی کے آنسو نکل پڑتے۔ اور یوں اس نمکین پانی کو بھی بس نینوں سے بہہ نکلنے کی عادت سی پڑ گئی تھی۔ دل اپنی رفتار سے دھڑکتا رہتا۔ چہرے پر ایک شکن نہ آتی آنکھیں نیر بہائے چلی جاتیں۔

شعور کی سیڑھیاں طے کرتے کرتے چھبیسواں آن لگا تھا۔ اور گزرے ہوئے ان چھبیس سالوں میں اس کے اندر بس اتنی ہی تبدیلی آئی تھی کہ اس نے خود پر رحم کھانا چھوڑ کر' خود سے لڑنا شروع کر دیا تھا۔ اور اس لڑائی میں اس کی عقل و شعور کے مدمقابل ایک نہیں کئی ایک دشمن صف آرا تھے۔ حالات' قسمت' انا' عزت نفس اور سب سے بڑھ کر اس کا اپنا دل۔ جو بہت حساس تھا۔

کیوں بھئی....

شاید اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس نے ______ جب آنکھ کھولی' تب سے اب تک حالات و واقعات کبھی اس کے حق میں نہیں رہے۔ پیدائش کے وقت ماں کا چل بسنا اور کچھ ہی عرصے بعد ایک ٹریفک حادثے میں باپ کا دنیا سے منہ موڑ جانا۔

اس سے وابستہ غیر معمولی حالات کا تو یہی نقطہ آغاز تھا۔ جہاں سے اس کے وجود پر منحوس کا ٹھپا لگا۔ اور یہ وہ ٹھپہ تھا۔ جن کی سیاہی انمٹ ہوتی ہے۔ جس پر لگ جائے اسے اپنے ساتھ قبر تک لے کر جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ فقط چھ ماہ کی بچی پالنے میں پیر ہلاتی' دودھ کے لیے مچلتی بھری دنیا میں اکیلی رہ گئی تھی۔ نہ کوئی بہن نہ بھائی۔

خالہ' نانی تو لشتم پشتم گھر کو واپس بھاگیں۔ پھوپھو نے نگاہیں چرالیں' چچا کے پاس دو بیٹیاں پہلے ہی موجود تھیں۔ سو قرعہ فال بہت بچ بچا کر بھی تایا کے نام نکلا۔ تائی نے اکیلے میں تو تایا کے بہت لتے لیے' بھید بھاؤ کیے۔ مول تول' قسمت کے جھول' بڑے بڑے بول مگر' مرتا کیا نہ کرتا کہ مصداق اس خطرے کی گھنٹی کو رکھنا ہی پڑا۔ اب اتنی سی بات بھی اس کی خوش نصیبی میں لکھی گئی کہ ماں باپ کی لاڈلی تھی تو وہی اس کا نام رکھ گئے تھے۔ ورنہ شاید بعد میں رکھا جاتا (اگر کسی کو رکھنے کا خیال آجاتا تو) تو۔ تو بس۔ نگوڑی۔ کلموہی۔ کم بخت۔ ایسا ہی کچھ ہوتا۔ یا پھر شاید۔ شاید۔ اللہ معافی۔ اللہ بچائے وغیرہ وغیرہ۔

جس عمر میں اس نے آٹا گوندھنا اور چائے بنانا شروع کیا۔ اس عمر میں عام حالات میں لڑکیاں سر ہی منڈاتی رہتی ہیں۔ کدکڑے لگانا اور بات بات پر پڑوس میں بھاگنا۔ یہی ضروری کام ہوتے ہیں اور یہی ضروری باتیں۔ مگر وہ تو عام حالات کی پیداوار تھی ہی نہیں۔ تو جس عمر میں اس نے چائے بنانا شروع کی۔ تایا اس وقت اس پر بڑا ترس کھاتا تھا۔

"اری سکینہ! کچھ خوف خدا کر لے۔ تجھے رب دا واسطہ۔"

وہ بڑا وچارا سا بندہ تھا۔ خوف خدا سے خود تو کانپتا تھا۔ مگر اپنے خوف سے اپنی زنانی کو کبھی ہلا بھی نہیں سکا۔ کانپنا' لرزنا تو دور کی بات۔

"تو میں نے کیا کیا ہے۔ بچی ہے۔ بچپن سے کام نہیں سیکھے گی تو بڑے ہو کر لوگوں نے مجھے ہی باتیں سنانی ہیں کہ پرائی لڑکی سمجھا تب ہی کچھ نہیں سکھایا۔"

اس کا دودھ' دوائیوں اور بے حد معمولی کپڑوں پر کیا گیا' خرچا تائی نے اتنی جلدی وصولنا شروع کر دیا کہ محلے کی کچھ عورتیں گھر آئیں' اسے باورچی خانہ میں کھپتے دیکھا تو تائی کو باقاعدہ "باتیں" سناتی ہوئی واپس ہوئیں۔ پر تائی کو شرم نہ آئی۔

"لوگوں کا کیا ہے۔ بس چلے تو کھٹڈی پر بھی چین نہ لین دے شودے۔" وہ بڑے آرام سے ہاتھ جھاڑ کر سک جاتی۔ لیکن نین تارا کی جان نہ کٹتی۔ شروع شروع میں اس کا ہاتھ جل جاتا۔ کبھی گرم چھینٹے پڑ جاتے۔ تو وہ بڑا سسک کر روتی۔ تایا دیکھ لیتا تو

مرہم لگاتا، پاس بٹھا کر پیار کرتا، بڑی دیر تک پھونکیں مار مار کر دل بہلاتا رہتا لیکن کب تک۔ اس کی پھونکیں نین تارا کے زخم پر مرہم، تو تائی کے سلگتے دل میں شعلے بھڑکانے کا سا کام کرنے لگیں۔

اس نے اپنے زخم تایا کو دکھانے چھوڑ دیے۔ پھر تائی کو بتانا چھوڑا اور اب تو خیر وہ اتنی ماہر ہو گئی تھی کہ اول تو ہاتھ جلتا ہی نہ۔ اور اگر جل بھی جاتا تو کچے آبلے کو خود ہی ہاتھ سے رگڑ کر پھوڑ ڈالتی۔ تھوڑی دیر کی جلن اور پھر سب سیٹ ہو جاتا۔

☆ ☆ ☆

اس کی کوئی سہیلی نہ تھی کہ اس سے دکھ سکھ بانٹ لیتی۔ تائی کا بھی صرف ایک ہی بیٹا تھا جو عمر میں اس سے چھ سال بڑا تھا۔ میٹرک تک اس نے پرائیویٹ تعلیم حاصل کرلی تھی۔ اور بس اتنی ہی بہت تھی۔ تائی کے نزدیک۔ کوئی بڑی ایب نارمل سی تنہائی تھی۔ جو ہمیشہ غم خوار، ہمدرد اور ہمراز ساتھی کی طرح اس کی ساتھ رہی تھی۔ کم سے کم بھی لگائیں تو اٹھارہ سال تک۔ اس کے بعد اس کی اس قدر روکھی پھیکی زندگی میں مٹھاس کا ایک روزن خود بخود کھلا۔ ایک دن اچانک بڑی زور دار آواز میں۔ جیسے تیز آندھی طوفان والی رات میں اکیلے گھر کی کھڑکی کھل جاتی ہے۔

وہ ایسا ہی ایک دن تھا۔ جاڑا اپنے عروج پر تھا۔ دھوپ کسلمندی سے آدھے صحن تک رینگنے کے بعد وہیں پڑی اونگھ رہی تھی۔ ذرا دیر میں آدھے صحن سے ہی واپسی کے لیے اٹھ جاتی۔ اس نے پھرتی سے چارپائیاں گھسیٹیں اور کینوؤں سے بھری پرات لا کے درمیان میں رکھی۔ پھر تائی کو آواز لگادی۔ تائی جو اندر کمرے میں، اپنی اکلوتی اولاد نرینہ، اپنے بڑھاپے

کے سہارے فخر و غرور سے رازداری سے کوئی بات کرتی رضائی میں ٹھٹھرتی جارہی تھی۔ اٹھ کر حامد کے ساتھ ہی دھوپ میں رکھی چارپائی پر آبیٹھی۔ ساتھ ساتھ کینوؤں سے بھی شغل جاری ہو گیا۔ وہ اندر جلدی جلدی چائے کو جوش دینے لگی۔ تب جانے کیسے تائی کو اچانک اس کا خیال آگیا۔

"تارا نی تارا۔۔۔ آجا تو بھی چکھ لے ایک آدھ دانہ۔"

اس مہمان ۔۔۔ آفر پر اسے قطعاً" حیرت نہ ہوئی۔ جب سے اس نے سمجھداری کے سن میں قدم رکھ کر پورے گھر کا نظام اپنے نازک کندھوں پر اٹھایا تھا اور جب سے تائی کو بلڈ پریشر اور شوگر نے اپنے دام میں جکڑا تھا تب سے وہ اس پر ذرا کی ذرا رحم کھا جاتی تھیں۔ ورنہ کھانا پینا تو گھر میں شروع سے اچھا تھا، لیکن بچپن میں جب تائی نے اس کے گالوں پر جھلک دکھلاتی گلابیوں کی چھب دیکھی تھی۔ تب سے فریج میں تالا لگا رہنے لگا تھا۔ دودھ، جوس، پھل اور خشک میوہ جات کی گھر میں کمی نہیں تھی، لیکن مکینوں کے دل میں ضرور کسی شے کی شدید کمی تھی اور شاید اس شے کا نام خدا ترسی تھا۔

تو بات کیا ہو رہی تھی کہ اتنے خراب حالات میں پلنے والی نیک بی بی کے خوابوں میں بھی اس دن سے ایک شہزادہ بسنے لگا جو سالوں سے اپنے بھائی بھائی سا لگتا تو تھا، لیکن بھائی بن نہیں سکا۔ تو پھر وہ اکھڑ، بدمزاج اور بددماغ سا لڑکا اسے تنہائی کے ان لمحات میں مہمان ہو کر ملنے لگا جب وہ تھکن سے چور ہو کر بستر پر گرتی اور نندیا شرارت سے دور جا کھڑی ہوتی۔ تب بے خود ہو کر وہ دل ہی دل میں، بند آنکھوں اور مسکراتے لبوں کے ساتھ وہ سوچتی اور سوچتی ہی چلی جاتی۔ کوئی محبت سے اس کے بال سہلا رہا ہے اور اس عمل میں اتنی نرمی ہے کہ اس کی ملائمت سے آنکھیں بند ہوئی جاتی ہیں۔ کوئی آہستگی سے اس کی ہتھیلیوں کو اپنی پوروں میں لے کر دبا تا ہے اور دن بھر کی تھکن اتر جاتی ہے۔ کوئی بے حد دھیرے سے اس کے سانولے پیروں کے سفید، زرد تلوے۔۔۔

اوں ہوں۔۔۔ پیر نہیں۔۔۔ پیر دبوانا اچھا نہیں لگتا۔ وہ اپنے آپ سے بولتی، شرماتی، لجاتی کب نیند کی وادیوں

میں اُتر جاتی۔ اسے پتا تک نہ چلتا اور پھر خواب میں وہ منظر وہی ایک منظر زندہ ہو تا جس نے اس کا دل موہ لیا تھا۔ لوٹ لیا تھا۔

اس روز جاڑے کی سنہری دھوپ میں ہوا سے اُڑتے اخروٹی بال اور بادامی آنکھوں نے اس کے دل پر اس انداز میں شب خون مارا تھا کہ وہ منہ کھولے بس دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

بڑی مشکل سے تائی کے بلانے پر ڈرتے جھجکتے ہوئے آکر اس نے ایک کینو اٹھایا تھا اور ابھی ڈھنگ سے ہاتھوں میں سنبھال بھی نہ سکی تھی کہ وہ ہاتھ سے لڑھکا اور زمین پر گر گیا۔ وہ اور تائی کا بیٹا حامد ایک ساتھ اٹھانے کو جھکے تو ان کے سر آپس میں ٹکرا گئے۔

"اف..." زور کی چوٹ لگی تھی۔ اس کے منہ سے "سی" نکلی تو حامد نے ذرا کی ذرا نگاہوں میں ترس بھر کے اسے دیکھا۔

وہ زمین پر بیٹھی تھی اور یہ پلنگ پر بیٹھ کر اس کی طرف جھکا تھا۔ وہیں... بس وہیں وہ واردات پیش آئی جس نے اس کی نیندیں اجاڑ کر راتیں آباد کیں یا پھر اس کا بھولپن اجاڑ کر خواب آباد کردیے۔ زندگی گزارنے کے لیے یہ ایک اچھی مصروفیت تھی۔ کبھی خواب میں دیکھنا تو کبھی حقیقت میں اور پھر بے انتہا خاموش نظروں سے بے حد آہستگی اور احتیاط کے ساتھ مسکرا دینا۔ یہی اس کی دنیا تھی اور اسی دنیا میں زندگی جی اٹھی تھی۔

ہاں تو بات کیا ہو رہی تھی کہ یہی اس کی دنیا تھی اور اسی دنیا میں زندگی جی اٹھی تھی... زندگی کو لوگ پانی کے بلبلے سے یونہی تو تشبیہ نہیں دیتے نا! کچھ تو بات ہوتی ہے جو بات کہی جاتی ہے۔

تائی بھی چند مہینوں... فقط چند مہینوں میں بھانپ گئیں کہ نین تارا کے نین، تاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔

"کیوں بھئی۔" حالانکہ وہ بیٹیوں کی ماں نہیں تھیں، لیکن ایک عدد گھبرو جوان کی ماں تو تھیں نا!

اسی لیے کوئی بات کرتے کرتے اندر آئیں اور بولتے بولتے نین تارا کے سر پر ہی آن پہنچیں اتنی جلدی، اتنے نزدیک کہ اسے ہاتھ میں پکڑی کاپی کا ورقہ (ورق) پلٹنے کی مہلت نہ ملی اور قلم کی ساری سیاہی زندگی بھر کے لیے اس کی شکل پر پوت دی گئی کیوں کہ پورے کاغذ پر ایک ہی نام، وہی حروف و ہجے کے ساتھ بکھرے ہوئے تھے۔

"حامد... حامد... حامد..." تائی نے آنکھیں سکیڑ کر چند لمحے اس کاغذ کو، پھر وحشت زدہ ہرنی سی تارا کو دیکھا پھر اس کے بعد تو اللہ دے اور بندہ لے۔ آڑے ہاتھوں، لیکن سیدھی پلاسٹک کی سخت چپلوں پر تائی نے اسے رکھ لیا۔ اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک خود حامد نے کمرے میں آکر تائی کا ہاتھ نہیں پکڑلیا۔ ورنہ عین ممکن تھا کہ بچپن سے مار کھا کھا کر پلنے والی نین تارا کو اتنی چوٹ نہ لگتی، لیکن بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھتی تائی کو اتنی محنت کرتے کرتے غش ضرور آجاتا۔ اس رات نین تارا نے کھلی آنکھوں دیکھے گئے خواب کو خود آنسوؤں کے دریا میں بہادیا۔

"کچھ خواب شرمندہ تعبیر ہونے کے لیے نہیں دیکھے جاتے۔ وہ صرف خواب ہوتے ہیں اور خواب ہی رہتے ہیں کیوں کہ وہ زندگی نہیں ہوتے۔ فقط زندگی کرنے کا بہانہ ہوتے ہیں۔" اور یہ کیسی زندگی تھی جس میں اسے کسی بہلانے تک کو تراشنے کی اجازت نہیں تھی کہ یہ بہانے باز خواب کسی اور کی نیندیں اجاڑنے لگے تھے۔ نین تارا کے نینوں سے ساری رات ٹوٹتے تارے بھی اس کی دنیا میں دوبارہ کوئی کہکشاں نہ سجا سکے۔

☆ ☆ ☆

حامد کو بھی معاملے کی خبر مل گئی تھی اور تایا کو بھی، لیکن تائی نے پتا نہیں کس انداز میں کیا کہہ کر انہیں

مطلع کیا تھا کہ بجائے اس سے پوچھنے کے وہ دونوں ہی اسے بری طرح نظرانداز کرنے لگے۔

تائی کی جھڑکیوں اور پھٹکاروں میں اضافہ ہو چلا اور اس کے خوابوں کے جل بجھے مقبرے پر نم آنکھوں کی سیلن سے تپش بڑھتی رہی۔ وہ خود۔ اس کا وجود۔۔۔ اس کی انا اور عزت نفس مزید دو سال اور تین مہینے تک حقارت بھری نظروں سے گھائل ہوتے ہوئے ادھ مرے سے ہو گئے۔ دو سال اور تین مہینے بعد گھر کے آنگن میں حامد کی نئی نویلی دلہن نے قدم رکھا۔ کسی کی دنیا آباد ہوئی تو کسی کی بالکل ویران۔۔۔ ادھ مری نین تارا اور ادھ جلی اس کی آنکھیں اس روز مکمل مردہ اور راکھ کا ڈھیر قرار پائیں۔ اس نے کسی مشین کی طرح اس شادی اور اس کی تیاریوں میں حصہ لیا تھا اور مشین بھی وہ' جو آرڈر پر بنوائی گئی ہو یا کسی بے حد ترقی یافتہ ملک سے مہنگے داموں فارن کرنسی میں کنورٹ (منتقل) کر کے خریدی گئی ہو۔

اس مشین کی کیا کوالٹی ہوتی ہے معلوم ہے نا!۔۔۔ وارنٹی و گارنٹی سمیت۔۔۔ جو نہ رکتی ہے۔ نہ تھکتی ہے۔ نہ جلتی ہے نہ گرم ہوتی ہے۔ نہ خراب۔۔۔ جسے وولٹیج اور ڈبل فیز سے فرق نہیں پڑتا اور پھر وہ تو نین تارا تھی جو ایک ایسی مشین بن چکی تھی جو گھر کا فیوز اڑ جانے کے بعد بھی کام کرتی رہتی ہے سو وہ بھی کرتی رہی۔۔۔ کرتی رہی۔۔۔ کام میں جتی رہی' اس وقت بھی جب رخصتی کے بعد تھکن کے باعث تایا تائی اور دوسرے مہمانوں کا فیوز اڑ گیا۔

اس نے تازہ دودھ پتی دم دے کر ایک ایک کے ہاتھوں تک پہنچائی بستر سے کھیسٹے' اتارے نکالے اور اپنے ہاتھوں سے ادھیڑی بنی اور دھنکی ہوئی رضائیاں ڈالیں کہ تائی کے مشورے اور ضد پر شادی نیم جاڑے کے موسم میں رکھی گئی تھی۔ تمام مہمانوں کو ان کے بستروں تک رہنمائی کر کے آتش دان میں نئے سرے سے بالن رکھ کر سلگایا۔ سارے کمروں میں اس کی مشینی محنت سے گرمائش بھر گئی اور سب لوگ دودھ پتی کی راحت لے کر گرم بستروں میں گھسے' کچھ اسے دعائیں دیتے اور کچھ اس کی خاموش محنت کو معنی خیز اشاروں سے اکارت کرتے نیند کی وادیوں میں اتر گئے تب۔۔۔ اس نے اپنی ساکت' تھکی آنکھوں میں نیند کا شائبہ ڈھونڈنا چاہا' مگر ناکام رہی۔ تھک کر ٹھنڈی کھلی چھت پر بنے نیم پختہ کمرے میں' جو عرصہ دراز سے اس کے نام سے منسوب تھا۔ رکھی جھلنگا چارپائی پر ناتوانی سے گر گئی۔ کیوں بجھ گئی۔۔۔ کیوں کہ وہ لاکھ بن جاتی پر مشین نہیں تھی۔۔۔ تھی تو انسان ہی نا!

شادی کے بعد کے دن گزرے۔ نئی دلہن کے چونچلے اور نئی نویلی ساسماں کے چاؤ پورے ہوئے۔ دلہن بیگم نے باورچی خانے میں قدم رکھا اور جیسے نین تارا کی زندگی میں ایک نئی آزمائش آ گئی۔ اسے لگتا جیسے تائی خود کو اپنی بہو کی ساس سمجھتے اور مانتے ہوئے اس پر تنقید اور بے جا روک ٹوک کو اپنا حق سمجھتی تھی۔ اسی طرح ان کی بہو خود اس پر پابندیاں لگانے کو اپنا حق اور حق سے زیادہ فرض سمجھنے لگی تھی۔

نین تارا تو پہلے ہی قسمت' حالات اور تائی کے ہاتھوں مار کھائی ہوئی تھی۔ اس صورت حال سے گھبرائی نہیں تو اور کیا کرتی۔۔۔ وہ اپنے خول میں بند ہوتی چلی گئی اور نئی دلہن یعنی شاہدہ جیسے جیسے پرانی ہوتی گئی۔ بالکل ہی جامے سے باہر آتی گئی اور جب کوئی بالکل ہی اپنے دائرے' اخلاقیات اور حدود سے تجاوز کر جائے تو پھر اسے واپس اندر لانے کے لیے براہ راست اسے کچھ کرنا پڑتا ہے۔ جس نے اسے بنایا ہوتا ہے۔ چاہے وہ انسان ہو یا کوئی مشین' اس کی خرابی اور پرفارمنس میں رکاوٹ کو صرف اس کا تخلیق کار ہی سمجھ سکتا ہے اور دوبارہ قابل قبول حالت میں واپس لا سکتا ہے۔

جس دن سے شاہدہ کا پیر بھاری ہونے کی خبر ملی۔ پورے گاؤں بلکہ اڑوس پڑوس میں بھی اس کی گونج سنی گئی اور وہی تائی جسے شاہدہ نے اپنی دودھاری تلوار کے بل پر تھلے لگا رکھا تھا۔ واری صدقے جاتی' دن

رات بھو کے چاؤ چونچلے کرنے لگی۔ شاہدہ کچھ اور چوڑی ہو گئی اور نین تارا کچھ اور سکڑ کر چیونٹی برابر رہ گئی۔

کبھی سر درد' کبھی پیروں میں تو کبھی ہاتھوں میں درد۔۔ نام نہاد کمزوری کے جھوٹے چکروں نے شاہدہ کو اپنے ہی گھر میں تماشا بنا کر رکھ دیا۔ اب تو تائی بھی اس کے ڈھکوسلوں سے گھبرانے لگی تھی۔

"تو۔۔ باپ جیسا بزرگ گھر میں موجود ہے اور یہ کم بخت جب دیکھو تو ندر پر ہاتھ دھرے ہائے ہائے کرتی کمرے سے نکل آتی ہے۔" نین تارا سنتی تو کبھی سر جھکا لیتی اور تندہی سے اپنے کام میں جُت جاتی اور کبھی جو اکیلی ہوتی تو دبا کر ذرا سا ہنس دیتی۔ اس نے کب سوچا تھا کہ زندگی میں ایسے ایسے مواقع پر بھی ہنسنا پڑے گا۔ ہر انسان نادان ہے۔ وہ یہی تو نہیں جانتا کہ اسے زندگی میں کب کب اور کہاں کہاں ہنسنا ہے اور کس کس بات کو رونا ہے۔

☆ ☆ ☆

ہر گزرتے دن کے ساتھ شاہدہ کی نہ صرف جسمانی بلکہ ذہنی حالت بھی ابتر ہوتی چلی گئی۔ پہلے اندر ہی اندر پکتی رہتی اور پھر پھٹتی تو ایک دم پریشر ککر کی مانند اپنا سارا گرم ملبہ سامنے والے پر ڈال دیتی اور اس گرم ملبے کی تپش تلے جھلسنے والی اکثر و بیشتر نین تارا ہوتی۔ اس کا جھکا ہوا سر اور مہر لگے لب سوائے شاہدہ کا دل جلانے کے اور کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ وہ اتنے سے بھی اس قدر تپ جاتی کہ بس نہ چلتا کہ کس طرح بازو پکڑ کر اسے گھر سے باہر کر دے۔

"یہ اچھا نہیں ہوا سکینہ! اس نے تو اس کے کان میں پھونک دیا ہے کہ نین تارا اپنے حاسد سے۔۔" انہیں بات مکمل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ جاڑا اپنے جوبن پر تھا اور تائی سکینہ دو دو رضائیوں میں لپٹی بیٹھی تھی پھر بھی آتش دان میں سلگتی لکڑیوں کی تپش اس نے اپنے اعصاب پر محسوس کی تھی۔

"ارے دفع دور بھاڑ میں جائے میری طرف سے یہ شاہدہ منحوس ماری۔" تایا نے چونک کر انہیں دیکھا۔ زندگی میں پہلی بار تائی نے نین تارا جیسا انداز کسی اور کے لیے اور خاص کر اپنی چہیتی بھو کے لیے اپنایا تھا۔

"ایک تو دنیا سے انوکھا کام کرنے لگی ہے۔ بچہ پیدا کر کے۔ اور اوپر سے یہ فضول بات دماغ میں بٹھالے گی تو سب کے ساتھ ساتھ اپنا اور اپنے خصم کا بھی دماغ خراب کرے گی۔"

"ہونہہ۔۔ صرف خراب۔۔ الٹ گیا ہے دماغ اس کا۔ آج دوپہر میں بھی نین تارا کو اکیلے دیکھ کر پتا نہیں کیا الٹی سیدھی بکواس کر رہی تھی۔"

"اللہ ہدایت دے اس کو بھی اور ہم سب کو بھی۔" نیم تاریک کمرے میں صرف بھڑکتی آگ کی تپش باقی رہ گئی اور تایا کے دل میں ایک ہدایت یافتہ سوچ۔

"کاش سکینہ یہ ہدایت تو جب مانگ لیتی جب تو نے خود نین تارا کا جینا حرام کیا تھا۔"

☆ ☆ ☆

کوئی لمحہ زندگی میں اس طرح وارد ہوتا ہے کہ اپنے وقت پر تو وہ بڑا منحوس کڑا اور سخت لگتا ہے مگر بعد میں وہی لمحہ ہمارے لیے مبارک ثابت ہوتا ہے اور پھر ہم زندگی بھر اس لمحے کا اپنی یادداشت اور اشکوں سے قرض اتارتے رہتے ہیں۔ نین تارا کی زندگی میں بھی ایسا ہی ایک لمحہ ایک رات۔۔ جاڑے اور اماوس کی ایک گہری رات میں اچانک ہی وارد ہوا تھا اور پھر اس کے بعد اس کی زندگی بدل گیا۔

اس رات جب سہ پہر سے ہی گہرے کالے بادلوں نے عرش کا سینہ ڈھانپ رکھا تھا اور وہ گھر کی واحد فرد تھی۔ جس کا کمرہ چھت پر ہونے کی وجہ سے بے حد سرد اور زخم خوردہ سائبان سے ڈھکا ہوا تھا۔

گرمیوں میں ساون بھادوں اس جھلستے کمرے کو ٹھنڈا کر دیتا تھا اور سردیوں کی یخ بستہ جھڑی میں سوراخوں سے بھری ٹمنوں میں سے' کہیں سے بھی کبھی بھی کوئی ٹھنڈی برفیلی پانی کی دھار اس کا کمزور جسم

چھو جاتی جس کی ٹھنڈک کو محسوس کرنا اس کا وجود نیچے باورچی خانے میں چولہے کے پاس کھڑا ہو کے بھی کپکپا تا رہتا۔

"ارے! تم ابھی تک اپنے کمرے میں نہیں گئیں اوپر۔" ست روی سے کھڑاؤں کی طرح پلاسٹک کی سخت چپل کو زمین پر گھس گھس گھسیٹتی شاہدہ اسے کچن میں دیکھ کر کہے بغیر رہ نہیں سکی پھر جواب کا انتظار کیے بغیر خود ہی بولی۔

"اچھا چلو۔ اب جانے سے پہلے ذرا اپنے بھائی کو گرم دودھ دے جاؤ۔ میں ابھی آرہی ہوں۔" نین تارا نے گہری سانس بھر کر پرانی بوسیدہ چادر کو کانوں کے گرد کچھ اور لپیٹا اور ٹوپا' دستانے 'سوئٹر اور شال سے لدی پھندی شاہدہ کو صحن پار کر کے دوسری طرف جاتے ہوئے ٹھٹھر کے دیکھا پھر دودھ کا گلاس لے کر دستک دے کر دروازے سے اندر آئی۔ سامنے ہی بستر پر نیم دراز حامد چونک اٹھا۔

"ارے تم ابھی تک جاگ رہی ہو۔ جاؤ بھئی سو جاؤ۔" اس نے بے حد معمول کے سے انداز میں وہ بول کہے جن میں ہمدردی کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ کمرے میں آتش دان کی وجہ سے پرلطف سی حدت تھی۔

وہ بس اتنی ہی دیر ٹھہری جتنی دیر میں حامد نے دودھ ختم کیا اور عین اس لمحے جب وہ حامد سے دودھ کا گلاس لینے ذرا کی ذرا جھکی' پیچھے سے شاہدہ نے اس کی کمر پر موجود روانہ دھاڑ سے کھولا۔ چھوٹے سے کمرے میں رکھے گئے بڑے سارے بیڈ اور دروازے کے درمیان معمولی فاصلہ ہونے کی وجہ سے نین تارا کو ذرا دھکا سا لگا اور وہ بالکل بے اختیار بستر پر حامد کے اوپر۔۔۔

"ہائے۔۔۔ ہائے۔۔۔" شاہدہ نے یوں اپنے لبوں پر ہاتھ رکھا۔ جیسے اس نے پتا نہیں کتنا برا' کتنا گھٹیا اور غیر متوقع منظر دیکھا۔

"کیا کر رہے ہو تم دونوں یہ سب۔" نین تارا سہم کے پیچھے ہٹی اور حامد دھاڑ کر کھڑا ہوا۔

"تو کیا کہہ رہی ہے کیا یہ سب۔۔۔؟"

"میں نے کیا کہنا ہے۔ جو دیکھا ہے وہی کہہ رہی ہوں۔ ہائے لوگو ہائے۔۔۔ میں لٹ گئی۔ ہائے لالی آ کے دیکھ لو۔۔۔" نین تارا کی آنکھیں ابل آئیں۔ وہ سر سے پیر تک تھر تھر کانپ گئی۔ ایک لمحے میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔

نین تارا نے زندگی میں بڑے بڑے الزام سے تھے۔ بہت مار کھائی تھی' لیکن یہ تہمت' یہ بہتان اس کی برداشت سے باہر اس کے ضبط سے بھی بڑا تھا۔ اور یقین تو کسی کو نہیں تھا۔ نہ تایا نہ تائی اور نہ حامد کو۔۔۔ مگر وہ پہلی بار اپنے دفاع میں کچھ بولنا چاہتی تھی۔ کچھ کہنا چاہتی تھی' لیکن پھڑپھڑاتے لبوں سے چند بے معنی آوازوں کے سوا کچھ بھی نہیں نکلا اور ان آوازوں پر بھی شاہدہ کے ولولے غالب آرہے تھے۔ تب ہی حامد کی بوکھلائی ہوئی مردانگی نے ہوش سنبھالا اور اس کی ایک زوردار دھاڑ نے شاہدہ کی بولتی بند کر دی۔

"بکواس بند کر شاہدہ! نہیں تو ابھی کے ابھی تیرا قصہ ختم کر دوں گا۔ تین لفظ بول کے۔۔۔ خبردار جواب ایک آواز بھی نکلی۔" کمرے میں دندناتے ہوئے دنگے کے گلے پر کسی نے پیر رکھ کر آواز گھونٹ دی۔

شاہدہ کسی ناگن کی طرح سانسوں کی جگہ پھنکاریں بھرتی' کبھی حامد اور کبھی پیچھے کی طرف کھڑی ہوئی نین تارا کو دیکھ رہی تھی۔

"تو اللہ کی بندی! ذرا سا خوف کھالے۔ تجھے اپنے خصم کی بھی پروا نہیں۔ اپنے دل کی جلن بجھانے کے لیے کسی یتیم کی چادر پلید کر رہی ہے تو۔۔۔" ندامت آمیز انداز میں بولتا وہ دونوں بازوؤں میں اپنے بے بس تماشائی بنے ماں باپ کو سمیٹ کر باہر نکل گیا۔ اور پیچھے اس کا عتاب سہنے کو نین تارا رہ گئی اکیلی۔۔۔

☼ ☼ ☼

وقت کا وار بہت ظالم ہوتا ہے۔ جب کسی کے منہ پر لگتا ہے تو صرف عارض' آنکھ اور لب ہی نہیں پورے وجود پر زخم ڈال دیتا ہے۔ کمرے کی دیوار میں سمٹی لرزتی کانپتی نین تارا کو یوں ہی لگا تھا کہ اس کے چہرے پر بھی وقت اور حالات کا سب سے زوردار طمانچہ

پڑنے ہی والا ہے۔ لیکن... کون سا وقت کس کے لیے کیا رقم کرتا ہے۔ یہ فیصلہ کرنے والے ہم کون ہوتے ہیں بلکہ یہ کیا؟ سب ہی فیصلے کرنے کے لیے ٹھونک بجانے کے لیے کوئلے کو ہیرا اور سونے کو کندن بنانے کے لیے وہ بیٹھا ہے اوپر... اللہ... جو سب سے عظیم بھی ہے اور باخبر بھی...

"اور تو... تیری یہ مجال... تجھے تو میں ابھی سبق سکھاتی ہوں۔" خالی کمرے میں رہ جانے والے سب سے آسان شکار پر شاہدہ کی نظر اب پڑی تھی۔ اس کا وزنی وجود جو زمین پر ایک ایک قدم احسان دھر کے رکھتا تھا اس وقت مثالی پھرتی کے ساتھ آتش دان کی طرف لپکا۔ اس نے کھینچ کر ایک سلگتی لکڑی اس میں سے نکالی اور واپس نین تارا کی طرف لپکی۔

لکڑی موٹی اور بھاری تھی۔ گرم تھی۔ انگارہ سی دہکتی ہوئی۔ اس کے دن پورے ہونے والے تھے۔ وجود بے ڈھب، چال غیر متوازن اور اس پر غیض کے اٹھان کی چڑھتی پھرتی۔ قدم بھر دور جب وہ نین تارا تک پہنچی۔ نین تارا بری طرح ڈر کر دیوار سے جا لگی اور ٹھیک اسی لمحے شاہدہ کے وجود میں درد کی ایسی زور دار کاٹتی ہوئی لہر دوڑی کہ اس کی کراہ نکل گئی۔ ذرا سا جھک کر اس نے خود کو سنبھالنا چاہا۔ اس سے نین تارا نے بھی اس کی تکلیف اور بے بسی کو محسوس کیا۔ وہ ذرا سا آگے کی طرف جھکی اور شاہدہ کے ہاتھ سے لکڑی چھوٹ کر سیدھی اس کے گال سے جا لگی۔

"ہائے اللہ..." تکلیف سے نین تارا تڑپ سی گئی۔ چہرے پر جیسے کسی نے جلتا انگارہ ڈال دیا تھا۔ اس نے دوہری ہوتے ہوئے بوسیدہ شال کا گولہ بنا کر منہ پر رکھا اور زمین پر گرتی شاہدہ کو دیکھا۔ بس لمحوں کا فیصلہ تھا اور زندگی بھر کا کھیل۔

"تائی اماں... تائی اماں..." کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھلا اور آدھے چہرے پر چادر کا گولہ بنا کر رکھی نین تارا اڑتی ہوئی اندر آئی۔

"بھرجائی کی حالت خراب ہو گئی۔ آپ جائیں میں دائی کو بلاتی ہوں" بادل برسنا شروع ہو چکے تھے۔ مینہ چھاجوں چھاج برس رہا تھا۔ حامد نے اماں کے پیچھے نکل کر صحن میں دیکھا۔

تڑ تڑ برستی، یخ ٹھنڈی بارش میں وہ دائیں ہاتھ سے اپنا گال دبائے صحن میں بھرے پانی میں شڑپ شڑپ کرتی کسی بد روح کی مانند دروازہ کھول کر برستے اندھیرے میں گم ہو گئی۔

سات گھنٹے... سات گھنٹے سات صدیوں کی مانند یوں گزرے تھے۔ گویا بھاری لوہے کے ڈنڈے کو تھامے وہ پہاڑوں کے درمیان تنے ہوئے رسے پر چل کر گزرے ہوں، مگر پھر بھی ان سات گھنٹوں کے اذیت ناک انتظار کا انجام مکمل راحت پر نہیں ہوا۔ حامد بے شک باپ بن گیا لیکن اس کی بچی کی ماں اپنی اولاد کی شکل دیکھے بنا دنیا سے رخصت ہو گئی۔

وہ گاؤں کی بہت پرانی دائی تھی۔ بے حد تجربہ کار۔ جس کی انگلیوں پر پورے پنڈ کی زچاؤں کا حساب رہتا تھا۔ جس سے، جس طوفانی رات نین تارا نے اپنے ادھ جلے چہرے پر پڑتے ٹھنڈے پانی کی جلن کو محسوس کرتے اس کے گھر کا دروازہ پیٹا۔ اس رات کو کسی کے "فارغ" ہونے کی نوید نہ تھی اور پھر نین تارا... اسے دیکھ کر تو دائی فریدہ ویسے ہی دہل کر رہ گئی۔

"پر ابھی تو اس کا ٹیم نہیں ہوا۔"

"پر تواں تو لگ گیا نا دائی ماں... چھیتی کر۔" کنواری لڑکی کے منہ سے ایسی کھلی ڈلی بات کسی انہونی کے ہونے کی نوید ہی تھی۔

"رب خیر کیتا سی۔" دائی ماں نے نین سے زیادہ خود کو تسلی دی تھی اور بڑا چھاتا کھول کر پانی میں شرابور نین کو بھی چھاتے تلے لے لیا تھا۔ پھر حامد، تائی اور تایا نے دیکھا نین تارا کس طرح پوری رات مصلے پر بیٹھی اپنے جلے ہوئے چہرے کی ساری تکلیف بھلائے اس عورت کی تکلیف ٹل جانے کی دعا مانگتی رہی۔

جیسے جیسے شاہدہ کی کراہیں بڑھتی گئیں۔ نین تارا کی ہچکیاں بلند ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ ایک وقت میں تائی کو خود اٹھ کر اسے گلے سے لگا کر تسلی دینی پڑی اور

یہ اجنبی منظر اس گھر کے افراد نے ہی نہیں درودیوار نے بھی پہلی بار ہی دیکھا تھا۔ فجر کی اذانوں کے بعد دائی نے کمرے میں چھائی خاموشی توڑ کر سب سے پہلے تائی کو آواز دی۔

"سکینہ! اری او سکینہ۔" ساتھ ہی کسی ننھے فرشتے نے معصوم باریک آواز میں رو کر دادی کو پکارا تھا۔ سکینہ تائی تڑپ کر اندر پہنچی۔ نین تارا نے جائے نماز سمیٹی۔ حامد نے کرسی سے اٹھ کر دروازے کو دیکھا۔ تایا بھی کھنکھارتا ہوا اپنے کمرے سے نکلا گویا سب ہی کو اس خوش خیال منظر کا انتظار تھا جب تائی بھیگی آنکھوں اور مسکراتے لبوں سے بچے کو لے کر کمرے سے برآمد ہوتی اور مبارک سلامت کا شور مچاتی لیکن۔۔۔

شور تو مچا، مگر مبارک سلامت کا نہیں۔۔۔ تائی کے بین کا۔ تایا ہڑبڑایا۔ حامد کے حواس چھوٹے اور نین تارا کے ہاتھ سے جائے نماز۔۔۔

☼ ☼ ☼

"ارے یہ آپ کی بھتیجی کو کیا ہوا بہن۔" ابھی قل کے چاولوں کی کھرچن بھی نہیں نکلی تھی کہ دبا دبا سا ایک سوال اس عورت کے لبوں پر آگیا۔ جو ہفتہ پہلے نین تارا کو کسی رشتے کے سلسلے میں دیکھنے آئی تھیں۔

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ یہ۔۔۔" تائی زندگی میں پہلی بار ہی گڑبڑائی تھی یا شاید اس بری طرح سے کہ۔۔۔ پاس بیٹھی نین تارا کو خود اٹھ کر ان کی مدد کو آنا پڑا۔

"انگاری اونچی کر کے دھونی دے رہی تھی۔ تو۔۔۔ پیر مڑ گیا اور تھوڑی سی راکھ منہ پہ پڑ گئی۔" وہ اداسی سے مسکرائی۔ اچھا بھلا چہرہ ڈراؤنا سا ہو گیا۔

"انگاری میں سے راکھ گر گئی، لیکن راکھ کا جلا ایسا تو نہیں ہوتا۔" الفاظ تو کچھ اور تھے، مگر مفہوم یہی تھا کہ انہیں اس کی بات پر رتی برابر یقین نہیں آیا۔

"وہ صرف راکھ نہیں تھی اس میں ایک جلتا کوئلہ بھی تھا۔" اس کے لہجے کی بے رحمی پر عورت صرف جھری جھری لے کر "سی۔۔۔ سی۔۔۔ سی۔۔۔" کر کے رہ گئی۔

"تو کوئی دوا لگائی۔ ایسے تو نشان پڑ جائے گا اور۔۔۔ تمہارا چہرہ بہت برا لگے گا۔" ان کی ہمدردانہ بات نے تائی کے دماغ میں کوئی الارم سا بجایا اور اس الارم کی آواز اتنی کراری تھی کہ وہ موقع محل کا لحاظ کیے بغیر پوچھ بیٹھیں، لیکن براہ راست نہیں۔۔۔

"وہ جن لوگوں کا آپ نے کہا تھا۔ انہیں کہلا بھیجیے گا۔ ذرا ٹھہر جائیں۔ گھر میں فوتگی ہوئی ہے اور ابھی۔۔۔"

"وہ اب کہاں آئیں گے۔" عورت کچھ زیادہ ہی منہ پھٹ تھی یا بچی (بات تو ایک ہی ہے۔)

"بلکہ وہ تو اب شاید اسے پہچاننے سے ہی انکار کر دیں۔" تائی نے گھبرا کر نین تارا کو تلاش کیا، مگر وہ دوسری طرف بڑھ چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

چند دن گھر میں سوگ رہا۔ پھر زندگی اپنی ڈگر پر چل پڑی۔ آج مرے کل دوسرا دن۔ اسی کا نام ہے، لیکن یہ تھا کہ ننھی ابیہا کی قلقاریوں نے زیادہ دن آنکھیں نم نہیں رہنے دیں۔

یوں بھی بیٹی چلی جائے تو میکے والے یاد کرتے روتے ہیں۔ بہو مرے تو شوہروں کو دوسری فکریں ستانے لگتی ہیں۔ گھر کا کام بچوں کی دیکھ بھال اور مرد کی ذمہ داری کے علاوہ بھی یہاں ایسی کوئی کہانی تھی تو نہیں۔۔۔ کیوں کہ گھر کے کام سے لے کر بچی کی ذمہ داری تک نین تارا سب ہی کچھ سنبھال رہی تھی۔ اس کے چہرے کا زخم گہرا تھا۔ جس کی اب سب کو پروا تھی سوائے خود اس کے۔۔۔ نتیجہ۔۔۔ زخم بگڑ گیا۔ گہرا ہو گیا اور چہرہ بھیانک لگنے لگا۔ اب یوں تھا کہ جب وہ مسکرا کر بچی کو پچکارتی تو صرف بچی قلقاریاں مارتی سارا گھر نظریں چرا لیتا۔

"حق ہاہ۔۔۔ سکینہ! بہت برا کر گئی شاہدہ۔۔۔" وہ برآمدے میں سلائی مشین رکھے اس پر اپنی آنکھیں گاڑے جھکی ہوئی تھی۔ اس کی ہی فرمائش پر ہفتہ بھر

پہلے تایا نے اسے سلائی مشین میں موٹر لگوا کر دی تھی اور اس نے ہفتہ بھر میں کئی ایک کپڑے ننھی ابیہا کے لیے سی ڈالے تھے۔

"کہتے تو صحیح ہیں آپ۔۔۔ مجھے تو بس اب اس کا گھر بسانے کی فکر لگ گئی ہے۔ کون آئے گا اسے بیاہنے۔ اس جلے ہوئے منہ کے ساتھ۔" تین چوتھائی گندمی رنگت پر کھنچی اودھڑے کپڑے، جیسا ایک چوتھائی چہرہ لیے وہ سنجیدہ سی کپڑے میں لگ جانے والا کوئی غلط بخیہ اُدھیڑ رہی تھی۔ دروازے کے باہر آکر رک کے حامد نے نظر بھر کر اس کی طرف دیکھا اس سے اس کا چہرہ معمول سے زیادہ بگڑا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اس نے نظر جھکالی۔

"اب تو کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔ اس کے ہوتے میں حامد کے لیے دوسری زنانی کی بات بھی نہیں کرسکتی۔ سب مجھے ہی برا بھلا کہیں گے۔" تائی سکینہ کے الفاظ میں ہمدردی سے زیادہ پچھتاوا تھا۔ تب ہی حامد اندر داخل ہوا۔

"اس کے ہوتے میرے لیے کوئی دوسری دیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے اماں!"

"ہیں۔۔۔؟" اماں حق دق رہ گئی۔

"کیا کہہ رہا ہے تو۔۔۔ جھلا ہوا ہے کیا۔"

"ٹھیک کہہ رہا ہے بالکل۔۔۔" تایا بھی فوراً ملنے والے جھٹکے سے سنبھلے اور بات کو آگے بڑھایا۔

"حامد کو بھلے دوسری بیوی مل جائے۔ اچھی سے اچھی، لیکن اگر اس کی بیٹی کو کوئی تجھ جیسی مل گئی نا! تو اس کا حال بھی ویسا ہی ہوگا۔ جیسا اپنی نین تارا کا ہوا ہے۔" جنگ کی تیاری کے لیے مورچہ سنبھالتی تائی، تایا کے اس طعنے پر وہیں ڈھے گئی۔ رہی سہی کسر حامد نے پوری کردی۔

"اپنی بیٹی کو نین تارا بننے سے بچانے کے لیے، مجھے نین تارا کو ہی اپنانا ہوگا۔" اس نے کمرے کا ادھ بھڑا دروازہ پورا کھول دیا۔ سامنے ہی ابیہا کو گود میں بھرے نین تارا آسے گدگدا رہی تھی۔ حامد نے دوبارہ نظر بھر کر اسے دیکھا۔ وہی نین تارا جو کچھ دیر پہلے عجیب سی لگتی تھی۔ اب مکمل اور خوب صورت لگ رہی تھی۔

"یہ کبھی مت سمجھنا کہ تم سے شادی، شاہدہ کے گناہ کا کوئی کفارہ ہے۔ جسے میں نے زندگی بھر ادا کرتے رہنے کا سوچ کر تم سے شادی کی۔" عروسی جوڑے کا زرتار گھونگھٹ اس کا چہرہ چھپانے سے قاصر تھا، لیکن حامد کو اس کے چہرے کی پروا تھی بھی نہیں۔

"یہ بدلہ ہے۔ اس احسان کا۔ جو ابیہا کو اپنے سینے سے لگا کر تم نے کیا ہے مجھ پر۔۔۔" وہ واقعی احسان مند تھا۔ نین تارا کا سر جھک گیا۔

"لیکن میں نے اس لیے تو اس سے محبت نہیں کی تھی۔ میں تو۔۔۔ میں تو۔۔۔" وہ جھجک گئی۔ جس گھر میں، جس شخص کے سامنے ساری زندگی اس نے جی اچھا، کب اور کیسے جیسے الفاظ ادا کیے تھے۔ اس کے سامنے اتنی بڑی بات۔۔۔

"میں تو۔۔۔ کیا میں تو۔۔۔" حامد اسے اکسا رہا تھا۔ اسے بولنا پڑا۔

"میں تو اسے صرف بچانا چاہتی تھی دوسری نین تارا بننے سے۔" حامد چپ کا چپ رہ گیا۔ اتنی دبو اور بزدل لڑکی سے اس گہری بات کی امید جو نہیں تھی۔

"تمہارا شکریہ۔۔۔" اس نے نین تارا کے ہاتھ کی پشت پر بوسا لیا۔

"اسی لیے تمہیں اپنایا میں نے۔۔۔ کیوں کہ ایسا صرف تم ہی کر سکتی تھیں۔" وہ سادگی بھری محبت سے مسکرا دیا۔ نین تارا کا دل شاد ہوگیا۔ نین تارا سچ مچ نین تارا بن گئی تھی۔ اس کے نین خوشی سے دمک رہے تھے۔ اس نے محبت کے تارے کو مانگ میں سجالیا تھا۔

"فیصل بھائی تیری شادی کر رہے ہیں۔"
وہ جو خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی، کسمسا کر اٹھی۔
"اتنی اچھی نیند کا ستیاناس کر دیا صبح صبح، کیوں میرے کانوں میں صور پھونک رہی ہو؟" حنا سخت کوفت زدہ ہو رہی تھی۔
"تمہاری نیند گئی چولہے میں۔ اتنی اچھی خبر سنا رہی ہوں اور موصوفہ کو دن کے ایک بجے نیند کی پڑی

ہے۔" ندا اپنے ہونٹ سکیڑتے ہوئے بولی۔ "ویسے اب فیصل بھائی کو شادی کے نام پر توبہ کر لینی چاہیے۔ شادی کا بندھن انہیں راس نہیں آتا۔ دونوں بہنیں خوب چھان بین کے بعد اکلوتے بھائی کی دلہن لاتی ہیں اور نتیجہ وہی صفر۔ لڑائی جھگڑے۔ اور پھر طلاق۔"
حنا اپنے لمبے بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے بولی۔
"اب کی بار نتیجہ سو فیصد نکلنے والا ہے۔" ندا اپنے مخصوص رازدارانہ لہجے میں بولی۔
"وہ کیسے۔۔۔؟" اس کا انداز لاپروا تھا۔
"وہ ایسے کہ فیصل بھائی کا اپنا کارنامہ ہے۔ اس بار انہوں نے بہنوں کی مشکل آسان کر دی۔ جانتی ہو لڑکی کون ہے؟
سنو گی تو کانوں کو ہاتھ لگاؤ گی۔۔۔ جناب اپنی تائی کی بیٹی کائنات۔"
"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ کیا سچ میں۔۔۔ لیکن کیسے؟ فیصل بھائی اور کائنات میں خاصا ایج ڈیفرنس ہے۔" اس نے سچ مچ اپنے کانوں کو ہاتھ لگا لیے تھے۔ کائنات جیسی منفرد سوچ رکھنے والی لڑکی سے ایسی توقع نہ تھی۔
"وہ ایسے جناب دو ماہ پہلے ناصر بھائی کی شادی میں فیصل بھائی کائنات کو دیکھتے ہی دیوانے ہو گئے، اب تو چٹ منگنی پٹ بیاہ کا چکر چل رہا ہے۔"
"ویسے کائنات باؤلی تو نہیں ہو گئی۔ وہ مان کیسے گئی؟" اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ دماغ اب بھی یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا۔
"باؤلی نہیں، عقل مند کہو۔ چھکا مارنے کی اسے ویسے ہی عادت ہے۔ خاندان میں اس بار بھی چھکا ہی مارا ہے۔ سنا ہے فیصل بھائی اس کے عشق میں ایسے مجنوں ہوئے کہ اپنی جائیداد تک کائنات کے نام کرنے کو تیار ہیں۔"
"کیا تائی امی راضی ہیں؟" حنا کا انداز رازدارانہ تھا۔
"تو اور کیا۔۔۔ جب میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی۔" ندا اپنی مٹھی میں بند چلغوزے کھاتے ہوئے معصوف بے پروا انداز میں کندھے اچکاتے ہوئے بولی تھی۔
"کس قدر مفاد پرست ہیں تائی امی۔" اس کے انداز میں تاسف تھا۔
"اس میں مفاد پرستی کی کیا بات ہے، آج کل ہر شخص ہی اپنا فائدہ دیکھتا ہے۔ بات کڑوے بادام کی طرح کڑوی ضرور ہے لیکن یہی حقیقت ہے۔ تائی امی بیوہ عورت ہیں۔ بیٹی کے ساتھ انہیں اپنا مستقبل بھی محفوظ نظر آ رہا ہو گا۔ جہیز بھی نہیں دینا پڑ رہا۔ ان کی سفید پوش فیملی ہے۔ اس سے اچھا رشتہ انہیں کہاں ملے گا۔" وہ چلغوزے کی گری اپنے منہ میں رکھ کر بولی۔
"ابھی کائنات کی عمر ہی کیا ہے۔ اسے اس سے بہتر آپشن مل سکتا تھا۔ خوب صورت ہے، کم عمر بھی۔۔۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بجائے شادی کے چکروں میں پڑ گئی ہے۔"
آج کل بی کام کے پیپرز ہو رہے تھے۔ وہ دونوں ساتھ ہی پیپرز دینے جا رہی تھیں، وہ جانتی تھی ایم بی اے کرنا اس کا خواب ہے لیکن اپنے محدود وسائل کی وجہ سے وہ اپنا خواب پورا نہیں کر سکتی۔ کالج کی طرح خاندان کے سارے لڑکے اپنی آنکھوں میں اس کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتے تھے۔ کائنات کے کٹھور لہجے نے کسی کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ دی اور اب یہ دو دفعہ کا طلاق یافتہ مرد۔۔۔ دونوں میں کوئی جوڑ نہ تھا۔ نہ عمر، نہ شکل۔۔۔ بس ایک دولت کی چادر تھامے کھڑے فیصل بھائی تصور ہی میں اسے زہر لگ رہے تھے۔
"میں کروں گی کائنات سے بات۔" حنا نے دل ہی دل میں عزم کیا۔
اور پھر اگلے ہی روز وہ نوٹس کے بہانے گھر سے کچھ فاصلے پر موجود تائی امی کے گھر جا پہنچی۔ اس کے دماغ میں کئی سوالات نے ہلچل مچا رکھی تھی۔
"یہ کیا حماقت ہے۔" وہ اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

"کیسی حماقت۔۔۔؟" ناخن تراشتے ہوئے اس کا لہجہ پرسکون تھا۔ وہ اس کے بدلے تیور پر بھی نہ چونکی تھی۔ شاید اس کی سرشت میں چونکا دینے کی عادت تھی۔

"تم تو ایسے بن رہی ہو جیسے کچھ خبر ہی نہیں۔" حنا اس کے برابر میں بیٹھ گئی اور اپنا پرس کندھے سے اتار کر۔۔۔ رکھ دیا۔

"مجھے الہام نہیں ہوتا۔" کائنات اس کی طرف نظر اٹھائے بغیر بولی۔

"اتنا بڑا فیصلہ کرتے ہوئے کچھ تو عقل سے کام لیتیں۔"

"کیسا فیصلہ؟"

"فیصل بھائی اور تم۔۔۔" وہ ہچکچائی۔

"ہاں۔۔۔ ابھی بات طے نہیں ہوئی۔ طے ہونے کے بعد میں نے سوچا تمہیں خبر دوں گی۔" وہ اپنے مخصوص نرم اور میٹھے لہجے میں بولی۔

"محترمہ کیا خبر دوں گی، خبریں تو خاندان میں گزشتہ کئی روز سے گردش کر رہی ہیں۔" اس کا انداز مضحکہ خیز تھا۔

"کیسی خبر۔۔۔؟" فائل کرتے ہاتھ لمحے بھر کو رکے تھے۔

"یہی کہ فیصل بھائی تمہارے عشق میں دیوانے ہو گئے ہیں۔" لہجہ میں طنز تھا۔

"میرے عشق میں تو اور بھی لوگ دیوانے ہیں۔" کائنات نے ایک معنی خیز نظر حنا پر ڈالی تو اسے ایسا لگا جیسے اس کا دل لمحے بھر کے لیے تھم گیا ہو۔

"کیا تم اس رشتے سے خوش ہو؟" حنا کی نظریں اس کے کپکپاتے ہاتھوں پر ٹکی تھیں جسے اس نے نرمی سے تھام لیا تھا۔

"مجھ سے زیادہ اماں خوش ہیں۔" اس نے مختصراً کہہ کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"یعنی تم خوش نہیں۔" حنا اسے نظروں ہی نظروں میں کرید رہی تھی۔

"معلوم نہیں۔" وہ اپنے ناخنوں کو پھر سے تراشنے میں مصروف ہو گئی۔ جیسے وہ اس وقت دنیا کا سب سے اہم کام کر رہی ہو۔

"تم خوش نہیں کائنات تو انکار کر دو۔ جانتی ہو فیصل بھائی طلاق یافتہ مرد ہیں۔ دو بار اپنی بدمزاجی کی وجہ سے اپنی بیویوں کو چھوڑ چکے ہیں۔ کیا ضمانت ہے اب کی بار وہ اس شادی کو نبھا پائیں گے۔ کیوں اپنی زندگی کا جوا جانتے بوجھتے کھیل رہی ہو۔"

"ضمانت تو کسی چیز کی بھی نہیں۔۔۔ اور حنا، زندگی میں ایک بار یہ جوا ہر لڑکی کو کسی ہار جیت کے فیصلے کے بغیر کھیلنا ہی پڑتا ہے۔" وہ اپنے ناخنوں کو تراش چکی تھی اور اپنی چھوٹی سی کٹ میں فائلر رکھ رہی تھی۔

حنا نے اس کے روشن چہرے کی طرف دیکھا جہاں اسے دکھ، تکلیف اور ایک دبے غبار کی شدت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ یہ سب کہتے کہتے کائنات کے دہکتے گال اور آنکھوں کی نمی حنا دل سے محسوس کر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کومل لڑکی نے زندگی میں بہت کم عمری سے ہی کٹھنائیاں دیکھ لی تھیں۔ اسے اب زندگی کی سختیاں جھیلنے کی عادت پڑ گئی تھی۔ وہ اس وقت اسے کسی مضبوط پہاڑ کی طرح کھڑے دیکھ رہی تھی جو اپنے وجود پر بے شمار پتھر سمیٹے بیٹھی تھی۔

"تم کہو تو تائی امی سے میں بات کروں؟" اس نے کائنات کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھیرے سے رکھ کر کہا۔

"نہیں۔۔۔" وہ تیزی سے اپنا ہاتھ سرکا کر کھڑی

ہوگئی۔

"حنا..." دونوں نے کمرے کے دروازے کی جانب ایک ساتھ مڑ کر دیکھا۔ تائی امی چائے کی ٹرے تھامے حنا کو پکارتے ہوئے اندر داخل ہو رہی تھیں۔

"تمہارے لیے سموسے تل کر لائی ہوں۔ کل ہی بنائے تھے۔ اب مٹھائی تو ہے نہیں' یہ سوجی کا حلوہ بنا کر لائی ہوں۔ لو کھا کے منہ میٹھا کر لو۔ ان شاء اللہ کل مٹھائی کا ڈبا لے کر خود آؤں گی۔ تمہاری امی کا بھی اپنے ہاتھوں سے خود منہ میٹھا کروں گی۔" وہ خوشی سے نہال ہو کر سوجی کا حلوہ چمچہ بھر کر اس کے منہ میں ڈالتے ہوئے بولیں۔ حنا' تائی امی کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی تو وہ پھر بولیں۔

"لو بتاؤ بھلا... خوشی میں مٹھائی کا سبب تو بتایا ہی نہیں۔ فیصل ہے نا' اس نے رشتہ بھیجا تھا۔ ابھی ان کا پھر جواب مانگنے کے لیے فون آیا تھا اور میں نے ہاں کر دی ہے۔ بس اب اللہ جلد اس فرض سے مجھے سبکدوش کر دے گا۔ پھر فیصل کہہ رہا تھا کہ ہم سب شادی کے بعد عمرے پر جائیں گے۔ بڑا نیک بچہ ہے۔ ہماری سفید پوشی کا احساس ہے اس کو... شادی کے سارے انتظامات فائیو اسٹار ہوٹل میں خود ہی کر لے گا۔ بڑی نصیب والی بچی ہے میری کائنات۔" وہ پیار سے کائنات کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بول رہی تھیں' پھر چولہے پر رکھی ہنڈیا دیکھنے کی خاطر معذرت کر کے اٹھ گئیں۔

"مبارک ہو کائنات... کروڑپتی کی بیگم بننے جا رہی ہو۔ ویسے معاف کرنا فیصل بھائی میں سوائے دولت مند ہونے کے ... کوئی اور خوبی ہمیں نظر نہیں آتی۔ محض جہیز نہ دینے کی خاطر... کس قدر مفاد پرست ہو تم لوگ... ذرا سا صبر کر لیتیں تو..."

"ذرا سا صبر..." کائنات نے اس کی بات کاٹ کر عجیب انداز میں قہقہہ لگایا۔ "ٹھیک کہتی ہو... ذرا سا صبر کر لیتی اگر اپنے عشق میں پاگل کاشف کا انکار نہ سنتی تو... شاید ذرا سا صبر کر لیتی' اگر کاشف کے گھر والوں کو جہیز نہ ملنے کا غم نہ ہوتا تو... شاید میں ذرا سا صبر کر لیتی... ہاں شاید... مجھ سے سوائے سچی محبت کے اور کسی کو کچھ نہ ملتا تھا... نہ مال و دولت سے پُر جہیز... نہ قیمتی آرائشیں... میں بیچ منجھدار میں نہ کھڑی ہوتی تو شاید ذرا سا صبر کر لیتی... اگر... وہ... مفاد پرست نہ ہوتا تو..."

اس کا مزید بیٹھنا محال ہو گیا۔ وہ اپنے من من ہوتے پیروں کو گھسیٹتی ہوئی بیرونی دروازے کی جانب بڑھی۔ سُن ہوتے دماغ اور مفلوج جسم نے اس کی قوتیں چھین لی تھیں۔

"حنا بیٹا۔ کدھر چل دیں' رکو تو سہی۔ میں نے بریانی بنائی ہے' کھا کے جانا۔" تائی امی نے اسے جاتے دیکھ کر پکارا۔

"بس چلتی ہوں تائی امی بیوکے سے کاشف... بھائی کا فون آنے والا ہے... امی نے گھر واپس جلدی آنے کا کہا تھا۔" بھائی کا نام لیتے ہوئے اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔ جھکی نظروں سے وہ زمین کو تکے جا رہی تھی۔ سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ وہ جلد اس ماحول سے بھاگنا چاہتی تھی۔ لیکن قدموں نے زمین تھام لی تھی۔

"چلو اچھی بات ہے' میری طرف سے پوچھنا۔ کاشف بیٹا ٹھیک تو ہے نا۔ جب سے وہاں شادی کی ہے آیا ہی نہیں۔ چلو خیر ہے... امی سے کہنا مٹھائی لے کر آؤں گی۔" وہ اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ اندر بیٹھا مفاد پرستی کا بت چیخ چیخ کر اس کے وجود کو جھنجھوڑ رہا تھا۔

مفاد پرست... کون... ؟

وہ... یا پھر میں... ؟

میرا دل مجھ سے سوال کر رہا تھا۔ ایسا سوال جس کا جواب میرے لب کہنے سے کترا رہے تھے۔ میرے پاس میرے سوال کا جواب نہیں۔ کیا آپ مجھے جواب دے سکتے ہیں۔

ہر قدم پر نت نئے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں لوگ
دیکھتے ہی دیکھتے کتنے بدل جاتے ہیں لوگ

کس لیے کیجیے کسی گم گشتہ جنت کی تلاش
جب کہ مٹی کے کھلونوں سے بہل جاتے ہیں لوگ

اپنے سائے سائے سر نیوڑھائے آہستہ خرام
جانے کس منزل کی جانب آج کل چلتے ہیں لوگ

شمع کی مانند اہل انجمن سے بے نیاز
اکثر اپنی آگ میں چپ چاپ جل جاتے ہیں لوگ

شاعران کی دوستی کا اب بھی دم بھرتے ہیں آپ
ٹھوکریں کھا کر تو سنتے ہیں سنبھل جاتے ہیں لوگ

حمایت علی شاعر

اجنبی شام،

دھند چھائی ہے جھیلوں پر
اُڑ رہے ہیں پرند ٹیلوں پر
سب کا رُخ ہے نشیمنوں کی طرف
بستیوں کی طرف، بنوں کی طرف
اپنے گلوں کو لے کر چرواہے
سرحدی بستیوں میں جا پہنچے
دلِ ناکام میں کہاں جاؤں؟
اجنبی شام میں کہاں جاؤں؟

جون ایلیا

آسماں بھی رہگذر، حدِ سفر کچھ بھی نہیں
اب زماں ہو یا مکاں، پیشِ بشر کچھ بھی نہیں

سوچیے تو زندگی کی داستاں بھی ہے یہی
دیکھیے تو حاصلِ رقصِ شرر کچھ بھی نہیں

لفظ دل سے کٹ چکے، دل درد سے عاری ہوئے
کتنی پُرلطف ہیں تقریریں، اثر کچھ بھی نہیں

وقتِ آخر، دم بخود ہے باغبانِ کہنہ مشق
پیڑ تو کتنے لگا ڈالے ثمر کچھ بھی نہیں

عشق، حیرت، سرخروئی، زندگی، شرمندگی
جو ہے پہلی بار ہے بارِ دگر کچھ بھی نہیں

آدمی کی بے کراں آزادیوں پر بندشیں
سرحدیں، قومیں، علاقے، شہر، گھر کچھ بھی نہیں

محمود شام

ہم چراغِ یقیں جلاتے رہے
وقت کو راستہ دکھاتے رہے

زندگی کتنی مختلف تھی مگر
ہم تیرے ساتھ مسکراتے رہے

ہم تیری راہ سے پھرے ہی نہیں
آستانے ہمیں بُلاتے رہے

جو تیرے عشق کی امانت تھے
دل سے اب وہ گلے بھی جاتے رہے

زندگی اتنی دل فریب نہ تھی
تم مگر مجھ کو یاد آتے رہے

جانے کس دھن میں عمر بھر قابل
محفلِ آرزو سجاتے رہے

قابل اجمیری

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

سب سے بہتر عمل یہ ہے کہ تم غربا اور مساکین کو کھانا کھلاؤ اور ہر شخص خواہ شناسا نہ ہو، اسے سلام کرو۔

(بخاری)

عظیم ماں،

تھامس ایڈیسن مشہور عالم سائنس دان جب بچہ تھا، وہ اسکول سے آیا اور ایک سربمہر لفافہ اپنی والدہ کو دیا کہ استاد نے دیا ہے کہ اپنی ماں کو دے دو۔

ماں نے کھول کر پڑھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے پھر اس نے بآواز بلند پڑھا۔

"تمہارا بیٹا ایک جینئس ہے، یہ اسکول اس کے لیے بہت چھوٹا ہے اور اتنے اچھے استاد نہیں کہ اسے پڑھا سکیں، سو آپ اسے خود ہی پڑھالیں۔"

سالوں بعد جب تھامس ایڈیسن ایک سائنس دان کے طور پر مشہور عالم ہوگیا تھا اور والدہ وفات پاچکی تھیں۔ وہ اپنے خاندان کے پرانے کاغذات میں کچھ ڈھونڈ رہا تھا کہ اسے وہی خط ملا۔ اس پر لکھا تھا۔

"آپ کا بیٹا انتہائی غبی و ذہنی ناکارہ ہے۔ ہم اسے مزید اسکول میں نہیں رکھ سکتے۔"

اس دن ایڈیسن نے ڈائری میں لکھا۔

"تھامس ایلوا ایڈیسن ایک ذہنی ناکارہ بچہ تھا پر ایک عظیم ماں نے اسے صدی کا سب سے بڑا سائنس دان بنادیا۔"

انٹرویو،

موسیو جارج سے ایک اخبار نویس انٹرویو لے رہا تھا۔ دوسرے بہت سے سوالات پوچھنے کے بعد اس نے پوچھا۔

"کیا آپ صبح کی سیر کرتے ہیں؟"

"کرتا تو نہیں۔ البتہ آپ لکھ لیجیے کرتا ہوں کل سے میں اپنے سیکریٹری کو سیر کے لیے بھیج دیا کروں گا۔"

ثمرہ، اقرا۔ کراچی

ٹی وی چینلز،

ابلیس کے چند چیلے جب اس کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ ٹی وی کے سامنے بیٹھا سگار پی رہا تھا۔ چیلوں نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا بات ہے آج کل آپ نے شیطانی سرگرمیوں سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہے، کہیں آپ کی صحت تو نہیں جواب دے گئی؟"

یہ سن کر ابلیس نے قہقہہ لگایا اور بولا۔

"تشویش کرنے یا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آج کل میں نے اپنا سارا کام ٹی وی چینلز کو سونپ دیا ہے۔"

عذرا ناصر۔ اقصیٰ ناصر۔ کراچی

ربیع الثانی،

ربیع الثانی اسلامی سال کا چوتھا مہینہ ہے۔ اسے ربیع الآخر کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

ربیع الآخر کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب اس مہینے کا نام رکھا جانے لگا تو یہ فصل ربیع یعنی موسم بہار کے آخر میں آیا۔ اس بنا پر اس کا نام ربیع الآخر یا ربیع الثانی رکھ دیا گیا۔

ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اسلام سے قبل کی عرب تاریخ میں اہل عرب ربیع الاول اور ربیع الثانی دونوں مہینوں میں اپنے گھروں میں قیام

کرتے تھے۔ چنانچہ پہلے مہینے کو ربیع الاول اور دوسرے کو ربیع الثانی کہا جانے لگا۔
صدف عمران سکے ڈی، اے سوسائٹی

واصف خیال،

محبوب کی جفا کبھی کسی محب کو ترک وفا پر مجبور نہیں کرتی۔ دراصل وفا ہوتی ہے بے وفا ہی کے لیے۔ اور ہم جس ذات کی بقا کے لیے اپنی ذات کی فنا تک بھی گوارا کرتے ہیں۔ وہی محبوب ہے۔
نوال افضل گھمن۔ لاہور

مغرور

اگر ظرف نہ ہو تو عطا انسان کو مغرور بنا دیتی ہے۔
(واصف علی واصف)
عائشہ۔ گوجرہ

کنجوس،

اسکاچ کے لوگوں کی کنجوسی مشہور ہے۔ بی بی سی کے ایک ذہنی آزمائش کے پروگرام میں سوال کیا گیا۔
ایک اسکاچ جوڑا ہوٹل کے ایک کمرے میں مقیم ہے۔ صبح جب شوہر کی آنکھ کھلتی ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ اس کی بیوی مر چکی ہے۔ بتائیے اس صورت حال میں اسکاچ شوہر سب سے پہلا کام کیا کرے گا۔ وہ پولیس کو فون کرے گا یا مردہ دفن کرنے والوں کو طلب کرے گا یا... "
"جناب! وہ سب سے پہلے ہوٹل کے منیجر کو فون کرے گا۔"
"کس مقصد کے لیے اور کیا پیغام دے گا؟"
"صبح کا ناشتا صرف ایک شخص کے لیے آئے۔"
"جواب صحیح ہے لیکن آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟"
"میں خود ایک اسکاچ ہوں۔"
شاہین رضوان۔ کراچی

صحت مند بڑھاپے کا راز،

ایک صحت مند خوش حال بوڑھے سے پوچھا گیا۔
"آپ نے غموں سے پاک صحت مند بڑھاپا کیسے پایا؟" تو اس نے جواب دیا۔
"میں نے کبھی اپنے گھر والوں اور تعلق والوں سے ناراضی اور غصے کو دل میں نہیں رکھا اور کبھی اپنے سے زیادہ مرتبے والے پر حسد نہیں کیا اور نہ کسی کے نقصان پر کبھی خوشی منائی۔"
(خواتین کا اسلام)
عائشہ انصاری۔ حیدر آباد

دانش فرنگ،

- صبر کرنے والے کے غصے سے ہمیشہ ڈرتے رہو۔
(جان ڈرائی ڈن)
- ماہر وہ شخص ہوتا ہے جو چھوٹی چھوٹی غلطیاں نہیں کرتا بلکہ بڑی غلطی کرتا ہے۔
(بنجمن سٹال برگ)
- عظمت کی طرف کوئی پھولوں بھرا راستہ نہیں جاتا۔
(فونٹین)
- زندگی کا مقصد مسرت نہیں بلکہ تکمیل انسانیت ہے۔
(ہیگل)
- پرانے خطوط پڑھنے میں مزا اس لیے آتا ہے کہ ہمیں معلوم ہوتا ہے ان کا جواب نہیں دینا پڑے گا۔
(لارڈ بائرن)
دعائے سحر، انا احسب۔ فیصل آباد

کاش،

میری دنیا کاش تک محدود ہے
لفظ کاش
ایک ایسا پرندہ ہے
جو اس کاش تک
اپنے شہپر پھیلاتا ہے
اور میری زندگی خواہش پر
اپنا سایہ رکھتا ہے۔

(سعداللہ شاہ)
وشال فرحان۔ کراچی

امریکہ،

بڑا منصف مزاج ہے یہ امریکہ
بزعم شیخ سب کو برابر پیار دیتا ہے
کسی کو حملہ کرنے کے لیے دیتا ہے میزائل
کسی کو ان سے بچنے کے لیے رسد وا دیتا ہے
افشاں زین۔ کراچی

لاجواب،

جب بھی لیتا ہوں پڑھنے کے لیے کوئی کتاب
نیند آجاتی ہے فی الفور مجھے خانہ خراب
خوبیاں یوں تو سلیبس میں ہیں موجود کئی
نیند لانے میں نہیں اس کا مگر کوئی جواب
پرنسز عنوی اکرم۔ کراچی

سوچ کے در کھلے،

- کسی کام میں مصروف آدمی سے مشورہ نہ کرو، خواہ وہ کتنا ہی عقل مند ہو، بھوکے سے مشورہ نہ کرو خواہ وہ کتنا ہی سمجھ دار ہو، نہ خوف زدہ سے خواہ اس کی خیر خواہی پر تمہیں مکمل اعتماد ہی کیوں نہ ہو۔
- چالاک اور ہوشیار شخص کو وہیں سے نقصان پہنچتا ہے جہاں سے وہ بے فکر ہوتا ہے۔

افشاں زین۔ کورنگی

وجہ،

دو مکینک گاڑیوں کے بارے میں تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔ ایک بولا۔
"تمہیں گاڑیوں کی سیٹوں پر چمڑے کے کور اچھے لگتے ہیں یا کپڑے کے...؟"
"کپڑے کے" دوسرے مکینک نے جواب دیا۔ "چمڑے کے کور پر ہاتھ اچھی طرح صاف نہیں ہوتے"
شاہینہ عارف۔ اورنگی ٹاؤن

شرم تو نہیں آتی،

تہران کی ایک سڑک پر ایک خوبصورت خانم جا رہی تھی۔ ایک ایرانی نوجوان نے اس کا پیچھا شروع کر دیا۔ خانم کو بہت غصہ آیا اور وہ پیچھے مڑ کر بولی۔
"شرم تو نہیں آتی ایک ایسی دوشیزہ کا پیچھا کرتے ہوئے جس کا نام گوگوش ہے اور وہ آغا فریدوں کی بیٹی ہے اور جس کا ٹیلی فون نمبر... ہے اور جو تہران کے محلہ کوچہ گراں میں رہتی ہے۔"
گڑیا شکیل۔ کراچی

آنسو،

غم کسی طرح کا بھی ہو
ہر انسان کے آنسو ایک جیسے ہی ہوتے ہیں
(واصف علی واصف)
صبا ارشد۔ حیدر آباد

پہچان،

جب آپ کسی انسان کا مزاج پرکھنا چاہیں تو اس سے مشورہ لیں۔ آپ اس کے مشورے سے اس کا انصاف، ظلم، نیکی اور بدی سب جان جائیں گے۔
وریشہ زین۔ نمبر 6 مارکیٹ

ترکیب،

بیگم "سنو جی! لڑکا پیسے اڑانے لگا ہے۔ جہاں چھپاتی ہوں ڈھونڈ لیتا ہے۔"
میاں: "پڑھنے کی کتاب میں رکھ دو۔ امتحان تک نہیں ڈھونڈ پائے گا۔"
ابرا شکیل، شفقت شکیل

شان قدرت،

اللہ تعالیٰ اصلیت دکھا دیتا ہے ہر رشتے، ہر محبت کی پھر وہ سب کچھ دکھا کر آدمی سے کہتا ہے اب بتا تیرا میرے سوا اور ہے ہی کون!
رانیہ بتول۔ گھوٹکی

تسنیم شریف کی ڈائری سے

شاعری کی دنیا محض تخیل اور رعنائی خیال کی دنیا ہوتی ہے۔ مبالغہ آمیزی تو بس شاعر ولید پر ختم ہوتی ہے مگر کچھ سودائی ایسے بھی ہوتے ہیں جو یہاں بھی سچ بولنے سے نہیں چوکتے۔ خواہ ان پر فسادی ہونے کی تہمت ہی کیوں نہ لگ جائے۔ چلیں جون ایلیا کو پڑھتے ہیں۔

ایک ہی مژدہ صبح لاتی ہے
صحن میں دھوپ پھیل جاتی ہے

کیا ستم ہے کہ اب تری صورت
غور کرنے پہ یاد آتی ہے

سوچتا ہوں کہ اس کی یاد آخر
اب کسے رات بھر جگاتی ہے

اس وفا آشنا کی فرقت میں
خواہش غیر کیوں ستاتی ہے

کون اس گھر کی دیکھ بھال کرے
روز اک چیز ٹوٹ جاتی ہے

ثنا جویریہ کی ڈائری سے

احساسات کی دنیا ایک عجیب دنیا ہوتی ہے۔ زمان و مکان کی قید سے آزاد اور جب شاعر لفظوں سے اس میں رنگ بھر دے تو عجیب سرشاری و مستی کی کیفیت ہوتی ہے۔ آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کی اس غزل سے اندازہ ہوتا ہے کہ بادشاہ ہو کہ گدا، دل کی واردات دونوں پہ یکساں اثر انداز ہوتی ہے صبر طلب پیشہ کی بے بسی کو کیا ہی حسین لفظوں سے سجایا ہے۔ غالب کی شاگردی کا حق ادا کر دیا ہے۔

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی!
جیسی اب ہے تیری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

لے گیا چھین کے کون آج تیرا صبر و قرار
بے قراری تجھے اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی

چشم قاتل میری دشمن تھی ہمیشہ لیکن
جیسی اب ہوگئی قاتل کبھی ایسی تو نہ تھی

اس کی آنکھوں نے خدا جانے کیا کیا جادو
کہ طبیعت میری مائل کبھی ایسی تو نہ تھی

عکس رخسار نے کس کے ہے تجھے چمکایا
تاب تجھ میں مہ کامل کبھی ایسی تو نہ تھی

پلٹے کو یاں کوئی زنداں میں نیا ہے مجنوں
آتی آواز سلاسل کبھی ایسی تو نہ تھی

کس سبب سے تو بگڑتا ہے ظفر سے ہر بار
خو تیری حور شمائل کبھی ایسی تو نہ تھی

سائرہ، آمنہ، ارم نشاط کی ڈائری سے

آج کل کی گہما گہمی اور بھاگتی دوڑتی زندگی میں اتنی بھی فرصت نہیں کہ لمحہ بھر کو انسان خود سے ملے اور کبھی جب ایسا لمحہ میسر آتا ہے تو انسان ششدر رہ جاتا ہے۔ ایسے ہی جذبات کو سید فہیم الدین

نے خوبصورت انداز میں تحریر کیا ہے۔

بھیڑ میں خود سے ملنے کا گماں،

لوگوں کی بھیڑ میں جلے پاؤں چلتے ہوئے
خود کو تلاش کرتا ہوں
شاید تیزی سے سڑک کے کنارے چلتے ہوئے
کوئی مجھ سے ٹکرا جائے
اور سوری کہتے ہوئے
جب نگاہیں چار ہوں تو
چاروں آنکھیں میری ہوں

ارم کمال کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر محسن نقوی کی یہ غزل جس کی خوبصورتی جادو کر دینے والی ہے۔ آپ سب قارئین بہنوں کے لیے۔

حال مت پوچھو عشق کرنے کا
عمر جینے کی شوق مرنے کا

وہ محبت کی احتیاط کے دن
ہائے موسم وہ خود سے ڈرنے کا

اب اُسے آئینے سے نفرت ہے
کل جسے شوق تھا سنورنے کا

عمر بھر کے عذاب سے مشکل
ایک لمحہ سوال کرنے کا

سیدہ طوبیٰ سجاد کی ڈائری سے

کچھ جذبے پورے ہونے کے بعد بھی ادھورے رہ جاتے ہیں مگر ان کے ادھورے ہونے میں بھی بہت بات ہے۔ جیسے یہ غزل ادھورے جذبوں کے ساتھ پوری ہے۔

محبت ابھی حجاب سے آگے نہیں گیا
میں آپ وہ جناب سے آگے نہیں گیا

مدت ہوئی کتاب محبت شروع کیے
لیکن میں پہلے باب سے آگے نہیں گیا

لمبی مسافتیں ہیں مگر اس سوار کا
پاؤں ابھی رکاب سے آگے نہیں گیا

طول قلم کے واسطے میں نے کیا سوال
وہ مختصر جواب سے آگے نہیں گیا

مدیحہ نورین کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر خمار بارہ بنکوی کی یہ غزل اُن لوگوں کے نام محبت جن کو تہی داماں کر دیتی ہے۔

اندھیری رات تھی گو چاند بھی تھا اور تارے بھی
میری آنکھوں نے دیکھے ہیں خمار ایسے نظارے بھی

کوئی عیش و مسرت کے طلب گاروں سے کہہ دیتا
کہ گزرے تھے ان ہی راہوں سے پہلے غم کے مارے بھی

محبت سے الگ رہنا ہی بہتر حضرتِ ناصح
مگر اکثر سفینے ڈوب جاتے ہیں کنارے بھی

دل و جاں تجھ پہ صدقے میرے آنسو پونچھنے والے
مگر آنکھوں کو پھونکے دے رہے ہیں کچھ شرارے بھی

سمجھ میں کاش اربابِ محبت کی یہ آ جائے
کہ دل کے ٹوٹتے ہی ٹوٹ جاتے ہیں سہارے بھی

وہ کیوں جانیں بھلا جن کے لیے فردوس ہے دنیا
کہ اس فردوس میں آباد ہیں کچھ غم کے مارے بھی

خمار اب یہ زمانہ شوق سے ہم پر ہنسے لیکن
محبت کو خدا بخشے کبھی دن تھے ہمارے بھی

امبر گل کی ڈائری سے

انتخاب کے لیے بہت سی نظموں غزلوں میں سے کسی ایک کو چنتے ہوئے ثروت منیر کی یہ غزل اپنے حالات سے مطابقت کرتی لگی تو دل چاہا کہ آپ سب قارئین کی نذر بھی کی جائے۔

سرِ منزل بھی ہم تو بے اختیار ٹھہرے
بہت سنبھل کے چلے پھر بھی بے اعتبار ٹھہرے

خود اپنے سے اپنی بات کہہ کر ہنس دینا
ہم ہی اپنے راز داں، ہم ہی غم گسار ٹھہرے

لٹ گئے دنیا والوں کے ہاتھوں ہم بھی
اور زمانے کی نظر میں ہم بہت ہوشیار ٹھہرے

کبھی جانا تو بھی اُجڑے دیاروں میں
ممکن ہے کہ فصلِ خزاں مشکبار ٹھہرے

میرا اعتبار لوٹا دے تو، یا کنارہ کش ہو جا
ایسا نہ ہو نخلِ امید پہ فصل بے اعتبار ٹھہرے

وہی عام سی میں، وہی عام سی خواہش میری
میں نے بھی کب چاہا تھا کہ موسم اشکبار ٹھہرے

خالدہ جیلانی

سیدہ ثوبیا سجاد ______ کہروڑ پکا

دل وہ نگر نہیں جو پھر آباد ہو سکے
پچھتاؤ گے سنو یہ بستی اجاڑ کے

ثمرہ جاوید ______ بسم اللہ پور

ہم نے یہی مانگا تھا، اس نے یہی بخشا تھا
بندہ ہو تو ایسا ہو، داتا ہو تو ایسا ہو

گڑیا راجپوت ______ جاتری

اس کے سب جھوٹ سچ سہی محسن
شرط اتنی ہے کہ وہ بولے تو سہی

ملائکہ کوثر ______ بسم اللہ پور

سات سروں کا بہتا دریا تیرے نام
ہر سُر میں رنگ دھنک کا تیرے نام
جنگل جنگل میں رونے والے سب موسم
اور ہوا کا سبز دوپٹہ تیرے نام

سدرہ نازلی دعا ______ کسووال

بہت فرسودہ لگتے ہیں مجھے اب پیار کے قصے
گل و گلزار کی باتیں، لب و رخسار کے قصے
بھلا عشق و محبت سے کسی کا پیٹ بھرتا ہے
سنو تم کو سناتا ہوں، میں کاروبار کے قصے

آمنہ عابد، تحریم ______ عبدالحکیم

بربادیوں کا جائزہ لینے کے واسطے
وہ پوچھتے ہیں حال میرا کبھی کبھی

فریحہ شبیر ______ شاہ نکڈر

آنسو بہا بہا کر بھی ہوتے نہیں کم
کتنی امیر ہوتی ہیں آنکھیں غریب کی

فاکہہ سہیل ______ کراچی

زمیں پہ رہ کے ستارے شکار کرتے ہیں
مزاج اہل محبت کا آسمانی ہے

ثوبیہ قطب ______ کراچی

کنارہ دوسرا دریا کا جیسے
وہ ساتھی ہے مگر محرم نہیں ہے

نوال افضل گھمن ______ لاہور

اور ضمانت وفا کیا ہو گی
تم میری سانس گروی رکھ لو نا

حنیزہ علوی ______ لاہور

میرا یہ وجود ہے کم سے کم
کہیں ریت پر کسی نقش سا
تو بنائے تو میں بنا کروں
تو مٹائے تو میں مٹا کروں

پاکیزہ ہاشمی ______ لاہور

حیا کا درس میرے شامل نصاب رہا
میں حرف حرف بکھر کر بھی اک کتاب رہا

شائستہ اکبر ______ گڈو کالونی

کل دیکھا تھا اک آدمی، اٹا سفر کی دھول میں
گم تھا اپنے آپ میں، جیسے خوشبو پھول میں

اقرا صادق ______ بہاول پور

تمنا بجھ گئی ہو تو دعا مانگی نہیں جاتی
رتوں کی بے ثباتی سے صبا مانگی نہیں جاتی
یہ اپنی بے بسی ہے یا اب بے حسی کہہ لیں
بلا کا حبس ہے لیکن ہوا مانگی نہیں جاتی

سحرش خان بھٹو ______ کراچی

ہم نے کب اس کو نہ چاہا محسن
ہم نے کب قول نہ مانے دل کے

گڑیا شاہ ______ کہروڑ پکا

ہر حقیقت فریب لگتی ہے
جب کوئی اعتبار کھو بیٹھے

ثمرہ، اقرا ______ کراچی

ان قہقہوں کی گونج تھی جو گونجتی رہی
اک دل کا شور تھا جو سنا تک نہیں گیا

نوال افضل گھمن ______ لاہور

محبت کی طبیعت میں عجب تکرار کی خو ہے
کہ یہ اقرار کے لفظوں کو سننے سے نہیں تھکتی

مدیحہ نورین مہک ______ برنالی

یہ عجب قیامتیں ہیں تیری رہگزر میں گزراں
نہ ہوا کہ مر مٹیں ہم، نہ ہوا کہ جی اٹھیں ہم
لو سنی گئی ہماری یوں پھرے ہیں دن کہ پھر سے
وہی گوشۂ قفس ہے وہی فصل گل کا ماتم

شاہینہ عارف ______ کراچی

اس سے بچھڑا تو آنکھوں کا مقدر ٹھہرا
دل کے پاتال میں یخ بستہ ہو کا عالم

وشال فرحان ______ کراچی

شور کرتی ہے جب بھی خاموشی
بھیڑ میں جا کر بیٹھ جاتا ہوں

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ______ کراچی

اس کو دیکھے سال ہوتے ہیں
سارے خواب خیال ہوتے ہیں
موسم پھر برسات کا آیا
سارے درد بحال ہوتے ہیں

نورین حنیف ______ کاندان سرگودھا

منیر اب بھی مان لے تو مقدر کی حقیقت
جو ہے وہ بھی مقدر ہے جو گزرا وہ بھی مقدر کا لکھا تھا

ماروی ______ سکھر

نہ پوچھو عہد الفت، بس اک خواب پریشاں تھا
نہ دل کو راہ پر لائے، نہ دل کا مدعا سمجھے

حورین زینب ______ کہروڑ پکا

ترا لطف وجہ تسکین، نہ قرار شرح غم سے
کہ ہیں دل میں وہ گلے بھی جو ملال تک نہ پہنچے

سیدہ نسبت زہرا ______ کہروڑ پکا

قسم تمہاری بہت غم اٹھا چکا ہوں
غلط تھا دعوا صبر و شکیب، آ جاؤ

گڑیا شاہ ______ کہروڑ پکا

غم عاشقی تیرا شکریہ
میں کہاں کہاں سے گزر گیا

گیلانی سسٹرز ______ کہروڑ پکا

میری صدا کو دبانا تو خیر ممکن ہے
مگر حیات کی للکار کون روکے گا
فصیل آتش و آہن بہت بلند سہی
بدلتے وقت کی رفتار کون روکے گا

فرزانہ مغل ______ نامعلوم

کچھ سفر ایسے ہوتے ہیں جس میں
پاؤں نہیں دل تھکتے ہیں

ساجدہ شہزاد ______ کراچی

کب نظر میں آئے گی بے داغ سبزے کی بہار
خون کے دھبے دھلیں گے کتنی برساتوں کے بعد
دل تو چاہا پر شکست دل نے مہلت ہی نہ دی
کچھ گلے شکوے بھی کر لیتے مناجاتوں کے بعد

مسرت اسلم، فرحت اشرف گھمن ______ کبیر والا

تھے بہت بے درد لمحے، ختم درد عشق کے
تھیں بہت بے مہر صبحیں مہرباں راتوں کے بعد
ان سے جو کہنے گئے تھے فیض جاں صدقہ کیے
ان کہی رہ گئی وہ بات سب باتوں کے بعد

انجل ______ ڈہرکی

اب میسر نہیں فرصت کے وہ دن رات ہمیں
لے اڑی جانے کہاں گردش حالات ہمیں
کیسے اڑتے ہوئے لمحوں کا تعاقب کیجے جائیں
دوستو! اب تو یہی فکر ہے دن رات ہمیں

سیدہ عارفہ ______ کہروڑ پکا

تمہارے بعد وہ لمحے بھی بارہا آئے
خود اپنے آپ کو دیکھا تو ڈر گئے ہم بھی
بس ایک وقت کے ریلے میں بہہ گئے دونوں
کہاں گئی محبت، کہاں گئے ہم بھی

بہنوں کا شعاع اپنا ماہنامہ
مارچ 2016
کے شمارے کی ایک جھلک
مارچ 2016 کا شمارہ شائع ہو گیا ہے
To Download visit
paksociety.com
"محبت مارچ کا موسم" سائرہ رضا کا مکمل ناول،
"محبت مانگتی ہے گواہی" فرزانہ کھرل کا مکمل ناول،
"دعائے خیر ہوں میں" اُم ایمان قاضی کا مکمل ناول،
رخسانہ نگار عدنان کا سلسلے وار ناول "ایک تھی مثال"،
نبیلہ عزیز کا سلسلے وار ناول "رقصِ بسمل"،
صائمہ اکرم کا ناولٹ "سیاہ حاشیہ"،
شازیہ جمال طارق، امت العزیز شہزاد، سدرہ حیات،
نادیہ صدیقہ، بنت سحر اور عائشہ تنویر کے افسانے،
باصلاحیت فنکارہ "عائشہ نور" سے ملاقات،
"جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" قارئین کا سلسلہ،
معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ "دستک"،
"پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں" احادیث نبوی ﷺ،
خط آپ کے، مسکراہٹیں، آئینہ خانے میں، کھلا کسی پہ،
موسم کے پکوان اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،
شعاع کا شمارہ پڑھ کر اپنی رائے سے ضرور نوازیے گا، ہم منتظر ہیں۔
شعاع کا مارچ 2016 کا شمارہ آج ہی خرید لیں
READING Section

خط بھجوانے کے لیے پتا
خواتین ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com

عینی ملک۔۔۔ لاہور

آپ لوگ جس طرح اچھے معیار کا ادب ہم جیسی گھر بیٹھی لڑکیوں اور خواتین تک پہنچا رہے ہیں نہایت ہی قابل تعریف ہے۔ میں نے اپنی زندگی کے کئی پہلوؤں میں کامیابی اور رہنمائی ان شماروں سے پائی ہے۔

میں آپ کی تہہ دل سے ممنون ہوں' آپ نے میری حقیری کوشش "پرورش" کو قابل اشاعت سمجھا۔ اب تو زندگی بھر کا ساتھ ہے۔

مجھے بالکل پتا نہیں تھا کہ کہانی چھپنے کے ساتھ ساتھ معاوضہ بھی مل سکتا ہے۔

ج ۔ پیاری عینی!! امتحان میں آپ کی کامیابی کے لیے دعاگو ہیں۔ ادارہ خواتین ڈائجسٹ نے ہمیشہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ ہر ماہ ہم کچھ نئے نام ضرور شامل کرتے ہیں۔ فروری کے شمارے میں مریم فضل عباسی' فرزانہ کھرل اور سعدیہ اصغر نئے نام شامل تھے۔ تینوں نے ہی بہت اچھا لکھا۔ ہمیں پوری توقع ہے کہ مریم' فرزانہ اور سعدیہ کا آگے چل کر بہترین لکھنے والوں میں شمار ہوگا۔

سعدیہ ہمارے پاس آپ کا ایڈریس نہیں ہے۔ اپنا ایڈریس بھجوادیں تاکہ آپ کو اعزازیہ بھجوا سکیں۔

سمعیہ عبدالجبار۔۔۔ میرپور خاص سندھ

جب میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے اردگرد اس کو پایا' وجہ یہ کہ میری والدہ کو مطالعہ کا بہت شغف ہے۔ "عہد الست" نے قلم اٹھانے پر مجبور کیا۔ میں تہہ دل سے تنزیلہ ریاض کی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بہترین الفاظ میں شاندار عنوان پہ قلم اٹھایا اور یورپ میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے واقعات اور حالات سے روشناس کروایا' میں نے اپنی ایم فل کلاس کی پرزینٹیشن کے لیے جب محسن حامد کے ناول کی فلاسفی پر غور کیا۔ تو مجھے "عہد الست" کے مطالعے نے بہت متاثر کیا' حقیقت کے نئے در وا ہوئے اور میں نے اپنی پرزینٹیشن میں عہد الست کے ریفرنس دیے تو مجھے بہت پذیرائی ملی اور اس کے لیے میں خواتین ڈائجسٹ کی پوری ٹیم کی ممنون ہوں۔

فروری کا رسالہ ہاتھ میں ہے' سرورق سے خوب صورت ماڈل کی تصویر پہ کچھ دیر کے لیے نگاہ ٹھہر جاتی ہے اور دل سے آواز آتی ہے کیا کبھی میری تصویر میں اس کا حصہ بن سکتی ہے تو دماغ کہتا ہے! NO ۔

لبنی سنئی سے صحیح معنوں میں مستفید ہونے کے بعد میں نے "آپ کا باورچی خانہ میں قدم رکھا' اور چکن آملیٹ سے خود کو بھرپور ناشتہ کروایا۔ "موسم کے پکوان" سے بھی زبان کو چٹخارہ دیا اور پھر بڑھے "تکمیل" کی طرف' بھئی نمرہ احمد کے تو ہم شروع سے دلدادہ ہیں۔"

زمر اور اس کی فیملی کا جو آپس میں روح کا تعلق ہے وہ بہت حیران کن ہے لیکن مجھے افسوس حنین کے کردار کو دیکھ کے ہوتا ہے جو ذہین ہے لیکن اس کی زندگی بہت ڈسٹرب ہے اور وہ گھر میں بیکار بیٹھی دکھائی دیتی ہے۔ اس ناول سے میں نے ہر دفعہ اپنے اندر نئی روح محسوس کی' نمرہ احمد نے قرآن کی تفسیر اتنے سادہ الفاظ میں بیان کی ہے کہ سیدھا دل میں اتر جاتی ہے۔

عمیرہ احمد "کا آب حیات' واقعی آب حیات کی طرح ہے' جس کو پڑھنے کے بعد جینے کی خواہش ہوا سود سے پاک بینک کا جو نظریہ عمیرہ احمد نے پیش کیا ہے وہ ہمارے

معاشرے میں رائج ہونا شاید بہت مشکل ہے لیکن اگر ایسا ہو جائے تو یہ ہم مسلمانوں کی بہت بڑی اچیومنٹ ہو سکتی ہے۔

باقی تمام کہانیاں ٹھیک تھیں۔ یکسانیت کا شکار محسوس ہوتی ہیں نا جانے کیوں! بہت پہلے آپ کے رسالے میں ایک مکمل ناول چھپا تھا "کٹھ پتلی" وہ بہترین تھا اس نظریہ کو میں اپنے کالج کے اسٹیج پر پیش کروں گی۔

ج۔ سمیعہ! آپ نے بہت اچھا خط لکھا ہے۔ اردو بھی آپ کی ٹھیک ٹھاک ہے بس تھوڑی سی تشنگی محسوس ہوئی۔ کہ صرف دو کہانیوں پر تبصرہ کیا ہے آپ نے کہانیوں میں یکسانیت والی بات سے ہم متفق نہیں کیونکہ پرچے میں چھ افسانے تھے اور ان کے موضوعات بالکل مختلف تھے۔ مکمل ناول اور ناولٹ بھی نہ صرف موضوع کے لحاظ سے بلکہ انداز بیاں کے لحاظ سے ابھی مختلف تھا۔

تنزیلہ ریاض کے عہد الست کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے انہوں نے جتنی خوب صورتی سے کہ عورت کا مقام اور مقصد بتایا ہے اور ایک اہم موضوع کو پیش کیا وہ قابل داد ہے۔ ٹائٹل پر آپ کی تصویر لگ سکتی ہے شرط یہ ہے کہ کسی پروفیشنل فوٹو گرافر سے بنوائی جائے۔

ایمان جلبانی۔۔۔ گاؤں دریا خان جلبانی

میں آپ کے تینوں رسالوں کی نو سالہ پرانی خاموش

قاری ہوں مگر خط پہلی بار لکھ رہی ہوں مجھے پتا نہیں تھا کہ خط لکھتے ہوئے مجھے اتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا گھر میں بہنوں کی تنقید الگ ان کے تبصرے الگ کہ خوش نہ ہو وہ تمہارا خط شائع نہیں کریں گے۔ پر مجھے کسی کی پراہ نہیں کوئی کیا بھی کہے کیونکہ میرے بابا میرے ساتھ ہیں۔

ہمیشہ کی طرح نمل کی یہ قسط بھی شان دار تھی۔ نمرہ جی! نمل میں تو آپ نے ہمیں سکھر بھی بنا دیا۔ جب حنین سدھر سکتی ہے تو ہم کیوں نہیں۔"

ج۔ ایمان! آپ کے بابا ہی نہیں ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ اپنی بہنوں کی تنقید اور تبصروں کی پروا نہ کریں اور آئندہ خط لکھیں تو کسی کو بھی پہلے سے نہ بتائیں دوسری بات یہ کہ صرف ایک کہانی پر نہیں بلکہ پورے پرچے کے بارے میں اپنی رائے لکھیں۔

رفعت جبیں رمیز۔۔۔ کراچی

تلبینہ (حریرہ) کے بارے میں پڑھا بہت اچھا لگا اور ملالہ کی تصویر بہت بری لگی سب سے پہلے اس کی تصویر کو نکال کر جلا ڈالا "نمل" کی بات اگر لکھنا شروع کروں تو ختم نہ ہو۔ "دشت جنون" کی خوش نصیب کا کردار مجھے بہت اچھا لگا۔ "آب حیات" "شہر آشوب" بھی اچھے چل رہے ہیں۔ "راشدہ رفعت" کا ناول (عبیرہ' وادی' ہادی) میں وادی کا کردار کمال کا تھا پورے ناول کو پڑھتے وقت چہرے پر مسکراہٹ ہی رہی۔ اور افسانے بھی اچھے تھے۔ اور میری اور میری کزنز سونیا کلیم' صدف عارفین' فرحت نوید کی طرف سے آپ کو اور آپ کے ادارے کو پر خلوص سلام۔

ج۔ پیاری رفعت! آپ کو شمارہ پسند آیا۔ بس ہماری محنت وصول ہو گئی۔ مزید ہر ماہ اپنی رائے بھیجیں۔ ہم منتظر رہیں گے۔ سونیا! صدف اور فرحت کو ہمارا سلام بھی پہنچا دیں۔

سبین احمد۔۔۔ روہڑی ضلع سکھر

سرورق بہت اچھا لگا خاص طور پر ماڈل کی آنکھیں۔ سب سے پہلے "نمل" پڑھا۔ نمرہ احمد سے پوچھنا ہے کہ ان کے پاس اتنی کم عمری میں ایسا دماغ کہاں سے آگیا۔ مجھے یہ رسالے پڑھتے ہوئے تقریباً" 20 سال ہونے والے ہیں۔ اور آج اتنے سالوں بعد اگر مجھے کسی کہانی کے خاص کردار میں اپنی واضح جھلک نظر آئی ہے تو وہ نمرہ احمد کے "نمل" کی "حنین" ہے۔ آپی نمرہ احمد تک میرا پیغام

پہنچا دیجئے گا کہ پلیز اس کہانی میں کوئی ہیرو یا ہیروئن نہ بنائیں۔ یہ ایک فیملی بیس کہانی ہے اور پوری کہانی میں ایک فیملی کی جدوجہد دکھائی گئی ہے کہ وہ کسی طرح ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں۔ اس لیے اس کہانی کا انجام بھی فیملی والا ہونا چاہیے۔

شمارے کی دوسری جان "آب حیات" میں ہے۔ عمیرہ جی آپ سے کچھ کہنا ہے۔ پہلی بات یہ کہ ناول میں استعمال کیے گئے انگریزی کے الفاظ کا مطلب اگر آپ ساتھ ہی لکھ دیں تو سب کو سمجھنے میں آسانی ہو گی۔

ایک اہم بات "نمل" میں نمرہ احمد جس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں کے ذریعے قارئین کو غلط باتوں پر ٹوک رہی ہیں اسی طرح اگر وہ اس ناول کے درمیان ایسے نعت کو

حضرات کے بارے میں بات کرلیں جو انڈین گانوں کی طرز پر مسجدوں میں لاؤڈ اسپیکر پر نعتیں پڑھتے ہیں تو بہت اچھا ہوگا۔

خط کافی لمبا ہوگیا۔ لیکن آمنہ ریاض کا نیا ناول "دشت جنوں" آغاز سے ہی بہترین لگ رہا ہے۔

آخر میں ایک قاری بہن "فرحت عباس ضلع جھنگ" کے سوال کا جواب دینا چاہوں گی۔ پہلی بات کہ پانی اسٹیل کے برتن میں گرم کیا کریں کیونکہ وہ کالا نہیں ہوتا۔ صرف سلور کا برتن ہی پانی گرم کرنے سے کالا ہوتا ہے (میرے خیال سے) تو اگر آپ سلور کے برتن میں پانی گرم کرتی ہیں تو اس کو صاف کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ مجھے پتا ہے کہ آپ اس میں ایک دفعہ پالک ابال لیں۔ (آزما کر دیکھ لیں یہ میرا ذاتی تجربہ ہے) باقی اور کوئی طریقہ مجھے نہیں پتا افسوس!۔

اچھا جی اب اجازت' دیکھا رات زیادہ ہوگئی ہے اسی لیے غلطیاں بھی زیادہ ہو رہی ہیں۔

ج۔ بہن! آپ کا خط طویل تو ہے مگر اچھا بھی ہے خصوصاً "یہ جو آپ نے لکھا کہ خط بے شک شائع نہ ہو' مقصد تو اپنے خیالات آپ تک پہنچانا ہے۔ ہم آپ کے خیالات ہی تو جاننا چاہتے ہیں۔

غلطیوں کا تعلق دن اور رات سے نہیں ہوتا بہت سارے روشنیوں میں رہنے والے دن کے اجالوں میں بھی بڑی بڑی غلطیاں کربیٹھتے ہیں۔ اور غلطی تو ویسے بھی ابن آدم کی سرشت میں شامل ہے۔ انسان غلطی کرتا ہے۔ نادم ہوتا ہے لیکن غلطی پر اڑ جانا البتہ شیطان کی طرف سے ہے۔

نمرہ اور عمیرہ تک آپ کے پیغامات پہنچا رہے ہیں۔
عمیرہ کے ناول میں جہاں انگریزی الفاظ کا استعمال ہوتا ہے وہاں ترجمہ بھی ساتھ ہوتا ہے۔

سجیلہ۔۔۔ نامعلوم شہر

میری موسٹ فیورٹ رائٹرز عمیرہ احمد' نمرہ احمد' سائرہ رضا' فرحت اشتیاق' راحت جبیں' فاخرہ جبیں' نمرہ جی اور سحر ساجد ہیں۔ عمیرہ جی یو سو گریٹ ہو۔ آب حیات بھی میں کبھی نہیں بھول پاؤں گی اور جس کہانی نے خط لکھنے پر مجبور کیا وہ ہے "نمل" ہر قسط شاندار' انٹرسٹنگ' امپریسو' میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں کیسے نمرہ آپی کا شکریہ ادا کروں۔ میری کزن عظمی صرف "کرن کرن روشنی" پڑھتی ہے مگر "یارم" کہانی اس نے ساری پڑھی اب وہ کہہ رہی ہے کہ سمیرو جی اس کا اگلا حصہ جلد لکھیں۔

ج۔ سمیعہ! سمیرا یارم کا دوسرا حصہ لکھیں۔ یہ ہمارے دیگر قارئین کی بھی فرمائش ہے۔ اب یہ سمیرا پر منحصر ہے کہ وہ یارم کا دوسرا حصہ لکھتی ہیں یا آپ کے لیے کوئی نئی تحریر لے کر آتی ہیں۔

طہٰ گل۔۔۔ فاروق آباد

کرن کرن روشنی کے بعد ہم نے سب سے پہلے نمل پڑھا۔ حنہ کو اس کی ٹیچر نے نماز کی اہمیت کا احساس بہت اچھے طریقے سے دلایا۔ بھئی ہماری امی تو ویسے ہی ہماری دھلائی کردیں نمک مرچ کوٹنے والے ڈنڈے کے ساتھ اگر ایک نماز بھی چھوڑیں تو۔ سعدی یوسف کے ہاتھوں قتل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ نمرہ احمد جی ہم آپ سے ملنا چاہتے ہیں؟ اور عمیرہ احمد جی پلیز میں بھی سالار کو مرتے نہیں دیکھ سکتی۔ "شہر آشوب" امت العزیز اتنی جلدی ناول کا اختتام۔ وجہ؟ باقی سلسلے اور افسانے بہت اچھے تھے۔

2۔ چلیں طہٰ! ویسے ایک بات تو بتائیں امی دھلائی نمک مرچ لگا کر کرتی ہیں یا سادہ ڈنڈا ہوتا ہے۔ اور طہٰ ہماری تو تمام قارئین سے گزارش ہے کہ بچاری شاعری کو بخش دیں۔ اب اور کیا کہیں۔ نمرہ سے ہر ماہ آپ کی ملاقات خواتین ڈائجسٹ میں ہوجاتی ہے یہ کافی نہیں؟
امت العزیز شہزاد کا ناول فطری انداز میں اختتام پذیر ہو رہا ہے اگر بلاوجہ طویل کیا جاتا تو دلچسپی ختم ہوجاتی۔

ام اویس۔۔۔ کراچی

میں آپ کی توجہ ایک بہت ہی اہم بات کی طرف دلانا چاہتی ہوں۔ وہ بات یہ ہے کہ کچھ رائٹرز اپنے ناولز میں بستر مرگ پر نزع کے عالم میں اپنے ہیرو' ہیروئنز سے اظہار محبت کرواتی ہیں۔ یعنی جیتے جی جو اظہار نہ کرسکے وہ مرتے دم کردیا۔ اور یوں ان کے تئیں محبت سرخرو ہوگئی۔ اول تو یہ نامحرم کی محبت کو پروموٹ کرنا ہی نہایت خطرناک بات ہے۔ پھر یہ نامحرم کی محبت کا مرتے دم اظہار کروانا۔ ایک مسلمان کا مرتے وقت کلمہ پڑھنا کتنا ضروری ہے اور

مستحسن ہے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھی اس حال میں مرے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی پکے دل سے شہادت دیتا ہو ' ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ بچے کو شروع میں جب وہ بولنا سیکھنے لگے تو لا الہ الا اللہ یاد کراؤ اور جب مرنے کا وقت آئے جب بھی لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ کیا مسلمان ہونے کے ناتے ہمیں یہ زیب دیتا ہے کہ ہم ایسی فیصلہ کن گھڑی میں جب ہمارے سارے قبر و حشر کی منازل آنا ہیں اس وقت ایسی واہیات باتوں میں لگے رہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد کس قدر دشوار گھاٹیوں کا سامنا کرنا ہے۔ قبر میں منکر نکیر کے سوالوں کے جوابات دینا' حشر میں تمام مسلمانوں کا میدان میں جمع ہونا' حساب کتاب دینا' سورج کا سوا نیزے پر ہونا۔ پل صراط کا امتحان کیسی کیسی مشکلات کا سامنا ہونے والا ہے اور ہم اپنی معصوم بچیوں کو کیا سکھا رہے ہیں۔ اگر کوئی ان تحاریر سے متاثر ہو کر محبت کو ہی مقصد حیات سمجھ لے تو لکھنے والوں اور چھاپنے والوں دونوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ اگر کوئی بات گراں گزری ہو تو معذرت۔

ج۔ محترمہ ام اویس! آپ کی کوئی بھی بات ہرگز ہم پر گراں نہیں گزری۔ آپ نے جو لکھا' وہ سچ ہے۔ بہت سی کہانیاں محض تخیلاتی اور افسانوی ہوتی ہیں ان کا حقیقت سے کچھ واسطہ نہیں ہوتا۔ اور چونکہ انسان حقیقت سے زیادہ خیالوں کی دنیا میں رہنا پسند کرتا ہے۔ اسی لیے ایسی کہانیاں جنم لیتی ہیں۔ ورنہ جن حقیقتوں کی جانب آپ نے اشارہ کیا ہے۔ وہ اتنی ہوش اڑا دینے والی ہیں کہ مرتے وقت انسان کو دنیا کو بھلا دیتی ہیں۔ بحیثیت مسلمان

ہم اور وہ تمام رائٹرز جو ایسی کہانیاں لکھتی ہیں' وہ بھی ان پر پورا ایمان رکھتی ہیں اور ایسی ہی موت کی تمنائی ہیں کہ دل و دماغ میں وقت رخصت پروردگار کے سوا کوئی نہ ہو۔ آئندہ اس ضمن میں مزید احتیاط برتیں گے۔

یاسمین نعیم۔۔۔۔ گجرانوالہ

اگر عمیرہ جی نے سالار کو مار دیا تو یاد رکھیے گا احتجاج صرف عمران خان کو ہی نہیں کرنا آتا ہمیں بھی کرنا آتا ہے ہم سب قاری بہنیں تو جیتے جی ہی مرجائیں گی۔ نمل میں

یہ کیا کیا۔ آبدار اب فارس کو کیوں پسند کرنا شروع ہوگئی ہے۔ فارس اور زمر کی نوک جھونک بہت اچھی لگتی ہے شکر کیا کہ فارس بھی باہر آگیا۔ اس لائن کو تو پڑھ کر دماغ سناٹے میں آگیا اور یہ وہ پہلی رات تھی جب سعدی یوسف نے سعدی یوسف کو کھودیا تھا۔ اب پلیز سعدی کے ساتھ کچھ برا مت کیجئے گا۔ اور اب بات کرتے ہیں دشت جنوں کی تو ویلڈن آمنہ جی میرا تو دل کرتا ہے آپ کے ہشام کو دیکھ کر آؤں کیا نظارہ ہوگا اس علاقے کا جس لڑکی کو خنجر سے مارا گیا تھا وہ شاید معاویہ کی بیوی ہی ہوگی۔ یا پھر وہ لڑکی ہی ہو آیوشمتی اور دوسرے جب سے میں نے دشت جنون کو پڑھا ہے' مجھے بھی وسامہ کی طرح رات کو ڈر لگنے لگا ہے۔ ویسے کوئی تو ہے؟۔

ج۔ یاسمین! آیوشمتی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس طرح جسم روح کے بغیر بے جان ہوتا ہے اسی طرح روح جسم کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچاسکتی اس لیے کہ روح ایک غیر مادی چیز ہے۔ اور ابھی تو ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ روح ہے یا کوئی حقیقی لڑکی ہے۔ اس کے پیچھے کیا راز ہے؟ وسامہ تو اس لیے ڈر رہا ہے کہ وہ کمزور اعصاب کا مالک ہے' آپ کو ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ویسے بھی بھوت' روحیں' پریاں یہ سب کہانیاں ہیں۔ آج تک ان کا کوئی ٹھوس ثبوت سامنے نہیں آیا۔

جی ہاں' نمرہ احمد شادی شدہ ہیں۔ بہت کم عمری میں ان کی شادی ہوگئی تھی۔

گڑیا راجپوت۔۔۔۔ جاتری ننکانہ صاحب

میرے چوبیں پچیس لیٹرز میں سے تین لیٹر شامل ہوئے۔ پر کبھی یہ نہیں سوچا کہ آئندہ نہیں لکھنا۔

کئی بار دکھایا ہے ہمیں آئینہ وقت نے

ڈرتے جو ہار سے ہم بے کار بن کر جیتے

اور ہاں پہلے نو لیٹرز میں سے تو کوئی شامل ہی نہیں ہوا تھا۔ آپا جی میں نے ستمبر 2015 میں "گاؤں کی بچیر" کے عنوان سے چھوٹا سا افسانہ بھیجا تھا۔ لیکن جواب ہنوز ندارد ہے۔

ج۔ گڑیا! آپ نے ہمیں اتنے ڈھیر سارے خط لکھے اور صرف تین خط شائع ہوئے۔ جبکہ پہلے خط تو شائع ہی نہیں

ہوئے۔ آپ کی ہمت کے ساتھ ساتھ محبت کے بھی دل سے معترف ہوگئے۔ یقین کریں کہ ہمیں بھی آپ بہت عزیز ہیں لیکن مسئلہ یہ ہے اتنے سارے خطوط کے ڈھیر میں سے کس کا خط شائع کریں اور کس کا نہ کریں۔ ہر ماہ یہ ایک امتحان ہوتا ہے۔ ہمارے لیے۔

افسانے کے لیے آپ کے لیے مشورہ ہے کہ آپ مزید کچھ لکھ کر بھجوائیں۔

سارہ رحمٰن۔۔۔ کوٹ نجیب اللہ ہری پور

خط لکھنے کی دو وجوہات ہیں ایک یہ کہ آپی مجھے آپ سے ایک سوال پوچھنا تھا وہ یہ کہ کیا ایک سید لڑکی کی شادی کسی غیر سید لڑکے سے ہو سکتی ہے یا نہیں؟ لڑکا چاہے کسی بھی ذات سے تعلق رکھتا ہو مگر وہ سید نہ ہو۔ کیا قرآن میں اس کا کہیں ذکر ہے یا حدیث میں۔ پلیز پلیز مجھے قرآن و حدیث کی روشنی میں ضرور جواب دیجیے گا۔ میں شدت سے انتظار کروں گی۔

دوسری وجہ نمرہ احمد کا ناول (نمل) ہے۔ نمرہ جی کو اتنا زبردست ناول لکھنے پر بہت بہت مبارک باد۔

ج: پیاری سارہ! آپ اس کا فتویٰ کسی مفتی صاحب سے لیں۔ وہ آپ کو دلائل کے ساتھ صحیح فتویٰ دیں گے۔ ہمارے ناقص علم کے مطابق جہاں تک ہم نے قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا ہے۔ قرآن پاک میں اس کی ممانعت نہیں کی گئی ہے۔ نہ ہی کوئی ایسی حدیث ہماری نظر سے گزری ہے۔ جس میں سید لڑکی کا نکاح غیر سید سے کرنے سے منع کیا گیا ہو۔ اسلام میں رشتہ کرنے کا معیار تقویٰ ہے۔ نیک، پرہیزگار اور رزق حلال کمانے والا مسلمان سب سے بہتر ہے۔

زویا شیخ۔۔۔ لاہور

فروری کا شمارہ ہاتھ میں آتے ہی حیرت کا جھٹکا لگا کہ میڈیا پالیسی یہاں بھی راج کر رہی ہے کیا؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ماڈل گرل بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ لیکن پھر بھی کچھ ادھورا سا تھا۔ عورت بغیر دوپٹہ یا چادر کے مکمل لگتی ہے کیا؟ کرن کرن روشنی نے دل کو جگمگا دیا۔۔۔ ماہرہ خان سے ملاقات اچھی رہی (امید تو نہیں تھی اس ملاقات کی تاہم) سب سے پہلے دشت جنوں اسرار سے بھری کہانی نے اپنے سحر میں ایسا جکڑا کہ آیو شمشی چ میں ہی لگنے لگی۔ اور خوش نصیب کی کہانی صرف خوش نصیب کی نہیں ہر دوسرے فرد کی کہانی ہے معاشرے کے اور یہ خیال ذہن میں رقص کرنے لگا بقول شاعر۔

جو مل سکا نہ اس کا ہی غم کیوں کیا گیا
جو کچھ ملا تھا اس کی خوشی کیوں نہیں ہوئی

راشدہ رفعت کا ناول بھی اچھا تھا۔ شہر آشوب اپنے نام کی مناسبت سے گوڑے گوڑے دکھی کر گیا۔ امتل عزیز میں آپ کو اپنی پکی والی سہیلی بناؤں گی اگر آپ میرب کے ساتھ کچھ برا نہ ہونے دیں۔۔۔ اجیہ کو اچھا خاصا سبق دیں۔۔۔ سائر کو فرحت آپی کے ہیرو (عالی) میں بدل دیں اور انکل وقار کو اور دکھی نہ کریں جمیل بن کر بہت دکھ دیکھ لیے آب حیات میں سالار اور امامہ نے جس طرح اپنے بچوں کی تربیت کی ہے کاش سب ماں باپ ایسی تربیت کریں۔ اور نمل پر تبصرہ کیے بغیر خط مکمل ہو سکتا ہے کیا؟ پہلے تو نمرہ احمد سے ایک گزارش ہے کہ وہ قرآن پاک کی تفسیر لکھیں پلیز آپی اس پر سوچیے ضرور اقارس کے باہر آنے کی خوشی میں ہم نے بھی چائے پارٹی اڑائی لیکن کہانی کا آخری فقرہ پڑھ کر دل نادر سعدی کے لیے غم زدہ رہا۔

ج: زویا! سب سے پہلے تو آپ کی لکھائی کی تعریف کریں گے بہت صاف ستھری موتیوں جیسی لکھائی ہے۔ پھر آپ نے سطر چھوڑ کر لکھا' یہ بھی قابل تعریف ہے۔

اب آپ کے سوال کا جواب کہ جو ملا اس کی خوشی کیوں نہ ہوئی تو اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ انسان بنیادی طور پر ناشکرا واقع ہوا ہے' بہت کم لوگ ہیں جو شکر کرتے ہیں اور اللہ کی رضا میں راضی رہتے ہیں۔

سعدی کے لیے دل غم زدہ نہ کریں۔ وہ قاتل تو ہے لیکن اس نے اپنے دفاع میں قتل کیا ہے اور اپنی جان و مال کی حفاظت کے لیے اپنے دفاع میں قتل جائز ہے۔

امتہ العزیز شہزاد کی پکی والی سہیلی بننے کی تیاری کر لیں۔ انہوں نے آپ فرمائش کی سو فیصد تعمیل کی ہے۔

ابھی نمرہ احمد بہت کم عمر ہیں۔ قرآن پاک کی تفسیر لکھنا بہت بڑا کام ہے۔ شاید پندرہ بیس سال بعد وہ اس کے لیے سوچ سکیں۔

ثوبیہ کنول۔۔۔ کراچی

فرحت اشتیاق' ماہا ملک' راحت جبیں' ثروت نذیر ہماری پسندیدہ مصنفین تھیں۔ جو اب بھولے سے بھی

نہیں لکھتیں۔ ہم نے یہ سوچ کر صبر کرلیا کہ ٹی وی کو پیاری ہوئیں مگر یہ تو بتائیں کہ بشریٰ سعید کو کیا ہوا ہے؟ سفال گر اور رقص جنوں جیسی لازوال تحریروں کی خالق کیوں خاموش ہیں۔ آپ پلیز ان سے کہیں وہ کوئی ناولٹ ہی لکھ دیں۔ ان جیسا کوئی نہیں لکھ سکتا۔

ج : ثوبیہ! بشریٰ سعید کی تحریریں ہمیں بھی اتنی ہی پسند ہیں جتنی آپ کو اور ہر بار جب ان سے فون پر بات ہوتی ہے ہم ان سے یہی کہتے ہیں کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو ضائع نہ کریں کچھ لکھیں لیکن غم دوراں انہیں مہلت تو لینے دے۔ پہلے والدہ کی بیماری پھر ان کی وفات.... اب ان کے والد صاحب بیمار ہیں۔ ایک حادثے میں بھتیجے کی ٹانگ فریکچر ہو گئی۔

انہوں نے دو ناول "لیلادھاری" اور "فسوں کار" شروع کر رکھے ہیں۔

آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی عافیت میں رکھے اور وہ پرسکون ہو کر اپنے ناول مکمل کر سکیں۔ آمین۔

مریم بنت ارشاد..... رحیم یار خان

ہم آپ سے کتنے ہی خفا کیوں نہ ہوں لیکن آپ کے اس ؛اس الخاص جریدے (خواتین) سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ آپ اب اسے ہماری کمزوری کردانیں یا ڈھٹائی یا پھر مستقل مزاجی بھئی ہم تو ایسے ہی....

"آب حیات" واقعی لاجواب ہے اور حمین واقعی میں سالار کی ہی کاپی لگتا ہے۔ سمیرا حمید کا ناول شروع کریں کیونکہ ہم نے اپنی رائے آپ کے کہنے پر ہی "طشت ازبام" کی ہے۔ ڈھیروں ڈھیر دعائیں نمرہ جی! جیسی رائٹرز کے لیے جو قرآن و احادیث بھی یوں بیان کرتی ہیں کہ آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہیں۔

آپ کے تمام ادارے والوں کے لیے ڈھیروں دعائیں۔

اللہ آپ کو اپنی امان میں رکھے۔ (آمین)

ج : اوہو بے چاری مریم! اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔ اگر انسان اپنے راز کی حفاظت خود کرے تو کون ہے جو طعنے تشنے دینے کی ہمت کرے گا۔ چلیں جناب! خوش ہو جائیں اور بے چاری بننا چھوڑیں۔ بہادر بنیں۔

مہناز یوسف..... کراچی

سب سے پہلے بات کروں گی "نمل" کی۔ ان مع العسر یسرا۔ "نمرہ احمد نے اتنی خوب صورتی سے اس آیت کی تشریح سعدی کے ذریعے کروائی ہے۔ کہ مجھے پریشانیوں کے ساتھ موجود آسانیوں کی قدر محسوس ہوئی۔ "ناشکری نعمتوں کو گھٹاتی ہے۔" کتنا خوب صورت جملہ ہے۔ واقعی عورت کا "اصل" اس کا "گھر" ہی ہے۔ خواہ وہ ڈاکٹر ہو یا سائنس دان۔ "آب حیات" عمیرہ احمد بہت ہی خوب صورتی سے لے کر آگے بڑھ رہی ہیں۔ اب کے تمام افسانے ہی سنجیدہ سنجیدہ سے تھے مگر معیاری تھے۔ "مریض محبت" بہت ہی خوب صورت لفظوں سے گندھا ہوا افسانہ تھا۔ "فیصلہ" بھی خوب صورت کہانی تھی۔

"حبیرہ، ہادی اور دادی" ناول کا نام پڑھ کر لگا کہ یہ مزاحیہ ناول ہو گا مگر یہ قدرے سنجیدہ مگر بہت خوب صورت ناول تھا۔

"چن پردیسیاں" پڑھ کر لگا کہ شاید غلطی سے ایمل رضا کا نام شائع ہو گیا۔ اتنی ہلکی پھلکی مزاح سے بھرپور تحریر، وہ بھی اتنے گہرے موضوعات پر لکھنے والی رائٹر کے قلم سے۔ زبردست بھئی۔ ایمل تو اس میدان میں بھی بازی لے گئیں۔ مجھے ایمل رضا کا "یہ" انداز "اس" انداز تحریر سے بھی زیادہ پسند آیا۔ جٹ اور بٹ کو بطور مرکزی کردار لے کر ایمل ایک اور ناول لکھیں۔

"وحشت جنوں" بہت ہی خوب صورت اضافہ ہے۔ خوش نصیب کا کردار کافی دلچسپ ہے۔ لگتا ہے یہ ناول بھی کامیابیوں کے زینے پر چڑھنے کے لیے پوری طرح تیار ہے۔

ج : پیاری مہناز! اس سے پہلے آپ کے جتنے بھی خطوط موصول ہوئے تھے۔ وہ ہم نے پڑھ ضرور لیے تھے، یہ الگ بات کہ شائع نہ ہو سکے۔ خط شائع نہ ہونے کی کئی وجوہات ہوتی ہیں مگر پھر بھی آپ سے معذرت کیے لیتے ہیں۔ شمارہ پسند کرنے کا شکریہ۔

مسرت الطاف احمد..... کراچی

"وحشت جنوں" آمنہ ریاض کا یہ ناول بہت ایکسائیٹڈ

اور تجسس سے بھرپور ہے۔ وسامہ کی اسٹوری کافی ڈپریسنگ ہے۔ معاویہ کا اسٹرونگ کردار بہت ہی انٹرسٹنگ ہے۔ منفرا کا کردار بہت زیادہ اٹریکٹو لگا۔ خوش نصیب اور کیف کا کردار کچھ خاص دل کو نہیں بھایا وہی روایتی اسٹوری محسوس ہوئی۔ "آب حیات" کی یہ قسط پڑھ کر دل بہت دیر تک بوجھل رہا۔ لاسٹ کے صفحے بہت ہی بے دلی اور سرسری سے پڑھے۔ عبیرہ دادی ہادی موضوع میں کوئی نیا پن نہیں تھا' البتہ دادی کا کردار بہت زیادہ پسند آیا "مشہر آشوب" آخری قسط کا شدت سے انتظار رہے گا۔

"چمن پردیسیاں" ہلکی پھلکی سوفٹ سی اسٹوری ضرور پسند آتی اگر اینڈ میں عثمان اور فرحان اپنی ماں کو چھوڑ کر امریکہ نہ جاتے۔ اینڈ پڑھ کر پورے ناول کا چارم ختم ہو گیا۔ تشنگی سی محسوس ہوئی۔ "نمل" ٹاپ آف دی لسٹ رہا اور پورے شمارے کی جان بھی۔ زمر اور فارس کی نوک جھونک بہت مزا دیتی ہے۔

افسانوں میں "عام اور خاص" بہت ہی متاثر کن تحریر تھی' بہت پسند آئی۔ "تضاد" موضوع بہت ہی جان دار تھا پڑھ کر اچھا لگا۔ "مریض محبت" طرز تحریر بہت اثر انگیز تھی' قابل تعریف تحریر تھی۔ باقی کے مستقل سلسلے بھی اپنی مثال آپ تھے لیکن ناولز کچھ خاص دل کو نہیں بھائے۔ ڈیئر آپی پلیز فرحت اشتیاق سے کچھ لکھوائیں ناں۔۔۔ مارچ کے شمارے کا شدت سے انتظار رہے گا۔

ج : پیاری مسرت! سب سے پہلے بہن کی شادی کی مبارک باد۔ ہمیں تو آپ کی طرف سے تشویش ہو رہی تھی کہ کہاں غائب ہو گئیں۔ چلو شکر کہ آپ آئیں تو سہی۔ غیر حاضری کی وجہ بھی معلوم ہوئی۔ اتنی مصروفیت میں سے ہمارے لیے وقت نکالا۔ اس کا شکریہ۔

ارم شہابی کھوکھر۔۔۔ کنوی پاک سندھ

میں آج جس وجہ سے قلم اٹھانے پر مجبور ہوئی ہوں۔ وہ ہے جولائی 1999ء کا شمارہ خواتین ڈائجسٹ۔ یہ مجھے ادھر ادھر کہیں سے مل گیا عمیرہ احمد' اس نام نے مجھے چونکا دیا' بس یوں سمجھیں ان ہی کے نام نے آج میرے اندر قلم اٹھانے کی طاقت پیدا کی ہے۔ جب میں نے 1999ء والا ناول پڑھا تو ناول لکھ کر شائع کرنے کا سویا ہوا جنون دوبارہ جاگ اٹھا تو انتظار کیجیے اب عنقریب آپ لوگوں کے درمیان کچھ ہی عرصہ میں ارم شہابی بھی آنے والی ہے۔ بس دعا کیجیے گا۔

ج : پیاری ارم! اللہ تعالیٰ آپ کے خالو کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ (آمین) آپ کی تحریروں کے منتظر ہیں کیونکہ لکھائی سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہت اچھا لکھ سکتی ہیں۔ اپنی کہانی پورے اعتماد سے بھجوائیں۔ اچھی تحریروں کا ہم سے بڑا قدردان کون ہو سکتا ہے۔

مریم۔۔۔ لاہور

رسالہ آج ہی لائی ہوں' جواب دے رہی ہوں۔ دیکچی میں ساگ ابال لیں وہ بالکل سفید ہو جائے گی۔ آپ کو کیا بتاؤں کہ مجھے رسالے پڑھنے کا کتنا جنون تھا۔ کبھی چوری چھپے کتابوں میں چھپا کر پڑھنے کے بہانے پڑھنا کبھی رات کو چھت پر سب کے سونے کے بعد پڑھتی تھی میاں جی کی ڈانٹ کہ کر واپس ہوش کی دنیا میں آجاؤ۔ بچوں کو پڑھاؤ کہ ان کے سالانہ پیپرز ہو رہے ہیں۔ یہ بعد میں پڑھ لینا مگر اتنا انتظار وہ بھی میں کروں۔ ناممکن' شعاع پڑھ لیا ہے۔ خواتین پڑھ رہی ہوں اور بچوں کا کل دوسرا پیپر ہے۔ ماشاء اللہ بچے بھی لائق ہیں' پوزیشن ہولڈرز اور پڑھائی میں خود ہوں اور ماہم اور شاہم کی کہانی جس میں آخری قسط ہے' وہ رسالہ منگوانے کا طریقہ بتادیں۔

ج : پیاری مریم! سلویٰ علی بٹ کی کہانی "دل کے رستے دشوار بہت تھے" کی قسط اگست 2011ء میں شائع ہوئی تھی۔ شعاع کا یہ شمارہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ جنون کسی بھی چیز کا ہو برا ہوتا ہے اعتدال کی راہ سب سے بہترین ہے۔ یہ اچھی بات ہے کہ آپ کا جنون فرائض کے درمیان حائل نہیں ہوا اور آپ اپنے بچوں کو خود پڑھاتی ہیں۔ ہمیں بھی آپ کی کوئی بات بری نہیں لگی۔ یہ اندیشہ مت پالیں کہ خط شائع ہوگا کہ نہیں۔ ہم آپ کی رائے اور تبصرے سے آگاہ ہو گئے یہ کافی نہیں؟

لاریب' ماہ زیب۔۔۔ چونیاں ضلع قصور

ٹائٹل پہ سب سے جان دار اور توجہ طلب ماڈل کی آنکھیں تھیں ڈریس کا کلر بھی نائس اینڈ کول تھا۔

مصنفین کے سروے میں نگہت سیما اور نمرہ احمد سے لکھوائیے۔ نمرہ آپ نمل کے دو صفحے کم کر دیں مگر سروے میں ضرور شامل ہوں۔

راشدہ رفعت کا ناول اچھا تھا مگر اب ان کی تحریریں بور سی ہو گئی ہیں۔ مکالمہ تو ختم ہی ہو گیا ہے تقریباً۔ ان کی کہانی میں لمبے سے پیراگراف ہوتے ہیں بس۔ ان کا عمر ایمان والا ناولٹ اور "دیپ دل کے جلے" بے حد دلچسپ اور یادگار تحریریں تھیں۔

ایمل رضا نے اپنے مخصوص انداز سے ہٹ کر لکھا۔ ہنسی مسکراتی یہ تبدیلی اچھی لگی۔ ورنہ تو ان کی تحریر پڑھنے کے بعد.... کماؤ بھو کی بے وقوف ہیروئن پہ بہت غصہ آیا۔ جو بھی تھا اسے اپنی اولاد کو قتل نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تمرل پر بات کرنے کے لیے تو الفاظ ہی نہیں ہیں۔ ہر قسط میں ہمیں قرآن مجید کے متعلق کچھ نیا سیکھنے کو ملتا ہے۔ سورۃ الم نشرح کی ان آیات کے بارے میں میری بہت پرانی کنفیوژن ختم ہوئی۔ بعد اور ساتھ میں یقیناً" فرق ہے۔ بات سمجھنے کی ہے۔ عمیرہ جی یہ نہیں ہونا چاہیے۔ سالار ہماری دس سالہ پرانی محبت ہے (پیر کامل) اگر ایسا کچھ ہوا تو ہم بھی سالار کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گے۔

یہ انیسہ سلیم آخر کہاں گم ہو گئی ہیں پلیز انہیں ڈھونڈیے۔ خطوں میں صرف مدیرہ آپا کے جواب ہی پڑھتی ہوں یا کوئی بہت دلچسپ خط ہو تو۔ نسبت زہرا آپ ماشاء اللہ تقریباً" شعاع خواتین کے ہر سروے میں شامل ہوتی ہیں۔ اس بار نہیں بھی ہوئیں تو کیا؟ آپ نے تو خواتین کی اینٹ سے اینٹ بجا دی یار۔ آئندہ سلسلہ وار ناول سائرہ رضا کا ہونا چاہیے۔ نوٹ کر لیں۔ فرحت اشتیاق کہاں رہ گیا وہ ناول جو آپ لکھ رہی تھیں۔ نایاب جیلانی کی بھی تحریر شامل کیجیے۔ وہ بھی اب اچھا اور میچور لکھنے لگی ہیں۔ فرحت عباس نے جھنگ سے جو سوال پوچھا تھا تو پیاری بہن آپ کالے ہوئے برتن میں ایک دو دن کی باسی (یعنی کھٹی) لسی چاٹی کی رات بھر کے لیے بھر کر رکھ دیں برتن صاف ہو جائے گا۔ لیمن جوس بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ج : پیاری لاریب شاہ زیب! اتنا نازک دل ہے آپ کا کہ اتنی سی محنت کے ضائع ہونے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ یہاں تو زندگی ضائع ہو جاتی ہے اور کچھ اثر نہیں ہوتا۔ بھئی دل کو مضبوط کرو۔ اتنی اتنی سی بات دل پہ لگاؤ گی تو پھر بس جی لی آپ نے زندگی۔

قارئین متوجہ ہوں!

1- خواتین ڈائجسٹ کے لیے تمام سلسلے ایک ہی لفافے میں بھجوائے جاسکتے ہیں، تاہم ہر سلسلے کے لیے الگ کاغذ استعمال کریں۔

2- افسانے یا ناول لکھنے کے لیے کوئی بھی کاغذ استعمال کرسکتے ہیں۔

3- ایک سطر چھوڑ کر خوش خط لکھیں اور صفحے کی پشت پر یعنی صفحے کی دوسری طرف ہرگز نہ لکھیں۔

4- کہانی کے شروع میں اپنا نام اور کہانی کا نام لکھیں اور اختتام پر اپنا مکمل ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیں۔

5- مسودے کی ایک کاپی اپنے پاس ضرور رکھیں، ناقابل اشاعت کی صورت میں تحریر واپسی ممکن نہیں ہوگی۔

6- تحریر روانہ کرنے کے دو ماہ بعد صرف پانچ تاریخ کو اپنی کہانی کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔

7- خواتین ڈائجسٹ کے لیے افسانے، خط یا سلسلوں کے لیے انتخاب، اشعار وغیرہ درج ذیل پتے پر رجسٹری کروائیں۔

خواتین ڈائجسٹ

37- اردو بازار کراچی

خبرگیریں

ڈاکٹر صفیہ سہیل

تبدیلی

ایسے وقت میں جب ٹی وی کے لوگ فلم کی طرف جا رہے ہیں وہیں کچھ ایسے فنکار بھی ہیں جو فلم کے ساتھ ساتھ ٹی وی پر بھی آ رہے ہیں میشا بھی ان میں ایک ہیں اداکارہ و گلوکارہ میشا شفیع اپنے سپرہٹ گانوں کے ساتھ پاکستانی 'ہالی وڈ اور بالی وڈ فلموں میں کام کر چکی ہیں لیکن اب پھر میشا شفیع ٹی وی پر اپنے فن کے جوہر دکھانے آ رہی ہیں۔ وہ ایک پرائیویٹ ٹی وی چینل کے تحت بننے والے ڈرامے میں کام کر رہی ہیں۔ تاریخی پس منظر میں بننے والے اس ڈرامے میں میشا مہارانی کے روپ میں ناظرین کو نظر آئیں گی۔ یہ ایک انقلابی تاریخی ڈراما ہے جس میں دو سو سال پرانے دور کی عکاسی کرتے ہوئے برصغیر کے شاہی خانوادوں کی ثقافت اور زندگی کو دکھایا گیا ہے۔ میشا اس بارے میں کہتی ہیں کہ میں سات برس بعد ٹی وی پر واپس آنے کی وجہ سے بہت خوش ہوں (اچھا! جب کہ ٹی وی اداکارائیں تو فلم میں جانے کے لیے... بے چین ہیں بھئی) جب سب ٹی وی پر کام کر رہے تھے' میں اس وقت فلم میں مصروف تھی اور اب جب سب فلم کی طرف رخ کر رہے ہیں تو میں ٹی وی کی طرف واپس آ گئی ہوں (یہ اطلاع ہے کہ طنز... ؟) مجھے موجوں کے خلاف چلنا پسند ہے۔"

انکار

ہمایوں سعید کو مہیش بھٹ نے اپنی پنجابی فلم دشمن میں لینا چاہا تو ہمایوں نے ہامی بھرلی لیکن اب اپنے پروڈکشن ہاوس کی مصروفیات کی وجہ سے ہمایوں نے معذرت کرلی ہے (کیوں ہامی بھرتے وقت آپ کے پاس مصروفیت نہیں تھی... ؟) ہمایوں اس بارے میں کہتے ہیں کہ رواں برس اپنی پروڈکشن میں تین فلمیں پیش کرنا چاہتے ہیں (جس کے ہیرو یقیناً" ہمایوں ہی

ہوں گے...؟) اس لیے انہوں نے شان کی فلم ارتھ ٹو میں کام کرنے سے بھی معذرت کرلی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی فلم "جوانی پھر نہیں آنی" کا سیکوئل بھی بنارہے ہیں جس کی کہانی واسع چوہدری لکھ رہے ہیں (پھر تو اپنا کردار بھی لکھا ہوگا...؟) اس کے ساتھ ساتھ ہمایوں خلیل الرحمان قمر کے اسکرپٹ پر بھی کام کررہے ہیں۔

خوش خبری

بچپن سے سنتے آرہے ہیں کہ دودھ پینے سے ہڈیاں مضبوط ہوتی ہیں' بچوں کو مار مار کر دودھ پینے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ لیکن اب ... اب نئی تحقیق یہ بتارہی ہے کہ چائے پینے سے ہڈیاں مضبوط ہوتی ہیں۔ (تمام چائے کے رسیا اپنی ہڈیاں چیک کرلیں...!) اور کولہے کی ہڈی سمیت دیگر ہڈیوں کے ٹوٹنے کے امکان کم ہوجاتے ہیں۔ ماہرین کہتے ہیں کہ ہڈیاں ٹوٹنے سے بچاؤ کی احتیاطی تدابیر میں چائے کو بھی شامل کرلینا چاہیے۔ (تو جناب اب چائے کے شوقین خواتین و حضرات بلا روک ٹوک' ڈنکے کی چوٹ پر بے فکر ہوکے چائے پئیں) خیال رہے تحقیق میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ مقدار تین پیالی سے زیادہ نہ ہو۔"

فائدہ

یونی ورسٹی آف برٹش کولمبیا کے ماہرین نے تجربہ کرکے یہ دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ آیا دوسروں پر رقم خرچ کرنے سے بڑھا ہوا بلڈ پریشر کم ہوسکتا ہے یا نہیں۔ یہ بات 1999ء میں کی گئی ایک ریسرچ میں بھی ثابت ہوگئی تھی کہ دوسروں کی مدد کرکے ہم صحت مند رہ سکتے ہیں۔ یعنی دوسروں کی مدد اور جسمانی صحت کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ (جب ہی تو اسلام میں حقوق العباد اور ضرورت مند کی مدد پر زور دیا گیا ہے۔) اس ریسرچ کے مطابق جب آپ کسی کی مدد کرتے ہیں تو آپ کو اندرونی سکون ملتا ہے۔ اور اگر وہ آپ کا کوئی قریبی عزیز ہو تو آپ زیادہ خوش اور اطمینان محسوس کرتے ہیں جو آپ کے بلڈ پریشر کو بھی کم کرتا ہے اور آپ کو ذہنی تناؤ سے بھی نجات دیتا ہے۔

کچھ اِدھر اُدھر سے

☆ اس بار جاتے سال کی خوشی پر دھوم دھڑکا کچھ زیادہ ہی رہا۔ خیر اس میں خرابی کوئی نہیں ہے۔ یورپ والوں نے ہمیں جو بھی دیا' اچھا ہی دیا۔ اس لیے اچھا ہی ہوگا ورنہ پہلے تو یہ تھا کہ لوگ عمر کا ایک سال کم ہونے پر دکھی ہوجاتے تھے۔ اب تو یہ فلسفہ ہے' جانے والی چیز کا غم کیا کریں۔

(وغیرہ وغیرہ۔ عبداللہ طارق سہیل)

☆ وقت آج ہے' وقت لمحۂ موجود ہے۔ آج سے پہلے افسوس تھا۔ آج کے بعد حسرت ہوگی۔ زندگی "آج کو" "انجوائے کرنے کا نام ہے آج کا دن' صرف آج کا دن لمحۂ موجود۔ جو لوگ آج میں بیٹھ کر گزرے کل کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا جو آج میں بیٹھ کر مستقبل کے خواب دیکھتے ہیں ان سے بڑا بے وقوف کوئی نہیں ہوتا۔

(زیرو پوائنٹ۔ جاوید چوہدری)

☆ پاکستان کے آزاد کہلانے والے اور کارپوریٹ سرمایہ سے جنم لینے والے میڈیا کا ظہور گیارہ ستمبر کے طوفان' افغانستان اور عراق پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے حملوں کے بعد ہوا۔ چونکہ اس وقت مغرب کے میڈیا' دانش وروں اور تجزیہ نگاروں کی ـــ نفرت کا صرف اور صرف ایک ہی موضوع تھا "طالبان" ـ دنیا کا ہر ظلم' جہالت' جبر اور بربریت اس کے ساتھ وابستہ کردی گئی۔ پاکستان میں میڈیا نے جس کو مطعون کرنا ہوتا اسے طالبان کا خیر خواہ اور ایجنٹ کہہ کر پکارا جاتا۔ پاکستانی میڈیا کے ذریعے مشرف کے ہم نواؤں' دانشوروں اور تجزیہ نگاروں نے لوگوں کو بتایا کہ اگر ہم امریکہ کا ساتھ نہ دیتے تو ہمارا تورا بورا بن جاتا۔ امریکی پالیسی کا ساتھ دینے کے بعد جو ہم پر بیتی وہ ایک نہیں کئی تورا بورا بنا چکی ہے۔

(اوریا مقبول جان ـ دانائے راز)

آپ کا باورچی خانہ

ام ہالہ

1 ۔ کھانا پکاتے ہوئے آپ کن باتوں کا خیال رکھتی ہیں؟ پسند ناپسند 'غذائیت یا گھر والوں کی صحت؟

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ غذائیت کے بغیر غذا بے فائدہ ہے 'لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ ہے کہ جب ہم کوئی تیز مسالے والی 'چٹ پٹی اور خوب تری (گھی) والی کوئی ترکیب آزماتے ہیں تو وہ کھانا "مرغن غذا" تو کہلا سکتا ہے 'غذائیت سے بھرپور نہیں۔ پھر پسند و ناپسند میں غذائیت کہاں رہ گئی؟ آپ بتائیں ذرا ___ کڑھی چاول 'قورمے 'بریانیاں 'تکے 'روسٹ اور میکرونی 'پاستا جیسے کھانے کہاں غذائیت سے بھرپور کہے جائیں گے؟ جبکہ نئے بھی ہفتے میں کم از کم ایک بار ہوں؟ للذا میں تو کہوں گی کہ ہمارے ہاں پسند ناپسند دیکھی جاتی ہے 'غذائیت کو کوئی نہیں پوچھتا۔۔۔ اگر میں سادے چاول یا "ابالے کھانے" جو نارمل مرچ کے ساتھ ہوں 'بغیر تیز مرچ کے چٹنی رائتے 'کے سامنے رکھ دوں تو اسے کون پوچھے گا؟ (بتائیں میاں صاحب!

2 ۔ کھانے کا وقت ہے گھر میں اچانک مہمان آگئے ہیں کسی ایسی ڈش کی ترکیب بتائیں جو فوری طور پر تیار کرکے مہمانوں کی تواضع کرسکیں۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میں نے کھانا بنانا شادی کے بعد سیکھا اور دوسروں کو دیکھ دیکھ کر سیکھا' میں ریفریشمنٹ تو کئی طرح کی بنالیتی تھی 'کھانا باقاعدہ پکانا نہیں آتا تھا' (بھئی کم عمری میں شادی ہوگئی تھی' کیسے سیکھتے؟) پھر خود پکانا اس وقت شروع کیا جب کچن علیحدہ ہوا' اور اب عرصہ چار سال سے پکا رہی ہوں اور اپنے میاں صاحب کے دل پہ راج کر رہی ہوں۔ (اہم)

اب آتے ہیں اصل سوال کی طرف 'ہمارے ہاں مہمان اچانک ہی آتے ہیں 'کبھی تو ایک ایک دن میں دو دو آجاتے ہیں 'کھانے کی نوبت تو کم آتی ہے البتہ ریفریشمنٹ خوب چلتے ہیں 'میں شامی کباب 'رول تو کبھی ہیزا تو کبھی قیمے کے سموسے تیار کرکے اکثر فریز رکھتی ہوں 'فٹافٹ کڑاھی رکھی 'دھیمی آنچ پہ (جے ہوئے سہی) رول کباب تلنے کے لیے ڈالے 'یہ تلنے میں 20/15 منٹ لیتے ہیں 'دوسری طرف نمکو بسکٹ ٹرے میں سیٹ کیے 'دوسرے چولہے پہ چائے چڑھائی ___ کباب فرائی ہوئے تک ٹرے سج گئی' چائے بن گئی 'آنے والا ابھی سلام دعا ہی کررہا ہوتا ہے میری ٹرے حاضر ہو جاتی ہے 'اگر پیزا فریز ہے تو فٹافٹ اوون لگایا 'جما ہوا پیزا رکھا' 20 منٹ میں وہ بھی تیار۔۔۔ ان کے کہتے ہی مہمان تو شرمندہ ہو جاتے ہیں کہ بھابھی بہت اہتمام کرلیتی ہیں اور یہ مسکرائے جاتے ہیں۔

اگر کھانے کا موقع ہو تو یہی کباب کھانے میں نکالتی ہوں 'ساتھ گھر کا پکا ہوا کھانا چاول سالن جو بھی ہو' رائتہ 'چٹنی 'سلاد۔۔۔ لوجی دسترخوان سج گیا۔ میٹھے میں میں اس ڈش کو فوقیت دیتی ہوں جسے گرم کھایا جاتا ہو' جیسے کھوئے والی سویاں 'حلوہ جات وغیرہ۔ سویوں کی ترکیب لکھ رہی ہوں جو بہت پسند کی جاتی ہیں۔

کھوئے والی سویاں

سویاں	ایک پیکٹ
دودھ	ایک پاؤ
کھویا	آدھا پاؤ
چینی	حسب پسند
گھی	3 کھانے کے چمچ
چھوٹی الائچی	3 عدد
لونگ	2 عدد
بادام کی گری	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب :

گھی گرم کرکے الائچی اور لونگ کڑکڑائیں پھر سویاں

چھوٹے ٹکڑے کر کے ڈال دیں' جب تھوڑی سرخ ہو جائیں تو دودھ ڈال دیں' ساتھ تھوڑا سا پانی' تھوڑی دیر چمچہ چلائیں پھر کھویا ڈال دیں (مسل کر) مستقل ہلاتی رہیں اور آنچ دھیمی رکھیں' جب سویاں پھول جائیں تو چینی ڈال دیں اور اچھی طرح مکس کر کے دم پہ رکھ دیں۔

یہ ابھی کم از کم 15 منٹ دم پہ رہیں گی۔ تب تک آپ کے مہمان کھانے سے انصاف کریں' آپ کا میٹھا بھی تیار۔ ڈش میں گرم گرم نکال کر پیش کریں اور واد سمیٹیں۔ اوپر سے بادام کی گری چھڑکنا نہ بھولیے گا۔

3 ۔ کچن خاتون خانہ کی سلیقہ مندی کا آئینہ دار ہوتا ہے' آپ کچن کی صفائی کے لیے کیا خصوصی اہتمام کرتی ہیں۔

بطور خاتون خانہ میرا اکثر وقت کچن میں گزرتا ہے اس لیے صفائی وغیرہ ساتھ ساتھ ہوتی رہتی ہے۔ مجھے سلیب بکھری ہوئی بہت بری لگتی ہے' ہر چیز ہاتھ کے ہاتھ ٹھکانے کرتی ہوں۔ اور اگر جو کبھی میرے میاں صاحب کا کچن سے گزر ہو جائے تو بس ۔۔۔ ایسی ابتری پھیلتی ہے کہ میں ہاتھ جوڑ دیتی ہوں۔

ہفتہ وار تفصیلی صفائی بچیوں کو (بھئی اپنی) ساتھ لگا کر کرتی ہوں سو جلدی نمٹ جاتی ہوں۔ (آپ بھی یہ ترکیب آزمائیں)

4 ۔ صبح ناشتے میں آپ کیا بناتی ہیں' ایسی خصوصی ڈش جو آپ بہت اچھی بناتی ہیں؟

صبح صبح تو سب کو اپنے ٹھکانوں (اسکول/جاب) بھاگنے کی جلدی ہوتی ہے' لہٰذا ناشتہ بریڈ کے ساتھ انڈے/شہد/جیم یا مکھن پر ہی مشتمل ہوتا ہے (بنانے کا وقت جو نہیں ہوتا) اکثر مایونیز میں باریک کٹی بند گوبھی اور بوائل چکن ڈال کر نمک کالی مرچ کے ساتھ سینڈوچ تیار کر لیتی ہوں۔ (آمیزہ رات سے بنانا پڑتا ہے) صبح توس پہ لگایا اور ناشتہ تیار چھٹی والے دن ناشتہ میں اہتمام ہوتا ہے۔ کبھی بازار کی حلوہ پوری' پراٹھے چھولے۔ کبھی گھر میں ہی کچوری بھاجی بنا لیتی ہوں۔ یا گھر کے پراٹھے اور آملیٹ (میاں جی کا من پسند ناشتہ ۔۔۔ اور میں بنانے کی چور ۔۔۔ بھئی صبح صبح) ان سب کی تراکیب تو سب کو ہی آتی ہیں۔ بھاجی کی ترکیب لکھ دیتی ہوں۔ یہ کچھ اسپیشل ہے اور بہت پسند کی جاتی ہے۔

بھاجی

اشیا :

آلو — ایک کلو (چھیل کر گول کاٹ لیں)

کلونجی' میتھی دانہ' سونف — ایک ایک چائے کا چمچہ

ہلدی نمک لال مرچ — حسب پسند

گھر کا بنا ہوا تیل کا اچار — 2 کھانے کے چمچ (چاہیں تو اضافہ کر لیں)

پتیلی میں تقریباً 3 گلاس پانی کے ساتھ آلو تمام مسالا جات ڈال کر چڑھا دیں۔ شروع میں آنچ تیز رکھیں' جب پانی کم ہونے لگے اور آلو گل جائیں تو آنچ دھیمی کر دیں' چمچے سے آلو اچھی طرح کچل کر چھوٹے ٹکڑے کر لیں۔ آخر میں گھر کا بنا اچار ڈال کر مکس کر دیں اور کچوریوں کے ساتھ پیش کریں۔ (اچار کا تیل بھی ضرور ڈالنا ہے تھوڑا بہت)

5 ۔ مہینے میں کتنی بار باہر کھانا کھاتی ہیں؟

گھر سے باہر کھانا نہ مجھے پسند ہے نہ میاں صاحب کو' بلکہ میں تو کہتی ہوں جتنی رقم باہر اک وقت کھانے پہ لگتی ہے' اتنی میں گھر میں ہی دو تین اچھی ڈشز تیار ہو جائیں۔ ہاں آئس کریم کھانے باہر چلے جاتے ہیں' کبھی شاپنگ وغیرہ میں دیر ہو جائے تو میری تھکن کے خیال سے کھانا پیک کروا لیتے ہیں اور کھاتے گھر آ کے ہی ہیں (نقاب میں ہاتھ منہ تک لے جانا بڑا عجیب سا لگتا ہے۔)

6 ۔ پکانے کے لیے ڈش کا انتخاب کرتے ہوئے موسم کو مدنظر رکھتی ہیں؟

یہ بات بالکل درست ہے کہ ہر پھل یا سبزی اس کے موسم میں ہی اچھی لگتی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو رب تعالیٰ مختلف موسم نہ بناتا' نہ ان کے حساب سے پھل سبزیوں سے نوازتا ۔۔۔ اب آپ سڑی ہوئی گرمی میں پائے نہیں کھا سکتیں اور نہ ہی سوپ سے لطف اندوز ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح سخت سردی میں شلجم گوبھی گاجر کی جگہ کریلے اور بھنڈی/اروی کھانا عجیب لگتا ہے' اور یہ میرے تجربے کی بات ہے کہ بے موسم کی سبزی بازار میں خواہ کتنی ہی اچھی مل رہی ہو' پکاؤ تو اس کا ذائقہ وہ نہیں ہوتا جو اصل موسم کا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ سب سرد خانوں کی رکھی ہوئی ہوتی ہیں۔

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

چھٹی اور ناشتا

کہتے ہیں کہ صبح کا ناشتا بادشاہ کی طرح کرنا چاہیے اور ناشتہ بھرپور ہونا چاہیے۔ چھٹی کے دن کا آغاز اگر بھرپور ناشتے سے ہو تو چھٹی کا مزا دوبالا ہو جاتا ہے۔ ایسے میں سب گھر والوں کی پسند و ناپسند کا خیال کر کے ایسا ناشتا بنانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ ہم نے یہاں آپ کی اسی مشکل کو ختم کرنے کے لیے ہم کچھ ایسی چیزوں کی ترکیبیں دے رہی ہیں جنہیں آپ چھٹی کے دن ناشتے میں بنا سکتی ہیں اور اگر وقت ہو تو چھٹی کے علاوہ بھی بنائیں۔ گھر والے بہت خوش ہوں گے۔

چکن اور انڈے کا خاگینہ

اجزا:

مرغی	ایک پاؤ
انڈے	چھ سے آٹھ عدد
پیاز	دو عدد
ٹماٹر	دو عدد
ہری مرچیں	چار سے چھ عدد
لال کٹی مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
پسی کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:

مرغی کو ایک دیگچی میں پانی ڈال کر ابال لیں اور پھر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں۔ پیاز کو ہلکا سنہرا کر کے اس میں ٹماٹر اور ہری مرچیں باریک کاٹ کر شامل کر دیں۔ اب اس کو ذرا سی دیر بھونیں پھر اس میں لال کٹی مرچ پسی کالی مرچ، نمک اور مرغی شامل کر کے ذرا سی دیر بھننے کو چھوڑ دیں۔ اب انڈوں کو الگ کسی پیالے میں پھینٹ لیں اچھی طرح اور مسالے میں ملاتے ہوئے ساتھ ساتھ چمچہ بھی چلاتی جائیں پھر تیل اوپر آجانے تک بھونیں۔ گرما گرم پراٹھوں اور چائے کے ساتھ نوش فرمائیں۔

کالی مرچ قیمہ اور روغنی روٹی

اجزا:

قیمہ	آدھا کلو
پسا لہسن اورک	ایک ایک کھانے کا چمچہ
پسی کالی مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچ	چار سے پانچ عدد
لال کٹی مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	تین کھانے کے چمچے

ترکیب:

ایک دیگچی میں قیمے میں پانی ڈال کر لہسن ادرک، کالی مرچ، لال کٹی مرچ، ہری مرچیں اور نمک ڈال کر چڑھا دیں جب پانی خشک ہونے لگے تو اس میں تیل ڈال کر قیمے کو اچھے طریقے سے بھونیں جب پانی خشک ہو جائے اور قیمہ گل جائے تو ہرا دھنیہ اوپر سے ڈال کر سرونگ ڈش میں نکالیں اور گرم گرم روغنی روٹی کے ساتھ لطف اندوز ہوں۔

روغنی روٹی خستہ ہوتی ہے اور اسے آٹے کے اندر گھی ڈال کر گوندھا جاتا ہے۔ ایک پاؤ آٹے میں تین چمچے گھی ڈال کر تھوڑا پانی اور نمک ملا کر قدرے سخت آٹا گوندھ لیں اور پیڑے بنا کر روٹی کی طرح بیل لیں اور قدرے ہلکی آنچ پر پکائیں تاکہ روٹی سنہری اور خستہ ہو۔

آلو کی ترکاری، پوریاں اور سوجی کا حلوہ

چھٹی کا دن ہو اور حلوہ پوری کا ناشتہ نہ ہو یہ ممکن نہیں

ایسے میں غذائیت اور ذائقے سے بھرپور آلو کی ترکاری پوریاں اور حلوہ بہت مزا دیتا ہے۔

ضروری اجزا :

آلو	آدھا کلو
پسی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
ہلدی	ایک چائے کا چمچہ
کلونجی	آدھا چائے کا چمچہ
سونف	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

آلو کو چھیل کر چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں پھر ایک دیگچی میں آلو ڈال کر پانی اتنا ڈالیں کہ آلو گل جائیں ساتھ ہی اس میں لال مرچ، ہلدی، کلونجی، سونف، نمک ڈال دیں۔ جب آلو گل جائیں تو انہیں ہلکے ہاتھ سے گھونٹ لیں اور اگر چاہیں تو اس میں تھوڑا سا اچار مسالا بھی شامل کر لیں۔ تیار ہو جانے پر پوریوں کے ساتھ تناول فرمائیں۔

پوریاں بنانے کے اجزا :

فائن آٹا	آدھا کلو
نمک	آدھا چائے کا چمچہ
تیل	تین سے چار کھانے کے چمچے
نیم گرم پانی	حسب ضرورت
گھی	تلنے کے لیے

ترکیب :

ایک پتیلے میں آٹا، نمک اور تیل ڈال کر گرم پانی سے آٹا گوندھ کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ اب اس کے چھوٹے چھوٹے پیڑے بنا کر اوپر سے تھوڑا تیل لگا کر کچھ دیر کے لیے رکھ دیں۔ کڑاہی میں گھی گرم کر کے پوری بیل کر تل لیں۔

حلوہ بنانے کے اجزا :

سوجی	ایک کپ
چینی	دو کپ
الائچی	تین سے چار عدد
زردے کا رنگ	ایک چٹکی
گھی	ایک کپ
پانی	تین کپ

ترکیب :

ایک دیگچی میں تین کپ پانی ڈال کر چینی اور زردے کا رنگ ڈال کر شیرہ بنانے کو رکھ دیں۔ اب الگ سے دیگچی میں گھی ڈال کر الائچی کڑکڑا لیں پھر اس میں سوجی ڈال کر بھونیں۔ جب سوجی بھن جائے اور اس میں سے خوشبو آنے لگے تو آنچ ہلکی کر کے اس میں شیرہ ڈال دیں۔ پھر اس کو تھوڑا بھون کر سرونگ ڈش میں نکال لیں اور مزے دار ناشتے کی داد وصول کریں۔

دل پسند فرائی چانپ

ضروری اجزا :

نمک	حسب ذائقہ
بکرے کی چانپ	ایک کلو
دہی	ایک پاؤ
ہری مرچ چوپ	چھ عدد
زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
کالی مرچ	دو چائے کے چمچے
کٹی لال مرچ	آدھ چائے کا چمچہ
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
گرم مسالا	آدھ چائے کا چمچہ
انڈے	دو عدد

ترکیب :

چانپوں پہ سارے مسالے لگا کے دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں پھر پھینٹے ہوئے انڈوں میں ڈبو کے فرائی کریں آنچ ہلکی رکھیں۔ آدھ گھنٹہ فرائی کریں۔ مزیدار فرائی چانپ تیار ہے پودینے کی چٹنی کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

مجھے دعا دیں۔

عابدہ۔۔۔ کراچی

میرا تعلق ایک تعلیم یافتہ فیملی سے ہے۔ خاندان میں سب لوگ بڑے عہدوں پر فائز ہیں' بھائی بھی اعلا تعلیم یافتہ اور سول سروس میں ہیں' سمجھ میں نہیں آتا بات کہاں سے شروع کروں۔ نیٹ پر چیٹنگ سے ایک لڑکے سے میری دوستی ہوئی۔ دونوں نے فون نمبر کا تبادلہ بھی کیا پھر ہماری روزانہ گھنٹوں بات ہوتی۔ میں نے اسے گھر مدعو کرکے سب گھر والوں سے ملوایا۔ وہ بہت ذہین اور خوش شکل تھا۔ سب نے اس کو پسند کیا۔ لیکن گھر والوں نے مجھ پر واضح کردیا کہ دوستی کا یہ سلسلہ آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔ کیونکہ اس کا تعلق ایک غریب فیملی سے تھا۔ وہ اپنے گھر میں سب سے بڑا تھا۔ اس سے چھوٹی تین بہنیں اور بھائی تھے۔۔۔ والد کی چھوٹی سی دکان تھی۔ اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لیے وہ ٹیوشن پڑھاتا تھا۔ گھر والوں کا خیال تھا۔ میں ان کے ماحول میں ایڈجسٹ نہیں کرپاؤں گی۔ ویسے بھی اسے تعلیم مکمل کرکے جاب میں سیٹ ہونے کے لیے کم از کم پانچ سال درکار تھے۔ لیکن وہ کہتا تھا کہ وہ مجھے بہت چاہتا ہے' میرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور سچ تو یہ ہے کہ دو سال کی بات چیت کے بعد ہم اتنے قریب آگئے تھے کہ مجھے بھی اس کے سوا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ اس دوران رضا نے مجھے بتایا کہ جرمنی کا ایک تعلیمی ادارہ اسکالر شپ دے رہا ہے۔ اگر میں اس کی مدد کروں تو وہ باہر جاکر اعلا تعلیم حاصل کرسکتا ہے۔ وہ کچھ بن کر میرا ہاتھ مانگے گا تو میرے گھر والے انکار نہیں کرسکیں گے۔ میرے بھائی جرمنی میں پاکستانی سفارت خانے میں کام کرتے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ بھائی یہ اسکالر شپ دلانے میں اس کی مدد کریں۔ یہاں ایک بات بتادوں کہ باوجود میرے شدید اصرار کے رضا نے مجھے نہ تو کبھی اپنے گھر والوں سے ملوایا اور نہ ہی میرے بارے میں کوئی بات کی۔۔۔ جب بھی میں کہتی اس کا ایک ہی جواب ہوتا کہ اس کے گھر والے بہت کنزرویٹو ہیں' شادی سے پہلے وہ مجھے اپنے گھر نہیں لے جاسکتا۔ بھائی نے اسکالر شپ دلادی تو وہ جرمنی چلا گیا۔ جرمنی جانے کے اخراجات بھی میں نے ہی اپنے بینک اکاؤنٹ سے دیے۔ جرمنی جانے کے بعد اس نے شروع شروع میں تو رابطہ رکھا پھر آہستہ آہستہ اس میں کمی آتی گئی۔ اب تین سال گزر چکے ہیں۔ وہ تعلیم مکمل کرکے وہاں جاب کررہا ہے۔ مجھ سے رابطہ مکمل طور پر منقطع کرچکا ہے' پہلے تو مصروفیت کے بہانے بناکر ٹالتا رہا۔ اب صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اس کا واپس آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور وہ شادی بھی وہیں کرے گا۔ ادھر میں تمام رشتوں کو انکار کرتی رہی۔ ہمارے خاندان میں قریبی رشتہ داروں اور کزنز کو اس کے بارے میں پتا ہے سب سمجھتے ہیں کہ میری اس سے انگیجمنٹ ہوچکی ہے۔ پانچ سال تک جس کو چاہا' جس کے لیے اتنی قربانیاں دیں اس نے ایک پل [illegible] ہمارے ر[illegible] اب میں کیا کروں؟ کیسے بھلاؤں اس کو؟

ج : شادی سے پہلے کی محبتیں عموماً" اسی اختتام کو پہنچتی ہیں' وہ لڑکا ہو سکتا ہے کہ آپ کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتا ہو لیکن یہ طے شدہ ہے کہ وہ شادی کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ نہ ہی اسے آپ سے کوئی لگاؤ تھا۔ اور یہ بات واضح بھی تھی لیکن آپ نے اس حقیقت کو جانتے بوجھتے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ گھر والوں کے سمجھانے کے باوجود آپ اسی راستہ پر چلتی رہیں۔ اگر وہ آپ کے ساتھ سنجیدہ ہوتا تو کم از کم اپنے گھر والوں سے آپ کا ذکر تو کرتا آپ کی فیملی سے ملواتا۔ باہر جانے سے پہلے اپنے گھر والوں کو آپ کے گھر لے کر آتا لیکن اس نے اپنے گھر والوں سے اس سلسلہ میں بات کرنا بھی گوارا نہ کیا۔ آپ کا دکھ اپنی جگہ بجا ہے کیونکہ آپ اس کے ساتھ سنجیدہ تھیں۔ اچھی بہن! اس کو بھلانا مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔ تھوڑی سی خود اعتمادی سے کام لیں اور یہ سوچیں کہ جو شخص آپ سے محبت نہیں کرتا تھا۔ آپ کے ساتھ مخلص نہیں تھا۔ اس کے لیے کیا رونا۔ اگر وہ آپ سے شادی کر بھی لیتا تو ایسا خود غرض اور مطلبی انسان آپ کو کیا دے سکتا تھا۔ آپ اچھے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ پڑھی لکھی ہیں۔ قبول صورت' یقیناً اس بات کی مستحق ہیں کہ آپ کو ایک محبت کرنے والے مخلص شخص کا ساتھ نصیب ہو۔

س۔۔۔۔ حیدر آباد

س۔ میں ایک لڑکے کو پسند کرتی ہوں' میں ہی نہیں وہ بھی پسند کرتا ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور شادی کرنا چاہتے ہیں ان کی شادی ان کی کزن سے ہو گئی وہ شادی نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن ان کی والدہ کا اصرار تھا انہوں نے کہا کہ تم یہ شادی کر لو اور اپنی مرضی کی شادی بھی کر لینا ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔ جب ان کی شادی کی بات شروع ہوئی۔ تو انہوں نے میری امی سے مشورہ کیا کہ اب میں کیا کروں؟ میری امی نے اس وقت شاید معاملہ رفع دفع کرنے کے لیے ہی کہا کہ تم شادی کر لو پھر بعد میں دیکھیں گے کیا کرنا ہے۔ شادی کے بعد بھی ہمارا رابطہ برقرار رہا۔ ان کی بیوی نے بھی کہا کہ آپ اپنی مرضی سے شادی کریں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ آخر میری امی اور ہم دونوں کی کوششوں سے بات یہاں تک پہنچی کہ ہماری شادی طے ہو گئی۔ ابو مجبوراً "راضی تھے دل سے نہیں' بات تب بگڑی جب میرے گھر والوں نے میرے چاچو سے بات کی تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اگر آپ لوگ یہ شادی کریں گے تو ہمارا آپ سے ہر طرح کا تعلق ختم۔ ہم آپ سے کوئی رابطہ نہیں رکھیں گے۔ اب یہاں آ کر جو میری امی اور ابو راضی تھے وہ بھی پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ عدنان بھائی میں سخت پریشانی کا شکار ہوں۔

ج ۔ اچھی بہن! مناسب تو یہی ہے کہ آپ اس کو تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیں اور اپنے گھر والوں کے سامنے سر جھکا دیں لیکن اگر آپ خود کو اس سلسلے میں مجبور پاتی ہیں تو آپ کے گھر والوں کو اس بارے میں سوچنا چاہیے' آپ اپنے پیروں پر کھڑی ہیں۔ سمجھ دار ہیں۔ آگے اگر کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو اسے سنبھالنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہیں اور سب سے بڑی بات کہ وہ لڑکا بھی آپ کے ساتھ مخلص ہے اور آپ کو آپ کے والدین کی رضامندی سے باقاعدہ شادی کر کے لے جانا چاہتا ہے۔ آپ اپنی والدہ کو سمجھائیں اگر وہ راضی ہیں تو خاندان کی پروا نہ کریں' زندگی آپ نے گزارنی ہے خاندان والوں نے نہیں۔

اریبہ۔۔۔۔ گوجرہ والا

س ۔ دو سال پہلے میری بہن کی شادی ہوئی۔ شادی سے پہلے وہ دونوں ساتھ پڑھتے تھے۔ چار سال تک یونیورسٹی میں ساتھ رہا۔ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ تعلیم مکمل ہونے پر لڑکے نے جاب کر لی اور اس کے گھر والوں نے ہمارے گھر آ کر رشتہ مانگا' پہلے لڑکے نے کہا تھا کہ اس کے والدین خاندان سے باہر شادی پر رضامند نہیں ہیں لیکن وہ خود ان کو منا کر لایا۔ ہمارے گھر والوں کو تو پہلے ہی اعتراض نہیں تھا' بہن ایک بڑے پرائیویٹ اسکول میں پڑھاتی تھی۔ اچھی سیلری تھی۔ اس نے کہا کہ وہ شادی کے بعد جاب نہیں چھوڑے گی۔ لڑکے کے گھر والوں کو اس بات پر بھی اعتراض تھا لیکن وہ اپنے بیٹے کی وجہ سے خاموش رہے۔ شادی ہو گئی لیکن بہن کی سسرال والوں سے ایک دن بھی نہیں بنی۔۔۔ چھ ماہ بعد انہوں نے علیحدہ گھر کرائے پر لے لیا۔ اب میری بہن گھر آ کر بیٹھ گئی ہے' اس کا کہنا ہے کہ اس کا شوہر لڑکیوں سے دوستی رکھتا ہے اس نے موبائل پر مختلف لڑکیوں کے میسج پڑھے ہیں۔ وہ اس سے طلاق لینا چاہتی ہے۔ گھر والے بہت پریشان ہیں۔

ج : محبت کی شادیوں میں یہ بڑی خرابی ہوتی ہے کہ لڑکیاں عموماً "یہ توقع رکھتی ہیں کہ وہ شادی سے پہلے والا محبوب رہے گا' جو بات بات پر تعریفیں کرے گا۔ روٹھ جانے پر گھنٹوں منائے گا۔ ذرا سی تکلیف پر بے چینی کا اظہار کرے گا اور پھولوں کے تحفے دے کر محبت کا اظہار کرتا رہے گا۔ شادی کے بعد عملی زندگی میں ان چیزوں کی گنجائش ہوتی ہے نہ فرصت' دوسری طرف لڑکے بھی بیوی سے اسی توجہ کے طالب ہوتے ہیں جو شادی سے پہلے انہیں حاصل تھی لیکن شادی کے بعد عموماً" لڑکیاں شوہر سے ہی نہیں خود سے بھی لاپروا ہو جاتی ہیں۔ وہ پہلے کی طرح خود پر توجہ نہیں دے سکتیں۔ چنانچہ لڑکے عموماً" دوسری لڑکیوں کی طرف متوجہ ہونے لگتے ہیں۔

ضروری نہیں کہ آپ کے بہنوئی ان لڑکیوں کے ساتھ سنجیدہ ہوں۔ موبائل پر میسج دیکھ کر اتنا بڑا فیصلہ حماقت ہے۔ آپ اپنی بہن کو سمجھائیں وہ اپنا گھر برباد نہ کریں۔ شادی اور طلاق بچوں کا کھیل نہیں ہے۔

☆

ثمینہ عمر۔ کراچی

س ۔ میرے سر میں بے انتہا خشکی ہے' بہت سے شیمپو استعمال کیے ہیں' لیکن وہ کسی طرح دور نہیں ہوتی۔ خشکی کی وجہ سے میرے ماتھے پر کیل بھی نکلنے لگے ہیں۔ کیا آپ کوئی علاج تجویز کر سکتی ہیں اور ہاں مجھے قبض کی بھی شکایت رہتی ہے۔

ج ۔ چہرے پر دانے' قبض اور بالوں کی خشکی دونوں کی وجہ سے ہوجاتے ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے نظام ہضم کو درست کرنے کی فکر کریں۔ روزانہ صبح مناسب ورزش کریں۔ ایک گلاس پانی خالی پیٹ پئیں' اس کے علاوہ دن میں بھی جتنا زیادہ پانی پی سکیں۔ اتنا اچھا ہے۔ کھانے میں زیادہ سے زیادہ سبزیوں اور پھلوں کا استعمال قبض کو دور کر سکتا ہے۔

جہاں تک بالوں کی خشکی کا سوال ہے۔ خشکی بعض اوقات بالوں کو تیل کی مناسب مقدار نہ ملنے کی وجہ سے بھی ہوجاتی ہے' جس طرح جسم کو خوراک کی ضرورت ہے۔ اسی طرح بالوں کی جڑوں کو بھی نرم رکھنے کے لیے تیل کی ضرورت ہے۔ اس بات کو اپنی عادت بنالیں۔ اگر زیادہ نہیں تو ہفتے میں ایک بار ضرور سونے سے پہلے بالوں کی جڑوں میں کسی اچھے تیل کی مالش کریں۔

صائمہ۔۔۔ سرگودھا

س ۔ میرا مسئلہ بڑھا ہوا پیٹ ہے' جس کے بارے میں پریشان ہونا فطری بات ہے۔ پہلے تو احساس نہیں تھا' میٹرک کے بعد یہ آہستہ آہستہ بڑھ گیا۔ بہت کچھ کیا ہے۔ کھانا بھی کم کیا ہے' رسی بھی کودتی ہوں لیکن افاقہ نہیں ہوا۔

ج ۔ صائمہ! سب سے پہلے آپ قبض پر توجہ دیں۔ قبض کے لیے سب سے بہترین نسخہ یہ ہے کہ صبح سویرے نہار منہ دو گلاس پانی پی لیں۔ اس کے علاوہ پپیتا' امرود اور دوسرے پھل باقاعدگی سے استعمال کریں۔ قبض دور ہوگا تو پیٹ خود بخود کم ہوجائے گا۔ اس کے علاوہ پیٹ کم کرنے کے لیے ایک آزمودہ نسخہ لکھ رہی ہوں' جس نے بھی اس پر عمل کیا ہے' اسے فائدہ ہوا ہے۔

گہرا سانس لے کر پیٹ کو اندر کی طرف کریں اور ایک سے دس تک گنیں پھر گہرا سانس منہ کے ذریعے خارج کریں۔ یہ عمل چلتے پھرتے' کھانا پکاتے' ٹی وی دیکھتے کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے۔ دن میں کم از کم سو بار یہ عمل کریں۔ جلد ہی نتائج برآمد ہوں گے۔

چہرے کی تازگی اور دلکشی کے لیے بیسن میں عرق گلاب ملا کر گاڑھا پیسٹ بنالیں اور سارا دن اسی سے منہ دھوئیں۔ ہر روز نیا پیسٹ استعمال کریں۔ ایک ہفتے بعد آپ کا چہرہ اتنا نکھر جائے گا کہ آپ خود حیران رہ جائیں گی۔